جدید ایڈیشن

تحقیق و تخریج اور علمی اضافوں سے مزین

بلوغ المرام

من أدلة الأحكام

تالیف

ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

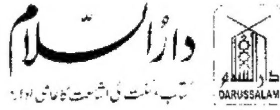
شرح

فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

جلد دوم




مترجم
بلوغ المرام
من ادلة الاحكام



سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

الریاض۔ العلیا۔ فون: 01 4614483 فیکس: 4644945 الملز فون: 01 4735220 فیکس: 4735221 سویلم فون: 01 2860422
مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 قسیم (بریدہ) فون/فیکس: 06 3696124 موبائل 0503417156
مکہ مکرمہ موبائل: 0502839948-0506640175 مدینہ منورہ فون: 04 8234446 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
جدہ فون: 02 6879254 فیکس: 6336270 الخبر فون: 03 8692900 فیکس: 8691551
ینبع البحر فون/فیکس: 04 3908027 موبائل: 0500887341 خمیس مشیط فون/فیکس: 07 2207055 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 00971 6 5632623 امریکہ ہیوسٹن فون: 001 713 7220419 نیویارک فون: 001 718 6255925
لندن فون: 0044 208 539 4885 آسٹریلیا فون: 0061 2 9758 4040

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور
فون: 0092 42 37240024-37232400-37111023-37110081 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150
مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن فون: 37846714 موبائل: 0321-4156390
Y-260 بالمقابل شیل پٹرول پمپ ڈیفنس III لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174
اسلام آباد F-8 مرکز فون/فیکس: 2281513 موبائل 0321-5370378
کراچی مین طارق روڈ (D.C.HS / 110.111-Z) نئی ماسٹ (بالمقابل ...) کراچی
فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843

جلد دوم

مترجم

بلوغ المرام

من أدلة الأحكام

تحقیق وتخریج اور علمی و تحقیقی اضافوں سے مزین جدید ایڈیشن

کتاب البیوع ❖ کتاب الجامع ❖ أحادیث: 648 ❖ 1358

تالیف

ابوالفضل شہاب الدین احمد ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

۷۷۳-۸۵۲ھ

شرح

فضیلۃ الشیخ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ

۱۳۶۱-۱۴۲۷ھ

ترجمہ

مولانا عبدالوکیل علوی حفظہ اللہ

تحقیق وتخریج

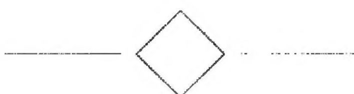
حافظ ابوطاہر زبیر علی زئی حفظہ اللہ

نظرثانی، تصحیح وتنقیح اور اضافات

حافظ آصف اقبال حفظہ اللہ ❖ قاری ذکاء اللہ سلیم حفظہ اللہ



فہرست مضامین (جلد دوم)



٧ - كِتَابُ الْبُيُوعِ

خرید وفروخت سے متعلق احکام ومسائل

١ - بَابُ شُرُوطِهِ وَمَا نُهِيَ عَنْهُ مِنْهُ

باب:1- بیع کی شرائط اور اس کی ممنوعہ اقسام کا بیان

(٦٤٨) عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ: أَيُّ الْكَسْبِ أَطْيَبُ؟ قَالَ: «عَمَلُ الرَّجُلِ بِيَدِهِ، وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ». رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[648] حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی کمائی زیادہ پاکیزہ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''آدمی کے اپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر قسم کی تجارت جو دھوکے اور فریب سے پاک ہو۔'' (اسے بزار نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح قرار دیا۔)

لغوی تشریح: [كِتَابُ الْبُيُوعِ] بُيُوع، بَيْع کی جمع ہے' لغت میں مال دے کر کوئی چیز خریدنے کا نام بیع ہے۔ شرعی اصطلاح میں بھی اس کے یہی معنی ہیں لیکن اس میں باہمی رضامندی کی قید کا اضافہ ہے۔ بُيُوع جمع اس لیے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی اقسام وانواع ہیں اور تمام بیوع کی چار بڑی قسمیں ہیں: ۱ بَيْعُ الْعُرُوضِ بِالْعُرُوضِ یعنی سامان کو سامان کے بدلے میں فروخت کرنا' اسے مقایضہ (بیع تبادلہ) بھی کہتے ہیں۔ ۲ بَيْعُ الْعُرُوضِ بِالنُّقُودِ یعنی نقدی کے ذریعے سے سامان کی خرید وفروخت کرنا اور اسی کو بیع کہا جاتا ہے' کیونکہ بیع کی ساری قسموں

٦٤٨ـ [ضعيف] أخرجه البزار، كشف الأستار: ٢/ ٨٣، والحاكم: ٢/ ١٠ وسنده ضعيف، المسعودي اختلط، وللحديث شواهد ضعيفة عند الحاكم وغيره.

میں یہ سب سے زیادہ مشہور ہے اور یہی زیادہ معمول بہ ہے۔ بَيْعُ النُّقُودِ بِالنُّقُودِ یعنی نقدی کے بدلے میں نقدی کی بیع (مروجہ سکے کی مروجہ سکے کے بدلے میں خرید وفروخت کرنا) اسے ''بیع صرف'' کہتے ہیں۔ بَيْعُ الْمَنْفَعَةِ بِالْمَالِ: منافع کو مال کے بدلے میں بیچنا' بصورت سامان ہو یا نقد۔ اسے إِجَارَہ کہتے ہیں۔ مصنف نے اس کتاب کے تحت بائیس باب قائم کیے ہیں جن میں سے کئی باب ایسے ہیں کہ ان کا بیع سے کوئی تعلق نہیں' اگر مصنف اس کا نام كِتَابُ الْبُيُوعِ وَالْأَمْوَالِ رکھتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔

[بَابُ شُرُوطِهِ] بیع کی شروط کا بیان۔ شرط اسے کہتے ہیں کہ اگر وہ نہ پائی جائے تو حکم وسبب بھی معدوم ہو جائے۔ [وَمَا نُهِيَ عَنْهُ] بصیغہ مجہول۔ بیع کی شروط حسب ذیل ہیں: بیع کرنے والا عاقل وممیز ہو۔ عقد کا لفظ ماضی کے ساتھ ہو۔ مال ایسا ہو جو قابل قیمت اور طے شدہ ہو۔ فریقین کی باہمی رضامندی کے ساتھ طے پائے۔ فروخت کی جانے والی چیز بیچنے والے کی ملکیت میں ہو یا اس کی ولایت (سرپرستی) میں ہو۔ [أَطْيَبُ] باعتبار عمل سب سے زیادہ فضیلت والا ہو' برکت بھی زیادہ ہو اور اس کا کھانا بھی حلال ہو۔ [وَكُلُّ بَيْعٍ مَبْرُورٍ] مَبْرُور' بِرٌّ سے ہے' یعنی نیکی۔ اور یہ إِثْم (گناہ) کی ضد ہے' لہٰذا بیع مبرور وہ بیع ہے جس میں دھوکا وفریب ہو نہ جھوٹی قسم۔ اور ہاتھ کے عمل کی بنیاد دو چیزوں پر ہے: ① زراعت ② صنعت۔ ہاتھ کے عمل کو ''بیع مبرور'' سے مقدم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ افضل ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں مساوی ہوں اور ''واؤ'' عاطفہ ترتیب کے لیے نہیں بلکہ مطلق جمع کے لیے ہو۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔ مسند احمد کے محققین نے اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے اور محقق عصر شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مذکورہ محققین کے تفصیلی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت دیگر شواہد اور متابعات کی وجہ سے قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٢٥/ ١٥٧- ١٥٩ والصحيحة للألباني' رقم:٦٠٧)

(٦٤٩) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا. أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ. وَهُوَ بِمَكَّةَ: «**إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ**». فَقِيلَ: يَارَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ؟ فَإِنَّهَا تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ، وَيُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ، وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ، فَقَالَ: «**لَا هُوَ حَرَامٌ**»،

[649] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں فتح مکہ کے سال یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی تجارت کو حرام قرار دیا ہے۔'' آپ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! مردار جانور کی چربی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیونکہ اس سے کشتیوں کو طلا کیا جاتا ہے اور چمڑوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اسے جلا

٦٤٩ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث:٢٢٣٦، ومسلم، المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة..... حديث:١٥٨١.

ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عِنْدَ ذٰلِكَ: «قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ، إِنَّ اللّٰهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا جَمَلُوهُ، ثُمَّ بَاعُوهُ، فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

کر روشنی حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں' وہ بھی حرام ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ ہی فرمایا: ''اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر چربیوں کو حرام کر دیا تو انھوں نے اسے پگھلا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [عَامَ الْفَتْحِ] اس سے مراد فتح مکہ کا سال ہے۔ اور غزوہ فتح مکہ رمضان ۸ ہجری میں ہوا۔ [إِنَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ] یہاں اللہ اور اس کے رسول دونوں کا ذکر ہے' مگر حَرَّمَ صیغہ مفرد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں حرام کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول تو حکم الٰہی کا اظہار کرنے والا ہے' آپ کا حکم درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے' اس لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ [أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ] مردار جانور کی چربی کے متعلق ارشاد فرمائیں کہ اس کی تجارت حلال ہے یا نہیں؟ [فَإِنَّهَا] کیونکہ اس کی صورت یہ ہے۔ [تُطْلٰى] اطلا سے ماخوذ ہے' اور باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے صیغۂ مجہول ہے۔ معنی یہ ہیں کہ چربی سے کشتیوں کی ملمع سازی کی جاتی ہے (جس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ① چربی سے دراڑیں بند ہو جاتی ہیں اور پانی اندر نہیں جاتا۔ ② چربی' تختوں کو پانی کی خرابی سے محفوظ کر دیتی ہے۔ مترجم) [اَلسُّفُنُ] ''سین'' اور ''فا'' دونوں پر ضمہ ہے۔ سفینہ کی جمع ہے' یعنی کشتیاں۔ [يُدْهَنُ] إِدِّهَانٌ یا تَدْهِينٌ سے ماخوذ صیغۂ مجہول ہے۔ [وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ] لوگ اس کے ذریعے سے چراغ جلاتے ہیں۔ پوچھنے والے کے پیش نظر یہ تھا کہ کیا یہ فوائد اور مصالح اس کی تجارت کے جائز ہونے کے مقتضی ہیں؟ [فَقَالَ لَا' هُوَ حَرَامٌ] هُوَ ضمیر کے متعلق ایک رائے اور قول یہ ہے کہ فَإِنَّهَا تُطْلٰى بِهَا السُّفُنُ میں جو انتفاع کا مفہوم پایا جاتا ہے' اس کی طرف لوٹتی ہے لیکن راجح بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ ضمیر (هُوَ) بیع کی جانب راجع ہے کیونکہ سائل نے صرف اس کی بیع کے بارے میں سوال کیا تھا اور گفتگو بھی اسی کے لیے کی تھی۔ اس کی تائید حدیث کے آخری حصے [ثُمَّ بَاعُوهُ] سے بھی ہوتی ہے۔ [جَمَلُوهُ] ''جیم'' اور ''میم'' دونوں پر فتحہ۔ انھوں نے اسے پگھلایا۔ اس میں مذکورہ تاویل کی بنا پر ضمیر منصوب' شُحُوم کی طرف راجع ہے' یا پھر چربیوں میں سے جس چربی کا تصور ذہن میں تھا' اس کی طرف راجع ہے۔

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس چیز کا ذکر ہوا اسے فروخت کرنا حرام ہے' بلکہ مردار کے تمام اجزاء کی فروخت حرام ہے' البتہ اس کا چمڑا جب رنگ دیا جائے تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ آغاز کتاب میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی گزر چکا ہے: [أَيُّمَا إِهَابٍ دُبِغَ فَقَدْ طَهُرَ] ''جو کچا چمڑا رنگ دیا جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔'' جمہور نے مردار کے بالوں اور اون کو بھی مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ ان پر مردار کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ان پر زندگی وارد ہوتی ہے۔ اور مردار کے بارے میں جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام نہیں کیں ان کا فائدہ حاصل کرنے اور نفع اٹھانے کے بارے میں اختلاف ہے' مثلاً: چراغ جلانا' شکرے اور باز کو کھلانا۔ ایک رائے یہ ہے کہ ان سے انتفاع مطلقاً حرام ہے۔ اور علامہ خطابی نے ان سے انتفاع کے جواز پر اہل علم کے اس اجماع سے استدلال کیا ہے کہ جب کسی کا جانور مر جائے تو اسے شکاری کتوں کے کھانے کے لیے پیش کرنا جائز ہے تو اسی طرح مردار کی چربی سے کشتیوں کو طلا کرنا

بھی جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں جیسا کہ عون المعبود (۳/ ۲۹۸) میں فتح الباری کے حوالے سے منقول ہے۔ اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۴/ ۲۴۲) میں کہا ہے کہ یہ بات معلوم رہنی چاہیے کہ انتفاع کا باب' بیع سے زیادہ وسیع و کشادہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر وہ چیز جسے فروخت کرنا حرام ہے' ضروری نہیں کہ اس سے انتفاع بھی حرام ہو۔ ان دونوں کے مابین تلازم نہیں ہے' لہٰذا جس چیز کا فروخت کرنا حرام ہے اس سے حرمت انتفاع اخذ نہیں کی جائے گی۔ اصنام (بتوں) کی خرید و فروخت تو صرف اس لیے حرام کی گئی ہے کہ یہ آلات شرک میں سے ایک آلہ ہیں اور اسی سے ہر آلہ شرک کی حرمت مستفید ہوتی ہے، نیز اسی پر باجے اور گانے بجانے کے آلات کو قیاس کیا گیا ہے۔ اور تجارت شراب کی حرمت میں ہر نشہ آور چیز کی تجارت کی حرمت شامل ہوگئی' خواہ وہ چیز مائع (بہنے والی) ہو یا منجمد اور جامد' کشید کی گئی ہو یا پکا کر تیار کی ہوئی۔ یہ حدیث تین قسم کی اجناس کی حرمت پر مشتمل ہے: مشروبات (پینے کی اشیاء) جو عقل کو فاسد کر دیتے ہیں' کھانے جو طبائع میں فساد پیدا کرتے اور خبیث غذا بنتے ہیں اور نقود (دولت) جو فساد ادیان کا باعث ہوتے اور فتنہ و شرک کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ (الهدی) اس حدیث میں شدید تنبیہ ہے کہ ہر وہ حیلہ جو حرام کو حلال بنانے کے راستے کی طرف لے جاتا ہو' باطل ہے۔

(٦٥٠) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ، فَالْقَوْلُ مَا يَقُولُ رَبُّ السِّلْعَةِ أَوْ يَتَتَارَكَانِ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[650] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرما رہے تھے: ''جب فروخت کرنے والے اور خریدنے والے میں اختلاف واقع ہو جائے اور ثبوت و شہادت کسی کے پاس نہ ہو تو صاحب مال کی بات معتبر ہوگی' یا وہ دونوں اس سودے کو چھوڑ دیں۔'' (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ] مُتَبَايِعَان سے مراد سودا فروخت کرنے والا اور خریدنے والا ہیں۔ اختلاف خواہ تعین قیمت میں ہو' یا فروخت شدہ چیز کے بارے میں' یا کسی شرط کے طے کرنے میں۔ [بَيِّنَةٌ] یعنی شہادت و گواہی اور دلیل۔ [رَبُّ السِّلْعَة] سے مراد فروخت شدہ چیز کا مالک ہے۔ اور السِّلْعَة کے ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''لام'' ساکن ہے' ساز و سامان۔ [يَتَتَارَكَان] دونوں فروخت شدہ چیز کو واپس کر دیں اور بیع کو فسخ کر دیں۔ صاحب مال کی بات کو تب تسلیم کیا جائے جب وہ قسم بھی ساتھ اٹھائے کیونکہ قواعد شرع میں یہ بات معروف ہے کہ جس کی بات کو تسلیم کیا جائے گا اس پر قسم لازم ہوگی۔

٦٥٠ـ [حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب إذا اختلف البيعان والمبيع قائم، حديث:٣٥١١، والترمذي، البيوع، حديث:١٢٧٠، والنسائي، البيوع، حديث:٤٦٥٢، وابن ماجه، التجارات، حديث:٢١٨٦، وأحمد:١/ ٤٦٦، والحاكم:٢/ ٤٥.

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب فروخت کنندہ اور خریدار کے مابین کسی چیز کے بارے میں اختلاف واقع ہو جائے تو فروخت کرنے والے کی بات کو ترجیح ہوگی۔ اگر وہ بات خریدار کو قابل قبول ہوئی تو ٹھیک ورنہ خریدار اپنی ادا شدہ رقم واپس لے لے اور فروخت کرنے والا اپنی فروخت شدہ چیز واپس لے اور سودا فسخ کر دیا جائے۔ یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب وہی چیز اپنی اصلی حالت میں موجود ہو۔

(٦٥١) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ، وَمَهْرِ الْبَغِيِّ، وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[651] حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتے کی قیمت' بدکار عورت کی (بدکاری کی) کمائی اور کاہن کی شیرینی سے منع فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [اَلْبَغِيّ] "با" پر فتحہ "غین" کے نیچے کسرہ اور "یا" پر تشدید ہے' یعنی زانیہ۔ یہاں فَعِيل 'فَاعِلَة' کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بَغِيّ' بِغَاء سے ماخوذ ہے۔ بِغَاء میں "با" کے نیچے کسرہ ہے۔ اس کے معنی زنا کے ہیں۔ اور [مَهْرُ الْبَغِيّ] سے مراد وہ اجرت ہے جو فاحشہ عورت زنا کاری کے عوض حاصل کرتی ہے' اسے مجازاً مہر کہا گیا ہے۔ [اَلْكَاهِن] کاہن اسے کہتے ہیں جو مخفی و پوشیدہ رازوں کو جاننے اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے متعلق پیشگی مطلع کرنے کا دعویدار ہو' مثلاً: نزول بارش کی اطلاع کا دعویٰ' وبا کے پھوٹ پڑنے اور واقع ہونے کے متعلق دعویٰ' قتل وقتال اور جنگ و جدال کے ظہور کا دعویٰ وغیرہ۔ ان چیزوں کی معرفت کا جو بھی دعویدار ہو وہ اس میں شامل ہے' جیسے عرّاف' نجومی' رمال' کنکریاں مار کر بتانے والا اور جفر کا عامل (اسرار حروف کے علم کا دعویدار) وغیرہ۔ اور [حُلْوَان الْكَاهِن] میں حُلْوَان کے "حا" پر ضمہ اور "لام" ساکن ہے۔ وہ معاوضہ و اجرت جو کاہن کو اس کی کہانت کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ یہ حلاوت کے لفظ سے ماخوذ ہے۔ شیریں چیز کے ساتھ اس کی مشابہت سے مراد یہ ہے کہ یہ بغیر کسی مشقت وکلفت کے آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے مذکورہ بالا چیزوں' یعنی کتے کی قیمت' بازاری عورت کے زنا اور کاہن کی کہانت کی اجرت کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ ② کتا بذات خود نجس ہونے کی بنا پر حرام ہے اور حرام چیز کی قیمت لینا بھی حرام ہے' تاہم بعض ائمہ نے شکاری کتے کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اسے گھر میں رکھنا جائز ہے۔ اور اس کی تائید میں وہ سنن نسائی کی روایت (٤٦٧٢) پیش کرتے ہیں۔ اس قول کے مطابق اس کتے کی خرید و فروخت منع ہوگی جسے رکھنا حرام ہے' لیکن سنن نسائی کی اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے' تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ہر قسم کے کتے کی خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے' نیز جمہور علماء نے بھی مطلقاً کتے کی قیمت کو حرام قرار دیا ہے۔ واللّٰہ أعلم. ③ زنا اسلام میں قطعی حرام ہے اور اس کی کمائی بھی حرام ہے۔ ④ پیشۂ کہانت حرام ہے تو اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

٦٥١ـ أخرجه البخاري، الإجارة، باب كسب البغي والإماء، حديث: ٢٢٨٢، ومسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب، حديث: ١٥٦٧.

(٦٥٢) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ كَانَ عَلَى جَمَلٍ لَهُ قَدْ أَعْيَا، فَأَرَادَ أَنْ يُسَيِّبَهُ، قَالَ: فَلَحِقَنِي النَّبِيُّ ﷺ، فَدَعَا لِي، وَضَرَبَهُ، فَسَارَ سَيْراً لَمْ يَسِرْ مِثْلَهُ، قَالَ: «بِعْنِيهِ بِأُوقِيَّةٍ»، قُلْتُ: لَا، ثُمَّ قَالَ: «بِعْنِيهِ» فَبِعْتُهُ بِأُوقِيَّةٍ، وَاشْتَرَطْتُ حُمْلَانَهُ إِلَى أَهْلِي، فَلَمَّا بَلَغْتُ أَتَيْتُهُ بِالْجَمَلِ، فَنَقَدَنِي ثَمَنَهُ، ثُمَّ رَجَعْتُ، فَأَرْسَلَ فِي أَثَرِي، فَقَالَ: «أَتُرَانِي مَا كِسْتُكَ لِآخُذَ جَمَلَكَ؟ خُذْ جَمَلَكَ وَدَرَاهِمَكَ، فَهُوَ لَكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَهَذَا السِّيَاقُ لِمُسْلِمٍ.

[652] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے ایک تھکے ماندے اونٹ پر سفر کر رہے تھے۔ انھوں نے اسے چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ حضرت جابر ؓ کا بیان ہے کہ اتنے میں پیچھے سے نبی ﷺ مجھے آ ملے۔ آپ نے میرے لیے دعا فرمائی اور اونٹ کو مارا تو وہ ایسی تیز روی سے چلنے لگا کہ اس سے پہلے ایسی تیز رفتاری سے نہیں چلا تھا۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے یہ اونٹ ایک اوقیہ چاندی کے عوض فروخت کر دو۔'' میں نے عرض کیا: نہیں! آپ نے پھر دوبارہ فرمایا: ''مجھے یہ اونٹ بیچ دو۔'' تو میں نے اسے ایک اوقیہ چاندی کے عوض آپ کو بیچ دیا اور شرط یہ طے کی کہ اپنے گھر والوں تک سوار ہو کر جاؤں گا۔ چنانچہ میں جونہی (مدینہ) پہنچا تو میں وہ اونٹ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ نے اس کی نقد قیمت مجھے ادا فرما دی، پھر میں (رقم وصول کر کے) واپس آ گیا تو آپ نے میرے پیچھے (اونٹ بھی) بھیج دیا اور فرمایا: ''کیا تم نے میرے بارے میں گمان کیا کہ میں نے اس لیے قیمت کم کرائی تا کہ تیرا اونٹ لے لوں؟ اپنا اونٹ لے لے اور رقم بھی اپنے پاس رکھ، پس وہ تیرے لیے ہے۔'' (بخاری و مسلم، یہ سیاق مسلم میں ہے۔)

لغوی تشریح: [أَعْيَا] تھک گیا اور چلنے سے رہ گیا۔ [يُسَيِّبَهُ] باب تفعیل سے ہے، معنی ہیں: اسے آزاد چھوڑ دے، جہاں چاہے چلے پھرے۔ [وُقِيَّةً] ''واؤ'' پر ضمہ، ''قاف'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' مشدد ہے۔ اسے اوقیہ بھی کہا جاتا ہے۔ أُوقِيَةِ کے ''ہمزہ'' پر ضمہ، ''واؤ'' ساکن اور ''یا'' پر تشدید بھی ہے اور تخفیف بھی۔ چاندی کے چالیس درہم۔ ان کا وزن ساڑھے دس تولے کے مساوی ہوتا ہے، جدید پیمانے کے مطابق تقریباً ۱۲۳ گرام بنتا ہے۔ [حُمْلَانَهُ] ''حا'' پر ضمہ، معنی ہیں: اس پر سوار ہونا، یعنی میں نے آپ سے یہ شرط طے کر لی کہ مدینہ تک سوار ہو کر جاؤں گا۔ [فَنَقَدَنِي] باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے۔ مجھے اس کی قیمت نقد ادا فرما دی۔ [أَثَرِي] ''ہمزہ'' اور ''ثا'' پر فتحہ، اور ''ہمزہ'' کے نیچے کسرہ اور ''ثا'' ساکن بھی منقول ہے۔ میرے پیچھے، میرے نقش قدم پر۔ [أَتُرَانِي] استفہام انکاری ہے۔ اور یہ فعل صیغۂ مجہول ہے جس کے

٦٥٢ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب من ضرب دابة غيره في الغزو، حديث: ٢٨٦١، ومسلم، المساقاة، باب بيع البعير واستثناء ركوبه، حديث: ٧١٥ بعد حديث: ١٥٩٩.

معنی ظن فعل معروف کے ہیں' یعنی کیا تو نے میرے بارے میں گمان کر لیا اور میرے بارے میں سمجھ لیا۔ [مَاكَسْتُكَ] صیغہ متکلم۔ مُمَاكَسَةٌ سے ماخوذ ہے' یعنی میں نے قیمت گھٹانے اور کم کرانے کی کوشش کی۔ آپ کا یہ اشارہ اس قیمت کی طرف تھا جو بیع کے وقت طے ہوئی تھی۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ چوپائے کو مشروط طور پر فروخت کرنا اور خریدنا جائز ہے اور جمہور کی رائے بھی یہی ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بھی یہ شرط جائز ہے بشرطیکہ سفر کی مسافت تین روز سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن امام شافعی' امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور بعض دوسرے علماء و فقہاء کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے۔ مگر یہ حدیث ان اقوال میں سے کسی قول کے ساتھ مکمل مطابقت نہیں رکھتی۔ حدیث کا سیاق بتاتا ہے کہ دونوں سفر سے گھر واپس آ رہے تھے اور دونوں کا راستہ بھی ایک ہی تھا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو سوار ہو کر گھر پہنچنے کی حاجت و ضرورت تھی اور نبی ﷺ کو بھی ایسے آدمی کی خدمت درکار تھی جو اسے ہانک کر مدینہ پہنچا دے۔ اس صورت میں جانبین و طرفین کے لیے اس شرط میں کوئی مضائقہ و حرج نہیں تھا' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دونوں کے لیے اس میں نرمی و آسانی تھی اور دونوں کی مصلحت کی رعایت بھی تھی' چنانچہ حدیث میں اس سے زائد کچھ دلیل نہیں کہ ایسی شرط جس میں فروخت کنندہ اور خریدار کی مصلحتوں کا لحاظ رکھا جائے' وہ جائز ہے۔ یوں نہیں کہ مطلقاً شرط جائز ہے' خواہ خریدار کا اس میں نقصان ہی ہو اور نہ ہی مطلقاً ممنوع ہے کیونکہ اس میں بغیر کسی مناسب وجہ کے حدیث کی تردید پائی جاتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی سے ازخود یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنی فلاں چیز اسے فروخت کر دے جائز ہے۔ ② قیمت طے کرنا اور قیمت میں کسی شرط کا مطالبہ کرنا بھی جائز ہے۔ ③ اگر سواری ہو تو یہ شرط لگانا کہ میں اپنے گھر تک اس پر سوار ہو کر جاؤں گا' جائز ہے' بشرطیکہ اس میں کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو' یا رہائشی جگہ ہو تو خریدار سے کچھ مدت تک کے لیے رہائش کی شرط طے کرنا جائز ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مکان فروخت کیا تو خریدار سے ایک ماہ تک رہائش کی شرط طے کی تھی۔ (سبل السلام) ④ اس حدیث سے یہ بھی مترشح ہو رہا ہے کہ کسی چیز کی قیمت کم کرانے میں اپنے اثر و رسوخ اور منصب کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ ⑤ اسوۂ رسول سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ ایثار سے کام لینا چاہیے اور اپنے بھائی کی حیثیت کا خیال رکھنا چاہیے۔ ⑥ اونٹ کی تیز رفتاری سے نبی ﷺ کا معجزہ بھی ثابت ہوا۔

(٦٥٣) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَعْتَقَ رَجُلٌ مِنَّا عَبْدًا لَّهُ عَنْ دُبُرٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَدَعَا بِهِ النَّبِيُّ ﷺ فَبَاعَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[653] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے ایک شخص نے اپنا غلام مدبر کر دیا۔ اس غلام کے سوا اس کے پاس اور کوئی مال نہیں تھا۔ نبی ﷺ نے اس غلام کو بلوایا اور اسے فروخت کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

٦٥٣ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع المزايدة، حديث: ٢١٤١، ومسلم، الأيمان، باب جواز بيع المدبر، حديث: ٩٩٧، بعد حديث: ١٦٦٨.

لغوی تشریح: [رَجُلٌ مِّنَّا] انصار میں سے کوئی آدمی۔ اس کا نام ''ابومذکور انصاری'' تھا اور اس کے غلام کا نام ''یعقوب'' تھا اور وہ قبطی تھا۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے دور امارت کے آغاز ہی میں فوت ہوگیا تھا۔ (صحيح مسلم' الأيمان' حديث:۹۹۷، بعد حديث:۱۲۲۸) [دُبُر] ''دال'' اور ''با'' دونوں پر ضمہ' معنی ہیں: پیچھے۔ کسی چیز کا آخری حصہ' یعنی اس نے غلام سے کہا کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ [فَبَاعَهُ] آپ نے اسے فروخت کر دیا۔

فوائد و مسائل: ① صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ آپ نے اسے آٹھ سو درہم میں فروخت کر دیا اور حضرت نُعیم بن عبداللہ بن نحام نے اسے خرید لیا۔ دیکھیے: (صحيح البخاري' كفارات الأيمان' حديث:۶۷۱۶) ② سنن نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ مقروض تھا' اس لیے آپ نے اسے فروخت کیا تاکہ اس کا قرض اتار دیا جائے۔ دیکھیے: (سنن النسائي' آداب القضاء' حديث:۵۴۲۰) ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدبر غلام کو ضرورت و حاجت کے وقت فروخت کرنا جائز ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ' اہل حدیث اور عام فقہاء اس کی مطلق فروخت کے قائل ہیں۔ ④ حدیث سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے موقع پر فروخت کرنا جائز ہے۔

(٦٥٤) وَعَنْ مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ فَأْرَةً وَقَعَتْ فِي سَمْنٍ، فَمَاتَتْ فِيهِ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهَا فَقَالَ: «أَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَزَادَ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ: «فِي سَمْنٍ جَامِدٍ».

[654] حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی زوجۂ محترمہ سے روایت ہے کہ ایک چوہیا گھی میں گر کر مرگئی۔ اس کے متعلق نبی ﷺ سے دریافت کیا گیا تو (جواب میں) آپ نے فرمایا: ''اسے نکال کر باہر پھینک دو اور اس کے اردگرد کا گھی بھی باہر ڈال دو اور (بقیہ گھی) استعمال کرلو۔'' (بخاری) نسائی اور احمد نے یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''منجمد گھی میں۔''

(٦٥٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا وَقَعَتِ الْفَأْرَةُ فِي السَّمْنِ، فَإِنْ كَانَ جَامِدًا فَأَلْقُوهَا وَمَا حَوْلَهَا، وَإِنْ كَانَ مَائِعًا فَلَاتَقْرَبُوهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَقَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ بِالْوَهْمِ.

[655] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب چوہیا گھی میں گر جائے تو اگر گھی منجمد ہو تو اس چوہیا کو اور اس کے اردگرد کے گھی کو باہر پھینک دو اور اگر گھی مائع (سیال) ہو تو اس کے قریب بھی نہ پھٹکو۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور ابوحاتم نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَا حَوْلَهَا] وہ حصہ جو اس چوہیا کے جسم سے لگ گیا ہو۔ [مَائِعًا] پگھلا ہوا' سیال۔

٦٥٤ـ أخرجه البخاري، الوضوء، باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء، حديث:٢٣٥، وأحمد:٦/ ٣٣٥، والنسائي، الفرع والعتيرة، حديث: ٤٢٦٣.

٦٥٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب في الفأرة تقع في السمن، حديث:٣٨٤٢، وأحمد:٢/ ٢٣٢، ٢٦٥، ٤٩٠. * الزهري مدلس وعنعن، ومعمر خالفه الثقات فيه.

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث میں متاثرہ گھی کو باہر پھینکنے اور اس کے قریب نہ پھٹکنے کا حکم اس بات کی دلیل ہے کہ نجس چکنائی (گھی، تیل) سے انتفاع مطلقاً جائز نہیں۔ لیکن پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ انتفاع کا باب، بیع کے باب سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ تمام دلائل میں تطبیق یوں ہے کہ یہ ممانعت صرف انسان کے کھانے اور بطور تیل استعمال کرنے پر محمول ہے۔ جب اس کا کھانا اور بطور تیل استعمال کرنا درست نہیں تو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا بالاولی حرام ہے۔ ② جامد اور مائع کا فرق اس لیے ہے کہ جامد میں تمیز ہو سکتی ہے کہ چوہا کتنے حصے کو لگا ہے۔ جبکہ مائع میں اس کا امکان نہیں کہ کس اور کتنے حصے سے چوہے کا بدن لگا ہے۔ ③ امام بخاری اور ابوحاتم رحمہ اللہ نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث میمونہ کی مسند ہے، مسند ابی ہریرہ نہیں ہے، لہٰذا اس پر وہم کا حکم سند کے اعتبار سے ہے متن کے اعتبار سے نہیں۔ ④ مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین اس کی بابت لکھتے ہیں [مَتْنُ الْحَدِيثِ صَحِيحٌ] ''مذکورہ حدیث کا متن صحیح ہے'' لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد وغیرہ کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ١٢/ ١٠١-١٠٣)

(٦٥٦) وَعَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: سَأَلْتُ جَابِرًا عَنْ ثَمَنِ السِّنَّوْرِ وَالْكَلْبِ. فَقَالَ: زَجَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ: «إِلَّا كَلْبَ صَيْدٍ».

[656] حضرت ابو زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بلّے اور کتے کی قیمت کے متعلق پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ نبی ﷺ نے اس بارے میں زجر و توبیخ فرمائی ہے۔ (مسلم و نسائی) اور نسائی میں یہ اضافہ ہے: ''شکاری کتے کے علاوہ۔''

لغوی تشریح: [اَلسِّنَّوْر] ''سین'' کے نیچے کسرہ' ''نون'' پر تشدید اور فتحہ اور ''واؤ'' ساکن ہے' معنی ہیں: بلا۔ [زَجَرَ] ڈانٹ ڈپٹ کر روک دیا' منع کر دیا۔ نہی دراصل تحریم کے لیے ہوتی ہے بالخصوص جبکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی ساتھ ہو۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ بلی کی خرید و فروخت حرام ہے جبکہ جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ اس کی خرید و فروخت جائز ہے اور ان کے نزدیک اس حدیث میں جو نہی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہے اور اس کی خرید و فروخت مکارم اخلاق اور مروت میں سے بھی نہیں۔ ② یہ بات بھی مخفی نہیں کہ یہاں نہی کو اس کے حقیقی معنی سے خارج کرنا بغیر کسی قرینہ صارفہ کے ہے (جو کہ درست نہیں) جیسا کہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ③ شکاری کتے کے استثنا کا جو اضافہ ہے تو اس کے متعلق امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ اور امام ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس لفظ سے باطل ہے' اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بات' صاحب سبل السلام کی ہے۔ ④ شکاری کتے کے استثنا کی بابت مزید دیکھیے: حدیث نمبر: ٦٥١ کے فوائد و مسائل۔

٦٥٦- أخرجه مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب، حديث: ١٥٦٩، وهو حديث صحيح، وحديث: "إلا كلب صيد" أخرجه النسائي، البيوع، حديث: ٤٦٧٢ وسنده ضعيف، أبوالزبير عنعن.

راویٔ حدیث: [ابوزبیر رحمہ اللہ [محمد بن مسلم بن تدرس الأسدي المكي رحمہ اللہ۔ یہ حکیم بن حزام کے غلام تھے اور تابعی تھے۔ ان کے ثقہ ہونے اور ان کی روایت کے حجت ہونے پر سبھی کا اتفاق ہے۔ ۱۲۸ ہجری میں فوت ہوئے۔

(٦٥٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِي بَرِيرَةُ، فَقَالَتْ: إِنِّي كَاتَبْتُ أَهْلِي عَلٰى تِسْعِ أَوَاقٍ، فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَّةٌ، فَأَعِينِينِي، قُلْتُ: إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَعُدَّهَا لَهُمْ، وَيَكُونُ وَلَاؤُكِ لِي فَعَلْتُ، فَذَهَبَتْ بَرِيرَةُ إِلٰى أَهْلِهَا، فَقَالَتْ لَهُمْ، فَأَبَوْا عَلَيْهَا، فَجَاءَتْ مِنْ عِنْدِهِمْ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ جَالِسٌ، فَقَالَتْ: إِنِّي قَدْ عَرَضْتُ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَأَبَوْا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْوَلَاءُ لَهُمْ، فَسَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ، فَأَخْبَرَتْ عَائِشَةُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «**خُذِيهَا وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ، فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ**»، فَفَعَلَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي النَّاسِ خَطِيبًا، فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «**أَمَّا بَعْدُ: فَمَا بَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ، وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ، وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَعِنْدَ مُسْلِمٍ قَالَ: «**اِشْتَرِيهَا، وَأَعْتِقِيهَا، وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ**».

[657] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا (لونڈی) میرے پاس آئی اور کہنے لگی: میں نے اپنے مالکوں سے نو (۹) اوقیہ چاندی پر مکاتبت کر لی ہے کہ ہر سال میں ایک اوقیہ ادا کرتی رہوں گی، لہٰذا (اس معاملے میں) میری مدد کریں۔ میں نے کہا: اگر تیرے مالکان کو یہ پسند ہو کہ میں تیری مجموعی رقم یک مشت ادا کر دوں اور تیری ولا میرے لیے ہو جائے تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا یہ تجویز لے کر اپنے مالکان کے پاس گئی اور ان سے یہ کہا تو انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس سے واپس آئی، اس وقت رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے اپنے مالکوں کے سامنے وہ تجویز پیش کی تھی مگر انھوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ولا ان ہی کے لیے ہو گی۔ یہ بات نبی ﷺ نے سنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس واقعے سے نبی ﷺ کو باخبر کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے لے لو اور ان سے ولا کی شرط کر لو کیونکہ ولا کا حق دار وہی ہے جو آزادی دے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں میں خطاب فرمانے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا: ''لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ (یاد رکھو کہ) ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے، خواہ سینکڑوں شرطیں ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ

٦٥٧ـ أخرجه البخاري، المكاتب، باب ما يجوز من شروط المكاتب، حديث: ٢٥٦١، ومسلم، العتق، باب إنما الولاء لمن أعتق، حديث: ١٥٠٤.

نہایت برحق ہے اور اللہ کی شرط نہایت ہی پختہ اور پکی ہے۔
اور ولا اسی کا حق ہے جو آزاد کرے۔'' (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ
بخاری کے ہیں۔) اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:
''اسے خرید لو اور آزاد کردو اور ان سے ولا کی شرط کرلو۔''

لغوی تشریح: [كَاتَبْتُ] مکاتبت سے ماخوذ ہے۔ مکاتبت وہ پیمان ہے جو مالک اور اس کے غلام کے مابین ایک متعین رقم کے بدلے میں طے ہوتا ہے کہ غلام جب وہ طے شدہ رقم ادا کر دے وہ آزاد ہے۔ [أَهْلِي] میرے مالک و آقا۔ اور وہ قبیلۂ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ [أَوَاقٍ] أُوقِيَة کی جمع ہے۔ ایک اوقیہ چالیس درہم (سکہ چاندی) کا ہوتا ہے۔ [فِي كُلِّ عَامٍ أُوقِيَةٌ] یعنی قسط وار' ہر سال ایک اوقیہ۔ خرید و فروخت میں اس طرح قسط طے کر لینا جائز ہے یہ شرط کے طور پر نہیں تھا۔ [فَأَعِينِينِي] أَعِينِينِي' إِعَانَةٌ سے ماخوذ ہے۔ امر سے مؤنث مخاطب کا صیغہ ہے۔ مطلب ہے کہ میری مدد و اعانت کرو۔ [اَلْوَلَاءُ] ولاء کی ''واؤ'' پر فتحہ ہے۔ مالک اور غلام کے درمیان آزادی سے حاصل ہونے والا ربط۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ مالک آزاد کردہ غلام کی میراث کا مستحق ہو جاتا ہے جبکہ اس کے نہ اصحاب فروض ہوں اور نہ نسبی عصبہ۔ [فَأَبَوْا] إِبَاء سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ [خُذِيهَا] أَخَذَ سے امر کا صیغہ ہے۔ اسے خرید کر لے لو۔ [وَاشْتَرِطِي لَهُمُ الْوَلَاءَ] اور تو ان سے ولا کی شرط کر لے۔ یہاں لام' علی کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے: ﴿وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا﴾ (بني إسرآئيل ١٧:٧) ''اور اگر برا کرو گے تو اپنے لیے برا کرو گے۔'' [فِي كِتَابِ اللّٰهِ] کتاب اللہ سے مراد اللہ کی مقرر کردہ وہ شریعت ہے جس پر عمل کرنا بندوں پر فرض ہے' خواہ وہ قرآن سے ثابت ہو یا سنت رسول (ﷺ) سے۔ [أَوْثَقُ] قوی ترین' استحکام کے اعتبار سے مضبوط و شدید۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب مکاتب غلام کے لیے طے شدہ رقم ادا کرنا دشوار اور مشکل ہو تو اسے فروخت کرنا جائز ہے۔ [خُذِيهَا] اور [اِشْتَرِيهَا] دونوں جملے اس پر دلالت کر رہے ہیں۔

فوائد و مسائل: اس حدیث سے کئی مسائل ثابت ہوتے ہیں: مثلاً: ① غلام اور اس کے مالک و آقا کے درمیان متعین رقم اور مقرر مدت کی صورت میں مکاتبت جائز ہے۔ ② اگر کوئی دوسرا شخص غلام کی طے شدہ رقم ادا کر دے اور اسے آزادی دے دے تو ایسا بھی جائز ہے۔ اس کے ترکہ و میراث کا حقدار یہ آزاد کرنے والا ہوگا۔ ③ اگر غلام اپنی مکاتبت کی رقم ادا کرنے کے لیے کسی صاحب حیثیت سے سوال کرے تو یہ جائز ہے۔ ④ مکاتبت کی رقم قسط وار ادا کی جا سکتی ہے۔ ⑤ اگر مستحق آدمی سوال کرے تو اس کی مدد کرنی چاہیے۔ ⑥ ناجائز شرط اگر عائد کرنے کی کوشش کی جائے تو اس شرط کی کوئی شرعی حیثیت نہیں' اعتبار صرف شرعی شرط کا ہوگا۔ ⑦ اس حدیث سے باہمی مشورہ کرنا بھی ثابت ہوتا ہے۔ بیوی شوہر سے مشورہ طلب کرے تو شوہر کو صحیح مشورہ دینا چاہیے۔ ⑧ جس مسئلے کا لوگوں کو علم نہ ہو وہ مسئلہ عوام کے سامنے بیان کرنا چاہیے۔ مسئلہ کسی کا نام لے کر نہیں بلکہ عمومی صورت میں بیان کرنا چاہیے۔ ⑨ عوام سے خطاب کرنے کے موقع پر سب سے پہلے خالق کائنات کی حمد و ثنا کرنی چاہیے' پھر اپنا مدعا و مقصد بیان کرنا چاہیے۔ ⑩ کسی سے درخواست و استدعا کرنے کا بھی یہی اسلوب و انداز ہونا چاہیے۔ ⑪ مکاتب لونڈی اور غلام کو فروخت کرنا جائز ہے۔ امام احمد و امام

مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔

وضاحت : [حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا] ''با'' پر فتحہ اور ''را'' کے نیچے کسرہ ہے' ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی اور مغیث' جو کہ آل ابواحمد بن جحش کے غلام تھے' کی بیوی تھی۔ جب یہ آزاد ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا تو اس نے اپنے خاوند مغیث (جو کہ ابھی غلام ہی تھا) کو چھوڑ دیا تھا۔

(٦٥٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى عُمَرُ عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ، فَقَالَ: لَا تُبَاعُ، وَلَا تُوهَبُ، وَلَا تُورَثُ، يَسْتَمْتِعُ بِهَا مَا بَدَا لَهُ، فَإِذَا مَاتَ فَهِيَ حُرَّةٌ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَمَالِكٌ، وَقَالَ: رَفَعَهُ بَعْضُ الرُّوَاةِ فَوَهِمَ.

[658] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام ولد کو فروخت کرنے سے منع کیا اور فرمایا: یہ فروخت ہو سکتی ہے نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ میراث میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ جب تک مالک چاہے اس سے فائدہ اٹھائے اور جب مالک فوت ہو جائے تو وہ آزاد ہے۔ (اسے بیہقی اور مالک نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض نے اسے مرفوع کہا ہے جو وہم ہے۔)

لغوی تشریح : [عَنْ بَيْعِ أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ] ان لونڈیوں کی بیع جن کی ان کے مالکوں سے اولاد پیدا ہو چکی ہو' ممنوع ہے۔ [يَسْتَمْتِعُ بِهَا] اس کا مالک اس سے فائدہ اٹھائے۔ [مَا بَدَا لَهُ] جب تک چاہے۔

فوائد و مسائل: ① امہات الاولاد کا واحد ام ولد ہے' اس لونڈی کو کہتے ہیں جو اپنے مالک کا بچہ جنم دے۔ جب تک مالک زندہ رہے اس وقت تک وہ اس کی لونڈی ہے' اس سے ہر قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور جب وہ فوت ہو جائے تو از خود آزاد ہو جاتی ہے۔ مالک کی اولاد کا اس پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں رہتا۔ ② لونڈی جب مالک سے بچہ جنم دے تو کیا اسے بیچا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کی آراء مختلف ہیں' تاہم اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ام ولد کی خرید و فروخت حرام ہے' خواہ بچہ زندہ ہو یا نہ ہو۔ مگر امام داود ظاہری کے نزدیک یہ جائز ہے۔ آگے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ممانعت کا فرمان' حرمت بیع کی تائید کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان اس وقت کا ہو جب بیع کی ممانعت کا فرمان جاری نہ ہوا ہو۔ واللّٰہ أعلم ③ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ محدثین کے طریق پر یہ حدیث اس حیثیت سے مرفوع ہو سکتی ہے کہ اس میں اجتہاد کو دخل نہ ہو۔ عموماً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو قبول کیا ہے اور جمہور کا بھی یہی موقف ہے۔

(٦٥٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[659] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے

٦٥٨ـ [إسناده صحيح] أخرجه مالك في الموطأ: ٢/ ٧٧٦، والبيهقي: ١٠/ ٣٤٢، ٣٤٣.

٦٥٩ـ [إسناده صحيح] أخرجه ابن ماجه، العتق، باب أمهات الأولاد، حديث: ٢٥١٧، والنسائي في الكبرى: ٣/ ١٩٩، حديث: ٥٠٣٩، والدارقطني: ٤/ ١٣٥، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ٢٦٥، حديث: ٤٣٠٨.

قَالَ: كُنَّا نَبِيعُ سَرَارِيَنَا أُمَّهَاتِ الْأَوْلَادِ، وَالنَّبِيُّ ﷺ حَيٌّ، لَا يَرٰى بِذٰلِكَ بَأْسًا. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ہیں کہ ہم ام ولد لونڈیوں کو نبی ﷺ کی موجودگی میں فروخت کر دیا کرتے تھے۔ آپ اس میں کوئی قباحت و مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ (اسے نسائی' ابن ماجہ اور دارقطنی تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [سَرَارِيَنَا] اس میں "یا" پر تشدید ہے' سُرِّيَّة کی جمع ہے' سُرِّيَّة کے "سین" پر ضمہ اور "را" اور "یا" پر تشدید ہے۔ اس سے مراد وہ لونڈی ہے جو کسی کی ملکیت میں ہو۔

فائدہ: یہ حدیث ام ولد کی بیع کے جواز کی مقتضی ہے لیکن اکثر علماء اس کی حرمت کے قائل ہیں' یہاں تک کہ متأخرین کی ایک جماعت نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسے فروخت کرنے سے منع کرنا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مخالفت نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ اس کی ممانعت پر متفق تھے اور ان کی تائید نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: [أَيُّمَا امْرَأَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ] "جو لونڈی اپنے مالک سے بچے کو جنم دے وہ اس کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔" (مسند أحمد: ١/٣٠٣، ٣١٧، ٣٢٠ وسنن ابن ماجه، العتق، باب أمهات الأولاد، حديث:٢٥١٥) اس حدیث کے اور بھی بہت سے طرق اور الفاظ ہیں۔ ملاحظہ ہو: (عون المعبود: ٤/ ٤٧) اس حدیث سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ یہ اصل عام اور ضابطۂ کلیہ پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ لونڈی جو ام ولد ہو' مالک کی موت کے بعد آزاد ہو جاتی ہے۔ اس اصل پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب ام ولد لونڈی کی بیع ممنوع ہو۔ اور رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت تو وہ بہت سے احتمالات رکھتی ہے۔ کسی وقت کسی فعل پر مجرد خاموشی ایسی تحدید کی معرفت فراہم نہیں کرتی جو اصل عام اور ضابطۂ کلیہ کا مقابلہ کر سکے۔

(٦٦٠) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَزَادَ فِي رِوَايَةٍ: وَعَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ.

[660] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے زائد از ضرورت پانی کے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم) اور ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: اور آپ نے اونٹ کی جفتی کا معاوضہ لینے سے بھی منع فرمایا ہے۔

لغوی تشریح: [عَنْ بَيْعِ فَضْلِ الْمَاءِ] زائد از ضرورت پانی سے مراد وہ پانی ہے جو ایسی مباح زمین میں ہو جو کسی اور کی ملکیت نہ ہو۔ اس پر جو سبقت کر کے پہلے پہنچ جائے اس کے لیے خود پانی پینا' اپنی زمین کو سیراب کرنا اور جانوروں کو پلانا درست ہے۔ اپنی ساری ضرورت پوری کرنے کے بعد جتنا کچھ پانی بچ جائے اسے فروخت کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔ رہا یہ معاملہ کہ ایک آدمی اپنی ملکیت والی زمین میں گڑھا کھودتا ہے اور اس میں باہر سے پانی ذخیرہ کر لیتا ہے یا اپنی زمین میں کنواں کھودتا ہے' یا اس میں چشمہ پھوٹ پڑتا ہے تو بلا ریب وہ دوسرے کی بہ نسبت زیادہ حقدار ہے۔ اب اس پر

٦٦٠ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب تحريم بيع فضل الماء الذي يكون بالفلاة، حديث: ١٥٦٥.

واجب و لازم نہیں کہ جو اس کی اپنی اور مویشیوں کی ضرورت کے بعد بقیہ پانی ہے' وہ اسے بطور عطیہ و بخشش کے دوسرے کو دے۔ عام فقہاء کی یہی رائے ہے مگر امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الاوطار میں بیان کیا ہے: ''بظاہر اپنی مملوکہ زمین میں جمع ہونے والے پانی اور مباح زمین میں پائے جانے والے پانی کا کوئی فرق نہیں' خواہ وہ اپنے پینے کے لیے ہو یا غیر کے لیے' خواہ جانوروں کی ضرورت کے لیے ہو یا زمین کو سیراب کرنے کے لیے' خواہ وہ کسی وسیع بیابان میں ہو یا اور کسی دوسری جگہ۔'' رہا اس آدمی کا معاملہ جس نے اپنے مشکیزے یا برتن میں پانی ذخیرہ کیا ہو تو وہ اس حدیث میں مذکور نہیں۔ وہ تو دوسرے مباحات کی طرح ہے کہ جب وہ اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے' مثلاً: لکڑیاں' گھاس اور نمک وغیرہ تو اس کا فروخت کرنا جائز ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے (الہدی: ۴/ ۲۵۹) میں وضاحت کی ہے۔ [وَعَنْ بَيْعِ ضِرَابِ الْجَمَلِ] اَلضِّرَاب میں ''ضاد'' کے نیچے کسرہ ہے۔ نر جانور کے مادہ سے جفتی کرنے کو کہتے ہیں' تاکہ وہ نر اس جفتی سے مادہ کو حاملہ کر دے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس جفتی کا کرایہ اور اس کے ڈالے ہوئے پانی کی اجرت و معاوضہ لینے سے منع فرمایا ہے۔ جمہور کے نزدیک نہی تحریم کے لیے ہے اور صحیح اور راجح بات بھی یہی ہے۔

(٦٦١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ عَسْبِ الْفَحْلِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[661] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نر کی جفتی کے معاوضے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: [عَسْبِ الْفَحْلِ] دونوں کلمے اپنے پہلے حرف کے فتحہ کے ساتھ ہیں اور دوسرے کے سکون کے ساتھ۔ فحل نر حیوان کو کہتے ہیں' گھوڑا ہو یا اونٹ' یا بکرا وغیرہ۔ اور عسب کہتے ہیں نر کی جفتی کو' یا اس سے خارج ہونے والے پانی کو' یا اس کی نسل اور اولاد کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور جفتی کے عوض کرایہ دینے کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ صاحب قاموس نے کہا ہے۔ اور اس حدیث میں نہی کا مورد دراصل وہ معاوضہ ہے جو نر کی جفتی کے عوض لیا جاتا ہے۔

(٦٦٢) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَةِ، وَكَانَ بَيْعًا يَتَبَايَعُهُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ، كَانَ الرَّجُلُ يَبْتَاعُ الْجَزُورَ إِلٰى أَنْ تُنْتَجَ النَّاقَةُ، ثُمَّ تُنْتَجَ الَّتِي فِي بَطْنِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[662] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حبل الحبلہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ بیع دور جاہلیت میں (اس طرح) تھی کہ آدمی اونٹنی اس شرط پر خریدتا کہ اس کی قیمت اس وقت دے گا جب اونٹنی بچہ جنے' پھر وہ بچہ جو اونٹنی کے پیٹ میں ہے وہ (آگے ایک بچہ) جنے۔ (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: [حَبَلِ الْحَبَلَةِ] حَبَل اور حَبَلَه دونوں کے ''حا'' اور ''با'' پر فتحہ ہے اور حَبَل مصدر ہے۔ مراد اس سے

٦٦١ـ أخرجه البخاري، الإجارة، باب عسب الفحل، حديث: ٢٢٨٤.

٦٦٢ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الغرر وحبل الحبلة، حديث: ٢١٤٣، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع حبل الحبلة، حديث: ١٥١٤.

حمل ہے یعنی پیٹ میں جنین۔ اور حَبَلَة، حَابِل کی جمع ہے جیسے ظَلَمَة اور كَتَبَة، ظَالِم اور كَاتِب کی جمع ہے۔ اور حابل وہ ہے جس کے پیٹ میں بچہ ہو۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جنین کی فروخت ممنوع ہے جبکہ وہ اپنی ماں کے شکم میں ہو۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ مادہ کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہے اس کا بچہ فروخت کرنا ممنوع ہے یعنی اونٹنی کے حمل کا حمل۔ اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع معدوم اور مجہول دونوں پہلو رکھتی ہے۔ اور اسے حاصل کرنے کی قدرت نہیں ہوتی کیونکہ ایک طرح یہ دھوکے کی بیع ہے۔ اور یہ قول بھی ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: کسی شے کی بیع اس وقت تک کرنا کہ اونٹنی بچہ جنم دے یا اس اونٹنی کا بچہ جوان ہو کر بچہ جنے۔ اس میں نہی کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیع ایسی ہے جس کی مدت نامعلوم ہے۔ ② حدیث میں مذکور ممنوع بیع کی جو تفسیر وَكَانَ بَيْعًا...... الخ کے الفاظ کے ساتھ منقول ہے وہ نافع یا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادائیگی قیمت کی میعاد مقرر کی جاتی تھی اس طرح کہ جو بچہ اس وقت اونٹنی کے پیٹ میں زیر پرورش ہے اس کے جوان ہونے پر اس سے جو بچہ پیدا ہوگا وہ اس اونٹ کی قیمت ہوگی۔ اس تفسیر کو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے۔ وہ اس صورت میں ممانعت کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ رقم کی ادائیگی کی میعاد غیر متعین ہے اس لیے ایسی بیع بھی ممنوع ہے۔

(٦٦٣) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْوَلَاءِ وَعَنْ هِبَتِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[663] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولا کے فروخت کرنے اور اس کے ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ولا کے فروخت کرنے اور اسے ہبہ کرنے کی ممانعت ہے۔ ② ولا وراثت کے حق کو کہتے ہیں جو آزاد کرنے والے کو آزاد کردہ غلام کی طرف سے ملتا ہے۔ ③ اہل عرب آزاد کرنے والے کی وفات سے پہلے ہی غلام کی ولا کو فروخت یا ہبہ کر دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ممنوع قرار دے دیا تاکہ ولا آزاد کرنے والے کے وارثوں کو ملے یا اگر خود زندہ ہے تو وہ خود حاصل کرلے لہٰذا ایسے غلام کی ولا فروخت کرنا یا اسے ہبہ کرنا جائز نہیں۔ جمہور علمائے سلف و خلف سب کا یہی موقف ہے۔

(٦٦٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ، وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[664] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری پھینک کر تجارت کرنے اور دھوکے کی تجارت سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

لغوی تشریح: [عَنْ بَيْعِ الْحَصَاةِ] یہ مصدر کی اضافت اپنی نوع کی طرف ہے۔ مصدر کی اضافت اس کے مفعول کی

٦٦٣ـ أخرجه البخاري، الفرائض، باب إثم من تبرأ من مواليه، حديث: ٦٧٥٦، ومسلم، العتق، باب النهي عن بيع الولاء وهبته، حديث: ١٥٠٦.

٦٦٤ـ أخرجه مسلم، البيوع، باب بطلان بيع الحصاة والبيع الذي فيه غرر، حديث: ١٥١٣.

طرف نہیں ہے۔اور کنکری پھینک کر بیع کرنے کی نوعیت یہ تھی کہ فروخت کرنے والا کہتا تھا کہ یہ کنکری پھینکو جس کپڑے پر جا لگی وہ اتنے درہم کے عوض تمھارا۔ اور اس کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جہاں تک پھینکی ہوئی کنکری پہنچے گی وہاں تک اپنی زمین وہ اسے فروخت کر دے گا۔ اور یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ وہ اپنی مٹھی میں کنکریاں بند کر کے کہتا: جتنی کنکریاں میری مٹھی سے نکلیں اتنی چیزیں اس مبیع سے میری ہوں گی' یا وہ کوئی سودا فروخت کرتا اور اپنی مٹھی میں کنکریاں بند کر لیتا اور کہتا کہ ہر کنکری کے بدلے میرا ایک درہم۔ اور یہ تفسیر بھی ہے کہ بائع (فروخت کرنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) دونوں میں سے کوئی ایک اپنے ہاتھ میں کنکریاں لیتا اور کہتا جونہی کنکریاں نیچے گریں بیع واجب ہو جائے گی۔ اور یہ تفسیر بھی ہے کہ دونوں سودا کرتے اور ایک دوسرے سے کہتا کہ جب میں تیری طرف کنکری پھینکوں تب بیع واجب ہو جائے گی۔ اور یہ تفسیر بھی ہے کہ بکریوں کا ریوڑ اس کے سامنے آتا اور وہ کنکریاں مٹھی میں پکڑ کر کہتا: جس بکری کو یہ کنکری جا لگے وہ اتنی قیمت کے بدلے میں تمھاری۔ یہ تمام صورتیں فاسد ہیں کیونکہ یہ مال کو ناحق و باطل طریقے سے' نیز ایسے دھوکے اور ایسی شرط لگا کر کھانے کو متضمن ہے جس میں قمار و جوئے کا اشتباہ ہے' جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زادالمعاد (٤/ ٢٦٦) میں بیان کیا ہے۔ ② [وَعَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ] اس میں مصدر کی اضافت اپنی نوع کی طرف ہے۔ اور غَرَر کے "غین" اور "را" دونوں پر فتحہ ہے۔ اس سے مراد وہ دھوکا اور فریب ہے جس کے ظاہر ہونے پر عدم رضامندی کا گمان اور احتمال ہو اور اس کا انجام بھی معلوم نہ ہو کہ اس میں کوئی خطرہ ہوگا یا نہیں۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ دھوکے کی خرید و فروخت سے ممانعت کتاب البیوع کے اصول میں سے ایک عظیم اصل ہے اور اس میں بے شمار اور ان گنت مسائل داخل ہیں' مثلاً: بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کرنا' معدوم و مجہول شے کی بیع' ایسی چیز کی بیع جسے آدمی کسی کے سپرد کرنے کی قدرت ہی نہ رکھتا ہو' وہ چیز جس پر بیچنے والے کی ملکیت مکمل نہ ہوئی ہو' کثیر پانی میں موجود مچھلی کی بیع' جانور کے تھنوں میں موجود دودھ کی بیع' پیٹ میں موجود جنین کی بیع اور مبہم (غیر واضح) غلے کے ڈھیر میں سے بعض حصے کی بیع' بہت سے کپڑوں میں سے کسی ایک کپڑے کی بیع اور بہت سی بکریوں میں سے کسی ایک بکری کی بیع وغیرہ' ایسی ہی دیگر مثالیں موجود ہیں۔ اس قسم کی ہر بیع باطل ہے کیونکہ اس میں بلاضرورت دھوکا پایا جاتا ہے۔ معلوم رہے کہ بَيْعِ مُلَامَسَه، بَيْعِ مُنَابَذَه، بَيْعِ حَبَلِ الْحَبَلَه، بَيْعِ الْحَصَاة اور بَيْعِ عَسْبِ الْفَحْلِ وغیرہ سے ملتی جلتی بیوع کی ایسی صورتیں جن کے بارے میں بالخصوص نصوص وارد ہیں' یہ سب دھوکے کی بیع کی ممانعت میں داخل ہیں۔ لیکن خاص طور پر بیع غرر کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ دور جاہلیت کی مشہور و معروف بیوع میں سے ہے۔ (شرح صحيح مسلم للنووي)

(٦٦٥) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ اشْتَرٰى طَعَامًا فَلَا يَبِعْهُ حَتّٰى يَكْتَالَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[665] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص کوئی غلہ خریدے تو وہ جب تک اسے ماپ تول نہ لے اسے (آگے) فروخت نہ کرے۔" (مسلم)

٦٦٥_ أخرجه مسلم، البيوع، باب بطلان بيع المبيع قبل القبض، حديث: ١٥٢٨.

لغوی تشریح: [حَتّٰی یَکْتَالَهُ] جب تک اسے اپنے قبضے میں نہ لے لے اور ماپ تول نہ لے یعنی جب ایک شخص کوئی چیز ماپ کر لیتا ہے اور اس پر اپنا قبضہ بھی کر لیتا ہے' اس کے بعد اسے فروخت کرتا ہے تو اسے پہلے ماپ تول پر آگے فروخت کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ از سر نو اسے ماپ یا تول نہ لے۔ جمہور کا یہی موقف ہے۔ دوسرے شخص کو فروخت کرتے وقت نئے سرے سے اسے ماپنے یا تولنے کے حکم کی وجہ اور علت عین ممکن ہے یہ ہو کہ دوبارہ وزن کرنے سے یہ متحقق ہو جائے کہ ماپ تول میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ (سبل السلام ملخصا)

(٦٦٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

[666] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیعوں سے منع فرمایا ہے۔ (اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے، نیز ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

وَلِأَبِي دَاوُدَ: «مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا».

اور ابوداود کی روایت میں ہے: (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''جس کسی نے ایک سودے میں دو سودے کیے' اسے یا تو کم ملے گا یا پھر وہ سود لے گا۔''

لغوی تشریح: [عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِي بَيْعَةٍ] اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں: پہلا یہ کہ ایک شخص دوسرے شخص سے یوں کہے کہ میں تجھے فلاں کپڑا نقد ادائیگی کی صورت میں دس اور ادھار کی صورت میں بیس روپے میں فروخت کرتا ہوں اور وہ اس سے دونوں میں سے کسی ایک صورت کو متعین نہیں کرتا' یعنی معاملہ مبہم رکھتا ہے' تو یہ صورت جائز نہیں۔ لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا تعین اور اس پر اتفاق ہونے کے بعد الگ ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ معاملہ طے ہو گیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں اپنا یہ مکان اتنی قیمت کے عوض تمھارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو اپنا غلام مجھے اتنی رقم کے بدلے میں بیچ دے۔ جب تیرا غلام میرے لیے واجب و ثابت ہو جائے گا تو میرا گھر تیرے لیے واجب و ثابت ہو جائے گا۔ یہ دونوں صورتیں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اہل علم سے نقل کی ہیں۔ دیکھیے: (جامع الترمذي' البیوع' باب ماجاء في النهي عن بيعتين في بيعة، حديث:١٢٣١) بعض علماء نے ایک تیسری تفسیر بھی ذکر کی ہے کہ کوئی شخص کسی کو ایک دینار دے کہ وہ ایک ماہ کی مدت میں اسے گندم کی ایک بوری دے گا۔ جب معیاد مقرر پوری ہو جائے تو وہ گندم کا مطالبہ کرے اور وہ شخص اسے جواب میں کہے کہ گندم کی یہ بوری جو میرے ذمے ہے' دو ماہ کی مدت تک مجھے دو بوریوں کے عوض فروخت کر دے۔ تو یہ دوسری بیع ہوئی جو پہلی بیع میں داخل ہوگئی' چنانچہ اس طرح یہ ایک ہی چیز کی دو بیعیں ہوئیں۔ دونوں نقصان کی طرف ہی پلٹیں گی۔ یہی اصل ہے۔ اگر دونوں پہلی بیع کو باہم نمٹانے سے قبل

٦٦٦ـ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، البيوع، باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة، حديث: ١٢٣١، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٦٣٦، وأحمد: ٢/ ٤٣٢، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٢٢٦، وحديث: "من باع بيعتين" أخرجه أبوداود، البيوع، حديث: ٣٤٦١ وسنده حسن.

ہی بیع ثانی پر خرید وفروخت کرتے ہیں تو اس صورت میں دونوں سودخور ہوتے ہیں۔ یہ امام خطابی کا قول ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (عون المعبود: ۳/ ۲۹۰) اس کے علاوہ اس کی اور بھی بہت سی شکلیں ہیں۔ [فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا...... الخ] اسے دونوں سودوں میں سے کم اور نقصان والا ملے گا۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ سنن ابی داود کی روایت کے اس اضافے کی بابت لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن زکریا' محمد بن عمرو بن علقمہ سے یہ حدیث ان الفاظ سے بیان کرنے میں متفرد ہے۔ اور اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے بیان کردہ الفاظ کی مخالفت کی ہے' لہٰذا یہ روایت شذوذ سے خالی نہیں۔ اور محمد بن عمرو ایسا راوی ہے جس کے بارے میں بہت سے محدثین نے کلام کیا ہے' لہٰذا یہ روایت ان الفاظ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ لیکن ان کی یہ بات درست نہیں کیونکہ محققین نے سنن ابی داود کی روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ بنابریں ابوداود کی روایت دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل: ۵/ ۱۴۹' ۱۵۰ و تحقيق و تخريج حديث هذا.)

(٦٦٧) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيْعٌ، وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ، وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يُضْمَنْ، وَلَا بَيْعُ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ**». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَالْحَاكِمُ.

[667] حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرض اور بیع (ایک ساتھ) حلال نہیں اور نہ ایک بیع میں دو شرطیں حلال ہیں۔ اور کسی چیز کا منافع حاصل کرنا اسے اپنے قبضے میں لینے سے پہلے جائز نہیں۔ اور جو چیز تیرے (اپنے) پاس موجود نہ ہو اس کا فروخت کرنا بھی جائز و حلال نہیں۔'' (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے' نیز امام ترمذی' امام ابن خزیمہ اور امام حاکم تینوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

وَأَخْرَجَهُ فِي عُلُومِ الْحَدِيثِ مِنْ رِوَايَةِ أَبِي حَنِيفَةَ، عَنْ عَمْرٍو الْمَذْكُورِ، بِلَفْظِ: نَهَى عَنْ بَيْعٍ وَشَرْطٍ. وَمِنْ هٰذَا الْوَجْهِ أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ، وَهُوَ غَرِيبٌ.

امام حاکم نے علوم الحدیث میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایت سے مذکورہ حضرت عمرو رحمہ اللہ کے واسطے سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: آپ نے بیع شرط کے ساتھ منع فرمائی ہے۔ (اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اسی طریق سے نقل کیا ہے اور وہ غریب ہے۔)

لغوی تشریح: [سَلَفٌ] ''سین'' اور ''لام'' دونوں پر فتحہ ہے اور معنی ہیں: قرض۔ [وَبَيْعٌ] قرض کے ساتھ بیع' یعنی ایسی

٦٦٧ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الرجل يبيع ما ليس عنده، حديث: ٣٥٠٤، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٣٤، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٦٣٥، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢١٨٨، وأحمد: ٢/ ١٧٤، ١٧٨، ٢٠٥، وابن خزيمة: لم أجده، والحاكم: ٢/ ١٧ . * رواية أبي حنيفة: أخرجها الحاكم في معرفة علوم الحديث، ص: ١٢٨، والطبراني في الأوسط: ٥/ ١٨٤، حديث: ٤٣٥٨ وسندها ضعيف جدًا، فيه عبدالله بن أيوب بن زاذان الضرير وهو متروك كما قال الدارقطني رحمه الله.

بیع حلال نہیں جس میں قرض کی شرط ہو۔ اس طرح کہ وہ کہے کہ میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ دس روپے میں فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے دس روپے قرض دے' یا یوں کہے کہ میں تمھیں دس روپے قرض دیتا ہوں' بشرطیکہ تم اپنا سامان مجھے فروخت کرو اور میرے سوا کسی اور کو نہ بیچو۔ [وَلَا شَرْطَانِ فِي بَيْعٍ] اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک بیع میں دو بیع ہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی شکل یہ ہے کہ کوئی آدمی کہے: میں یہ کپڑا تیرے ہاتھ اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ میں ہی اسے درزی سے سلواؤں گا اور میں ہی اس کی کٹائی کروں گا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول امام ترمذی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ [وَلَا رِبْحُ مَالَمْ يُضْمَنْ] رِبح کے معنی منافع کے ہیں۔ اور يُضْمَنْ فعل مجہول ہے' یعنی جب تک وہ اس کا مالک نہ ہو اور اسے اپنے قبضے میں نہ لے' یعنی کسی سامان کا منافع حاصل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اسے خرید کر اپنے قبضے میں نہ لے لے' چنانچہ جب اسے اپنے قبضے میں لے لے گا اور وہ چیز اس کی ضمانت میں داخل ہو جائے گی تو اس وقت اس کا فروخت کرنا اور اس پر منافع لینا جائز ہے۔ [مَا لَيْسَ عِنْدَكَ] ایسی چیز جو فروخت کے وقت آپ کی ملکیت میں نہ ہو۔ [نَهٰى عَنْ بَيْعٍ وَّ شَرْطٍ] حدیث کے ان الفاظ کی بابت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ مسلمانوں کی کتابوں میں اس کا کچھ بھی وجود نہیں' یہ تو بے بنیاد حکایات میں بیان کی گئی ہے' نیز ہمارے فاضل محقق نے بھی اسے سنداً ضعیف قرار دیا ہے۔

راویٔ حدیث: [امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ] ائمۂ اربعہ میں سے ایک مشہور و معروف امام ہیں اور ان کا نام نعمان بن ثابت کوفی ہے۔ اور بنوتیم اللہ بن ثعلبہ کے مولیٰ ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ابنائے فارس میں سے ہیں۔ ریشم فروش تھے۔ روایت حدیث میں ایک جماعت نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے اور دوسرے لوگوں نے ضعیف۔ امام ابن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ فقہ میں میں نے ان کا مثیل نہیں دیکھا۔ اپنی شہرت کی وجہ سے تعارف سے مستغنی ہیں۔ فقہ' ورع' زہد اور سخاوت میں مشہور ہیں۔ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی۔

(٦٦٨) وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْعُرْبَانِ. رَوَاهُ مَالِكٌ، قَالَ: بَلَغَنِي عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ بِهِ.

[668] حضرت عمرو بن شعیب ہی اپنے والد (شعیب) سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان سے منع فرمایا۔ (اسے امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا: مجھے عمرو بن شعیب سے یہ روایت پہنچی ہے۔)

لغوی تشریح: [عُرْبَان] ''عین'' پر ضمہ اور ''را'' ساکن ہے۔ عربان' بیعانہ کو کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی سے پلاٹ یا مکان کا سودا کیا۔ قیمت طے ہونے کے بعد خریدار نے فروخت کنندہ کو ہزار روپیہ بیعانہ کے طور پر ادا کر دیے اور مدت طے کر لی کہ اتنی مدت تک اگر میں نے باقی رقم ادا کر دی تو مکان میرا اور رقم کی ادائیگی کے موقع پر ہزار روپیہ بیعانہ والا وضع کر لوں گا' اگر میعاد مقررہ پر بقیہ رقم ادا نہ کر سکوں تو ہزار روپیہ بیعانہ تمھارا۔

٦٦٨ـ [حسن] أخرجه مالك في الموطأ: ٢/ ٦٠٩، وانظر سنن ابن ماجه، التجارات، حديث: ٢١٩٢ بتحقيقي، وللحديث شواهد.

فائدہ: امیر صنعانی رحمہ اللہ بیع عربان کی بابت بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں یوں لکھتے ہیں: ''اس بیع کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہ اللہ نے منع کی حدیث کی وجہ سے اسے باطل قرار دیا ہے اور اس وجہ سے بھی باطل قرار دیا ہے کہ اس میں ناجائز شرط اور دھوکا ہے اور یہ کسی کا مال ناجائز طریقے سے کھانے میں شامل ہے۔'' ہمیں یہی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بیع فسخ ہونے کی صورت میں بیچنے والا جو رقم وصول کرتا ہے' اس کے عوض وہ خریدار کو کوئی مال یا فائدہ مہیا نہیں کرتا' اور بغیر معاوضے کے کسی کا مال لے لینا جائز نہیں' نیز بیعانہ کی یہ شرط اس لیے لگائی جاتی ہے کہ خریدار خریدی ہوئی چیز واپس نہ کر دے' یہ نیکی سے پہلو تہی ہے جسے مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا' جبکہ احادیث میں خریدی ہوئی چیز کے واپس لینے کی فضیلت ثابت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مسلمان کی بیع واپس کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔'' (سنن أبي داود' البيوع' باب في فضل الإقالة، حديث:٣٤٦٠) اس روایت کو شیخ البانی رحمہ اللہ اور مسند احمد کے محققین نے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: (إرواء الغليل' رقم:١٣٣٤' والصحيحة' رقم:٢٦١٤' والموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:١٢/٤٠١'٤٠٢)

(٦٦٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: اِبْتَعْتُ زَيْتًا فِي السُّوقِ، فَلَمَّا اسْتَوْجَبْتُهُ لَقِيَنِي رَجُلٌ فَأَعْطَانِي بِهِ رِبْحًا حَسَنًا، فَأَرَدْتُ أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ، فَأَخَذَ رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِي بِذِرَاعِي فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، فَقَالَ: لَا تَبِعْهُ حَيْثُ ابْتَعْتَهُ، حَتّٰى تَحُوزَهُ إِلٰى رَحْلِكَ، فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى أَنْ تُبَاعَ السِّلَعُ حَيْثُ تُبْتَاعُ، حَتّٰى يَحُوزَهَا التُّجَّارُ إِلٰى رِحَالِهِمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[669] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بازار سے روغن (زیتون) خریدا۔ جب میرا سودا طے ہو گیا تو مجھے ایک آدمی ملا جس نے مجھے اچھا منافع دینے کی پیش کش کی۔ میں نے اس آدمی سے سودا طے کرنے کا ارادہ کر لیا' اتنے میں پیچھے سے کسی نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: جس جگہ سے تم نے اسے خریدا ہے' اسی جگہ پر اسے فروخت نہ کرو حتی کہ اسے اٹھا کر اپنے گھر لے جاؤ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں سے چیزیں خریدی جائیں وہیں پر فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے' جب تک کہ تاجر و سوداگر حضرات اس خریدے ہوئے مال و اسباب کو اپنے گھروں میں نہ لے جائیں۔ (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداود کے ہیں' نیز ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اِبْتَعْتُ] اِشْتَرَيْتُ کے معنی میں ہے' یعنی میں نے خریدا۔ [اِسْتَوْجَبْتُهُ] باہمی بیع کے عقد سے وہ

٦٦٩ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في بيع الطعام قبل أن يستوفي، حديث: ٣٤٩٩، وابن حبان (موارد)، حديث: ١١٢٠، والحاكم: ٢/ ٤٠.

میری ملکیت میں آ گیا۔ [أَنْ أَضْرِبَ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ] میں اس سے سودا پختہ کرلوں کیونکہ سودا طے کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارنا اس زمانے میں سودا کرنے والوں کی عادت تھی۔ [فَالْتَفَتُّ] میں نے توجہ کی۔ [حَتّٰى تَحُوزَهُ إِلٰى رَحْلِكَ] یعنی اسے سمیٹ لے اور اکٹھا کر کے اپنے مکان کی طرف منتقل کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے اپنے قبضے میں کر لے۔ خریدار کے قبضے کی غالب صورت یہی ہے کہ وہ خریدے ہوئے مال و متاع کو اس کے محفوظ کیے جانے کی جگہ پر لے آئے۔ [السِّلَع] ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''لام'' پر فتحہ ہے۔ سِلْعَةٌ کی جمع ہے۔ سامان، مال و متاع، خریدی ہوئی چیز۔

(٦٧٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ، وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ، وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هٰذَا مِنْ هٰذِهِ، وَأُعْطِي هٰذِهِ مِنْ هٰذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: **«لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَالَمْ تَتَفَرَّقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ»**. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[670] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بقیع میں اونٹوں کی تجارت کرتا ہوں۔ دینار میں فروخت کر کے درہم وصول کرتا ہوں اور (کبھی) میں فروخت تو درہم میں کرتا ہوں اور وصول دینار کرتا ہوں (یعنی) درہم کے بدلے میں دینار لیتا ہوں اور دینار کے بدلے میں درہم دیتا ہوں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی حرج نہیں، اگر تم اسی روز کے بھاؤ سے ان کا تبادلہ کرلو اور تم دونوں کے ایک دوسرے سے جدا ہونے سے پہلے رقم کا کوئی حصہ کسی کے ذمے باقی نہ رہے۔'' (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [بِالْبَقِيعِ] بقیع الغرقد۔ مدینے کا قبرستان مراد ہے۔ اسے قبرستان بنائے جانے سے پہلے یہاں تجارتی منڈی لگتی تھی۔ اور ایک نسخے میں بقیع کی بجائے نَقِيع ہے، یعنی ''با'' کی جگہ ''نون''۔ جو مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ [فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ] دینار، سونے کا مروّج سکہ۔ [وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ] درہم، چاندی کا سکہ۔ سونے کے سکے کے بدلے میں چاندی کا سکہ لے لیتا ہوں۔ [بِسِعْرِ يَوْمِهَا] سعر کے ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے۔ منڈی کا مروج روزمرہ کا بھاؤ۔ فارسی میں اسے نرخ کہتے ہیں، یعنی دینار کے بدلے میں دراہم لینے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ان کا تبادلہ منڈی کے روزمرہ کے نرخ کے مطابق ہو۔ [مَالَمْ تَتَفَرَّقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ] یعنی اس وقت تک ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہ ہونا جب تک تمھارے درمیان کسی واجب الادا چیز کی ادائیگی باقی رہے، یعنی جدائی اور علیحدگی سے پہلے پہلے باہمی ادائیگی کر لینا۔

٦٧٠ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في اقتضاء الذهب من الورق، حديث: ٣٣٥٤، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٤٢، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٥٨٦، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٦٢، وأحمد: ٢/ ١٣٩، والحاكم: ٢/ ٤٤.

فائدہ: یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ سونے چاندی کا تبادلہ اس صورت میں جائز ہے جبکہ دست بدست ہو اور پوری ادائیگی موقع پر ہو اُدھار نہ ہو۔

(٦٧١) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ النَّجْشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[671] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [اَلنَّجْش] ''نون'' پر فتحہ اور ''جیم'' ساکن ہے۔ نجش کی شکل یہ ہے کہ ایک آدمی بیع کے لیے پڑا ہوا سامان دیکھتا ہے، لوگ اس کی قیمت لگا رہے ہیں، سامان کے مالک سے خریدنے کی بات کر رہے ہیں اور یہ شخص وہاں حاضر ہو کر اس سامان کی تعریف و توصیف کر کے اس کی قیمت میں اضافہ کرتا ہے، یعنی محض اس چیز کی قیمت بڑھانے کی خاطر زیادہ بولی دینا شروع کر دیتا ہے جبکہ وہ اس چیز کا خریدار نہیں ہوتا، جس سے لوگوں کو دھوکا دینا اور فریب میں مبتلا کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ چیز کی قیمت زیادہ لگے۔ اور عموماً ایسا شخص، فروخت کنندہ سے پہلے ہی طے کر لیتا ہے اور طے شدہ بات کے مطابق اس سے کچھ وصول کر لیتا ہے۔ چونکہ یہ شخص حقیقت میں خریدار نہیں بلکہ خریدار کے روپ میں دھوکے باز ہے اور اس میں دھوکا پایا جاتا ہے، اس لیے شریعت نے اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ اس کی بابت فرماتے ہیں کہ یہ عمل بالاجماع حرام ہے۔

(٦٧٢) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ، وَالْمُخَابَرَةِ، وَعَنِ الثُّنْيَا، إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[672] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے بیع محاقلہ، مزابنہ، مخابرہ اور ثنیا سے منع فرمایا ہے مگر اس صورت میں (بیع ثنیا) جائز ہے کہ اس کی تعیین کر لی جائے۔ (اسے ابن ماجہ کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُحَاقَلَة] بالیوں میں کھڑی کھیتی کو اسی جنس کے غلے کے عوض فروخت کرنا، جیسے گندم کے کھیت کے بدلے میں گندم فروخت کرنا۔ [اَلْمُزَابَنَة] درختوں پر لگے ہوئے پھل کو اسی جنس کے اتارے ہوئے خشک پھل کے عوض فروخت کرنا، مثلاً: خشک کھجوروں کے بدلے درخت پر تازہ کھجوروں کی بیع۔ اور خشک انگور (کشمش) کے بدلے بیلوں پر لگے ہوئے انگور کی بیع۔ ان دونوں میں وجہ تحریم یہ ہے کہ دونوں کی صحیح مقدار کا علم نہیں ہو سکتا کہ تر میوہ خشک ہو کر کتنا رہ جائے گا، زیادہ کا بھی امکان ہے اور کم کا بھی۔ دونوں صورتوں میں فریقین میں سے کسی کو نقصان ہو سکتا ہے۔ جب جنس ایک ہو تو پھر برابری ضروری ہے۔ اس صورت میں بڑھوتری اور زیادتی سود ہو گا۔ اور سود کسی بھی صورت میں حلال نہیں۔

٦٧١ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب النجش، حديث: ٢١٤٢، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه، حديث: ١٥١٦.

٦٧٢ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في المخابرة، حديث: ٣٤٠٥، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٩٠، والنسائي، المزارعة، حديث: ٣٩١١، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٦٦، وأحمد: ٣/ ٣٩٢.

[اَلْمُخَابَرَۃ] مُخَابَرَہ' مزارعت کا دوسرا نام ہے' وہ یہ کہ مزارع اور مالک زمین کے درمیان پیداوار کے نصف' ثلث یا ربع پر معاملہ طے ہو جائے' یعنی مزارع اپنی خدمت کے بدلے میں کل پیداوار کا $\frac{1}{2}$ یا $\frac{1}{3}$ یا $\frac{1}{4}$ وصول کرے گا اور باقی' مالک زمین کا ہوگا۔ یہ بیع مطلقاً ممنوع نہیں' بلکہ لوگ زمین کے کسی حصے کی پیداوار مزارع کے لیے اور کسی حصے کی پیداوار کو مالک زمین کے لیے مخصوص کر لیتے تھے' بسا اوقات مزارع والا حصہ صحیح سلامت رہ جاتا اور مالک والا تباہ ہو جاتا اور کبھی اس کے برعکس ہو جاتا' اس طرح معاملہ باہمی نزاع اور جھگڑے تک پہنچ جاتا' اس لیے نبی ﷺ نے اس طرح کی بیع سے منع فرما دیا۔ اور اگر اس طرح طے ہو کہ زمین سے جو پیداوار حاصل ہوا سے طے شدہ حصے یا مقدار میں مالک زمین اور مزارع تقسیم کریں گے' مثلاً: چوتھا یا تیسرا حصہ پیداوار' مزارع (کاشتکار) کا اور بقیہ سارا مالک زمین کا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ نبی ﷺ نے بذات خود اہل خیبر سے اسی اصول پر معاملہ طے فرمایا تھا۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس بیع کو مخابرہ کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ اور سبب یہی ہے۔ [اَلثُّنْيَا] ''ثا'' پر ضمہ اور ''نون'' ساکن ہے۔ بروزن دُنْيَا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''ثا'' پر ضمہ' ''نون'' پر فتحہ اور ''یا'' پر تشدید ہے۔ بروزن ثُرَيَّا۔ استثنا سے اسم ہے اور اس سے مراد' بیع میں نامعلوم چیز کا استثنا کرنا ہے' مثلاً: کوئی کہتا ہے کہ میں غلے کا یہ ڈھیر فروخت کرتا ہوں' مگر اس کا بعض حصہ فروخت نہیں کروں گا' اس بعض کا تعین نامعلوم ہے' یا مثلاً: یہ درخت ہیں' بکریاں اور کپڑے ہیں' میں انھیں فروخت کرتا ہوں مگر بعض کو فروخت نہیں کرتا۔ ان صورتوں میں بھی بعض کا تعین نہیں۔ [إِلَّا أَنْ تُعْلَمَ] اس کا تعلق آخری جز (ثُنْيَا) سے ہے۔ اس صورت میں بیع جائز ہوگی جب مستثنیٰ چیز کا علم ہو کہ کتنی ہے اور کون سی ہے؟ مثلاً: فروخت کرنے والا یوں کہتا ہے کہ میں نے یہ درخت' بکریاں یا کپڑے سوائے اس درخت' اس بکری یا اس کپڑے کے تمھیں فروخت کیے تو اس صورت میں یہ بیع صحیح ہوگی۔

(٦٧٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُحَاقَلَةِ، وَالْمُخَاضَرَةِ، وَالْمُلَامَسَةِ، وَالْمُنَابَذَةِ، وَالْمُزَابَنَةِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[673] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع محاقلہ' مخاضرہ' ملامسہ' منابذہ اور مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

لغوی تشریح: [اَلْمُخَاضَرَۃ] بیع مخاضرہ یہ ہے کہ پھلوں اور غلہ جات کی فروخت' ان کے پکنے سے پہلے کر دینا۔ [اَلْمُلَامَسَۃ وَالْمُنَابَذَۃ] صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان دونوں کی تفسیر یوں ہے کہ مُلَامَسَۃ وہ بیع ہے کہ (خریدنے والا اور بیچنے والا) دونوں ایک دوسرے کے کپڑے کو بغیر کسی تأمل کے چھوئیں اور اسی چھونے کو بیع قرار دیں۔ اور مُنَابَذَۃ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی جانب کپڑا پھینکیں اور دونوں اسے دیکھے بغیر بیع قرار دیں۔ (صحیح مسلم' البیوع' باب إبطال بیع الملامسة والمنابذة' حدیث:١٥١١) اور صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ان دونوں بیعوں کی تفسیر اس طرح وارد ہے کہ مُلَامَسَہ سے مراد یہ ہے کہ خریدار' دن ہو یا رات' دوسرے

٦٧٣ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع المخاضرة، حديث: ٢٢٠٧، ٢٢٠٨.

کے کپڑے کو دیکھے اور الٹ پلٹ کیے بغیر بس ہاتھ لگا دے اور اسی پر سودا طے کر لے۔ اور مُنَابَذَة یہ ہے کہ دونوں (خریدار وفروخت کنندہ) ایک دوسرے کی جانب اپنا اپنا کپڑا پھینکیں اور یہ پھینکنا ہی بغیر دیکھے اور بغیر باہمی رضامندی کے دونوں کے درمیان بیع قرار پائے۔ (صحیح البخاري' البیوع' حدیث:۲۱۴۴' وصحیح مسلم' البیوع' حدیث:۱۵۱۲) اور محض ہاتھ لگانا اور کپڑا پھینکنا ہی دیکھنے اور ملاحظہ کرنے کے قائم مقام ہو' اس کے بعد پھر کسی کو دیکھنے کا اختیار باقی نہ رہے یا اسے ایجاب وقبول کے قائم مقام ہی سمجھا جائے یا یہ خیارِ مجلس ختم کرنے کے لیے ہو۔ ③ بیع محاقلہ' بیع مخاضرہ اور بیع مزابنہ کی تفصیل گزشتہ حدیث کے فوائد ومسائل میں گزر چکی ہے۔

(٦٧٤) وَعَنْ طَاوُسٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ، وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ»، قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا: مَا قَوْلُهُ ﷺ لَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ؟ قَالَ: لَا يَكُونُ لَهُ سِمْسَارًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[674] حضرت طاوس حضرت ابن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تجارتی قافلوں کو آگے جا کر نہ ملو اور کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان نہ بیچے۔'' میں نے ابن عباس ؓ سے سوال کیا کہ ''شہری دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے'' کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے فرمایا: شہری دیہاتی کا دلال نہ بنے۔ (بخاری ومسلم۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں)

لغوی تشریح: [لَا تَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ] شہر کی منڈی میں پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں ان سے نہ ملو۔ رُكْبَان' سواروں کے قافلے۔ رَكْبٌ اونٹوں پر سفر کرنے والے قافلے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غلہ' خورونوش کی اشیاء اور دیگر استعمال کا سامان منڈیوں میں لاتے ہیں' خواہ وہ سوار ہو کر آئیں یا پیدل' گروہوں کی صورت میں آئیں یا اکیلے اکیلے۔ انھیں رکبان ان کے غالب احوال کی بنا پر کہہ دیا ہے۔ راستے میں ملنے کی صورت جسے مجمع البحار میں نقل کیا گیا ہے' وہ یہ ہے: ''شہری آدمی بدوی سے شہر کی مارکیٹ میں پہنچنے سے پہلے پہلے راستے ہی میں جا ملے تاکہ بھاؤ کے متعلق غلط بیانی کر کے اس سے سامان سستے داموں خرید لے اور اس کی اصل قیمت سے کم قیمت پر اس سے حاصل کرے۔'' منع کرنے سے مقصود یہ ہے کہ فروخت کرنے والے کو نفع حاصل ہو اور وہ نقصان اور دھوکے سے محفوظ ہو جائے۔ اسی طرح جو لوگ منڈی میں سامان خریدنے کے لیے آتے ہیں انھیں بھی فائدہ حاصل ہو کیونکہ یہ عمومی رواج ہے کہ قافلے اپنا ساز وسامان منڈی کے عام بھاؤ سے قدرے سستا فروخت کرتے ہیں' نیز یہ بھی معمول ہے کہ جب مارکیٹ اور منڈی میں سامان زیادہ مقدار میں آ جاتا ہے تو اس کا نرخ اور بھاؤ گر جاتا ہے اور عام لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ [وَلَا يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ] حاضر سے مراد شہری باشندہ ہے۔ اس میں شہروں' بڑے بڑے قصبوں اور سرسبز وشاداب علاقوں کے رہنے والے سبھی داخل ہیں۔ اور البادي سے مراد بادیہ نشین' خانہ بدوش ہے۔ بادیہ اور بدو دیہاتی کے معنی میں ہے' جو شہری کے مقابلے میں ہوتے ہیں۔ علامہ نووی ؒ نے کہا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایک اجنبی آدمی دیہات

٦٧٤ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب هل يبيع حاضر لباد، حديث:٢١٥٨، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع الحاضر للبادي، حديث:١٥٢١.

سے یا دوسرے شہر سے ایسا ساز و سامان جس کی سبھی کو ضرورت ہے' اس روز کے نرخ کے مطابق فروخت کرنے کے لیے لے کر آتا ہے مگر شہری اسے کہتا ہے کہ اس سامان کو میرے پاس چھوڑ دے تاکہ میں اسے بتدریج' اعلیٰ نرخ پر بیچ دوں۔ [مَاقَوْلُهُ ﷺ لَا يَبِيعُ...... الخ] اس قول کا کیا مطلب ہے کہ شہری' دیہاتی کا سامان فروخت نہ کرے؟ [سِمْسَارًا] ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''میم'' ساکن ہے۔ ایسا دلال جو بڑھ کر بولی دینے والا ہو۔ سبل السلام میں ہے کہ اس کے اصل معنی تو ناظم و منتظم کے ہیں جو معاملے کا نگران و نگہبان ہو اور حفاظت کرنے والا ہو لیکن پھر معاوضہ لے کر دوسرے کے مال کی خرید و فروخت کی ذمہ داری نبھانے والے کے لیے یہ لفظ مشہور ہو گیا۔

راوئ حدیث: [حضرت طاؤس رحمہ اللہ] ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے اور نسب یوں ہے: طاؤس بن کیسان حمیری۔ حمیر قبیلہ والوں کے مولا ہیں۔ فارسی النسل ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ذکوان ہے اور طاؤس ان کا لقب ہے۔ ثقہ ہیں۔ نہایت فاضل فقیہ ہیں اور تیسرے طبقے سے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پچاس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ''میرا گمان ہے کہ طاؤس جنتی ہے۔'' عمرو بن دینار کا قول ہے: ''میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔'' ۱۰۶ ہجری میں فوت ہوئے۔

(٦٧٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ، فَمَنْ تُلُقِّيَ فَاشْتُرِيَ مِنْهُ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ فَهُوَ بِالْخِيَارِ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[675] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''باہر سے شہر میں غلہ لانے والوں کو آگے جا کر نہ ملو۔ جس (تاجر) سے راستے ہی میں ملاقات کر کے اس کا سامان خرید لیا گیا تو منڈی میں پہنچنے کے بعد مال کے مالک (تاجر) کو اختیار ہے (چاہے سودا باقی رکھے یا منسوخ کر دے۔'') (مسلم)

لغوی تشریح: [اَلْجَلَبَ] ''جیم'' اور ''لام'' دونوں پر فتحہ ہے' مصدر ہے۔ مجلوب کے معنی میں ہے۔ کہتے ہیں: جَلَبَ الشَّيْئَ' یعنی تجارت کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر میں سامان لایا۔ مراد یہاں قابل فروخت اشیاء اور ان اشیاء کے مالک ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بھی بے خبر لوگوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کی ممانعت ہے۔ ② مسلمان کو مسلمان کا خیر خواہ اور ہمدرد و غمگسار ہونا چاہیے۔ اس طرح تو خود غرضی اور مفاد پرستی کو تقویت ملتی ہے کہ اپنا مفاد سامنے رکھا جائے اور بے خبر لوگوں کی بے خبری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے۔

(٦٧٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ:

[676] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' وہ

٦٧٥۔ أخرجه مسلم، البيوع، باب تحريم تلقي الجلب، حديث: ١٥١٩.

٦٧٦۔ أخرجه البخاري، البيوع، باب لا يبيع على بيع أخيه، حديث: ٢١٤٠، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه، حديث: ١٥١٥.

نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ «أَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ، وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ، وَلَا تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلَاقَ أُخْتِهَا، لِتَكْفَأَ مَا فِي إِنَائِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: «لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلٰى سَوْمِ الْمُسْلِمِ».

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا سامان بیچے۔ اور (فرمایا): ''اگر سودا خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو بھاؤ مت بڑھاؤ۔ اور کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح ہی دے۔ اور کوئی عورت اپنی (مسلمان) بہن کی طلاق کا تقاضا نہ کرے کہ جو اس کا حصہ ہے وہ خود حاصل کر لے۔'' (بخاری ومسلم) اور صحیح مسلم میں ہے: ''کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے سودے پر سودا نہ کرے۔''

لغوی تشریح: [لَا يَبِيعُ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ] يَبِيعُ مضارع مرفوع اور لَا اس پر نافیہ ہے۔ اس صورت میں معنی ہوں گے کہ اپنے بھائی کی بیع پر کسی کی بیع نہیں۔ اور اگر مجزوم ہو تو اس صورت میں لَا نہی کا ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ بیع خیار واقع ہوئی ہو۔ جتنی مدت اختیار کے لیے دی گئی اسی دوران میں ایک آدمی آ جاتا ہے اور خریدار سے کہتا ہے کہ تو اس سے سودے کو فسخ کر دے اور میں تجھے اس سے کم قیمت پر اسی جیسی چیز یا اسی قیمت پر اس سے عمدہ چیز فروخت کرتا ہوں۔ تو جس طرح بیع پر بیع جائز نہیں' اسی طرح شراء پر شراء بھی جائز نہیں۔ وہ بایں صورت کہ فروخت کرنے والے سے مدت خیار کے دوران میں یوں کہے کہ تو یہ بیع فسخ کر دے' میں تجھ سے یہی چیز اس سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔ (سبل السلام) [وَلَا يَخْطُبُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ] خِطْبَة کے ''خا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ عورت سے شادی کا مطالبہ کرنا' یعنی جب ایک آدمی کسی عورت کو پیغام نکاح دیتا ہے اور ایک دوسرے کی طرف میلان' جھکاؤ اور باہمی اتفاق ہو جاتا ہے' صرف عقد نکاح باقی رہ جاتا ہے تو اس وقت اس عورت کو دوسرے کا پیغام نکاح دینا جائز نہیں تا آنکہ وہ دونوں نکاح کر لیں اور کسی دوسرے کے لیے اس کا دروازہ ہی بند کر دیں' یا ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں۔ اب ہر ایک کے لیے دروازہ کھلا ہے جو چاہے اس سے نکاح کر لے۔ [لِتَكْفَأَ مَافِي إِنَائِهَا] یہ كَفَأَ الْإِنَاءَ سے ماخوذ ہے۔ یہ اس موقع پر بولتے ہیں جب برتن کو اوندھا کر کے اور اسے پلٹ کر جو کچھ اس میں موجود ہوا سے نیچے گرا کر خالی کر دیا جائے' یعنی کسی اجنبی عورت کے لیے یہ جائز نہیں جو کسی مرد سے نکاح کرنا چاہتی ہو کہ اس سے پہلی بیوی کو طلاق دینے کا مطالبہ وتقاضا کرے تاکہ جو سہولتیں' نان ونفقہ' لباس اور رہن سہن کی آسانیاں وغیرہ اس عورت کو اپنے شوہر سے حاصل ہیں ان سے اسے محروم کر کے خود حاصل کر لے۔ اسی طرح کسی بیوی کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ اپنے شوہر سے اپنی سوکن کو طلاق دینے کا تقاضا کرے تاکہ وہ بلا شرکت غیرے تمام حقوق خود حاصل کرے اور اپنی سوکن کو ان سے بلاوجہ محروم کر دے۔ اس طرح سے اپنی سوکن کے سارے حقوق حاصل کرنے کو اس کے برتن کو خالی کر کے اپنے لیے جگہ بنانے اور گنجائش نکالنے سے بطور تمثیل تعبیر کیا گیا ہے۔ [لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلٰى سَوْمِ الْمُسْلِمِ] سوم اس گفتگو کو کہتے ہیں جو خریدار اور فروخت کرنے والے کے مابین خرید وفروخت پختہ کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ سودے پر سودا کرنے کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی

کے پاس کوئی چیز قابل فروخت ہے' ایک آدمی اس سے خریدنے کی بات کرتا ہے اور اتنے میں ایک اور آدمی آ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ چھوڑ واسے' میں تجھے اس سے زیادہ اچھی چیز اتنی قیمت میں دے دوں گا یا ایسی ہی مگر اس سے سستی اور ارزاں' یا کوئی سامان کے مالک سے کہتا ہے کہ اسے فروخت نہ کر' میں یہی چیز تجھ سے زیادہ قیمت پر خرید لوں گا۔

(٦٧٧) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «**مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ وَالِدَةٍ وَوَلَدِهَا، فَرَّقَ اللّٰهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَحِبَّتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ، لٰكِنْ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلَهُ شَاهِدٌ.

[677] حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرما رہے تھے: ''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور اس کے احباء واعزہ کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے' نیز ترمذی اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے' لیکن اس کی سند میں کلام ہے۔ اور اس کا شاہد موجود ہے۔)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں صلہ رحمی کا درس دیا گیا ہے کہ غلام اور لونڈیوں کو فروخت کرتے وقت ماؤں سے ان کے نابالغ بچوں کو جدا نہ کیا جائے۔ جدا جدا جگہ اور الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے' اس سے ماں کی مامتا متاثر ہوتی ہے۔ ② دارقطنی اور حاکم کی روایت میں نابالغ کی تصریح موجود ہے۔ (سنن الدارقطني:٣/ ٦٧' والمستدرك للحاكم:٢/ ٥٥) ③ جو شخص اس دنیا میں بے رحمی اور قطع رحمی کا ارتکاب کرے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قریبی احباء واعزہ کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔

(٦٧٨) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَبِيعَ غُلَامَيْنِ أَخَوَيْنِ، فَبِعْتُهُمَا، فَفَرَّقْتُ بَيْنَهُمَا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «**أَدْرِكْهُمَا فَارْتَجِعْهُمَا، وَلَا تَبِعْهُمَا إِلَّا جَمِيعًا**». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَالطَّبَرَانِيُّ وَابْنُ الْقَطَّانِ.

[678] حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں دو غلام بھائیوں کو فروخت کروں۔ میں نے ان دونوں کو الگ الگ آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''دونوں کو جا کر واپس لے آؤ اور دونوں کو اکٹھا ہی فروخت کرو۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور اسے ابن خزیمہ' ابن جارود' ابن حبان' حاکم' طبرانی اور ابن قطان نے صحیح قرار دیا ہے۔)

٦٧٧ـ **[إسناده حسن]** أخرجه الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الفرق بين الأخوين، حديث:١٢٨٣، وأحمد:٥/ ٤١٣، والحاكم:٢/ ٥٥.

٦٧٨ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه الترمذي، البيوع، باب ما جاء في كراهية الفرق بين الأخوين، حديث:١٢٨٤، وابن ماجه، التجارات، حديث:٢٢٤٩، وأحمد:١/ ٩٧، ١٢٦، والحاكم:٢/ ٥٥. * وقال أبوداود، حديث:٢٦٩٦ "ميمون لم يدرك عليًا".

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے۔ مسند احمد کے محققین نے اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے' لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٢: ١٥٥) ② سابقہ حدیث ماں اور بچے میں جدائی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے' خواہ وہ علیحدگی بیع کے ذریعے سے ہو یا ہبہ کی صورت میں یا دھوکے بازی سے الگ کرنے وغیرہ کی شکل میں۔ ③ والدہ کے لفظ میں والد بھی شامل ہے' یعنی ماں سے جدا کیا جائے نہ باپ سے۔ اور یہ حدیث بھائیوں کے درمیان تفریق و جدائی کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اور قیاس کے ذریعے سے ان کے ساتھ دوسرے ذوی الارحام کو بھی ملا لیا گیا ہے' مگر امام شوکانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ذوی الارحام کو اس میں شامل کرنا محل نظر ہے کیونکہ ان کی جدائی سے وہ مشقت و پریشانی نہیں ہوتی جو ماں اور بچے کے مابین یا بھائی بھائی کے درمیان جدائی سے حاصل ہوتی ہے' لہٰذا دونوں میں واضح فرق کی وجہ سے ایک کو دوسرے کے ساتھ نہ ملایا جائے اور صرف نص پر توقف کیا جائے۔ ④ یہ بات بھی معلوم رہے کہ تفریق کی حرمت چھوٹے بچے کے ساتھ مخصوص ہے۔ بڑے کی جدائی کب جائز ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ باعتبار دلیل' راجح یہ ہے کہ جب لڑکا اور لڑکی بالغ ہو جائیں' اس وقت تفریق حرام نہیں۔

(٦٧٩) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: غَلَا السِّعْرُ فِي الْمَدِينَةِ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ النَّاسُ: يَارَسُولَ اللهِ! غَلَا السِّعْرُ، فَسَعِّرْ لَنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ، وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلَا مَالٍ». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[679] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مدینہ منورہ میں چیزوں کے بھاؤ چڑھ گئے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اشیاء کے نرخ (بڑے) تیز ہو گئے ہیں' آپ ہمارے لیے (ان کے) نرخ مقرر فرما دیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نرخ کا تعین کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے' وہی تنگی کرنے والا' فراخی کرنے والا اور رازق ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں اللہ تعالیٰ سے ملوں تو کوئی شخص جان و مال کی بابت ظلم کی بنا پر مجھ سے مطالبہ کرنے والا نہ ہو۔'' (نسائی کے سوا اسے پانچوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [غَلَا] غَلَاءٌ سے ماخوذ ہے' یعنی نرخ بڑھ گیا' بھاؤ چڑھ گیا۔ معمول کے اندازے سے زیادہ ہو گیا۔ [سَعِّرْلَنَا] سَعِّرْ، تَسْعِير سے امر کا صیغہ ہے' یعنی بھاؤ و نرخ مقرر فرما دیں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ سلطان' اس کا

٦٧٩ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في التسعير، حديث: ٣٤٥١، والترمذي، البيوع، حديث: ١٣١٤، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٠٠، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٢١٥، حديث: ٤٩١٤.

نائب یا کوئی حاکم' منڈی میں فروخت کرنے والوں کو احکام کے ذریعے سے پابند کر دے کہ وہ اتنے نرخ سے زائد اپنی اشیاء فروخت نہ کریں۔ نرخ کے اتار چڑھاؤ اور کمی بیشی کو مصلحتًا روک دیں۔ [إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ] مُسَعِّرٌ کے ''عین'' پر تشدید اور نیچے کسرہ ہے' یعنی وہ تنہا اپنے ارادے سے اشیاء کو ارزاں اور گراں کرنے والا ہے۔ [بِمَظْلِمَةٍ] ''میم'' پر فتحہ اور ''لام'' کے نیچے کسرہ ہے' یعنی جو حق کے بغیر لیا جائے۔ اور ''لام'' کے فتحہ کے ساتھ بھی ہے' اس صورت میں ظلم کا مصدر ہوگا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشیاء کی قیمتوں پر سرکاری کنٹرول ممنوع ہے۔ اس سے ایک طرف اگر تجارت پیشہ حضرات کو نقصان پہنچتا ہے تو دوسری جانب تاجروں کا اشیاء کو روک لینا قحط کا سبب بن جاتا ہے۔ عوام ضروریات زندگی کی فراہمی سے مجبور ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں بلیک مارکیٹنگ کا بازار گرم ہوتا ہے۔ عوام معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتے ہیں جس سے معاشرے میں بے چینی' اضطراب اور بدامنی جنم لیتی ہے۔

(٦٨٠) وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، قَالَ: «لَا يَحْتَكِرُ إِلَّا خَاطِىءٌ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[680] حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''خطا کار کے سوا ذخیرہ اندوزی کوئی نہیں کرتا۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [لَا يَحْتَكِرُ] إحتِکار سے ماخوذ ہے' یعنی غلے کو روک لینا' فروخت نہ کرنا' اس انتظار میں کہ نرخ چڑھے' جب کہ عوام کو اس کی شدید ضرورت ہو اور فروخت کرنے والا اس سے مستغنی ہو۔ [إِلَّا خَاطِىءٌ] یعنی نافرمان' گناہ گار' خطا کار۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ذخیرہ اندوزی کی ممانعت ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک آدمی کوئی چیز خرید کر ذخیرہ کر لے کہ جب نرخ بڑھیں گے تو اس وقت اسے فروخت کروں گا' حالانکہ عوام میں اس کی بہت مانگ ہو۔ ② حدیث کے الفاظ عام ہیں مگر جمہور نے اس سے مراد صرف انسانوں اور حیوانوں کی خورونوش کی چیزیں لی ہیں۔ دوسری اشیاء اس ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔ ③ احتکار ایسی شکل میں تو بلاشبہ حرام ہے کہ اشیائے صرف کی قلت پیدا ہو جائے اور جن کے پاس یہ چیزیں ہوں وہ انھیں چھپا کر رکھ لیں۔ ④ احتکار تجارت پیشہ حضرات کے لیے حرام ہے۔ ⑤ زمیندار اپنی پیداوار روک لے تو اس کے لیے گنجائش ہے۔ مگر جب غلے کی قلت شدت اختیار کر جائے تو پھر اس کے لیے بھی غلے کو روکنا جائز نہیں ہوگا۔

راوی حدیث: [معمر بن عبداللہ بن نافع بن نضلہ بن حرثان العدوی رضی اللہ عنہ] یہ ابن ابی معمر ہیں۔ بڑے مرتبے کے صحابی اور قدیم الاسلام ہیں۔ ہجرت حبشہ کی اور مدینہ کی طرف ہجرت میں ذرا تاخیر ہوئی' پھر مدینہ کی جانب بھی ہجرت کی اور وہیں سکونت اختیار کی۔

٦٨٠۔ أخرجه مسلم، المساقاة، باب تحريم الاحتكار في الأقوات، حديث: ١٦٠٥.

(٦٨١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «**لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ، فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْلُبَهَا، إِنْ شَاءَ أَمْسَكَهَا، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعاً مِنْ تَمْرٍ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: «**فَهُوَ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ**» وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَلَّقَهَا الْبُخَارِيُّ: «**وَرَدَّ مَعَهَا صَاعاً مِنْ طَعَامٍ لَا سَمْرَاءَ**». قَالَ الْبُخَارِيُّ: وَالتَّمْرُ أَكْثَرُ.

[681] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''(فروخت کرتے وقت) اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کا دودھ ان کے تھنوں میں نہ روکو۔ جو شخص ایسا جانور خرید لے تو اسے اس کا دودھ دوہنے کے بعد دو باتوں میں سے بہتر کے اختیار کرنے کا حق حاصل ہے' چاہے اس جانور کو اپنے پاس رکھ لے اور چاہے تو ایک صاع کھجور ساتھ دے کر واپس کر دے۔'' (بخاری و مسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے: ''اسے تین دن تک اختیار ہے۔'' اور مسلم کی ایک دوسری روایت جسے بخاری نے بھی تعلیقاً نقل کیا ہے' اس میں ہے: ''اس کے ساتھ عمدہ گندم نہیں بلکہ ایک صاع کسی اور کھانے والی چیز سے واپس کرے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اکثر روایات میں کھجور کا ذکر ہے۔

لغوی تشریح: [لَا تُصَرُّوا] ''تا'' پر ضمہ' ''صاد'' پر فتحہ اور ''را'' پر تشدید ہے۔ تَصْرِيَة سے ماخوذ ہے۔ اس کی نوعیت یہ ہے کہ اونٹنی یا بھیڑ بکری کا دودھ تھنوں سے نہ نکالا جائے تاکہ وہ تھنوں میں جمع ہوتا رہے اور کثیر مقدار میں معلوم ہو تاکہ خریدار کو دھوکا اور فریب دیا جائے اور وہ سمجھے کہ یہ تو بڑی دودھیل ہے۔ اس جھانسے میں آ کر خریدار اس کی قیمت زیادہ دینے کے لیے آمادہ ہو جائے۔ [فَمَنِ ابْتَاعَهَا بَعْدُ] بَعْدُ کا لفظ مبنی بر ضمہ ہے کیونکہ یہ اضافت سے منقطع ہے اور مضاف الیہ نیت میں ہے۔ گویا بَعْدُ اصل میں بَعْدَ ذٰلِكَ ہے۔ [فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ] نَظَرَيْن اس مقام پر دو رائے کے لیے استعمال ہوا ہے' یعنی خریدار کو دو رائے میں سے ایک کو جسے وہ مناسب اور اچھی سمجھے' اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ [وَصَاعًا] صَاعًا کا ضمیر منصوب پر عطف ہے' یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ''واو'' مع کے معنی میں ہو۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ خریدار جانور واپس کرتے وقت اس کے ساتھ ایک صاع کھجوریں بھی دے گا۔ [سَمْرَاءَ] ''سین'' پر فتحہ اور ''میم'' ساکن ہے۔ معنی ہیں: گندم۔

فوائد و مسائل: ① رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجوریں ساتھ واپس دینے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس جانور سے حاصل کردہ دودھ کا معاوضہ ہو جائے کیونکہ کچھ دودھ تو خریدار کی ملکیت میں آنے پر پیدا ہوا ہے اور کچھ دودھ بیع میں آیا ہے۔ اب چونکہ خریدار کو یہ تمیز کرنا دشوار ہے کہ کتنا دودھ خریدا ہوا ہے اور کتنا نیا داخل ہے' چنانچہ عدم تمیز کی بنا پر اسے واپس کرنا یا اس کی قیمت واپس کرنا ممکن نہیں تھا' اس لیے شارع علیہ السلام نے ایک صاع مقرر فرما دیا کہ فروخت کرنے والے اور

٦٨١ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب إن شاء رد المصراة، حديث: ٢١٥١، ومسلم، البيوع، باب حكم بيع المصراة، حديث: ١٥٢٤.

خریدار کے مابین تنازع اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔ خریدار نے جو دودھ حاصل کیا ہے اس کا معاوضہ ہو جائے' قطع نظر اس سے کہ دودھ کی مقدار کم تھی یا زیادہ۔ (ملا علی قاری بحوالہ مرقاۃ) ② جمہور اہل علم تو حدیث کے ظاہر کی جانب ہی گئے ہیں اور صحابۂ کرام ﷺ اور تابعین عظام ﷺ نے بھی فتویٰ اسی کے مطابق دیا ہے اور کسی صحابی سے اس کی مخالفت بھی ثابت نہیں' البتہ اکثر احناف نے اس مسئلے میں ان کی مخالفت کی ہے۔ لیکن وہ کوئی ایسی چیز پیش نہیں کر سکے جو ان کے لیے مفید ہو۔ اور انھوں نے اس میں بڑا تشدد اختیار کیا ہے' یہاں تک کہ اسی کو انھوں نے کسوٹی بنا لیا ہے جس پر وہ دوسروں کو جانچتے پرکھتے رہتے ہیں (اور وہ کسوٹی یہ ہے) کہ کون موافقت کر کے ان کے امام کی تعظیم کرتا ہے اور کون مخالفت کر کے ان کے امام کی توہین کرتا ہے حتیٰ کہ انھوں نے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ ﷺ کے متعلق قلت درایت اور عدم فقاہت کا طعن محض اس حدیث کو روایت کرنے کی بنا پر کیا' انھیں غیر فقیہ اور درایت سے خالی گردان دیا' باوجودیکہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بھی نہ صرف اس روایت کو بیان کیا ہے بلکہ انھوں نے تو ایسا فتویٰ بھی دیا ہے جبکہ ان کے فقیہ ہونے میں احناف کو بھی اختلاف نہیں۔ فَإِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى.

(٦٨٢) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: مَنِ اشْتَرٰى شَاةً مُحَفَّلَةً فَرَدَّهَا فَلْيَرُدَّ مَعَهَا صَاعاً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَزَادَ الْإِسْمَاعِيلِيُّ: مِنْ تَمْرٍ.

[682] حضرت ابن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ جو شخص ایسی بکری خریدے جس کا دودھ تھنوں میں روک دیا گیا ہو' پھر وہ اسے واپس کرے تو اسے چاہیے کہ اس کے ساتھ ایک صاع واپس کرے۔ (بخاری) اور اسماعیلی نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ ایک صاع کھجوریں ہوں۔

لغوی تشریح: [مُحَفَّلَة] مُحَفَّلَه میں ''فا'' پر فتحہ اور تشدید ہے۔ اس سے مراد وہ جانور ہے جس کا دودھ تھنوں ہی میں زیادہ دکھانے کے لیے روک دیا گیا ہو۔ اور مُحَفَّلَة دراصل حَفَلَ الْقَوْمُ وَاحْتَفَلُوا سے ماخوذ ہے۔ اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب لوگوں کی کثیر تعداد ایک ہی مقصد کے لیے جمع ہو جائے۔ اور (اسی سے اسم فاعل) حَافِل ''عظیم'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ اس کا نام مُحَفَّلَة اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس بکری کے تھنوں میں دودھ کثیر مقدار میں جمع ہو جاتا ہے۔

فائدہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا فتویٰ حضرت ابوہریرہ ﷺ والی روایت کی مکمل تائید کر رہا ہے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ کی فقہ پر احناف کے اکثر مسائل کا دارومدار ہے۔ غور کر لیجیے اگر حضرت ابوہریرہ ﷺ غیر فقیہ اور درایت سے خالی ہیں تو عبداللہ بن مسعود ﷺ کے بارے میں کیا خیال ہے؟

(٦٨٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰى صُبْرَةٍ مِنْ طَعَامٍ، فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا.

[683] حضرت ابوہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر اناج کے ایک ڈھیر کے قریب سے ہوا۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ داخل کیا تو آپ کی انگلیوں نے نمی محسوس

٦٨٢ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب النهي للبائع أن لا يحفل الإبل والبقر والغنم، حديث: ٢١٤٩.

٦٨٣ـ أخرجه مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا، حديث: ١٠٢.

فَقَالَ: «مَا هٰذَا؟ يَاصَاحِبَ الطَّعَامِ!» قَالَ: أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ، كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ؟ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

کی۔ آپ نے فرمایا: ''اے اناج کے مالک! یہ کیا ماجرا ہے؟'' اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس پر بارش برس گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''پھر تو نے اس (نمی زدہ حصے) کو اناج کے اوپر کیوں نہ ڈال دیا تاکہ (خریدار) لوگ اسے دیکھ لیتے۔ جس نے دھوکا دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [صُبْرَة] ''صاد'' پر ضمہ اور ''با'' ساکن ہے۔ اناج و غلے کا ڈھیر جو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو جیسے مٹی کا اونچا ڈھیر ہوتا ہے۔ اس کی جمع صُبَرٌ آتی ہے ''صاد'' کے ضمہ اور ''با'' کے فتحہ کے ساتھ۔ [طَعَامٍ] اناج و غلہ وغیرہ [فَنَالَتْ] محسوس کیا' پایا۔ [اَلسَّمَاءُ] سے مراد یہاں بارش ہے۔ [مَنْ غَشَّ] غَشَّ' ماضی کا صیغہ ہے اور یہ نَصَحَ' یعنی خیر خواہی و ہمدردی کے متضاد ہے' یعنی خیانت اور دھوکا۔ [فَلَيْسَ مِنِّي] تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مسلم کے نسخوں میں مِنِّي یائے متکلم کے ساتھ ہی منقول ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے میری سیرت کو نہیں اپنایا اور میرے علم و عمل اور میرے بہترین طریقے اور راستے کی پیروی نہیں کی۔ مگر سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس طرح کی تفسیر کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ارشاد کی تاویل سے رک جایئے تاکہ یہ دلوں میں زیادہ اثر انداز ہو اور زجر و توبیخ میں زیادہ مبالغہ آمیز ثابت ہو۔ (ملخصًا)

(٦٨٤) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ أَيَّامَ الْقِطَافِ، حَتّٰى يَبِيعَهُ مِمَّنْ يَتَّخِذُهُ خَمْرًا، فَقَدْ تَقَحَّمَ النَّارَ عَلٰى بَصِيرَةٍ». رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[684] حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے انگوروں کو ان کے اتارنے کے ایام میں روک لیا تاکہ اسے کسی شراب بنانے والے کے ہاتھ فروخت کرے تو وہ جانتے بوجھتے آتش جہنم میں داخل ہوا۔'' (اسے طبرانی نے اوسط میں حسن سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ حَبَسَ الْعِنَبَ] انگور کو روک لیا اور اسے فروخت نہ کیا۔ [أَيَّامَ الْقِطَافِ] قطاف کے ''قاف'' کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ دونوں جائز ہیں۔ وہ موسم جس میں انگور اتارے جاتے ہیں۔ اور قَطْفٌ ''قاف'' کے فتحہ سے' انگور کی بیل سے انگور اتارنے کو کہتے ہیں۔ اور قِطْفٌ ''قاف'' کے کسرہ سے' گچھے اور خوشے کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں قِطْفٌ کی جمع بیان ہوئی ہے: ﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ (الحاقّة ٦٩: ٢٣) یعنی جنت کے خوشے جھکے ہوئے ہوں گے۔

٦٨٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الطبراني في الأوسط: ٦/ ١٧١، حديث: ٥٣٥٢. ※ فيه عبدالكريم بن عبدالكريم، وثقه ابن حبان وقال أبوحاتم الرازي: "لا أعرفه وحديثه يدل على الكذب" وأخطأ الحافظ في فهم هذا الكلام، وشيخه لم أعرفه فالحديث غير حسن.

[تَقَحَّمَ النَّارَ] اس نے اپنے آپ کو اس آگ میں داخل کر لیا اور بغیر دیکھے اپنے آپ کو اس میں پھینک دیا۔ [عَلٰی بَصِیرَةٍ] یعنی سبب دخول کا علم رکھنے کے باوجود۔

(٦٨٥) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ» . رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَضَعَّفَهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُودَاوُدَ؛ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ الْقَطَّانِ.

[685] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آمدنی کا حق دار وہی ہے جو ضامن ہے۔'' (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے۔ بخاری اور ابوداود نے ضعیف جبکہ ترمذی' ابن خزیمہ' ابن جارود' ابن حبان' حاکم اور ابن قطان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْخَرَاجِ] ''خا'' پر فتحہ ہے۔ گھر کے کرایہ کی آمدن یا زمین کا ماحصل اور کرایہ' یعنی وہ فوائد و منافع جو فروخت شدہ چیز سے حاصل ہوں' خواہ وہ غلام ہو یا لونڈی' حیوان ہو یا کوئی دوسری چیز۔ [بِالضَّمَانِ] ''ضاد'' پر فتحہ ہے۔ کفالت و ذمہ داری۔ اور اس میں ''با'' محذوف سے متعلق ہے' یعنی فروخت شدہ چیز کو قبضے میں لینے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے منافع اور فوائد کا حق دار ہے کیونکہ اب (قبضے میں لینے کے بعد) اس چیز کے نقصان و ضیاع' اخراجات اور دیگر امور کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔ اور اسی سے یہ قول ماخوذ ہے: مَنْ عَلَيْهِ غُرْمُهُ فَعَلَيْهِ غُنْمُهُ ''جس پر تاوان ہے' اس کا فائدہ و مفاد بھی اسی کے لیے ہے۔'' اس طرح کہ وہ ایک چیز خریدتا ہے اور ایک مدت تک اس سے استفادہ کرتا ہے' اس کے بعد اسے اس چیز کے قدیم عیب کا علم ہوتا ہے جس کا علم فروخت کرنے والے کو نہیں تھا اور نہ اس سے باخبر ہی تھا' بایں صورت خریدار کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ فروخت شدہ چیز کو بعینہ واپس کر کے اپنی قیمت وصول کر لے۔ اس دوران میں خریدار نے اس چیز سے جتنا مفاد حاصل کیا' یہ اسی کا استحقاق تھا کیونکہ اگر فروخت شدہ چیز اس سے ضائع ہو جاتی تو اس کا ذمہ دار بھی وہی ہوتا اور فروخت کنندہ پر کوئی چیز لازم نہ آتی۔ (یہ کلام ضبی کے کلام کا خلاصہ ہے۔) اور صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب فروخت شدہ چیز کی آمدنی ہو تو خریدار کیونکہ اصل چیز کا ذمہ دار اور کفیل ہے' لہٰذا اس کی آمدن کا مالک بھی وہی ہوگا' چنانچہ جب کسی آدمی نے کوئی زمین خریدی اور اسے استعمال بھی کیا' یا چوپایہ خریدا اور اس نے بچے کو جنم دیا' یا چوپایہ خریدا اور اس پر سوار ہوا' یا غلام خریدا اور اس سے خدمت لی' پھر اس میں کوئی نقص و عیب پایا تو اس کے لیے اسے واپس کرنے کی گنجائش ہے اور جتنا فائدہ اس سے حاصل کیا ہے اس کے عوض اس پر کوئی چیز نہیں' اس لیے کہ اگر یہ فسخ وعقد کی مدت کے درمیان تلف اور ضائع ہو جاتی تو اس کی ذمہ داری خریدار پر ہوتی۔ تو پھر اس کی آمدن کا بھی وہی حقدار ہے۔

٦٨٥۔ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، البيوع، باب ما جاء فيمن يشتري العبد ويستغله... ، حديث: ١٢٨٥، وأبوداود، البيوع، حديث: ٣٥٠٨-٣٥١٠، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٤٩٥، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٤٣، وأحمد: ٦/ ٢٣٧، وابن حبان(الإحسان): ٧/ ٢١١، حديث: ٤٩٠٦، والحاكم: ٢/ ١٥.

(٦٨٦) وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَعْطَاهُ دِينَارًا لِيَشْتَرِيَ بِهِ أُضْحِيَّةً أَوْ شَاةً، فَاشْتَرٰى بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، فَأَتَاهُ بِشَاةٍ وَدِينَارٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، فَكَانَ لَوِ اشْتَرٰى تُرَابًا لَرَبِحَ فِيهِ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَقَدْ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ فِي ضِمْنِ حَدِيثٍ، وَلَمْ يَسُقْ لَفْظَهُ، وَأَوْرَدَ التِّرْمِذِيُّ لَهُ شَاهِداً مِنْ حَدِيثِ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ.

[686] حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کے لیے ایک دینار عطا فرمایا۔ انھوں نے ایک دینار کے عوض دو بکریاں خریدیں، پھر ان دو میں سے ایک کو ایک دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک بکری اور ایک دینار لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لیے ان کی تجارت میں برکت کی دعا فرمائی، چنانچہ وہ ایسے تھے کہ اگر مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں بھی انھیں ضرور نفع حاصل ہوتا۔ (نسائی کے سوا پانچوں نے اسے روایت کیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث کے ضمن میں اسے روایت کیا ہے، مگر یہ الفاظ نقل نہیں کیے اور ترمذی نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو اس کے لیے بطور شاہد بیان کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے چند نہایت بنیادی چیزوں پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً: ① وکیل مؤکل کے مال میں تصرف کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے جبکہ اسے مال کی وکالت سپرد کی جائے اور اسے اپنی مرضی سے استعمال کرنے کی آزادی دی جائے، ورنہ طے شدہ شرائط و حدود کے اندر ہی وکیل کو کام کرنا ہوگا۔ ② اگر کسی کا مال اسے اطلاع دیے بغیر فروخت کر دیا جائے اور اطلاع ملنے پر مالک رضامندی کا اظہار کرے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ ③ جو شخص مالک کے لیے ایسی خدمت انجام دے اس کے لیے دعائے خیر و برکت کرنی چاہیے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ] انھیں ابن الجعد اور ابن ابی الجعد دونوں طرح بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے والد کا نام عیاض تھا۔ بارق کی طرف نسبت کی وجہ سے بارقی کہلائے۔ بارق میں ''را'' کے نیچے کسرہ ہے۔ یہ قبیلہ ازد کی شاخ ہے اور نسب نامہ اس طرح ہے: بارق بن عدی بن حارثہ۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بارق نامی ایک پہاڑ کے پاس فروکش ہونے کی وجہ سے بارقی کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے دور خلافت میں کوفہ کے منصب قضا پر فائز فرمایا۔ انھوں نے کوفہ ہی میں سکونت اختیار کر لی، انھی میں شمار کیے گئے اور اہل کوفہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

(٦٨٧) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ

[687] حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

٦٨٦ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في المضارب يخالف، حديث: ٣٣٨٤، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٥٨، وابن ماجه، الصدقات، حديث: ٢٤٠٢، وأحمد: ٤/ ٣٧٦، وأصله عند البخاري، المناقب، حديث: ٣٦٤٢، وحديث حكيم ابن حزام أخرجه الترمذي، البيوع، حديث: ١٢٥٧ وسنده ضعيف، حبيب بن أبي ثابت عنعن.

٦٨٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن ماجه، التجارات، باب النهي عن شراء ما في بطون الأنعام، حديث: ٢١٩٦، والدارقطني: ٣/ ١٥، والترمذي، السير، حديث: ١٥٦٣، محمد بن إبراهيم الباهلي مجهول وفي شيخه نظر، ولبعض الحديث شواهد عند ابن أبي شيبة: ١٢/ ٤٣٥ ـ ٤٣٧ وغيره.

تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ شِرَاءِ مَا فِي بُطُونِ الْأَنْعَامِ حَتّٰى تَضَعَ، وَعَنْ بَيْعِ مَا فِي ضُرُوعِهَا، وَعَنْ شِرَاءِ الْعَبْدِ وَهُوَ آبِقٌ، وَعَنْ شِرَاءِ الْمَغَانِمِ حَتّٰى تُقْسَمَ، وَعَنْ شِرَاءِ الصَّدَقَاتِ حَتّٰى تُقْبَضَ، وَعَنْ ضَرْبَةِ الْغَائِصِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَزَّارُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

نبی ﷺ نے جانوروں کے پیٹ کے بچوں کو ان کی پیدائش سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا اور ان کے تھنوں میں (جمع شدہ) دودھ کو خریدنے سے منع فرمایا اور بھاگے ہوئے غلام کو خریدنے سے منع فرمایا اور اموال غنیمت کو تقسیم سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا اور صدقات کو قبضے میں لینے سے پہلے خریدنے سے منع فرمایا اور غوطہ لگانے والے کے غوطے (سے حاصل ہونے والی چیز کی پیشگی خریداری) سے منع فرمایا۔ (اسے ابن ماجہ' بزار اور دارقطنی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [تَضَعَ] بچہ جنے۔ [مافِي ضُرُوعِهَا] جو کچھ اس کے تھنوں میں ہے' اس سے مراد دودھ ہے۔ اور ضُرُوعٌ' ضَرْعٌ کی جمع ہے' جانور کے تھن کو کہتے ہیں۔ جس طرح عورت کے پستان ہوتے ہیں اسی طرح حیوان کے تھن ہوتے ہیں۔ [آبِقٌ] بھاگنے والا۔ [اَلْمَغَانِم] مَغْنَم کی جمع ہے۔ مغانم اور غنیمت ان اموال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کی افواج دوران جنگ میں دشمنوں سے حاصل کرتی ہیں۔ [اَلْغَائِص] غوص سے ماخوذ ہے۔ پانی میں نیچے اترنے کو کہتے ہیں۔ اور غائِص غوطہ خور کو کہتے ہیں۔ غوطہ مارنے کی نوعیت اس طرح ہے کہ غوطہ لگانے والا خریدار سے کہے کہ میں سمندر میں غوطہ لگاتا ہوں' اس غوطے میں جتنا کچھ حاصل ہوا وہ اتنے مال کے بدلے میں تمھارا ہے۔ اس بیع سے منع اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں دھوکا اور فریب ہوتا ہے۔ معلوم نہیں ایک غوطے میں کیا حاصل ہوتا ہے اور وہ طے شدہ مال سے کم قیمت کا ہے یا زیادہ کا۔

(٦٨٨) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**لَا تَشْتَرُوا السَّمَكَ فِي الْمَاءِ، فَإِنَّهُ غَرَرٌ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَأَشَارَ إِلٰى أَنَّ الصَّوَابَ وَقْفُهُ.

[688] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پانی میں موجود مچھلی کو نہ خریدو کیونکہ یہ دھوکا ہے۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس طرف اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اس روایت کا موقوف ہونا قرین صواب ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے پانی میں موجود مچھلی کی خرید و فروخت ممنوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی میں صحیح طور پر معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ مچھلیوں کی تعداد و مقدار کتنی ہے' کونسی مچھلی ہے' عمدہ اور بہترین نسل کی ہے یا کم تر نسل کی' جسامت و ضخامت میں بڑی ہے یا چھوٹی' مچھلیاں ہیں یا مگرمچھ؟ جب صحیح علم ہی نہیں تو پھر فروخت کس چیز کی؟ نہ فروخت کنندہ کے قبضے میں ہے اور نہ اس کی ذاتی ملکیت' اگر ذاتی تالاب وغیرہ بھی ہوں تب بھی مقدار و تعداد اور تعین جنس ناممکن ہے۔ ② یہ حدیث موقوف ہے' نیز ضعیف بھی' اس لیے کہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے۔ اور

٦٨٨ـ [**إسناده ضعيف**] أخرجه أحمد: ١/ ٣٨٨، يزيد بن أبي زياد ضعيف وعنعن.

مسیب بن رافع اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مابین ارسال ہے۔ علامہ سندھی رحمہ اللہ اس کی بابت لکھتے ہیں کہ مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن معناً صحیح ہے۔ اور یہی بات اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٦/ ١٩٧- ١٩٩)

(٦٨٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُبَاعَ ثَمَرَةٌ حَتّٰى تُطْعِمَ، وَلَا يُبَاعُ صُوفٌ عَلَى ظَهْرٍ، وَلَا لَبَنٌ فِي ضَرْعٍ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ لِعِكْرِمَةَ، وَهُوَ الرَّاجِحُ، وَأَخْرَجَهُ أَيْضًا مَوْقُوفًا عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ. وَرَجَّحَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

[689] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پھلوں کے (پکنے اور) کھانے کے قابل ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے' نیز جانوروں کی پشت پر اون اور تھنوں میں دودھ کی فروخت کو منع فرمایا ہے۔ (اس روایت کو طبرانی نے اپنی اوسط میں اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اور ابوداود نے عکرمہ کی مراسیل میں بیان کیا اور یہی راجح ہے' نیز اسے ابوداود نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوف قوی سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اور بیہقی نے اسے ترجیح دی ہے۔)

لغوی تشریح: [حَتّٰى تُطْعِمَ | تُطْعِمَ، باب افعال سے مضارع معلوم کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ پھل کھانے کے قابل ہو جائے' اس کا کھانا عمدہ اور لذیذ ہو جائے۔ اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ پھل پکنے اور پختہ ہونے دیا جائے۔ [أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ لِعِكْرِمَةَ | اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ عکرمہ اسے روایت کرتے ہیں' اس اعتبار سے یہ روایت مرسل ہے۔

(٦٩٠) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْمَضَامِينِ وَالْمَلَاقِيحِ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

[690] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مضامین اور ملاقیح کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے۔ (اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمَضَامِين وَالْمَلَاقِيح | مَضَامِين، مَضْمُونَة کی اور ملاقیح' مَلْقُوحَة کی جمع ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد (۴/ ۲۶۶) میں لکھا ہے کہ ابوعبید کے نزدیک مَلَاقِيح سے مراد جانوروں کے پیٹ میں موجود بچے ہیں اور مَضَامِين سے مراد نر اونٹ وغیرہ کی پشتوں میں منی کے قطرات ہیں جن سے بچے بنتے ہیں۔ وہ لوگ مادہ اونٹنی کے پیٹ میں موجود بچے اور اونٹ وغیرہ کی پشت میں نطفے سال یا کئی سالوں کے لیے فروخت کرتے تھے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

٦٨٩ـ [حسن] أخرجه الطبراني في الأوسط: ٤/ ٤٣٠، حديث: ٣٧٢٠، والدارقطني: ٣/ ١٤ وسنده حسن، وللحديث شواهد، انظر المراسيل لأبي داود، حديث: ١٨٣ عن عكرمة، حديث: ١٨٢ عن ابن عباس وسنده ضعيف فيه أبو إسحاق، عنعن والراوي عنه زهير بن معاوية.

٦٩٠ـ [إسناده ضعيف] أخرجه البزار، كشف الأستار: ٢/ ٨٧. * صالح بن أبي الأخضر ضعيف وفيه علة أخرى.

إِنَّ الْمَضَامِينَ الَّتِي فِي الصُّلْبِ
مَاءُ الْفُحُولِ فِي الظُّهُورِ الْحُدْبِ

''بے شک ''مضامین'' سے نراونٹوں کی کبڑی پشتوں میں منی مراد ہے۔''

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق اور دیگر محققین نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ اس مفہوم کی دیگر احادیث سے حدیث میں مذکور دونوں قسم کی خرید وفروخت کو ممنوع قرار دیا گیا ہے' نیز حدیث میں مذکورہ دونوں قسم کی خرید وفروخت ممنوع اور حرام ہونے کا ایک اور سبب بھی موجود ہے کہ یہ بیع مجہول اور دھوکے پر مبنی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر ہم معنی روایات کی رو سے قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے سبل السلام میں مذکورہ حدیث کی شرح ملاحظہ فرمائیں۔

(٦٩١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَقَالَ مُسْلِماً بَيْعَتَهُ أَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[691] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو فروخت کرنے والا کسی مسلمان سے فروخت شدہ مال واپس کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اور لغزشیں معاف فرما دے گا۔'' (اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَقَالَ] إِقَالَة سے ماخوذ ہے۔ اس کی حقیقت' خرید وفروخت کرنے والے دونوں فریقوں کے مابین طے شدہ معاہدہ ختم کرنا ہے۔ اس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔ [أَقَالَ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ] اللہ تعالیٰ اس کی لغزشوں' کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ إِقَالَة کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی سے کوئی چیز خریدتا ہے' پھر ضرورت وحاجت کے ختم ہونے یا کسی اور وجہ سے وہ نادم و پریشان ہوتا ہے تو وہ فروخت کنندہ سے التماس کرتا ہے کہ وہ اپنی فروخت کردہ چیز کو واپس لے کر اس کی قیمت واپس کر دے۔ جب فروخت کرنے والا خریدار کو ادائیگی واپس کر دے گا تب اقالہ کا عمل پایۂ تکمیل کو پہنچے گا اور خریدار پر اس کا احسان ہوگا کیونکہ بیع تو مکمل ہو چکی تھی اور خریدار اسے فسخ نہیں کر سکتا تھا۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی وجہ سے قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم. تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل' رقم:١٣٣٤ والموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٤٠١/١٢' ٤٠٢)

٦٩١- [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في فضل الإقالة، حديث: ٣٤٦٠، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢١٩٩، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١١٠٣، ١١٠٤، والحاكم: ٢/ ٤٥.

٢ - بَابُ الْخِيَارِ

باب:2- بیع میں اختیار کا بیان

(٦٩٢) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا تَبَايَعَ رَجُلَانِ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا وَكَانَا جَمِيعًا، أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ، فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ فَتَبَايَعَا عَلٰى ذٰلِكَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ، وَإِنْ تَفَرَّقَا بَعْدَ أَنْ تَبَايَعَا وَلَمْ يَتْرُكْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا الْبَيْعَ فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[692] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جب دو آدمی آپس میں سودا کرنے لگیں تو جب تک وہ اکٹھے رہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں' ان میں سے ہر ایک کو اختیار ہے' یا وہ ایک دوسرے کو اختیار دے دیں۔ اگر ایک' دوسرے کو اختیار دے دے' پھر اس پر سودا طے ہو جائے تو سودا پختہ ہو گیا۔ اور اگر سودا طے کرنے کے بعد ایک دوسرے سے الگ الگ ہو جائیں اور دونوں میں سے کسی نے بھی بیع کو فسخ نہ کیا ہو تو بیع پختہ ہو جائے گی۔'' (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

لغوی تشریح: [بَابُ الْخِيَارِ] خیار میں ''خا'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر تخفیف ہے۔ اِخْتِيَار یا تَخْيِير سے اسم ہے۔ اختیار یہ ہے کہ آدمی اپنے معاملے میں صاحب اختیار ہو' خواہ اسے کرے یا چھوڑ دے۔ اور یہاں خیار سے مراد یہ ہے کہ سودے کو جاری رکھے' یا اسے فسخ کر دے۔ بیع میں خیار کی بہت سی اقسام وانواع ہیں۔ اس باب میں مصنف نے صرف دو پر اکتفا کیا ہے اور وہ یہ ہیں: خِيَارُ الشَّرْط اور خِيَارُ الْمَجْلِس۔ بالعموم انھی سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے اور اکثر انھی دونوں پر عمل ہوتا ہے۔ [إِذَا تَبَايَعَ الرَّجُلَانِ] دونوں میں سودا پختہ ہو جائے اور بیع ہر پہلو سے مکمل ہو گئی ہو' صرف جدا ہونے کے سوا اور کوئی چیز باقی نہ رہی ہو۔ [مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا] اور ایک روایت میں [يَفْتَرِقَا] بھی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اختیار کی مدت دونوں کے جدا نہ ہونے تک دراز ہے۔ [وَكَانَا جَمِيعًا] دونوں ایک ہی مجلس میں اکٹھے ہوں۔ یہ پہلے کا بیان اور اس کی تاکید ہے۔ باہمی اجتماع اس بات کی دلیل ہے کہ جدا اور الگ ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں کے بدن اور جسم ایک دوسرے سے الگ ہوں۔ گفتگو کے ذریعے سے علیحدگی اور جدائی مراد نہیں۔ اور بلاشبہ یہ اس کا مقتضی ہے کہ جب تک وہ ایک مجلس میں ہوں اس وقت تک اختیار دینا واجب و لازم ہے' خواہ خاموش رہیں یا باتیں کرتے رہیں اور خواہ ایک ہی نوع کی گفتگو ہو یا باہم مختلف پہلوؤں پر۔ امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہم نے لوگوں کے معاملے کو اسی پر پایا ہے' اہل لغت کا عرف بھی یہی ہے اور کلام کا ظاہر بھی بتاتا ہے کہ جب تَفَرَّقَ النَّاسُ (لوگ جدا جدا ہو گئے) کہا جاتا ہے تو اس سے بدنوں کا الگ ہونا مراد لیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ گفتگو اور رائے کا الگ اور جدا ہونا اس وقت ہی سمجھا جاتا ہے جب اس کے ساتھ کوئی قید اور قرینہ ہو۔ اور اگر حدیث کی وہ تاویل کی جائے جس کی جانب امام نخعی رحمہ اللہ گئے ہیں' یعنی گفتگو سے جدائی' تو پھر اس حدیث کا کوئی

٦٩٢ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب إذا خير أحدهما صاحبه بعد البيع، حديث: ٢١١٢، ومسلم، البيوع، باب ثبوت خيار المجلس للمتبايعين، حديث: ١٥٣١.

فائدہ نہیں رہتا اور اس کے معنی ہی ساقط ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ بات تو پہلے سے معلوم شدہ ہے کہ خریدار جب تک فروخت شدہ چیز کو قبول نہ کرے اس وقت تک اسے اختیار ہے‘ اسی طرح سودا طے ہونے سے پہلے تک بائع کو بھی اختیار ہے۔ اور یہ ایسی معروف بات ہے جو اپنے معنی میں بالکل ظاہر ہے‘ بایں طور اس حدیث میں خریدار کے اختیار کا ذکر بے معنی ہے۔ (ملخصاً) [أَوْ يُخَيِّرُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ] يُخَيِّرُ‘ تَخْيِير سے ماخوذ ہے۔ صیغہ فعل مضارع معلوم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کو ایک متعین مدت تک اختیار دیتا ہے تو پھر علیحدگی سے خیار ختم نہیں ہوتا بلکہ مدت معینہ تک دراز ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ایک دوسرے کو بیع کے نافذ کرنے کا اختیار دے اور دوسرا نافذ کرنے کو علیحدگی سے پہلے ہی منتخب کر لے تو اسی وقت بیع پکی ہو جائے گی‘ اس صورت میں جدائی تک اختیار باقی نہیں رکھا جائے گا بلکہ جدائی کا اعتبار باطل ہو جائے گا۔ اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتی ہے: [فَإِنْ خَيَّرَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ......] گویا کہ اس نے کہا کہ بیع کے نافذ کرنے کو اختیار کر یا اسے فسخ کر۔ [فَتَبَايَعَا عَلٰى ذٰلِكَ] پس دونوں نے اس پر سودا طے کر لیا۔ [فَقَدْ وَجَبَ الْبَيْعُ] پس سودا پکا ہو گیا‘ یعنی بیع مکمل اور نافذ ہو گئی‘ خواہ دونوں اسی جگہ ہوں اور جدا نہ ہوئے ہوں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بیوپاری اور سوداگر کو خرید و فروخت کے باقی رکھنے یا توڑنے کا حق دیا گیا ہے۔ ② اختیار یا خیار کے بھی یہی معنی ہیں کہ خریدار اور فروخت کنندہ کو سودا باقی رکھنے یا توڑنے کا حق ہے۔ ③ اس کی بہت سی انواع ہیں۔ ان میں سے دو کا بالخصوص یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک خیار مجلس جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ دوسری خیار شرط۔ وہ یہ کہ دونوں میں سے ایک یا دونوں یہ شرط کر لیں کہ اتنی مدت تک سودے کو باقی رکھنے یا واپس کرنے کا اختیار رہے گا۔ اگر خریدار اسے واپس کرنا چاہے تو فروخت کنندہ کو بغیر لیت و لعل اور حیل و حجت کے واپس لینا ہو گا۔ اس کے علاوہ دو تین صورتیں مزید یہ ہیں: ① خِيَارِ عَيْب: خریدنے والا کہے کہ اگر اس میں کوئی نقص و عیب ہوا تو میں اسے واپس کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ ② خِيَارِ رُؤْيَتْ: خریدار کہے کہ سودا تو طے ہوا مگر میں اسے دیکھ کر ہی فیصلہ کروں گا کہ اسے لینا ہے یا نہیں۔ دیکھنے پر اسے یہ سودا منظور نہ ہوا تو بیع منعقد نہ ہو گی۔ ③ خِيَارِ تَعْيِين: خریدار کہے کہ ان میں سے جو چیز یا جو جانور مجھے پسند ہو گا وہ لے لوں گا۔ بہر حال شریعت نے فریقین کے لیے بے شمار آسانیاں اور سہولتیں رکھی ہیں تاکہ کسی طرح جھگڑا اور تنازع نہ ہو۔ خریدنے اور فروخت کرنے میں دونوں کی باہمی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

(٦٩٣) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**اَلْبَائِعُ وَالْمُبْتَاعُ بِالْخِيَارِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَا، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ**». رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا ابْنَ مَاجَه، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ.

[693] حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ (شعیب) سے‘ وہ (شعیب) اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”خریدار اور فروخت کرنے والے کو جدا ہونے سے پہلے تک اختیار حاصل ہے‘ الا یہ کہ سودا اختیار والا ہو۔ اور سودا واپس کرنے کے اندیشے کے پیش نظر جلدی سے الگ ہو جانا جائز نہیں ہے۔“ (اسے ابن ماجہ کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے‘

٦٩٣ـ [حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في خيار المتبايعين، حديث: ٣٤٥٦، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٤٧، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٤٨٨، وأحمد: ٢/ ١٨٣.

وَفِي رِوَايَةٍ: «حَتَّى يَتَفَرَّقَا عَنْ مَكَانِهِمَا».

نیز دار قطنی' ابن خزیمہ اور ابن جارود نے بھی اسے روایت کیا ہے۔) اور ایک روایت میں ہے: ''یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ سے جدا ہو جائیں۔''

لغوی تشریح: [صَفْقَةُ خِيَارٍ] كَانَ تامہ ہونے کی وجہ سے صَفْقَةُ مرفوع ہے' یعنی اگر سودے میں خیار پہلے ہی موجود ہے۔ اور اگر صَفْقَةَ کو منصوب پڑھیں تو پھر كَانَ ناقصہ ہوگا اور اس کا اسم محذوف ہوگا۔ اور عبارت اس طرح ہوگی [إِلَّا أَنْ تَكُونَ الصَّفْقَةُ صَفْقَةَ خِيَارٍ] اس کا مفہوم یوں ہوگا کہ اگر سودا کرنے والوں میں سے ایک نے اپنے لیے شرط لگائی تو اس کا خیار جدائی کے بعد بھی باقی رہے گا' جب تک خیار کی مقررہ مدت ختم نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ میں سے جب ایک' دوسرے سے کہے کہ بیع کے نفاذ کو اختیار کر لو یا اسے فسخ کر دو تو اس نے دونوں میں سے ایک منتخب کر لیا تو بیع مکمل ہوگی' خواہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہی ہوئے ہوں۔ یہ علامہ شوکانی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ [خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ] اس اندیشے کے پیش نظر کہ وہ اسے واپس کرنے کا مطالبہ کرے گا۔ بعض نے اس حدیث سے خیار مجلس کے عدم ثبوت پر استدلال کیا ہے' اس لیے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مالک بیع فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا سوائے استقالہ (واپس کر لینے کی درخواست کرنے) کے اور استقالہ (چیز کی واپسی کی درخواست و مطالبہ) بیع مکمل ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے' لہٰذا اس سے ظاہر ہوا کہ بیع جدا ہونے سے پہلے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر استقالہ کی حقیقت یہی ہے تو پھر [وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ] کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے کیونکہ استقالہ مجلس عقد کے ساتھ مختص نہیں ہے اور نہ باہمی جدائی میں مانع ہے' نیز پہلی حدیث سے خیار ثابت ہے اور اس کی مدت جدائی تک وسیع و دراز ہے اور یہ بات معلوم و معروف ہے کہ جسے اختیار حاصل ہے وہ تو استقالے کا محتاج ہی نہیں' چنانچہ متعین ہو گیا کہ استقالہ سے مراد فسخ بیع ہے' اس سے حقیقی معنی مراد نہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی خیار مجلس کا ذکر ہے۔ خیار مجلس اکثر صحابہ و تابعین' امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک ثابت ہے' البتہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اس کے قائل نہیں' حالانکہ پہلی حدیث اس مسئلے میں واضح نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن (دیوبندی) نے کہا ہے کہ حق اور انصاف کی بات یہی ہے کہ اس مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی بات دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے' مگر ہم مقلدین کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ دیکھیے: (تقریر ترمذی)

(٦٩٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: ذُكِرَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ أَنَّهُ يُخْدَعُ فِي الْبُيُوعِ، فَقَالَ: «إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ: لَا خِلَابَةَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[694] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ اسے بیع میں عام طور پر دھوکا دیا جاتا ہے۔ آپ نے (اسے بلا کر) فرمایا: ''سودا کرتے وقت کہہ دیا کرو کہ کوئی فریب و دھوکا نہیں ہوگا۔'' (بخاری و مسلم)

٦٩٤ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب ما يكره من الخداع في البيع، حديث: ٢١١٧، ومسلم، البيوع، باب من يخدع في البيع، حديث: ١٥٣٣.

لغوی تشریح: [ذُكِرَ رَجُلٌ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی اس کے اہل (گھر والوں) نے اس کا ذکر کیا (جیسا کہ ترمذی کی روایت (۱۲۵۰) میں ہے۔) اس شخص کا نام حبان بن منقذ بن عمرو انصاری ہے۔ حبان کی "حا" پر فتحہ ہے۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد ان کے والد تھے۔ ایک غزوے کے دوران میں جو انھوں نے نبی ﷺ کی معیت میں لڑا تھا' کسی قلعے سے ان کے سر میں پتھر لگنے سے شدید زخم آ گیا تھا جس کی وجہ سے ان کے حافظے اور عقل میں کمزوری واقع ہوگئی اور زبان میں بھی تغیر پیدا ہو گیا تھا لیکن ہنوز صحیح اور غلط میں تمیز کر سکتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۳۰ سال ہوگئی تھی جیسا کہ علامہ نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ [لَا خِلَابَةَ] "خا" کے نیچے کسرہ ہے۔ مطلب یہ تھا کہ دین میں دھوکا وفریب نہیں کیونکہ دین اسلام تو ہے ہی خیر خواہی کا نام۔ اور لا کا کلمہ نفی جنس کے لیے ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ صاحب سبل السلام نے یہ بات کہی ہے کہ ابن اسحاق نے یونس بن بکیر اور عبدالاعلی کی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: "پھر تجھے اس سودے میں جسے تو نے خریدا ہے' تین راتوں تک اختیار ہے' اگر تجھے سودا پسند ہو تو اسے رکھ لے اور اگر پسند نہ ہو تو واپس کر دے۔" یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خرید وفروخت میں غبن کی صورت میں بھی خیار ثابت ہے لیکن مطلقاً نہیں' بلکہ اس وقت جب آدمی ضعیف العقل ہو اور سامان کی قیمت سے واقف نہ ہو اور اسے دھوکے کا اندیشہ ہو۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غبن فاحش کے معلوم ہونے پر خیار ثابت ہے۔ یہ رائے امام احمد اور امام مالک رحمہ اللہ کی ہے' مگر جمہور علماء اس کے قائل نہیں ہیں' وہ کہتے ہیں کہ حبان بن منقذ کو بالخصوص یہ اجازت اس لیے دی کہ ان کی عقل اور زبان میں کمزوری واقع ہوگئی تھی جیسا کہ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (مسند أحمد: ۳/ ۲۱۷) صحیح بات یہ ہے کہ لَا خِلَابَةَ کی صدا لگانا بھی اپنی جگہ ایک طرح کی شرط ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ دھوکے اور فریب کی صورت میں مشتری کے لیے خیار ثابت ہے اور خیار الشرط بھی اسی کو کہتے ہیں۔ ② آپ نے جو الفاظ ان کو تلقین فرمائے ان الفاظ کی برکت سے انھیں بعد میں کبھی دھوکا نہیں ہوتا تھا۔

٣ - بَابُ الرِّبَا

باب: 3- سود کا بیان

(٦٩٥) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَكَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: «هُمْ سَوَاءٌ» رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَلِلْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي جُحَيْفَةَ.

[695] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سود لینے والے' دینے والے' اس کے تحریر کرنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے' نیز فرمایا: "(گناہ کے ارتکاب میں) یہ سب مساوی اور برابر ہیں۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور بخاری میں حضرت

٦٩٥۔ أخرجه مسلم، المساقاة، باب لعن آكل الربا ومؤكله، حديث: ١٥٩٨، والبخاري، البيوع، باب موكل الربا، حديث: ٢٠٨٦ من حديث أبي جحيفة.

ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اسی طرح ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الرِّبَا] ربا میں ''را'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ربا کے معنی زیادتی اور بڑھوتری کے ہیں۔ اور بیع (خرید وفروخت) میں ربا سے مراد ایک ہی جنس کے تبادلے کے وقت زیادہ مقدار میں حاصل کرنا ہے' نیز ہر قسم کی حرام بیع پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور امت کا اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ [آكِلَ الرِّبَا] سود خور۔ ضروری نہیں جو سود کھاتا ہو اسے ہی آكِلَ الرِّبَا کہیں' بلکہ محض لینے والا بھی اس میں شامل ہے۔ اور کھانے کا بالخصوص ذکر اس لیے کر دیا کہ انتفاع کی انواع میں سے یہ نوع سب سے بڑی ہے۔ [مُؤْكِلَهُ] جو کھلاتا ہے' یعنی جو دیتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں سود کی حرمت' نیز سود لینے والے' دینے والے' تحریر کرنے والے اور اس پر گواہیاں ثبت کرنے والے پر لعنت کا ذکر ہے۔ ② سود نص قرآنی سے حرام ہے' اس سے باز نہ آنے والوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ ③ یہ ایسی لعنت ہے جس میں اکثر لوگ گرفتار اور مبتلا ہیں۔ ہر مسلمان کو اس لعنت سے چھٹکارے کی صدق دل سے کوشش کرنی چاہیے۔

(٦٩٦) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا، أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ، وَإِنَّ أَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه مُخْتَصَرًا، وَالْحَاكِمُ بِتَمَامِهِ، وَصَحَّحَهُ.

[696] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''سود کے تہتر درجے ہیں۔ سب سے کم تر درجہ اس گناہ کے مثل ہے کہ کوئی آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔ اور سب سے بڑھ کر سود کسی مسلمان کی آبرو ریزی کرنا ہے۔'' (اسے ابن ماجہ نے مختصراً اور حاکم نے مکمل بیان کیا ہے اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَيْسَرُهَا] ہلکا اور گناہ میں سب سے کم اور قلیل۔ [أَرْبَى الرِّبَا] گناہ میں سب سے بڑا اور سب سے عظیم۔ [عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ] غیبت وچغلی کے ذریعے سے اس کی عزت و آبرو پر حملہ آور ہونا' بہتان بازی' عیب جوئی' سب وشتم کرنا' جو چیز اسے بری محسوس ہو اس کے ذکر سے اسے تکلیف دینا اور جو برائی اس نے نہ کی ہو اسے اس کے سر ڈال دینا۔ یہ بیماری ہمارے زمانے میں وبا کی طرح ہر سو پھیل گئی ہے۔ اس مرض نے لوگوں کو عاجز و درماندہ کر کے رکھ دیا ہے۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

(٦٩٧) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ

[697] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونے کو سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو مگر برابر برابر' ایک دوسرے کے وزن میں اضافہ نہ کرو۔ اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں فروخت

٦٩٦ـ [حسن] أخرجه ابن ماجه، التجارات، باب التغليظ في الربا، حديث: ٢٢٧٥، والحاكم: ٢/ ٣٧ وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي.

٦٩٧ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الفضة بالفضة، حديث: ٢١٧٧، ومسلم، المساقاة، باب الربا، حديث: ١٥٨٤.

إِلَّا مِثْلاً بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

نہ کرو مگر برابر برابر' ایک دوسرے کے وزن میں اضافہ نہ کرو۔ اور ان (دونوں) میں ادھار کو نقد کے بدلے میں نہ بیچو۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [مِثْلًا بِمِثْلٍ] دونوں میں ''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''ثا'' ساکن ہے' یعنی برابر برابر۔ [وَلَا تُشِفُّوا] إِشْفَاف سے ماخوذ ہے' زیادہ نہ کرو' اضافہ نہ کرو۔ [اَلْوَرِق] ''واؤ'' پر فتحہ اور ''را'' کے نیچے کسرہ ہے۔ چاندی۔ [غَائِبًا] جو چیز مجلس میں موجود نہ ہو۔ [بِنَاجِزٍ] جو چیز حاضر اور موجود ہو۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ سونے کے سونے سے اور چاندی کے چاندی سے تبادلے میں کمی بیشی حرام ہے اور یہی سود کی اصل ہے' نیز یہ اس کی بھی دلیل ہے کہ یہ خرید و فروخت اس وقت تک صحیح نہیں جب تک دونوں فریق کوئی چیز برابر برابر مقدار اور وزن میں ایک دوسرے کے قبضے میں نہ دے دیں۔

(٦٩٨) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هٰذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[698] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سونا سونے کے عوض' چاندی چاندی کے عوض' گندم گندم کے عوض' جو جو کے عوض' کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض ایک دوسرے کی طرح برابر برابر اور نقد بنقد (فروخت کیے جائیں۔) اگر اجناس میں اختلاف ہو تو پھر جس طرح چاہو فروخت کرو بشرطیکہ (اجناس کا تبادلہ دونوں طرف سے) نقد بنقد ہو۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ جن اشیاء میں سود کا حکم ہے' خواہ وہ سونا ہے یا چاندی یا ان کے علاوہ کھانے کی اشیاء' ان میں بیع و شرا کی صحت کے لیے قبضہ شرط ہے' اگرچہ جنس مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کلام علامہ خطابی رحمہ اللہ کا ہے' لیکن صاحب سبل السلام اس کی بابت لکھتے ہیں: ''علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اشیاء میں جنس ایک نہ ہو تو ان میں ادھار اور تفاضل جائز ہے' جیسے سونے کو گندم کے بدلے میں اور چاندی کو جو کے بدلے میں اور اسی طرح دوسری ماپ وغیرہ والی اشیاء میں۔ اور اس پر بھی سب متفق ہیں کہ کسی چیز کو اسی چیز کے بدلے میں فروخت کرنا جائز نہیں جبکہ ان میں سے ایک ادھار ہو۔ ② یہ حدیث دلیل ہے کہ ان مذکورہ چھ اشیاء میں سود پایا جاتا ہے اور اس پر ساری امت کا اتفاق ہے' البتہ ان چھ کے علاوہ جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ سود کی علت جہاں پائی جائے گی' وہ سود ہی ہوگا لیکن اس پر چونکہ کوئی نص نہیں' اس لیے اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے' اہل ظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ سود صرف سابق الذکر منصوص علیہ اشیاء میں ہوتا ہے۔

٦٩٨- أخرجه مسلم، المساقاة، باب الصرف وبيع الذهب بالورق نقدا، حديث: ١٥٨٧.

(٦٩٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَزْنًا بِوَزْنٍ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[699] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سونا سونے کے بدلے میں (تبادلہ کرلو جب) وزن اور مثل میں برابر برابر ہو اور چاندی چاندی کے بدلے میں (تبادلہ کرلو جب) وزن اور مثل میں برابر برابر ہو‘ پھر اگر کوئی شخص زیادہ دے یا زیادہ کا مطالبہ کرے تو وہ سود ہے۔“ (مسلم)

لغوی تشریح: [زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ] زیادہ دے یا زیادہ کا مطالبہ و تقاضا کرے۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ جو چیزیں ماپ تول کر فروخت کی جاتی ہوں ان کا تبادلہ ماپ تول کے ذریعے سے کرنا چاہیے‘ محض اندازہ و تخمینہ درست نہیں۔

(٧٠٠) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلٰى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟» فَقَالَ: لَا، وَاللهِ، يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا». وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ ذٰلِكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِمُسْلِمٍ: «وَكَذٰلِكَ الْمِيزَانُ».

[700] حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل مقرر کیا‘ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں بہت عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے (اس سے دریافت) فرمایا: ”کیا خیبر میں پیدا ہونے والی سب کھجوریں اسی طرح کی ہوتی ہیں؟“ اس نے عرض کیا: نہیں اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! ہم دوسری کھجوریں دو صاع اور (کبھی) تین صاع دے کر یہ کھجوریں ایک صاع لیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ایسا نہ کرو۔ گھٹیا کھجوروں کو دراہم کے عوض فروخت کرو‘ پھر دراہم کے ساتھ عمدہ کھجوریں خریدو۔“ اور تولنے والی اشیاء کے بارے میں بھی اسی طرح فرمایا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں ہے: ”تول میں بھی اسی طرح کرو۔“

لغوی تشریح: [اِسْتَعْمَلَ رَجُلًا] اسے عامل (تحصیلدار زکاۃ) بنا کر بھیجا۔ اس آدمی کا نام سواد بن غزیہ انصاری تھا۔ سواد میں ”سین“ پر فتحہ اور ”واؤ“ پر تخفیف ہے۔ اور غزیہ بروزن عطیہ ہے۔ [جَنِيب] جید اور عمدہ۔ یہ کھجوروں میں سے خاص قسم کی کھجور تھی۔ [الْجَمْع] ”جیم“ پر فتحہ اور ”میم“ ساکن‘ یعنی ردی اور گھٹیا قسم کی کھجور۔ اور ایک قول اس کے بارے میں یہ

٦٩٩ـ أخرجه مسلم، المساقاة، [illegible]، حديث: ١٥٨٨.

٧٠٠ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب إذا أراد بيع تمر بتمر خير منه، حديث: ٢٢٠١، ٢٢٠٢، ومسلم، المساقاة، باب بيع الطعام مثلا بمثل، حديث: ١٥٩٣.

بھی ہے کہ اس سے مراد مختلف انواع کی ملی جلی کھجوریں ہیں۔ [وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مِثْلَ ذٰلِكَ] یعنی جو چیزیں وزن کر کے فروخت کی جاتی ہیں' جب اسی جنس کے تبادلے میں فروخت کی جائیں گی تو زیادہ مقدار میں خرید و فروخت نہیں کی جائے گی بلکہ پہلے انھیں درہم کے عوض فروخت کیا جائے گا' پھر درہم کے عوض ہی خریدی جائیں گی۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب کوئی چیز ہم جنس کے تبادلے میں فروخت کی جائے گی تو اس میں کمی بیشی جائز نہیں' خواہ دونوں عمدگی اور گھٹیا پن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔

(٧٠١) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ لَا يُعْلَمُ مَكِيلُهَا بِالْكَيْلِ الْمُسَمّٰى مِنَ التَّمْرِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[701] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجوروں کے کسی ایسے ڈھیر کو جس کا ماپ نہ کیا گیا ہو' کھجوروں کے معین ماپ کے بدلے میں فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

فائدہ: اس حدیث میں کسی چیز کے ڈھیر کو' جس کا وزن یا ماپ معلوم نہ ہو' اسی جنس کی معین مقدار یا وزن کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ ڈھیر کی مقدار اور وزن معلوم نہیں' اس لیے اس سے فریقین میں سے ایک کو نقصان اور دوسرے کو بلاوجہ فائدہ پہنچتا ہے' اسی وجہ سے اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جہاں کمی بیشی کا احتمال ہوگا وہ بھی اسی ممانعت کے تحت شمار ہوگی۔

(٧٠٢) وَعَنْ مَعْمَرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: إِنِّي كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَلطَّعَامُ بِالطَّعَامِ مِثْلًا بِمِثْلٍ»، وَكَانَ طَعَامُنَا يَوْمَئِذٍ الشَّعِيرَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[702] حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کرتا تھا: ''طعام (اناج) طعام کے بدلے میں (مقدار میں) برابر ہو۔'' ان دنوں ہمارا طعام جو ہوتے تھے۔ (مسلم)

فائدہ: اس حدیث کی رو سے طعام (اناج) کو اگر طعام کے عوض فروخت کرنا مقصود ہو تو اس میں برابری ضروری ہے' کمی بیشی ممنوع ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ گندم اور جو دو الگ الگ جنس ہیں' ایک نہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی یہی رائے ہے' اس لیے جو اور گندم کے تبادلے میں برابری ضروری نہیں۔ مگر امام مالک رحمہ اللہ دونوں کو ایک جنس قرار دیتے ہیں اور ان میں برابری لازم سمجھتے ہیں۔

(٧٠٣) وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: اِشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَاراً، فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ، فَفَصَّلْتُهَا،

[703] حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کے روز ایک ہار بارہ دینار میں خریدا۔ اس میں سونے اور پتھر کے نگینے تھے۔ میں نے انھیں الگ کر دیا تو

٧٠١ـ أخرجه مسلم، البيوع، باب تحريم بيع صبرة التمر المجهولة القدر بتمر، حديث: ١٥٣٠.

٧٠٢ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب بيع الطعام مثلاً بمثل، حديث: ١٥٩٢.

٧٠٣ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب بيع القلادة فيها خرز وذهب، حديث: ١٥٩١.

فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنَ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «لَا تُبَاعُ حَتّٰى تُفْصَلَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

اس میں بارہ دینار سے زیادہ سونا پایا۔ میں نے اس کا ذکر نبی ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے فروخت نہ کیا جائے جب تک انھیں الگ الگ نہ کرلیا جائے۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [قِلَادَة] ''قاف'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ہار جسے عورتیں گلے میں پہنتی ہیں۔ [خرَزٌ] ''خا'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے۔ عمدہ پتھر۔ خرَزَةٌ کی جمع ہے۔ فارسی میں اسے مہرہ کہتے ہیں۔ [فَفَصَلْتُهَا] میں نے انھیں اس طرح الگ کردیا کہ سونے کو مہروں سے الگ کرکے ممیز کردیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی چیز میں سونے کی بنی ہوئی چیز کا جڑاؤ ہو تو اسے الگ کیے بغیر سونے کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں کیونکہ جب تک دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا' صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا کہ جس کے عوض اسے فروخت کیا جارہا ہے وہ اس کے مساوی ہے یا نہیں؟ امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔

(٧٠٤) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ الْجَارُودِ.

[704] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے میں ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے' نیز ترمذی اور ابن جارود نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [نَسِيئَةً] ''یا'' کے بعد ہمزہ ہے' کَرِیمَة کے وزن پر ہے۔ ادغام کی صورت میں عَطِيَّة کے وزن پر ہوگا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''نون'' پر فتحہ' ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے' یا کے بغیر۔ تمیز واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور لغت میں اس کے معنی تاخیر کے ہیں۔ اس سے مراد ادھار ہے۔

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ حیوان کے بدلے میں حیوان کی ادھار فروخت جائز نہیں' مگر اسی باب میں آنے والی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت اور دیگر روایات اس کے معارض ہیں' اسی بنا پر جمہور حیوان کے بدلے میں حیوان کو مطلقاً ادھار فروخت کرنا جائز سمجھتے ہیں' اگرچہ کمی بیشی بھی ہو۔ اور بعض اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ نے ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں دی ہے کہ یہاں ادھار سے مراد دونوں طرف سے ادھار ہے' اس لیے کہ نسيئة کا لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے کہ یہ ادھار کے بدلے میں ادھار بیع کی صورت ہے اور یہ کسی کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔ امام خطابی رحمہ اللہ نے اس تطبیق اور جمع کی صورت کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ جمع کی یہ صورت اچھی اور عمدہ ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ کا رجحان منع کی احادیث کی طرف ہے مگر راجح رائے وہی ہے جسے امام شافعی' علامہ خطابی رحمہما اللہ اور جمہور نے اختیار کیا ہے۔

٧٠٤ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الحيوان بالحيوان نسيئة، حديث:٣٣٥٦، والترمذي، البيوع، حديث:١٢٣٧، والنسائي، البيوع، حديث:٤٦٢٤، وابن ماجه، التجارات، حديث:٢٢٧٠، وأحمد:٥/ ١٢، ١٩، ٣/ ٣١٠.

(٧٠٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ، وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ، وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ، وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ مِنْ رِوَايَةِ نَافِعٍ عَنْهُ، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ، وَلِأَحْمَدَ نَحْوُهُ مِنْ رِوَايَةِ عَطَاءٍ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ.

[705] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جب تم عینہ کی تجارت کرنے لگو گے، بیلوں کی دمیں پکڑ لو گے، زراعت و کھیتی باڑی کو پسند کرنے لگو گے اور جہاد کو ترک کر دو گے تو (اس وقت) اللہ تعالیٰ تم پر ذلت و خواری مسلط کر دے گا۔ اس (ذلت) کو تم سے اس وقت تک دور نہیں فرمائے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف پلٹ نہیں آ ؤ گے۔'' (اسے ابوداود نے نافع رحمہ اللہ کی روایت سے نقل کیا ہے، اس کی سند میں کلام ہے۔ اور مسند احمد میں مروی عطاء رحمہ اللہ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [الْعِينَة] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' ساکن ہے۔ عینہ کی بیع یہ ہے کہ آدمی ایک چیز مقرر قیمت پر ایک مقرر وقت تک کے لیے فروخت کرے، جب یہ میعاد مقررہ مکمل ہو جائے تو خریدار سے وہی چیز کم قیمت پر خرید لے تاکہ زیادہ رقم اس کے ذمے باقی رہ جائے۔ عینہ اس کا نام اس لیے رکھا گیا کہ فروخت کردہ چیز بعینہ اسی حالت میں حاصل ہو جاتی ہے اور اصل مال خریدار سے لوٹ کر فروخت کنندہ کے پاس پھر پہنچ جاتا ہے جیسا کہ صاحب سبل السلام نے کہا ہے۔ بیع عینہ کے عدم جواز کے امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ قائل ہیں، البتہ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (نیل الأوطار) اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے بیع عینہ کے عدم جواز کو بہت اچھی طرح ثابت کیا ہے۔ [أَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ] بیلوں کی دم پکڑنے سے کنایہ ہے کہ جہاد کو ترک کر کے زراعت و کھیتی باڑی میں مشغول و مگن ہو جاؤ گے۔ زراعت سے رضامندی کا مطلب ہے کہ تمھاری زندگی کا مطمح نظر اور مقصود زندگی یہی بن کر رہ جائے گی اور ساری توانائیاں اور قوتیں اسی میں صرف ہونے لگیں گی۔ (سبل السلام) [ذُلًّا] ''ذال'' پر ضمہ اور کسرہ دونوں ہیں۔ ذلت، ناقدری، ضعف اور مسکنت۔ [وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ] سبل السلام میں ہے کہ اس کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی ہے جس کا نام اسحاق ہے جو عطاء خراسانی سے روایت کرتا ہے۔ اس کے متعلق امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''میزان'' میں کہا ہے کہ یہ روایت اس کی مناکیر میں سے ہے۔ [وَلِأَحْمَدَ نَحْوُهُ] احمد کی روایت میں اسی طرح ہے جو کہ عطاء کی سند سے ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اور ابن قطان نے اسے صحیح کہا ہے، مگر مصنف نے التلخیص میں کہا ہے کہ میرے نزدیک جس حدیث کو ابن قطان نے صحیح قرار دیا ہے، وہ بھی معلول ہے کیونکہ اس کے راویوں کا ثقہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ حدیث بھی صحیح ہو، اس لیے کہ اس میں اعمش مدلس ہے اور وہ اپنے استاد عطاء سے سماع کا ذکر ہی نہیں کرتا۔ اور عطاء کے متعلق احتمال ہے کہ وہ عطاء خراسانی ہو، تو پھر عطاء اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان سے نافع کو ساقط کر دینے سے یہ تَدْلِيس تَسْوِيَه

٧٠٥۔ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في النهي عن العينة، حديث: ٣٤٦٢، وأحمد: ٢/ ٢٨، وللحديث شواهد ضعيفة. إسحاق بن أسيد ضعيف على الراجح.

ہوگی اور یوں یہ حدیث پہلی حدیث ہی بن جائے گی۔ اور یہی قول مشہور ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر مفصل بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (السلسلة الصحيحة للألباني: ١/ ٤٢، ٤٥، رقم: ١١) ② اس حدیث میں بیع عینہ کا ذکر ہے نیز زراعت و کھیتی باڑی اختیار کرنے اور جہاد کو ترک کرنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت و خواری مسلط کیے جانے کی خبر ہے۔ ③ بیع عینہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کوئی چیز ادھار مانگتا ہے، وہ جواب دیتا ہے کہ بھائی میں تمھیں یہ چیز ادھار نہیں دے سکتا مگر فلاں چیز میرے پاس ہے جس کی قیمت دس روپے ہے، اگر تم راضی ہو تو میں وہ چیز تجھے پندرہ روپے میں دے سکتا ہوں اور پھر دوبارہ خود ہی وہ اس سے دس روپے میں واپس خرید لے۔ اس طرح پانچ روپے خواہ مخواہ خریدار کے ذمے قرض ہو گیا، یا یوں سمجھیں کہ کسی نے ایک کتاب ایک سال کی مدت تک کے لیے سو روپے میں خریدی اور وعدہ کیا کہ سال کے بعد سو روپیہ ادا کر دوں گا، مگر کسی وجہ سے وہ سو روپے کا بندوبست نہ کر سکا تو بیچنے والا اس سے وہی چیز ۹۰ روپے میں واپس خرید لے، اس طرح دس روپے اس کے ذمے قرض رہ گیا۔ اس بیع میں چونکہ ایک فریق کو نقصان ہوتا ہے، اس لیے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

راویٔ حدیث: [حضرت نافع رحمہ اللہ] ابوعبداللہ نافع بن سرجس مدنی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ثقہ، ثبت اور مشہور و معروف فقیہ ہیں۔ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی احادیث کا بڑا حصہ انھی کے گرد گردش کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نافع کے توسط سے ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جب میں سنتا ہوں کہ نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں تو پھر مجھے کسی اور سے حدیث سننے کی پروا نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ صحیح ترین سند مالك عن نافع عن ابن عمر ہے۔ ان سے کثیر مخلوق الٰہی نے روایت کیا ہے۔ ۱۱۷ ہجری یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

[حضرت عطاء رحمہ اللہ] سے مراد غالباً عطاء بن ابومسلم میسرہ خراسانی ہیں جو مہلب بن أبي صفرہ کے غلام تھے اور ان کی کنیت ابوعثمان تھی۔ شام میں فروکش ہو گئے تھے۔ مشہور و معروف لوگوں میں سے تھے۔ ثقہ اور بڑے تہجد گزار تھے مگر حافظہ کمزور تھا اور کثیر الوہم تھے۔ ۱۳۵ ہجری میں ۸۵ برس کی عمر میں وفات پائی۔

(٧٠٦) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «مَنْ شَفَعَ لِأَخِيهِ شَفَاعَةً فَأَهْدٰى لَهُ هَدِيَّةً عَلَيْهَا، فَقَبِلَهَا، فَقَدْ أَتٰى بَابًا عَظِيمًا مِنْ أَبْوَابِ الرِّبَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ

[706] حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی نے اپنے بھائی کے لیے کوئی سفارش کی (اس کے بعد) وہ اسے کوئی تحفہ دے اور وہ اسے قبول کر لے تو وہ سود کے بہت ہی بڑے دروازے پر پہنچ گیا۔“ (اسے احمد

٧٠٦ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الهدية لقضاء الحاجة، حديث: ٣٥٤١، وأحمد: ٥/ ٢٦١.

وَأَبُودَاوُد، وَفِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ.

اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔)

لغوی تشریح: [فَقَدْ أَتٰى بَابًا عَظِيمًا......] تو وہ سود کے بہت بڑے دروازے پر آیا۔ دونوں (تحفہ اور سود) میں مشابہت کی وجہ سے استعارتاً اسے سود کہا گیا ہے اور وہ یوں کہ سود بھی کسی کے مال کو بلا معاوضہ حاصل کرنے کا نام ہے اور یہاں بھی سفارش کے بدلے میں رقم لی ہے' کسی چیز کے بدلے میں نہیں۔ (سبل السلام)

(٧٠٧) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

[707] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت کی ہے۔ (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلرَّاشِي] رشوت دینے والا۔ [وَالْمُرْتَشِي] رشوت لینے والا۔ اور رشوت کہتے ہیں باطل و ناحق طریقے سے حصول مال کے لیے مال خرچ کرنے کو۔ رشوت' رشاء سے ماخوذ ہے۔ رشاء اس رسی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے سے کنوئیں کے پانی تک پہنچتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کوئی اپنا حق حاصل کرنے یا اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو دور کرنے کے لیے مال خرچ کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ دینے والے کے حق میں رشوت شمار نہیں ہو گی بلکہ یہ فقط لینے والے کے حق میں رشوت شمار ہوگی۔

(٧٠٨) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَهُ أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشًا، فَنَفِدَتِ الْإِبِلُ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ، قَالَ: فَكُنْتُ آخُذُ الْبَعِيرَ بِالْبَعِيرَيْنِ إِلٰى إِبِلِ الصَّدَقَةِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[708] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا' اونٹ ختم ہو گئے' چنانچہ آپ نے انھیں صدقے کے اونٹوں کے عوض (ادھار اونٹ) لینے کا حکم فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک اونٹ' صدقے کے آنے والے دو اونٹوں کے بدلے میں لیتا تھا۔ (اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [أَنْ يُجَهِّزَ جَيْشًا] وہ ساز و سامان تیار کریں جس کی لشکر کو ضرورت ہے' یعنی سواریاں' اسلحہ وغیرہ۔ [فَنَفِدَتِ الْإِبِلُ] نَفِدَتْ میں ''نون'' پر فتحہ' ''فا'' کے نیچے کسرہ اور ''دال'' مہملہ ہے۔ معنی ہیں: ختم ہو گئے' کم رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر مجاہد کو ایک ایک اونٹ دیتے گئے اور کچھ مجاہد ایسے رہ گئے جنھیں اونٹ نہ دیے جا سکے' اس لیے کہ اونٹ کم رہ گئے تھے۔ [أَنْ يَأْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ] قَلَائِصُ' قَلُوص کی جمع ہے۔ قلوص کے ''قاف'' پر فتحہ ہے۔

٧٠٧ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، القضاء، باب في كراهية الرشوة، حديث: ٣٥٨٠، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٣٧.

٧٠٨ـ [حسن] أخرجه الحاكم: ٢/ ٥٧، والبيهقي: ٥/ ٢٨٨، وأبوداود، البيوع، حديث: ٣٣٥٧.

جوان اونٹ کو کہتے ہیں یعنی آپ نے انھیں حکم فرمایا: ''جتنے اونٹ کم رہ گئے ہیں اتنے ادھار لے لیں تاکہ باقی لوگوں کو بھی پورے آجائیں اور جب عاملین صدقہ' صدقات کے اونٹ لے کر آئیں گے' اس وقت ان کی ادائیگی کر دینا۔'' [إِلٰى إِبِلِ الصَّدَقَةِ] یعنی اس وقت تک ادھار جب صدقہ کے اونٹ بیت المال میں آ جائیں۔

فائدہ: حیوانات کو بطور قرض خریدنا جائز ہے بشرطیکہ ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو' جیسے کہ مذکورہ روایت میں ہے' مگر دونوں طرف سے ادھار بالکل ناجائز ہے۔ امام شافعی' امام مالک رحمہما اللہ اور جمہور اس بیع کو جائز کہتے ہیں جبکہ احناف حیوانات کا قرض لینا جائز نہیں سمجھتے۔

(٧٠٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ تَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلاً بِتَمْرٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ كَرْماً أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلاً، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، نَهٰى عَنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[709] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باغ کی تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے عوض' یا تازہ انگور کشمش اور منقی کے عوض ماپ کر فروخت کرے اور اگر کھیتی ہو تو اسے غلے کے عوض ماپ کر فروخت کرے۔ آپ نے ان سب صورتوں میں ہونے والی بیع سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [تَمَرٌ] ''ثا'' کے ساتھ' پھل کے معنی میں۔ [كَرْمًا] ''کاف'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے۔ انگور کی بیل کو کہتے ہیں لیکن اس جگہ انگور مراد ہیں۔

(٧١٠) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَسُئِلَ عَنِ اشْتِرَاءِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ، فَقَالَ: «أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ؟» قَالُوا: نَعَمْ، فَنَهٰى عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[710] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ سے سوال کیا جا رہا تھا کہ تازہ کھجوریں خشک کھجوروں کے بدلے میں فروخت کی جا سکتی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''کیا تازہ کھجور خشک ہو کر (وزن میں) کم ہو جاتی ہے؟'' لوگوں نے کہا: ہاں! تو آپ نے اس سے منع فرما دیا۔ (اسے پانچوں نے روایت کیا ہے' نیز ابن مدینی' ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

٧٠٩- أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الزبيب بالزبيب، حديث: ٢١٧١، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرطب بالتمر إلا في العرايا، حديث: ١٥٤٢.

٧١٠- [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في التمر بالتمر، حديث: ٣٣٥٩، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٢٥، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٥٤٩، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٦٤، وأحمد: ١/ ١٧٥، ١٧٩، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٢٣٤، حديث: ٤٩٨٢، والحاكم: ٢/ ٣٨.

(٧١١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْكَالِىءِ بِالْكَالِىءِ، يَعْنِي الدَّيْنَ بِالدَّيْنِ. رَوَاهُ إِسْحَاقُ وَالْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

[711] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ادھار کے بدلے میں ادھار، یعنی قرض کے بدلے میں قرض کو فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے اسحاق اور بزار نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْكَالِئِ بِالْكَالِئِ] یہ كَلَأَ الدَّيْنَ كُلُوءً فَهُوَ كَالِئٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی تاخیر کرنے اور دیر کرنے کے ہیں۔ اور كَلَأْتُهُ آپ اس وقت کہیں گے جب آپ کسی کام کو موخر اور لیٹ کر دیں۔ اور کبھی تخفیفاً ہمزہ نہیں پڑھتے۔ النهاية میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے: ایک آدمی ایک مدت تک کے لیے کسی دوسرے سے ایک چیز خریدتا ہے۔ جب مدت مقررہ پوری ہوگئی تو اس کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہیں تو وہ کہتا ہے کہ مجھے یہ چیز مزید مدت کے لیے زیادہ قیمت پر بیچ دے، دونوں کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جو ان کے قبضے میں آئے۔ یہ حدیث اس بیع کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ جب وقوع پذیر ہوگی تو باطل ہوگی۔ (سبل السلام)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت باتفاق محققین ضعیف ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور مذکورہ روایت پر بحث کرتے ہوئے امام احمد کا قول نقل کیا ہے کہ مذکورہ مسئلے میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے لیکن لوگوں کا اجماع ہے کہ ادھار کی ادھار کے بدلے میں بیع جائز نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل: ٥/ ٢٢٠-٢٢٢، رقم: ١٣٨٢) بنابریں روایت میں مذکورہ مسئلہ صحیح اور درست ہے کہ ادھار کی ادھار کے بدلے میں خرید و فروخت منع ہے۔ والله أعلم. ② اس کی دو صورتیں ہیں، مثلاً: ﴿۱﴾ اسلم نے احمد سے ایک گھڑی پانچ سو روپے میں ایک سال کی مدت پر ادھار خریدی۔ جب سال بھر کی مدت پوری ہوگئی تو اسلم احمد سے کہتا ہے میں رقم کا بندوبست نہیں کر سکا۔ مجھے از سر نو چھ سو روپے میں، یعنی سو روپے زائد پر فروخت کر دے۔ اس طرح گویا اسلم نے احمد کو سو روپیہ مزید مہلت کا دیا ہے۔ ﴿۲﴾ زید نے خالد سے سو روپیہ لینا ہے اور صادق نے خالد سے کوئی کپڑا لینا ہے تو صادق زید سے کہے جو کپڑا میں نے خالد سے لینا ہے وہ میں تیرے پاس سو روپے میں فروخت کرتا ہوں، یہ بیع بھی ناجائز ہے۔

٤ - بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْعَرَايَا، وَبَيْعِ الْأُصُولِ وَالثِّمَارِ

باب: 4- بیع عرایا اور درختوں اور پھلوں کی بیع میں رخصت کا بیان

(٧١٢) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَخَّصَ فِي الْعَرَايَا أَنْ

[712] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرایا میں رخصت دی کہ انھیں ان کے

٧١١ـ [إسناده ضعيف] أخرجه البزار، كشف الأستار: ١/ ٩١، ٩٢. ٭ فيه موسى بن عبيدة وهو ضعيف.

٧١٢ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب تفسير العرايا، حديث: ٢١٩٢، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرطب بالتمر إلا في العرايا، حديث: ١٥٣٩/ ٦٤.

تُبَاعَ بِخَرْصِهَا كَيْلًا . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

اندازے کے ساتھ ماپی ہوئی کھجوروں کے عوض فروخت کر دیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

وَلِمُسْلِمٍ: رَخَّصَ فِي الْعَرِيَّةِ يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ بِخَرْصِهَا تَمْرًا ، يَأْكُلُونَهَا رُطَبًا .

اور مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے عریہ میں رخصت دی کہ گھر والے اندازے سے خشک کھجور دے کر کھانے کے لیے تازہ کھجوریں حاصل کر لیں۔

لغوی تشریح: | بَابُ الرُّخْصَةِ .... | یاد رہے کہ اہل عرب قحط کے دنوں میں اور خشک سالی کے ایام میں اپنے باغات میں سے فقیروں اور مسکینوں کو درختوں کے پھل صدقات کی صورت میں دیا کرتے تھے کہ فلاں کھجور کے درخت کی کھجوریں تمھاری۔ اس طرح عطیے میں دی گئی کھجور کو ''عریہ'' کہتے تھے۔ ان کی فروخت میں اجازت کا مفہوم یہ ہے کہ مساکین اپنی ضروریات کے تحت ان کے باغات میں ان درختوں کا پھل کھانے جایا کرتے تھے اور باغ میں مالک کے بیوی و بچے بھی ہوتے تھے' اس لیے ان کے داخلے سے مالک باغات کو تکلیف ہوتی تھی' یا پھر یہ ہوتا کہ مساکین اپنی ضرورت ومحتاجی کی وجہ سے ان کے پکنے کا انتظار نہ کر سکتے تھے تو وہ اپنے حصے کے پھل فروخت کر دیتے جبکہ پھل ابھی درختوں پر ہی ہوتے تھے اور ان کے بدلے میں خشک کھجوریں لے لیتے۔ اور مالک باغات روزمرہ کی آمدورفت کی تکلیف سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مسکینوں سے درختوں پر تر کھجوریں خشک کھجوروں کے عوض خرید لیتے۔ یہ بیع بعینہٖ بیع مزابنہ ہی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بیع مزابنہ کو ممنوع قرار دیا تو ضرورت وحاجت رفع کرنے کی غرض سے بیع عرایا کی اجازت مرحمت فرما دی' اس شرط پر کہ کھجور کے ان درختوں پر پھل کا تخمینہ لگا کر ان کے بدلے میں ماپ کر اتنی خشک کھجوریں دے دیں۔ امام نووی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ''عریہ'' یہ ہے کہ اندازہ وتخمینہ لگانے والا کھجور کے درختوں پر موجود کھجوروں کا اندازہ لگائے اور کہے کہ یہ تر کھجوریں جو درختوں پر ہیں' خشک ہو کر اتنی مقدار یا اتنے ماپ میں رہ جائیں گی' مثلاً: اس سے خشک ہونے کے بعد تین وسق کھجوریں حاصل ہوں گی' اسی مجلس میں بائع اپنی قیمت اور مشتری اپنی بیع پر قابض ہو گئے' چنانچہ خریدار خشک کھجوریں حوالے کرے گا اور فروخت کنندہ کھجور کا درخت سپرد کر دے گا۔ یہ بیع پانچ وسق سے کم مقدار میں جائز ہے' پانچ وسق سے زائد کی بیع جائز نہیں۔ پانچ وسق کے جواز کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قول ہیں۔ اور دونوں میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ اسے جائز نہیں سمجھتے۔

بیع عریہ کی اور بہت سی صورتیں اور شکلیں ہیں' ان کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لیے بڑی کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ اور بَيْعُ الْأُصُول سے مراد ہے درختوں کی جڑ' یعنی درخت کا فروخت کرنا۔ اور بَيْعُ الثِّمَار سے مراد ہے کہ درختوں کے سوا صرف ان کے پھلوں کی فروخت۔ | يَأْخُذُهَا أَهْلُ الْبَيْتِ | کھجور کے درختوں کے مالک۔ | بِخَرْصِهَا | اندازہ لگائی گئی کھجوریں خشک رہ جانے کے بعد جتنی رہ سکتی ہوں اس کے بدلے میں۔

(٧١٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[713] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

٧١٣- أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الثمر على رؤوس النخل بالذهب أو الفضة، حديث: ٢١٩٠، ومسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرطب بالتمر إلا في العرايا، حديث: ١٥٤١.

عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ رَخَّصَ فِي بَيْعِ الْعَرَايَا بِخَرْصِهَا مِنَ التَّمْرِ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ، أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اللہ ﷺ نے بیع عرایا میں اجازت و رخصت عنایت فرما دی۔ بایں صورت کہ انھیں ان کے اندازے کی خشک کھجوروں کے عوض فروخت کر دیا جائے جبکہ وہ پانچ وسق کی مقدار سے کم ہوں یا پانچ وسق ہوں۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: ‏| فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ أَوْ فِي خَمْسَةِ أَوْسُقٍ | راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں سے کون سے الفاظ فرمائے۔ دلائل بہرحال اس کا تقاضا کرتے ہیں کہ پانچ وسق کی فروخت بھی ناجائز ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں پانچ وسق سے کم یا زیادہ سے زیادہ پانچ وسق تک فروخت کی اجازت ہے' مگر یہ راوی کا شک ہے۔ جس راوی کو شک ہے اس کا نام داود بن حصین ہے۔ اس شک کی وجہ سے پانچ وسق سے کم مقدار کی فروخت ہی درست ہوگی۔ ایک وسق میں تقریباً چار من ہوتے ہیں تو پانچ وسق کی مقدار تقریباً بیس من ہوئی۔ اس طرح گویا بیس من سے کم تک کی فروخت کی اجازت ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خرص' یعنی اندازہ و تخمینہ شرع میں جائز ہے بشرطیکہ تخمینہ لگانے والا اس فن سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو اور کسی کی رو رعایت کیے بغیر ایمان داری سے اندازہ لگاتا ہو' ایسی صورت میں ایک آدمی کا تخمینہ بھی درست تسلیم کیا جائے گا۔

(٧١٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى يَبْدُوَ صَلَاحُهَا، نَهَى الْبَائِعَ وَالْمُبْتَاعَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[714] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بائع اور خریدار دونوں کو پھلوں کے پکنے سے پہلے خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ: وَكَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ صَلَاحِهَا، قَالَ: «حَتّٰى تَذْهَبَ عَاهَتُهَا».

اور ایک روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا جاتا کہ پھلوں کے پکنے سے کیا مراد ہے؟ تو آپ فرماتے: ''جب ان پر آفت اور نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔''

لغوی تشریح: ‏| صَلَاحُهَا | پھلوں کی سرخی اور زردی' یعنی پکنے کی صلاحیت نمایاں ہو جائے۔ امام قسطلانی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہر چیز میں اس کے پکنے کی صلاحیت کے ظہور سے مراد ہے کہ اس میں وہ صفت پیدا ہو جائے جو غالب طور پر مطلوب ہوتی ہے۔ | عَاهَتُهَا | اس کی آفت' یعنی اس پر وارد ہونے والی آفت کا اندیشہ نہ رہے۔

(٧١٥) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ

[715] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

٧١٤_ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، حديث: ٢١٩٤، ومسلم، البيوع، باب النهي عن بيع الثمار قبل بدو صلاحها، حديث: ١٥٣٤.

٧١٥_ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، حديث: ٢١٩٥، ومسلم، المساقاة، باب وضع الجوائح، حديث: ١٥٥٥.

تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الثِّمَارِ حَتّٰى تُزْهِيَ، قِيلَ: وَمَا زَهْوُهَا؟ قَالَ: «**تَحْمَارُّ وَتَصْفَارُّ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

نبی ﷺ نے پھلوں کو پکنے سے پہلے فروخت کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ کہا گیا کہ پکنے سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جب وہ سرخ اور زرد رنگ کا ہو جائے۔'' (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [حَتّٰی تَزْهُوَ] کہا جاتا ہے: زَهَا النَّخْلُ یَزْهُو، یہ اس وقت بولتے ہیں جب پھل درخت پر نمودار ہونا شروع ہو جائیں۔ اور أَزْهٰی یُزْهِي اس وقت بولتے ہیں جب وہ سرخی اور زردی اختیار کر لیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں کے معنی سرخ یا زرد رنگ والے ہونا مراد ہے اور یہ پھل کے پکنے کی علامت اور آفت و نقصان سے تحفظ کی دلیل ہے۔ [تَحْمَارُّ وَ تَصْفَارُّ] دونوں میں ''را'' پر تشدید ہے اور باب اِفعیلال سے ہیں۔

(٧١٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْعِنَبِ حَتّٰى يَسْوَدَّ، وَعَنْ بَيْعِ الْحَبِّ حَتّٰى يَشْتَدَّ. رَوَاهُ الْخَمْسَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[716] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے انگور کو سیاہ ہونے سے پہلے اور دانے کو سخت ہونے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے نسائی کے سوا پانچوں نے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [یَسْوَدَّ] ''دال'' پر تشدید۔ سیاہ ہو جائیں' یعنی پک جائیں۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب انگور سیاہ رنگ اختیار کر لیتا ہے تو آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ [یَشْتَدَّ] دانے کے سخت ہونے سے مراد اس کا قوی و مضبوط اور پختہ ہونا ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر مفصل بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی وجہ سے قابل حجت اور قابل عمل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ١٢/ ٣٧، والإرواء للألباني، رقم: ١٣٦٤، ١٣٦٦) ② گندم وغیرہ کے دانے بالیوں میں نرم و نازک ہوتے ہیں' پھر آہستہ آہستہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کے ضائع ہونے کا خطرہ کم ہو جاتا ہے' نیز یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کھیت میں کتنی پیداوار ہو گی۔ اس وقت کھڑی فصل بیچنا جائز ہے' اس سے قبل نہیں۔ لیکن پھل یا فصل کی صلاحیت ظاہر ہونے کے بعد بھی فروخت کرنے کے بعد اگر کوئی آفت وغیرہ آ جاتی ہے جس سے فصل تباہ ہو جاتی ہے تو فروخت کرنے والے کو چاہیے کہ قیمت واپس کر دے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

٧١٦- **[إسناده ضعيف]** أخرجه أبوداود، البيوع، باب في بيع الثمار قبل أن يبدو صلاحها، حديث: ٣٣٧١، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٢٨، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢١٧، وأحمد: ٣/ ٢٢١، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٢٣١، حديث: ٤٩٧٢، والحاكم: ٢/ ١٩. حميد الطويل مدلس وعنعن.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص باغ کا پھل وغیرہ فروخت کرے' پھر اس پر آفت آ جائے تو بیچنے والے کو چاہیے کہ اپنے بھائی کے مال سے کچھ نہ لے' یعنی اس کی قیمت وصول نہ کرے۔ آپ نے فرمایا: ''وہ اپنے مسلمان بھائی کا مال کس وجہ سے لیتا ہے؟'' (صحیح مسلم' المساقاة' باب وضع الجوائح' حدیث:١٥٥٤) نیز اگلی روایت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ بنابریں ان احادیث کی رو سے فروخت کرنے والے کے لیے آفت آنے کے بعد فصل کی قیمت اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم.

(٧١٧) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ بِعْتَ مِنْ أَخِيكَ ثَمَرًا، فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا، بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ؟» رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ.

[717] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تو اپنے بھائی کے ہاتھ پھل فروخت کرے اور اسے کوئی آفت و مصیبت پہنچ جائے تو تیرے لیے اس سے کچھ بھی وصول کرنا حلال نہیں۔ تو بغیر کسی حق کے اپنے مسلمان بھائی کا مال کس وجہ سے لیتا ہے؟'' (مسلم) اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے: نبی ﷺ نے آفت زدہ چیز کی قیمت نہ لینے کا حکم دیا ہے۔

لغوی تشریح: [جَائِحَةٌ] وہ آفت جو پھلوں پر وارد ہوتی ہے اور انھیں برباد کر کے رکھ دیتی ہے' جیسے شدید بارش' ژالہ باری' ٹڈی دل' آندھی' آگ اور قحط وغیرہ آسمانی اور زمینی آفات۔ اور جو مصیبت انسانوں کے ہاتھوں پہنچ جائے' مثلاً: چوری' ڈکیتی وغیرہ' اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ [أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ] جَوَائِح' جَائِحَةٌ کی جمع ہے' یعنی نبی ﷺ نے فروخت کرنے والے کو حکم فرمایا ہے کہ وہ خریدار سے ان پھلوں کی قیمت وصول نہ کرے جو آفت کی وجہ سے ہلاک اور برباد ہو چکے ہیں۔ حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آفات سے ہر حال میں نقصان کی تلافی کی جائے' خواہ وہ پھل پکنے سے پہلے برباد ہوئے ہوں یا پکنے کے بعد' خواہ نقصان معمولی ہوا ہو یا بہت زیادہ جبکہ امام مالک ؒ کا قول ہے کہ تیسرا حصہ یا اس سے کچھ زائد نقصان ہونے کی صورت میں اس کی تلافی کی جائے گی اور تیسرے حصے سے کم نقصان کی صورت میں نقصان پورا نہیں کیا جائے گا۔ امام ابوداود ؒ نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ رأس المال کے تیسرے حصے سے کم نقصان کی صورت میں اسے آفت زدہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ یحییٰ کا قول ہے کہ یہ طریقہ مسلمانوں میں رائج ہے۔ (سنن أبي داود' الإجارة' باب في تفسير الجائحة' حديث:٣٤٧٢) لیکن امام ابوداود اس کی بابت لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے تہائی تک تلافی کے بارے میں کوئی روایت درست نہیں' یہ اہل مدینہ کی رائے ہے۔ دیکھیے: (سنن أبي داود' البيوع' باب في بيع السنين' حديث:٣٣٧٤) تاہم راجح بات یہی معلوم ہوتی ہے جو حدیث کے ظاہری مفہوم سے واضح ہے۔ واللہ أعلم.

٧١٧ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب وضع الجوائح، حديث: ١٥٥٤.

(٧١٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ، فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ الَّذِي بَاعَهَا، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[718] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے کھجور کے درخت پیوند کاری کے عمل کے بعد خریدے تو اس صورت میں پھل' فروخت کرنے والے کے ہوں گے الا یہ کہ خریدار پھل کی شرط کر لے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [مَنِ ابْتَاعَ نَخْلًا] یعنی کھجور کے درخت خریدے۔ [بَعْدَ أَنْ تُؤَبَّرَ] تأبیر سے مجہول کا صیغہ ہے۔ تأبیر کہتے ہیں پیوند کاری کو' وہ اس طرح کہ نر کھجور کا گودا لے کر مادہ کھجور کے خوشے میں رکھ دیتے ہیں۔ جب وہ خوشہ کھلتا اور پھٹتا ہے تو اللہ کے اذن سے وہ پھل زیادہ دیتا ہے۔ [فَثَمَرَتُهَا لِلْبَائِعِ] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیوند کاری سے قبل کھجور کے درخت کا پھل بیع میں شامل ہے اور وہ خریدار کا حق ہے' جمہور کی یہی رائے ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول ہے کہ پیوند کاری سے پہلے اور بعد میں دونوں صورتوں میں فروخت کنندہ کا حق ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے کہ یہ مطلقاً خریدار کا حق ہے' مگر یہ دونوں قول حدیث کے مخالف ہیں۔

٥ - أَبْوَابُ السَّلَمِ وَالْقَرْضِ وَالرَّهْنِ

باب:5- بیع سلم' قرض اور رہن کا بیان

(٧١٩) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ، وَهُمْ يُسْلِفُونَ فِي الثِّمَارِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَقَالَ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي ثَمَرٍ فَلْيُسْلِفْ فِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ إِلٰى أَجَلٍ مَعْلُومٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَلِلْبُخَارِيِّ: «مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ».

[719] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ پھلوں میں سال سال اور دو دو سال کی قیمت پیشگی ادا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''جو شخص پھلوں کی قیمت پیشگی ادا کرے تو اسے چاہیے کہ مقرر ماپ' مقرر تول اور مقرر مدت کے لیے ادا کرے۔'' (بخاری و مسلم) اور بخاری میں [مَنْ أَسْلَفَ فِي ثَمَرٍ] کی بجائے [مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ] کے الفاظ ہیں۔ یعنی ''جو شخص کسی چیز میں پیشگی دے۔''

لغوی تشریح: [أَبْوَابُ السَّلَمِ ......] سَلَم کے ''سین'' اور ''لام'' پر فتحہ ہے۔ بَيْعُ السَّلَفِ ہی کو سلم کہتے ہیں' وزن اور معنی دونوں کا ایک ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اہل عراق کی لغت میں سَلَم اور اہل حجاز کی لغت میں سلف کہتے

٧١٨ـ أخرجه البخاري، المساقاة، باب الرجل يكون له ممر أو شرب في حائط أو في نخل، حديث: ٢٣٧٩، ومسلم، البيوع، باب من باع نخلاً عليها تمر، حديث: ١٥٤٣.

٧١٩ـ أخرجه البخاري، السلم، باب السلم في كيل معلوم، حديث: ٢٢٣٩، ومسلم، المساقاة، باب السلم، حديث: ١٦٠٤.

ہیں۔(تحفة الأحوذي:۲/ ۲۷۰) اور جزری نے النهاية میں کہا ہے کہ بیع سلم ہے: سونا' چاندی یا مروجہ سکہ پیشگی قیمت کی صورت میں دے کر ایک معلوم ومتعین مدت تک چیز لینے کا سودا طے کرنا۔ بالفاظ دیگر گویا تو نے صاحب مال کو قیمت سپرد کر دی اور بیع سلم کر لی۔ صاحب ''تحفۃ الاحوذی'' کہتے ہیں کہ جو قیمت پیشگی ادا کی جائے وہ رَأْسُ الْمَال کہلاتی ہے۔ اور (اس کے عوض مقررہ مدت تک) مؤخر کی گئی فروخت شدہ چیز کو مُسْلَم فِيه کہتے ہیں۔ اور (پیشگی) قیمت ادا کرنے والے کو رَبُّ السَّلَم اور فروخت کرنے والے کو مُسْلَم إِلَيْه کہتے ہیں۔ اور قیاس اس عقد کے جواز سے انکاری ہے کیونکہ یہ صورت بھی اس ضمن میں آ جاتی ہے کہ کوئی شخص وہ چیز فروخت کرے جو اس کے پاس نہیں' مگر اسے صحیح احادیث کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے' سورۂ بقرہ کی آیت المداينة (جس میں لین دین کا مسئلہ بیان ہوا ہے) بھی اس کے جواز پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ [رَهن] میں ''را'' پر فتحہ اور ''ها'' ساکن ہے۔ قرض کے بدلے میں کوئی مال دستاویز کے طور پر دینا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ کسی آدمی سے قرض حاصل کرتے ہیں اور اس قرض کے بدلے میں کوئی چیز اس کے پاس رکھ دیتے ہیں تاکہ اسے اعتماد و بھروسا رہے کہ آپ اس کا قرض ادا کر دیں گے' چنانچہ جونہی آپ اس کا قرض ادا کریں گے آپ کی رکھی ہوئی چیز آپ کی طرف پلٹ آئے گی۔ اس عمل کو رھن کہتے ہیں' آپ راھن کہلائیں گے' جس کے پاس چیز رکھی گئی ہے اسے مُرْتَهِن کہیں گے اور رکھی گئی چیز مَرْهُون اور رَهِين کہلاتی ہے۔ [وَهُمْ يُسْلِفُونَ] يُسْلِفُونَ میں ''یا'' پر ضمہ ہے اور یہ إِسْلَاف سے ماخوذ ہے۔ قیمت مال فوری ادا کرتے ہیں اور اس کے عوض مال تاخیر سے حاصل کرتے ہیں۔ [اَلسَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ] دونوں منصوب ہیں' حرف جر کے محذوف ہونے کی وجہ سے اصل عبارت إِلَى السَّنَةِ وَالسَّنَتَيْنِ ہے۔ [فِي ثَمَرٍ] سبل السلام میں ثمر ''ثا اور تا'' دونوں کے ساتھ ہے اور ''ثا'' کے ساتھ زیادہ عام ہے۔ [فِي كَيْلٍ مَّعْلُومٍ ......] اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ماپی اور تولی جانے والی اشیاء کو ماپ کر اور وزن کر کے دینا واجب ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کے بارے میں بے خبری و جہالت' خرید و فروخت کو فاسد اور خراب کرنے والی ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ میعاد کا بھی اعتبار ہے۔ جمہور اہل علم کی یہی رائے ہے' وہ کہتے ہیں کہ اگر میعاد مقرر نہ ہو تو پھر بیع سلم ناجائز ہے' جبکہ شافعیہ کہتے ہیں کہ (میعاد مقرر نہ ہونے کی صورت میں بھی یہ بیع) جائز ہے۔

(٧٢٠) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبْزٰی، وَعَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰی رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا، قَالَا: كُنَّا نُصِيبُ الْمَغَانِمَ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَكَانَ يَأْتِينَا أَنْبَاطٌ مِنْ أَنْبَاطِ الشَّامِ، فَنُسْلِفُهُمْ فِي الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالزَّبِيبِ، - وَفِي رِوَايَةٍ «وَالزَّيْتِ» - إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی، قِيلَ: أَكَانَ لَهُمْ زَرْعٌ؟ قَالَا: مَاكُنَّا نَسْأَلُهُمْ عَنْ ذٰلِكَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[720] حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (غزوات میں شرکت کر کے) غنیمت کا حصہ لیتے تھے۔ ملک شام کے کچھ نبطی لوگ ہمارے پاس آیا کرتے تھے' ہم انھیں گندم' جو اور منقیٰ اور ایک روایت میں زیتون کا بھی ذکر ہے کی پیشگی رقم دے کر ایک مدت مقررہ تک بیع سلم کرتے تھے؟ پوچھا گیا کہ کیا وہ خود کھیتی باڑی کرتے تھے تو دونوں نے جواب

٧٢٠۔ أخرجه البخاري، السلم، باب السلم إلى أجل معلوم، حديث: ٢٢٥٤، ٢٢٥٥.

دیا کہ ہم نے ان سے یہ کبھی دریافت نہیں کیا تھا۔ (بخاری)

لغوی تشریح: [أَنْبَاط] نَبَطٌ یا نَبِیطٌ کی جمع ہے' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عراقین' یعنی کوفہ اور بصرہ کے درمیان سنگلاخ زمین میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ یہ لوگ دراصل عرب تھے' مگر عجمی باشندوں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ ان کا نسب مخلوط ہو گیا اور ان کی زبانیں بگڑ گئیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صاحب زادے نبیط یا نبایوط کی نسل سے ہونے کی وجہ سے انباط کہلائے' یا اس وجہ سے انھیں انباط کہا گیا ہے کہ یہ زمین سے پانی نکالنے کے فن میں مہارت رکھتے تھے اور بکثرت کھیتی باڑی اور زراعت پیشہ تھے۔ شمالی حجاز میں واقع معان' بتراء اور عقبہ کے نواح و اطراف میں ان کی تعمیر کردہ دہشت میں مبتلا کر دینے والی بلند و بالا عمارتوں کا انکشاف ہوا ہے' نیز ایسے علمی اداروں اور لائبریریوں کا پتہ چلا ہے جو ان کے شاندار' تہذیب یافتہ اور مہذب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیع سلم کرتے وقت جنس موجود نہ بھی ہو پھر بھی بیع درست ہے' البتہ بیچی اور خریدی جانے والی چیز کی مقدار' نوعیت' مطلوبہ چیز کی ادائیگی اور وصولی کا وقت اور دوسرے ایسے معاملات کا پہلے سے تعین کر لیا جائے جن میں اختلاف ہونے کا خطرہ ہے۔ ② ائمہ میں سے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کی رائے یہی ہے' البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معاہدے کے آغاز سے لے کر اختتام معاہدہ تک وہ چیز دستیاب رہے' اس دوران میں کسی موقع پر اس کا فقدان نہ ہو اور ملنا دشوار و محال نہ ہو' تاہم پہلے ائمہ کی رائے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسی شرط ضروری ہوتی تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ضرور ان سے پوچھ لیتے کہ یہ چیز اب سے لے کر وقت ادائیگی تک بازار میں دستیاب رہے گی؟ واللہ أعلم.

راویٔ حدیث: [حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ] أبزیٰ کے ''ہمزہ'' پر فتحہ' ''با'' ساکن اور ''زا'' پر فتحہ ہے۔ قبیلۂ خزاعہ میں سے تھے۔ صغار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ قبیلۂ خزاعہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ نبی ﷺ کو پایا اور آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انھیں خراسان پر عامل مقرر فرمایا۔ کوفہ میں وفات پائی۔

(٧٢١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَخَذَ أَمْوَالَ النَّاسِ يُرِيدُ أَدَاءَهَا أَدَّى اللّٰهُ عَنْهُ، وَمَنْ أَخَذَهَا يُرِيدُ إِتْلَافَهَا أَتْلَفَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[721] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے لوگوں کا مال (بطور قرض) لیا اور وہ اس کے ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے ادا کرنے کی توفیق دے گا اور جس شخص نے ان کے اموال ضائع کرنے کی نیت سے لیے تو اللہ تعالیٰ اسے ضائع کر دے گا۔'' (بخاری)

لغوی تشریح: [إِتْلَافَهَا] اموال کو ضائع و ہلاک کرنا اور انھیں ادا نہ کرنا۔

٧٢١ـ أخرجه البخاري، الاستقراض، باب من أخذ أموال الناس يريد أداءها، حديث: ٢٣٨٧.

فائدہ: جو شخص مجبوری کی صورت میں قرض لے اور ادائیگی کی نیت رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اسباب و وسائل اور ادا کرنے کی توفیق دے دیتا ہے اور جس کی نیت مال ہڑپ کرنے کی ہو تو اسے ادائیگی کے اسباب و وسائل میسر نہیں ہوتے اور اگر میسر ہو بھی جائیں تو دل کی تنگی کی وجہ سے ادا کرنے کی توفیق نہیں ملتی۔

(٧٢٢) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ فُلَانًا قَدِمَ لَهُ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ، فَلَوْ بَعَثْتَ إِلَيْهِ، فَأَخَذْتَ مِنْهُ ثَوْبَيْنِ بِنَسِيئَةٍ إِلٰى مَيْسَرَةٍ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَامْتَنَعَ. أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[722] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! فلاں شخص کا شام سے کپڑا آیا ہے۔ آپ بھی کسی کو بھیج کر دو کپڑے کشادگی تک ادھار خرید لیں۔ آپ نے اس کی طرف ایک آدمی بھیجا مگر اس نے (ادھار دینے سے) انکار کر دیا۔ (اسے حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [بَزٌّ] "با" پر فتحہ اور "زا" پر تشدید ہے۔ کپڑے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ [مَيْسَرَةٍ] "سین" پر فتحہ اور ضمہ دونوں ہو سکتے ہیں۔ فراخی، کشادگی، وسعت، تونگری و مالداری۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے کوئی چیز ادھار خریدنا جائز ہے۔ ② اس کپڑے بیچنے والے نے نبی ﷺ کو ادھار دینے سے انکار غالباً ذاتی عداوت و عناد کی وجہ سے کیا تھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ وہ یہودی تھا، آپ کی ذات اقدس سے اسے دشمنی تھی، اس لیے اس نے انکار کیا تھا۔

(٧٢٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلظَّهْرُ يُرْكَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَلَبَنُ الدَّرِّ يُشْرَبُ بِنَفَقَتِهِ إِذَا كَانَ مَرْهُونًا، وَعَلَى الَّذِي يَرْكَبُ وَيَشْرَبُ النَّفَقَةُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[723] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "رہن رکھے ہوئے جانور پر (اس پر آنے والے) مصارف و اخراجات کے بدلے میں سواری کی جا سکتی ہے۔ اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ (اس پر آنے والے) اخراجات کے بدلے میں پیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ رہن ہو۔ اور آدمی جو سواری کرتا ہے اور دودھ پیتا ہے، اس کے اخراجات کا ذمہ دار بھی وہی ہے۔" (بخاری)

لغوی تشریح: [اَلظَّهْرُ] کمر، پیٹھ، چوپائے کی پشت۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد مضبوط اور طاقتور اونٹ ہے۔ [يُرْكَبُ] صیغۂ مجہول، خبر ہے انشا کے معنی میں۔ اور اسی طرح [يُشْرَبُ] کا معاملہ ہے۔ [لَبَنُ الدَّرِّ] در کے "دال" پر فتحہ اور "را" پر تشدید ہے۔ مصدر ہے، دارة کے معنی میں۔ دودھ والی۔ [بِنَفَقَتِهِ] اس پر اٹھنے والے اخراجات کے

٧٢٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه الحاكم: ٢/ ٢٤، والبيهقي: لم أجده في السنن الكبرى.

٧٢٣ـ أخرجه البخاري، الرهن، باب الرهن مركوب ومحلوب، حديث: ٢٥١٢.

بدلے میں۔ سوار ہونے اور پینے والا مرتہن ہوگا' یعنی جس کے پاس رہن رکھی گئی ہے' کیونکہ رہن رکھنے والا تو ملکیت کی بنا پر سوار ہوسکتا ہے اور ان کا دودھ پی سکتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتو پھر بِنَفَقَتِهٖ کہنے کا کیا مطلب؟

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب مرہونہ کی دیکھ بھال اور حفاظت کی ذمہ داری مرتہن پر ہے تو اس کے لیے اس سے انتفاع بھی جائز ہے' خواہ اس چیز یا جانور کا مالک اس کی اجازت نہ دے۔ امام احمد اور اسحاق ﷫ وغیرہ کی یہی رائے ہے' وہ کہتے ہیں کہ جس کے پاس چیز رہن رکھی گئی ہے وہ اس پر آنے والے اخراجات کے بقدر اس کے دودھ اور سواری کا فائدہ لے سکتا ہے۔ ان دونوں کے سوا فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ اخراجات سے زیادہ فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ ② جمہور علماء کا قول ہے کہ مرہونہ چیز سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا جائز نہیں بلکہ سارے فوائد رہن رکھنے والا اٹھا سکتا ہے۔ اس پر جو مشقت ومحنت اور مصارف ہوں گے' وہ بھی اس کے ذمے ہوں گے۔ مگر یہ حدیث جمہور کے خلاف حجت ہے۔

(٧٢٤) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ مِنْ صَاحِبِهِ الَّذِي رَهَنَهُ، لَهُ غُنْمُهُ وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالْحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّ الْمَحْفُوظَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ إِرْسَالُهُ.

[724] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مرہونہ (گروی شدہ) چیز اس کے مالک سے روکی اور بند نہیں کی جائے گی۔ اس کا فائدہ بھی اسی کے لیے ہے اور تاوان کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔'' (اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیا ہے' اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابوداود وغیرہ کے نزدیک اس کا مرسل ہونا محفوظ ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يَغْلَقُ] باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے صیغۂ معروف ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ مرہونہ چیز روکنے سے مراد یہ ہے کہ وہ راہن (رہن رکھنے والے) کی ملکیت سے نکل جائے اور مُرْتَهِن (جس کے پاس رہن رکھی گئی ہو) کا اس پر قبضہ ہو جائے' اس وجہ سے کہ جو چیز اس نے قرض لی ہے وہ ادا نہ کر سکے اور وقت مقررہ پر اسے چھڑا نہ سکے۔ یہ اہل عرب کی عادت تھی۔ نبی ﷺ نے اس سے انھیں منع فرما دیا۔ [لَهُ غُنْمُهُ] ''غین'' پر ضمہ اور ''نون'' ساکن ہے۔ اس کا فائدہ اور اس میں اضافہ اسی کا حق ہے۔ [وَعَلَيْهِ غُرْمُهُ] ''غین'' پر ضمہ اور ''را'' ساکن۔ اس جانور کی ہلاکت اور اس چیز کا خرچ ہو جانا دونوں کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے۔ اس حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ مرہونہ چیز سے کسی قسم کا انتفاع مطلقاً جائز نہیں۔ لیکن اس حدیث کو سند کے اعتبار سے حجت قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ معناً اس سے استدلال صحیح ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٧٢٥) وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَسْلَفَ مِنْ رَجُلٍ بَكْرًا، فَقَدِمَتْ عَلَيْهِ إِبِلٌ مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ، فَأَمَرَ أَبَا رَافِعٍ أَنْ

[725] حضرت ابورافع ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے جوان اونٹ قرض لیا' پھر آپ کے پاس صدقے کے اونٹ آئے تو آپ نے (مجھے) ابورافع کو حکم دیا

٧٢٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٣٢، ٣٣، والحاكم: ٢/ ٥١، وانظر المراسيل لأبي داود، حديث: ١٦٤، الزهري مدلس وعنعن.

٧٢٥ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب من استسلف شيئًا فقضى خيرًا منه، حديث: ١٦٠٠.

يَقْضِيَ الرَّجُلَ بَكْرَهُ، فَقَالَ: لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا خِيَارًا رَبَاعِيًا، قَالَ: «**أَعْطِهِ إِيَّاهُ، فَإِنَّ خِيَارَ النَّاسِ أَحْسَنُهُمْ قَضَاءً**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

کہ اس شخص کو جوان اونٹ ادا کر دیا جائے۔ میں نے عرض کیا: اس سے بہتر سات سالہ اونٹ موجود ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہی اسے دے دو کیونکہ بہترین آدمی وہ ہے جو ادائیگی میں سب سے اچھا ہو۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [إِسْتَسْلَفَ] قرض اور ادھار لیا۔ [بَكْرًا] ''با'' پر فتحہ اور ''کاف'' ساکن ہے۔ نوجوان اونٹ۔ [يَقْضِيَ] اس آدمی کو اس کا اونٹ ادا کر دے۔ [خِيَارًا] ''خا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ عمدہ' اچھا' جو بہتر اور افضل ہو۔ [رَبَاعِيًا] ''را'' پر فتحہ اور ''یا'' مخفف ہے۔ (سامنے کے) ثنایا اور کچلیوں کے درمیان کے دانت' یعنی وہ اونٹ جو ساتویں سال میں قدم رکھ چکا ہو اور اس کے رباعی دانت گر چکے ہوں۔ یہ بہترین اور عمدہ اونٹ شمار ہوتا تھا اور جوان اونٹ سے اچھا اور عمدہ سمجھا جاتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے مقروض انسان اگر خود بخود اپنی مرضی سے ادائیگی قرض کے وقت واجب الادا قرض سے مقدار میں زیادہ یا بہتر اور عمدہ ادا کرے تو یہ جائز ہے۔ ② اگر قرض خواہ قرض دیتے وقت یہ شرط طے کرے کہ ادائیگی کے موقع پر میں تجھ سے اتنا مزید لوں گا' یا یہ کہے کہ قرض میں زیادہ عمدہ اور بہتر چیز لوں گا تو یہ سود شمار کیا جائے گا۔ اور سود ہر صورت میں حرام ہے۔

(٧٢٦) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا**». رَوَاهُ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ، وَإِسْنَادُهُ سَاقِطٌ.

[726] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر وہ قرض جو منافع کھینچ لائے' وہ سود ہے۔'' (اسے حارث بن ابی اسامہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند ساقط الاعتبار (ضعیف) ہے۔)

وَلَهُ شَاهِدٌ ضَعِيفٌ عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عِنْدَ الْبَيْهَقِيِّ، وَآخَرُ مَوْقُوفٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عِنْدَ الْبُخَارِيِّ.

اور اس کا کمزور شاہد بیہقی کے ہاں فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اور بخاری میں ایک اور موقوف حدیث عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

لغوی تشریح: [إِسْنَادُهُ سَاقِطٌ] ساقط ضعیف کے معنی میں مستعمل ہے۔ ایسی ضعیف کہ قابل احتجاج نہیں' اس لیے کہ اس کی سند میں سوار بن مصعب ہمدانی ہیں جو نابینا مؤذن تھے اور انھیں متروک راوی شمار کیا گیا ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت مرفوع سند سے ضعیف ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس

٧٢٦ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه الحارث بن أبي أسامة في مسنده وبغية الباحث: ٤٣٧، والمطالب العالية: ١/ ٤١١، حديث: ١٣٧٣ وفيه سوار بن مصعب متروك الحديث. وحديث فضالة أخرجه البيهقي: ٥/ ٣٥٠، وقال: "موقوف"، قلت: وسنده صحيح، وحديث عبدالله بن سلام أخرجه البخاري، مناقب الأنصار، حديث: ٣٨١٤.

کے شواہد جو کہ موقوف ہیں' کثرت سے ہیں جیسا کہ مصنف نے بھی روایت کے آخر میں ان کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن مسعود' حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن عباس ؓ سے بھی یہی مسئلہ موقوفاً ثابت ہے' نیز علمائے کرام کا بھی حدیث میں مذکور مسئلے کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (توضیح الأحکام من بلوغ المرام: ۴/ ۴۲۱- ۴۲۲)

٦ - بَابُ التَّفْلِيسِ وَالْحَجْرِ

باب:6- مفلس قرار دینے اور تصرف روکنے کا بیان

(٧٢٧) عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ أَدْرَكَ مَالَهُ بِعَيْنِهِ عِنْدَ رَجُلٍ قَدْ أَفْلَسَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ غَيْرِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[727] حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص اپنی چیز بعینہ اسی حالت میں اس شخص کے پاس پائے جو مفلس ہو گیا ہے تو وہ دوسرے کی بہ نسبت اس کا زیادہ حقدار ہے۔'' (بخاری و مسلم)

وَرَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَمَالِكٌ مِّنْ رِوَايَةِ أَبِي بَكْرِ ابْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُرْسَلًا، بِلَفْظِ: «أَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ مَتَاعًا، فَأَفْلَسَ الَّذِي ابْتَاعَهُ، وَلَمْ يَقْبِضِ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ ثَمَنِهِ شَيْئًا، فَوَجَدَ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، وَإِنْ مَاتَ الْمُشْتَرِي فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ». وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ. وَضَعَّفَهُ تَبَعًا لِأَبِي دَاوُدَ.

امام ابوداود اور امام مالک ؒ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے ان الفاظ کے ساتھ مرسل روایت بیان کی ہے: ''جو شخص کوئی چیز بیچے اور خریدنے والا مفلس ہو جائے اور بیچنے والے کو اس کی قیمت میں سے ابھی کچھ بھی نہ ملا ہو تو (اس صورت میں) اگر وہ اپنا مال بعینہ اس کے پاس پالیتا ہے تو وہ اس مال کا زیادہ حقدار ہے۔ اور اگر خریدار فوت ہو جائے تو پھر صاحب مال دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا۔'' (بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور ابوداود کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے۔)

وَرَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه مِنْ رِوَايَةِ عُمَرَ ابْنِ خَلْدَةَ، قَالَ: أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِي صَاحِبٍ لَّنَا قَدْ أَفْلَسَ، فَقَالَ:

امام ابوداود اور امام ابن ماجہ ؒ نے اسے عمر بن خلدہ سے بیان کیا ہے کہ ہم اپنے ایک ساتھی کے لیے جو مفلس ہو گیا تھا' حضرت ابوہریرہ ؓ کے پاس آئے تو انھوں نے

٧٢٧ـ أخرجه البخاري، الاستقراض، باب إذا وجد ماله عند مفلس، حديث: ٢٤٠٢، ومسلم، المساقاة، باب من أدرك ما باعه عند المشتري وقد أفلس، حديث: ١٥٥٩، ورواية أبي بكر بن عبدالرحمن أخرجه أبوداود، البيوع، حديث: ٣٥٢٠، ومالك: ٢/ ٦٧٨، والبيهقي: ٦/ ٤٦ وهو حديث صحيح، ورواية عمر بن خلدة أخرجه أبوداود، البيوع، حديث: ٣٥٢٣، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣٦٠، والحاكم: ٢/ ٥١ وسنده حسن.

لَأَقْضِيَنَّ فِيكُمْ بِقَضَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: مَنْ أَفْلَسَ أَوْ مَاتَ، فَوَجَدَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ. وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَضَعَّفَهُ أَبُودَاوُدَ، وَضَعَّفَ أَيْضًا هٰذِهِ الزِّيَادَةَ فِي ذِكْرِ الْمَوْتِ.

کہا: میں تمھارے معاملے میں رسول اللہ ﷺ والا فیصلہ ہی کروں گا۔ (اور وہ یہ تھا کہ) جو کوئی مفلس ہو جائے یا فوت ہو جائے اور مال والا اس کے پاس اپنی چیز بعینہ پا لے تو وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہوگا۔ (حاکم نے اسے صحیح اور ابوداود نے ضعیف کہا ہے اور اسی طرح ابوداود نے اس اضافے کو بھی ضعیف کہا ہے جو موت کے بارے میں ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ التَّفْلِيسِ وَالْحَجْرِ] تَفْلِيس کے معنی ہیں: قاضی کا کسی کو مفلس قرار دینے کی منادی اور تشہیر کرنا۔ اور مُفْلِس اسے کہتے ہیں جس کے پاس پیسے نہ ہوں۔ الحجر کی ''حا'' پر تینوں حرکات جائز ہیں۔ معنی ہیں: روکنا۔ وہ اس طرح کہ حاکم مقروض کو اس کے اپنے مال میں تصرف سے منع کر دے۔ [بِعَيْنِهِ] ہو بہو۔ اس کا کوئی وصف تبدیل نہ ہوا ہو۔ تصرفات شرعیہ کی رو سے وہ چیز نہ تو معنوی طور پر ہلاک ہوئی ہو اور نہ حسی طور پر۔ [أَفْلَسَ] کنگال ہو گیا۔ ایسا شخص جس کے پاس بشمول رأس المال کچھ بھی باقی نہ بچے' جیسے کہتے ہیں: أَفْلَسَ فُلَانٌ فلاں مفلس ہو گیا' یعنی اس کا مال باقی نہیں رہا' قلاش ہو گیا یا ایسی حالت میں پہنچ گیا کہ اب اس کے پاس کوئی پیسہ نہیں۔ [فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ] وہ شخص جس کا درحقیقت مال ہے' وہی اس مال کا زیادہ حقدار ہے۔ [مِنْ غَيْرِهِ] دوسرے سے' خواہ کوئی ہو۔ اس کا وارث ہو یا قرض دار۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے' البتہ احناف نے اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ جو چیز مفلس کے ہاتھ میں باقی ہے اس کا دوسرے کی بہ نسبت یہ زیادہ استحقاق نہیں رکھتا' یہ بھی دوسرے قرض خواہوں کی طرح ہے۔ یہ حضرات اس پر ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکے جو فائدہ مند ہو بجز قیاس معکوس کے جو نص صریح کے مقابلے میں ہے۔ صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ بِعَيْنِهِ کے قول کا یہ فائدہ ہے کہ جب قرض دینے والا یا فروخت کرنے والا اپنی چیز اسی حالت میں نہ پائے جس حالت میں اس نے دی تھی اور اس میں کوئی صفت تبدیل ہو چکی ہو' یا اس میں کمی بیشی واقع ہو گئی ہو تو پھر اس صورت میں یہ صاحب ہی اس کا استحقاق نہیں رکھتے بلکہ پھر سارے قرض خواہ اس میں مساوی ہوں گے' یعنی فروخت کر کے بقدر حصہ تقسیم کی جائے گی۔ [وَلَمْ يَقْبِضِ الَّذِي بَاعَهُ مِنْ ثَمَنِهِ شَيْئًا......] اس میں اس بات کی دلیل ہے جس کی طرف جمہور گئے ہیں کہ جب خریدار فروخت کنندہ کو کچھ رقم ادا کر دے تو پھر یہ فروخت کرنے والا اس مبیع (مال و متاع) کا زیادہ حق دار نہیں ہوگا جس کی کچھ رقم خریدار کے ذمے باقی ہے بلکہ اس میں سارے قرض خواہ برابر کے شریک ہوں گے۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی فروخت کنندہ ہی زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ یہ کلام نیل الاوطار میں مذکور ہے۔ [وَإِنْ مَّاتَ الْمُشْتَرِي فَصَاحِبُ الْمَتَاعِ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ] اگر خریدار فوت ہو جائے تو سامان کا مالک قرض خواہوں کے مساوی ہے۔ [غُرَمَاء] ''غین'' پر ضمہ اور ''را'' پر فتحہ ہے' غریم کی جمع ہے۔ قرض خواہ' یعنی وہ شخص جس کا دوسرے پر قرض ہو۔ [أُسْوَة] ''ہمزہ'' پر ضمہ اور کسرہ دونوں طرح' یعنی وہ شخص دوسروں کی طرح ہے' اور انھی (قرض خواہوں) میں سے ایک ہے۔ جو دوسرے لیں گے وہی یہ لے گا اور جس سے دوسرے محروم رہیں گے اس سے یہ بھی محروم

ہی رہے گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ افلاس اور موت میں فرق ہے۔ یہ رائے امام احمد اور امام مالک ؒ کی ہے۔ اور امام شافعی ؒ کا قول ہے کہ موت اور افلاس دونوں میں کوئی فرق نہیں اور مال کا اصل مالک ہی دونوں صورتوں میں زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے حضرت ابوہریرہ ؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جسے عمر بن خلدہ نے روایت کیا ہے مگر وہ ضعیف ہے جیسا کہ مصنف نے ابوداود کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ [وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ وَضَعَّفَهُ تَبَعًا لِأَبِي دَاوُدَ] اور امام بیہقی نے اسے موصول بیان کیا ہے اور امام ابوداود کی اتباع میں اسے ضعیف کہا ہے۔ اس عبارت سے بسا اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ امام ابوداود نے اسے موصول روایت نہیں کیا' صرف امام بیہقی ہی نے موصول روایت کیا ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ امام ابوداود نے مرسل اور موصول دونوں طرح بیان کیا ہے اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ مالک کی روایت صحیح ترین ہے' حالانکہ مالک کی روایت مرسل ہے۔ بنابریں اسی سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا موصول ہونا ضعیف ہے۔ رہی روایت عمر بن خلدہ کی جس کی مصنف نے ابوداود کے حوالے سے تضعیف نقل کی ہے' تو صاحب سبل السلام نے کہا ہے کہ میں نے سنن ابی داود کی مراجعت کی مگر مجھے عمر بن خلدہ کی روایت کی تضعیف نہیں ملی' البتہ صاحب عون المعبود نے کہا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ابوداود نے کہا: کون ہے جو اس سے دلیل حاصل کرتا ہے؟ أبو معتمر کون ہے؟ یہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے نہیں جانتے۔ یہ عبارت اکثر نسخوں میں پائی گئی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صاحب سبل السلام کو وہ نسخہ دستیاب نہیں ہوا جس میں یہ عبارت ہے' اسی وجہ سے انھوں نے مصنف ؒ کے ابوداود کی اس روایت کو ضعیف قرار دینے پر انکار کیا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی قسم کا مال خریدے اور اس کی رقم اس پر قرض ہو' اس کے بعد وہ مفلس و قلاش ہو جائے اور ادائیگی قرض کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہ بچے' اس صورت میں اس مال کے فروخت کرنے والے کو حق پہنچتا ہے کہ اگر اس کی فروخت کردہ چیز بعینہ موجود ہے تو وہ اسے بلا تردد حاصل کر لے اور معاہدۂ بیع کو فسخ کر دے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ لیکن احناف کے نزدیک وہ تنہا اس مال کو نہیں لے سکتا بلکہ وہ بھی عام قرض خواہوں کی طرح کا ایک قرض خواہ ہے' جس تناسب سے دوسرے قرض خواہوں کو قرض کی واپسی ہوگی اسے بھی اسی تناسب سے قرض واپس ہوگا۔ لیکن یہ حدیث کے خلاف ہے۔ امام ابوداود ؒ اور امام بیہقی ؒ کی روایت کردہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی مرسل حدیث' جسے انھوں نے موصول بیان کیا ہے' میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے مگر امام بخاری ؒ کہتے ہیں کہ اگر اسماعیل شامیوں سے روایت کرتا ہے تو وہ درست ہے اور اس حدیث میں اس نے حارث زبیدی شامی سے روایت کیا ہے' تاہم امام ابوداود نے مرسل ہی کو صحیح ترین کہا ہے اور عمر بن خلدہ کی روایت میں أبو معتمر کو امام ابوداود' طحاوی اور ابن منذر نے مجہول کہا ہے اور امام ابن ابی حاتم نے اس سے صرف' ابن ابی ذئب ہی روایت کرنے والا ذکر کیا ہے' اسی لیے امام ابوداود نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (التلخیص) جبکہ ہمارے فاضل محقق نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کی روایت کو صحیح اور عمر بن خلدہ کی روایت کو سنداً حسن قرار دیا ہے اور انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.

راویٔ حدیث: [حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ] ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی مدنی۔ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ان کے نام کے بارے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام محمد تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام مغیرہ تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام ابوبکر اور کنیت ابوعبدالرحمٰن ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے۔ بڑے فقیہ، عبادت گزار اور ثقہ آدمی تھے۔ انھیں تیسرے طبقے میں شمار کیا گیا ہے۔ ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان کا سماع ثابت ہے۔ شعبی اور زہری وغیرہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان کی وفات ۷۳ یا ۷۴ یا ۷۵ ہجری میں ہوئی۔

[حضرت عمر بن خلدہ رحمہ اللہ] ابوحفص ان کی کنیت تھی۔ مدینہ منورہ کے انصار میں سے تھے۔ قضا کے عہدے و منصب پر فائز رہے۔ نہایت پرہیزگار، پاک دامن وعفیف، بڑے بہادر، حریف کے مقابل شمشیر بُرّاں اور بڑے بارعب انسان تھے۔ انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے ربیعہ الرای نے۔ اور خلدہ کے ''خا'' پر فتحہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ خلدہ ان کے دادا ہیں اور ان کے والد کا نام عبدالرحمٰن ہے۔

(٧٢٨) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيُّ الْوَاجِدِ يُحِلُّ عِرْضَهُ وَعُقُوبَتَهُ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[728] حضرت عمرو بن شرید اپنے باپ (شرید رضی اللہ عنہ) سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مالدار آدمی کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا اس کی بے عزتی اور سزا کو حلال کر دیتا ہے۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے، نیز بخاری نے اسے تعلیقاً نقل کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَيُّ الْوَاجِدِ] اَللَّيّ کے ''لام'' پر فتحہ اور ''یا'' پر تشدید ہے۔ ٹال مٹول، لیت ولعل، بغیر کسی عذر اور رکاوٹ کے واجب الادا قرض کی رقم کو ادا کرنے سے گریز کرنا۔ [اَلْوَاجِد] مالدار آدمی، صاحب ثروت انسان۔ [يُحِلُّ عِرْضَهُ] يُحِلُّ میں ''یا'' پر ضمہ ہے، مضارع کا صیغہ ہے، یعنی قرض دینے والے کے لیے ایسی صورت میں سخت کلامی اور درشتی سے پیش آنا جائز ہے اور اس کی بے عزتی اور رسوائی کرنا درست ہے۔ [عُقُوبَتَهُ] سزا، بایں صورت کہ اسے قید کر دیا جائے۔ یا قاضی اس کا مال ومتاع فروخت کر کے اس پر واجب الادا قرض ادا کر دے۔

فائدہ: اس حدیث کی رو سے مال دار اور صاحب ثروت آدمی محض اپنی خساست طبع کی وجہ سے قرض کی ادائیگی میں حیلے بہانے، ٹال مٹول اور لیت ولعل کرے جبکہ وہ آسانی سے قرض ادا کرنے کی حالت میں ہو تو ایسے آدمی کو قرض خواہ زبانی کلامی بے عزت بھی کر سکتا ہے اور بذریعۂ عدالت اسے سزا دلوانے کا بھی مجاز ہے۔ جمہور علماء نے تو صرف دس درہم تک کی مالیت یا مقدار کے مساوی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے والے شخص کو فاسق اور مردود الشهادة قرار دیا

٧٢٨۔ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، القضاء، باب في الدين هل يحبس به، حديث: ٣٦٢٨، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٦٩٣، ٤٦٩٤، والبخاري، الاستقراض، قبل حديث: ٢٤٠١، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١١٦٤.

ہے۔(سبل السلام)

راویٔ حدیث: [حضرت عمرو] ابوالولید عمرو بن شرید "شین" پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ) بن سوید۔ طائف کے قبیلۂ ثقیف سے تھے' اسی لیے ثقفی طائفی کہلائے۔ ثقہ تابعی ہیں اور تیسرے طبقے میں سے ہیں۔

[حضرت شرید رضی اللہ عنہ] شرید بن سوید ثقفی۔ ان کا نام مالک تھا۔ نبی ﷺ نے ان کا نام شرید رکھا۔ آپ نے ان کا یہ نام اس وجہ سے رکھا کہ یہ اپنی قوم کا ایک فرد قتل کر کے مکہ میں آ گئے تھے اور پھر اسلام قبول کر لیا۔ (تلقيح لابن الجوزي) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق حضر موت سے تھا اور ان کا شمار قبیلۂ ثقیف میں سے تھا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انھیں اہل طائف میں شمار کیا جاتا تھا۔

(٧٢٩) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: أُصِيبَ رَجُلٌ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي ثِمَارٍ ابْتَاعَهَا، فَكَثُرَ دَيْنُهُ، فَأَفْلَسَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ»**، فَتَصَدَّقَ النَّاسُ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ وَفَاءَ دَيْنِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لِغُرَمَائِهِ: **«خُذُوا مَا وَجَدْتُمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ»**. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[729] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی کو پھلوں کی تجارت میں (کافی) نقصان ہوا جس کی وجہ سے اس پر قرض کا بار بہت زیادہ ہو گیا حتیٰ کہ وہ کنگال ہو گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس پر صدقہ کرو۔" لوگوں نے اس پر صدقہ کیا مگر وہ صدقہ اتنا نہیں تھا کہ قرض پورا ادا ہو جاتا' تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے قرض خواہوں سے فرمایا: ("یہی کچھ ہے) جو کچھ ملتا ہے لے لو۔ اس کے علاوہ تمھارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" (مسلم)

لغوی تشریح: [لَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ] اس عبارت سے یہ بات مترشح ہو رہی ہے کہ صدقے کا حکم جو قرض کی ادائیگی کے لیے آپ نے فرمایا تھا' وہ علی وجہ الاستحباب تھا۔ جب پھل کسی آفت کی زد میں آ کر برباد ہو جائیں تو ایسی صورت میں اسے فروخت کنندہ کے مال سے وضع کیا جائے گا' خریدار کے مال سے نہیں جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث' جو رقم ۷۱۷ کے تحت پہلے گزر چکی ہے میں' بیان ہو چکا ہے' البتہ قرض' قرض دار کے حالات کے ناموافق و نامساعد ہونے کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہو گا۔ فی الحال اس سے ادائیگی کا تقاضا و مطالبہ مؤخر کر دیا جائے گا۔

(٧٣٠) وَعَنِ ابْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ حَجَرَ عَلٰى مُعَاذٍ مَالَهُ، وَبَاعَهُ فِي دَيْنٍ كَانَ عَلَيْهِ. رَوَاهُ

[730] حضرت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک اپنے باپ (کعب بن مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے مال میں تصرف سے

٧٢٩ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث: ١٥٥٦.

٧٣٠ـ [ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٤/ ٢٣١، والحاكم: ٢/ ٥٨ * الزهري عنعن.

الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ مُرْسَلاً، وَرَجَّحَ إِرْسَالَهُ.

روک دیا تھا اور ان کا مال اس قرض کی رقم کے عوض میں فروخت کر دیا جو ان کے ذمے تھی۔ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابوداود نے اسے مرسل روایت کیا ہے اور اس کے مرسل ہونے کو قابل ترجیح ٹھہرایا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَجَرَ عَلٰی مُعَاذٍ مَالَهُ] انھیں ان کے اپنے مال میں تصرف سے روک دیا۔ یہ ۹ ہجری کی بات ہے۔ اس کے بعد انھیں یمن کی طرف بھیج دیا تھا کہ اپنے مال کا نقصان پورا کر لیں۔

راویٔ حدیث: [ابن کعب رحمۃ اللہ علیہ] ابوالخطاب عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک انصاری مدنی مراد ہیں۔ کبار تابعین میں سے تھے اور ثقہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور سلیمان بن عبدالملک کے عہد خلافت میں وفات پائی۔

[حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ] کعب بن مالک بن ابی کعب۔ انصار کے قبیلۂ سلم سے تھے۔ مدینہ کے باشندے اور شاعر تھے۔ ان شعراء میں سے ایک تھے جنھیں شعرائے نبوی کے معزز و مکرم خطاب سے نوازا گیا ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک تھے۔ بدر و تبوک کے سوا باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ یہ بزرگ ان تین معزز بزرگ ہستیوں میں سے ایک تھے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ دربار الٰہی میں قبولیت کے شرف سے مشرف ہوئی تھی۔ ایک قول کے مطابق ۵۰ ہجری میں اور ایک قول کے مطابق ۵۱ ہجری میں، ستتر (۷۷) برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس وقت یہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے۔

(۷۳۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: عُرِضْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ، وَأَنَا ابْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَلَمْ يُجِزْنِي، وَعُرِضْتُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، وَأَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً، فَأَجَازَنِي. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[731] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مجھے اُحد کے روز نبی ﷺ کے روبرو پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر چودہ برس تھی۔ آپ نے مجھے جنگ میں شرکت کی اجازت نہ دی، پھر خندق کے روز مجھے آپ کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ برس تھی تو آپ نے مجھے شرکت کی اجازت دے دی۔ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبَيْهَقِيِّ: فَلَمْ يُجِزْنِي وَلَمْ يَرَنِي بَلَغْتُ». وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

اور بیہقی کی روایت میں ہے: آپ نے مجھے اجازت نہ دی اور مجھے بالغ نہ سمجھا۔ (ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [عُرِضْتُ] صیغۂ مجہول ہے۔ لڑائی کی جانب جانے کے لیے پیش کیا گیا۔ [لَمْ يُجِزْنِي] يُجِزْنِي

۷۳۱۔ أخرجه البخاري، الشهادات، باب بلوغ الصبيان وشهادتهم، حديث: ٢٦٦٤، ومسلم، الإمارة، باب بيان سن البلوغ، حديث: ١٨٦٨، والبيهقي: ٣/ ٨٣.

إجَازَة سے ماخوذ ہے یعنی مجھے لڑائی اور خرید وفروخت کرنے کے قابل نہیں سمجھا اور جنگجو اور مقاتلین کے لیے جو واجب حکم ہے مجھے اس میں شامل نہیں فرمایا اور نہ اپنے ساتھ نکلنے کے لیے جو حکم صادر فرمایا تھا اس میں شمار کیا۔ اور ایک قول کے مطابق اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ نے میرے لیے جائزہ (انعام) مقرر نہیں فرمایا۔ جائزہ کے معنی مجاہدین اور غازیوں کا رزق و انعام ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے تصرفات کی عمر پندرہ سال میں شروع ہو جاتی ہے جسے قابل قبول اور قابل تسلیم سمجھا گیا ہے۔ ② مصنف بھی اس حدیث کو اس باب میں یہی بتانے کے لیے لائے ہیں کہ خرید وفروخت کس عمر کی قابل اعتبار ہے۔ گویا پندرہ سال سے کم عمر بچہ اور پندرہ سال کا نوجوان مردوں کے حکم میں آ جاتا ہے۔ ③ اس حدیث سے نوجوان کا شوق جہاد ملاحظہ کیجیے کہ آگے بڑھ کر خود اپنے آپ کو خدمت جہاد کے لیے پیش کرتا ہے۔ پہلی بار ناکامی کے بعد اگلے سال پھر قسمت آزمائی کرتا ہے اور اپنے عزم و ارادے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ④ معلوم ہوا کہ فوج میں بھرتی کے لیے اس سے کم عمر والوں کو نہیں لینا چاہیے۔ ⑤ اس سے یہ اصول بھی نکلا کہ فوج کی بھرتی کے لیے پہلے جسمانی ٹیسٹ لینا چاہیے اگر مناسب نہ ہو تو واپس بھیج دیا جائے۔

(٧٣٢) وَعَنْ عَطِيَّةَ الْقُرَظِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: عُرِضْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ يَوْمَ قُرَيْظَةَ، فَكَانَ مَنْ أَنْبَتَ قُتِلَ، وَمَنْ لَّمْ يُنْبِتْ خُلِّيَ سَبِيلُهُ، فَكُنْتُ مِمَّنْ لَمْ يُنْبِتْ، فَخُلِّيَ سَبِيلِي. رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ: صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ.

[732] حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو قریظہ کے ساتھ جنگ کے روز ہمیں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، تو جس کے زیر ناف بال اگے ہوئے تھے اسے قتل کر دیا اور جس کے نہیں اگے تھے اسے چھوڑ دیا۔ میں بھی ان میں سے تھا جن کے بال نہیں اگے تھے لہٰذا مجھے بھی چھوڑ دیا گیا۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے نیز ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام حاکم نے کہا ہے: یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔)

لغوی تشریح: یَوْمَ قُرَیْظَةَ | ۵ ہجری ذی قعدہ میں غزوۂ احزاب کے فوراً بعد یہ غزوہ واقع ہوا۔ اس غزوے کے برپا ہونے کا سبب غزوۂ خندق کے ایام میں بنو قریظہ کی عہد شکنی اور غداری تھی۔ انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ طے شدہ معاہدے کو توڑ دیا۔ مسلمانوں کے خلاف مشرکین سے خفیہ اجلاسوں میں مشورے کیے۔ اس غزوے کی انتہا بنو قریظہ کے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حَکَم تسلیم کرنے پر ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو انھوں نے اس خیال کے پیش نظر حکم تسلیم کیا تھا کہ وہ ان سے رحم و کرم کا معاملہ کریں گے کیونکہ بنو قریظہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قبیلہ اوس کے درمیان زمانۂ قدیم سے

٧٣٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في الغلام يصيب الحد، حديث: ٤٤٠٤، والترمذي، السير، حديث: ١٥٨٤، وقال: حسن صحيح، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٤١، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٩٨٤ وغيره، وأحمد: ٤/ ٣١٠، ٥/ ٣١٢، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ١٣٧، حديث: ٤٧٦٠، والحاكم: ٣/ ٣٥، وابن الجارود، حديث: ١٠٤٥.

حلیفانہ تعلقات تھے' چنانچہ جب انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو فیصل تسلیم کر لیا تو انھوں نے ان کے قابل جنگ مردوں کو قتل کرنے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈیاں اور غلام بنانے کا فیصلہ کیا تو ان کی یہ سزا' مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں' مشوروں اور غداری کے عین مطابق تھی' لہٰذا جو بالغ تھا اسے قتل کر دیا گیا اور جو نابالغ تھا اسے چھوڑ دیا گیا اور جس کے بارے میں بالغ اور نابالغ ہونے میں شک ہوتا اسے برہنہ کر کے ملاحظہ کیا جاتا' چنانچہ جس کے زیر ناف اور شرم گاہ کے اردگرد بال اگے ہوتے اسے قتل کر دیا جاتا۔ [خَلّٰى سَبِيلَهُ] اس کا راستہ کھلا چھوڑ دیا' یعنی اسے قتل نہ کیا بلکہ چھوڑ دیا۔ سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ بالوں کا اگنا بلوغت کی نشانی ہے اور جس کے یہ بال نکل آئیں اس پر احکام شرعیہ نافذ ہوں گے اور اس پر تقریباً اجماع ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ نے بالغ ہونے کی تین نشانیاں بتائی ہیں: عمر پندرہ سال یا احتلام' اگر عمر کا تعین نہ ہو سکے اور احتلام کا بھی پتہ نہ چل سکے تو پھر زیر ناف بالوں کی موجودگی بلوغت کی علامت ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ] قرظی کے ''قاف'' پر ضمہ اور ''را'' پر فتحہ ہے۔ بنو قریظہ کی طرف نسبت کی وجہ سے قرظی کہلائے۔ صغیر صحابی ہیں۔ ان سے ایک ہی حدیث مروی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں ان کے والد کے نام سے واقف نہیں ہو سکا۔ ان سے مجاہد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

(٧٣٣) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا».

وَفِي لَفْظٍ: «لَا يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَمْرٌ فِي مَالِهَا، إِذَا مَلَكَ زَوْجُهَا عِصْمَتَهَا» رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَصْحَابُ السُّنَنِ، إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[733] حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ (شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی عورت کو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر عطیہ دینے کی اجازت نہیں۔''

اور ایک روایت میں ہے: ''کسی عورت کو اپنے مال میں کوئی معاملہ کرنے کا اختیار نہیں جبکہ اس کا شوہر اس کی عصمت کا مالک ہو۔'' (اسے احمد اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے سوائے ترمذی کے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يَجُوزُ لِامْرَأَةٍ عَطِيَّةٌ] عورت کے لیے کسی کو عطیہ دینا جائز نہیں۔ امام خطابی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حکم اکثر علماء نے حسن معاشرت پر اور باہم ایک دوسرے کے دل کو پاک صاف رکھنے پر محمول کیا ہے کہ اس طرح رہن سہن میں اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ یا اس سے غیر سنجیدہ' بے سلیقہ اور رشد و ہدایت سے عاری خاتون مراد ہے جسے اپنے نفع و نقصان کا چنداں شعور نہ ہو۔ ورنہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عید کے مجمع میں عورتوں کو تَصَدَّقْنَ فرما

٧٣٣ـ [حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في عطية المرأة بغير إذن زوجها، حديث: ٣٥٤٧، والنسائي، الزكاة، حديث: ٢٥٤١، وابن ماجه، الصدقات، حديث: ٢٣٨٨، وأحمد: ٢/ ١٧٩، ١٨٤، ٢٠٧، والحاكم: ٢/ ٤٧.

کر صدقہ کرنے کی ترغیب دلائی جس کے نتیجے میں عورتوں نے اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی جانب پھینک دیں اور انھوں نے اپنی چادر میں جمع کر لیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عطیات جو اس موقع پر عورتوں نے دیے وہ شوہروں کی اجازت کے بغیر ہی دیے۔ (ملخصًا) | لَا يَجُوزُ لِلْمَرْأَةِ أَمْرٌ فِي مَالِهَا | یعنی اس کے قبضے میں خاوند کا جو مال ہے اس میں سے خرچ کرنے کا اسے اختیار حاصل نہیں۔ عورت کی طرف مال کی نسبت مجازاً ہے کیونکہ اس کے تصرف میں دیا گیا ہے۔ اس صورت میں نہی تحریمی ہے۔ یا اس سے اس کا اپنا ذاتی مال مراد ہے' اس صورت میں یہ ممانعت ان کے ناقصات العقل ہونے کی بنا پر ہے' لہٰذا اس کے لیے مناسب نہیں کہ اپنے خاوند سے مشورہ کیے بغیر اسے خرچ کرے۔ یہ حکم ادباً اور استحباباً ہے اور یہ ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔ مزید دیکھیے: (عون المعبود: ۳/ ۳۱۷)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے ذاتی اثاثے میں اپنے شوہر کی اجازت و رضامندی کے بغیر کسی قسم کا تصرف کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ ② مشہور تابعی حضرت طاؤس رحمہ اللہ اسی حدیث کی روشنی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ کوئی عورت اپنے ذاتی مال میں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کرے۔ ③ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عورت صرف ایک تہائی میں شوہر کی اجازت کے بغیر تصرف کر سکتی ہے' مگر باقی ائمۂ ثلاثہ اور جمہور علماء عورت کے اس کے ذاتی مال میں تصرف کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور عورت کا ذاتی مال وہ ہے جو اسے مہر کی صورت میں شوہر کی طرف سے ملتا ہے۔ اسی طرح والدین کی طرف سے ملنے والا مال اور اس کی سہیلیوں اور رشتہ داروں کے دیے ہوئے تحائف و عطیات وغیرہ' نیز اس کا تجارتی منافع بھی اس کا ذاتی مال ہے' اس پر شوہر یا کسی اور کا کوئی حق نہیں' اس لیے وہ اسے اپنی مرضی سے صرف کر سکتی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث میں انفاق فی سبیل اللہ کا عمومی حکم اس کا مقتضی ہے' تاہم عورت اگر خاوند سے مشورہ کرے' یا اس سے اجازت حاصل کرے تو یہ ان کے مابین حسن سلوک اور باہمی اعتماد میں اضافے کا باعث ہوگا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے۔

(٧٣٤) وَعَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ الْهِلَالِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ: رَجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتّٰى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكَ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ، حَتّٰى يَقُولَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهِ:

[734] حضرت قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تین آدمیوں کے سوا کسی دوسرے کے لیے سوال کرنا جائز نہیں: ایک وہ آدمی جس نے کوئی ضمانت اٹھائی ہو' اس کے لیے تاوانِ ضمانت کی مقدار تک سوال کرنا جائز ہے' اس کے بعد سوال کرنا چھوڑ دے۔ اور ایک وہ آدمی جسے کوئی آفت پہنچی ہو جس نے اس کا سارا مال تباہ و برباد کر دیا ہو' اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اس کے لیے گزران کی کوئی سبیل نکل آئے۔ اور

٧٣٤ـ أخرجه مسلم، الزكاة، باب من تحل له المسألة، حديث: ١٠٤٤.

لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَـةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَـةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ایک وہ آدمی جو فاقہ میں مبتلا ہو یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین قابل اعتماد آدمی اس بات کی شہادت دیں کہ فلاں آدمی فاقے میں مبتلا ہو گیا ہے تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں صرف تین قسم کے آدمیوں کے لیے دست سوال دراز کرنے کی اجازت ہے اور وہ بھی محدود وقت کے لیے۔ انھی میں سے ایک ضامن ہے' وہ اگر مفلس نہ بھی ہو تب بھی اس کے لیے سوال کر کے ضمانت دی ہوئی رقم کو ادا کرنا جائز ہے۔ ② جو شخص فاقے میں مبتلا ہے اس کے لیے تین افراد کی گواہی کا حکم استحباب اور احتیاط کے پہلو سے ہے۔ اس کی حیثیت شرط کی نہیں کہ اس کے بغیر وہ سوال ہی نہیں کر سکتا جیسا کہ عمومی ادلہ کی بنا پر علماء نے کہا ہے۔

٧ - بَابُ الصُّلْحِ

باب: 7- صلح کا بیان

(٧٣٥) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «الصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، إِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا، وَالْمُسْلِمُونَ عَلٰى شُرُوطِهِمْ. إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا، أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَنْكَرُوا عَلَيْهِ، لِأَنَّ رَاوِيَهُ كَثِيرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ ضَعِيفٌ، وَكَأَنَّهُ اعْتَبَرَهُ بِكَثْرَةِ طُرُقِهِ، وَقَدْ صَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.

[735] حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے۔ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور دوسرے محدثین نے اس کا انکار کیا ہے کیونکہ اس کا ایک راوی کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف ضعیف ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ترمذی نے کثرت طرق کی وجہ سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الصُّلْحِ] صلح کی بہت سی اقسام ہیں' مثلاً: دولڑنے والوں کے درمیان صلح' خاوند بیوی کے درمیان صلح اور حقوق و املاک میں نزاع کو ختم کرنے کے لیے صلح۔ اس مقام پر حقوق کے بارے میں صلح مراد ہے کیونکہ یہاں خرید

٧٣٥- [صحيح] أخرجه الترمذي، الأحكام، باب ما ذكر عن رسول الله ﷺ في الصلح بين الناس، حديث: ١٣٥٢، سنده ضعيف جدًا ولكن له شواهد كثيرة عند أبي داود وابن حبان وغيرهما. * حديث أبي هريرة أخرجه ابن حبان (الموارد)، حديث: ١١٩٩، وأبوداود، القضاء، حديث: ٣٥٩٤. [وسنده حسن].

وفروخت سے من وجہ اسی کی نسبت ہے۔ اور فقہائے کرام بھی کِتَابُ الْبُیُوع میں اس باب کو اسی بنا پر لائے ہیں۔ [وَالْمُسْلِمُونَ عَلٰی شُرُوطِهِمْ] یعنی مسلمان اپنی شرائط پر قائم اور ان پر ثابت قدم ہیں، ان سے پھرتے نہیں۔ [إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا] مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کر دے، مثلاً: یہ شرط کرے کہ مظلوم اور پریشان حال کی مدد نہ کرے، فقیروں اور محتاجوں کی اعانت نہ کرے۔ [أَوْأَحَلَّ حَرَامًا] یا حرام کو حلال کرے، مثلاً: یہ شرط کرے کہ ظالم کی مدد کرے، باغی سے تعاون کرے یا مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی شرط کرے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں مسلمانوں کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ شریعت اسلامی کے احکام کے مخاطب اور مکلف مسلمان ہی ہیں، ورنہ جہاں تک صلح کا تعلق ہے تو وہ اہل کتاب کے دونوں گروہوں یہود ونصاریٰ کے ساتھ بھی جائز ہے اور مشرکین اور دہریہ لوگوں کے ساتھ بھی۔ ② رسول اللہ ﷺ نے بذات خود اہل کتاب سے بھی صلح کی ہے۔ میثاق مدینہ میں یہود مدینہ کے ساتھ صلح ثابت ہے، نصاریٰ نجران کے ساتھ صلح ثابت ہے اور صلح حدیبیہ میں آپ نے مشرکین مکہ سے صلح کی۔ ③ صلح کے لیے ضابطہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ صلح شریعت اسلامیہ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو جس سے کوئی حرام چیز حلال ہو جائے یا حلال چیز حرام ہو جائے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ] عمرو بن عوف بن زید بن ملحہ المزنی (مزنی کے ''میم'' پر ضمہ اور ''زا'' پر فتحہ)۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ یہ کثیر بن عبداللہ کے جد امجد ہیں۔ قدیم الاسلام تھے۔ بدر میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے انھیں حرم مدینہ کا عامل مقرر کیا۔ اللہ کے ڈر سے بہت زیادہ رونے والے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہوئے۔

[کثیر بن عبداللہ] امام شافعی اور امام ابوداود رحمہما اللہ اس کی بابت فرماتے ہیں: یہ بہت بڑا جھوٹا اور کذاب رکن ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس نے اپنے باپ اور دادا کی سند سے ایک موضوع نسخہ روایت کیا ہے۔

(٧٣٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**لَا يَمْنَعْ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ**»، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: مَا لِي أَرَاكُمْ عَنْهَا مُعْرِضِينَ؟ وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا بَيْنَ أَكْتَافِكُمْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[736] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی ہمسایہ اپنے ہمسائے کو اپنی دیوار میں لکڑی گاڑنے سے منع نہ کرے۔'' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں اس پر عمل پیرا ہونے سے گریز کرتے دیکھ رہا ہوں، اللہ کی قسم میں تو اسے تمھارے کندھوں پر ضرور رکھوں گا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [يَغْرِزَ] ''را'' کے نیچے کسرہ ہے۔ يَغْرِزَ، يَضَعُ کے معنی میں ہے، یعنی رکھے۔ [مَالِي أَرَاكُمْ عَنْهَا]

٧٣٦ـ أخرجه البخاري، المظالم، باب لا يمنع جار جاره أن يغرز خشبة في جداره، حديث: ٢٤٦٣، ومسلم، المساقاة، باب غرز الخشبة في جدار الجار، حديث: ١٦٠٩.

یعنی اس سنت یا اس ارشاد سے اعراض کر رہے ہو۔ یہ انھوں نے اس لیے فرمایا کہ جب انھوں نے ان سے حدیث سنی تو اپنے سر نیچے جھکا لیے۔ [وَاللّٰهِ لَأَرْمِيَنَّ بِهَا] اللہ کی قسم! میں اس سنت یا اس ارشاد کو تمھارے کندھوں پر ضرور رکھوں گا۔ کندھوں پر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ میں اس سنت کو اعلانیہ اور کھلم کھلا عمل کرا کے چھوڑوں گا اور اس کے اعلان سے لوگوں پر حجت قائم کر کے دم لوں گا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ضمیر کا مرجع خَشَبَة (لکڑی) ہے' اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں یہ لکڑی تمھارے کندھوں کے درمیان رکھوں گا۔ یہ کنایہ ہے کہ میں اس سنت کو باوجود ناپسندیدگی کے زبردستی نافذ کر کے رہوں گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت مدینہ طیبہ کے امیر تھے۔ امیر کے لیے لازم ہے کہ جب لوگ احکام شرعیہ کو ناپسند کریں تو وہ زبردستی انھیں نافذ کرے۔ (علامہ ''الیمانی'' نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے مخاطب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نہ تھے بلکہ عام لوگ تھے جو احکام شرعیہ سے واقف نہ تھے۔)

فائدہ: اس حدیث میں ایک ہمسائے کے دوسرے ہمسائے پر حقوق کی نشان دہی ہوتی ہے کہ تعمیرات کے موقع پر ایک دوسرے سے تعاون و معاونت کریں۔ اور یہ بھی حق ہمسائیگی میں سے ہے کہ ہمسایہ ہمسائے کی دیوار پر اپنا شہتیر یا اپنا لینٹر رکھنا چاہے تو اسے کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے بشرطیکہ دیوار اس قابل ہو۔ امام احمد اور اسحاق رحمہما اللہ کے نزدیک تو یہ حکم واجب ہے۔ نہ رکھنے دے گا تو گناہ گار ہوگا اور اگر ہمسایہ معاف نہ کرے تو اس گناہ کی سزا عنداللہ پا کر رہے گا۔ اور باقی ائمہ کے نزدیک یہ نہی تنزیہی ہے' مگر امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایسے لوگوں پر شدید انکار اس کا مؤید ہے۔

(٧٣٧) وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ أَنْ يَأْخُذَ عَصَا أَخِيهِ بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ مِّنْهُ». رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ فِي صَحِيحَيْهِمَا.

[737] حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اس کی خوشی اور رضامندی کے بغیر لے۔'' (اسے ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔)

فائدہ: علامہ ''الیمانی'' بیان کرتے ہیں کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث کے بعد یہ حدیث ذکر کر کے دراصل اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں ممانعت تنزیہی ہے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا آخری قول ہے' مگر اس تاویل کی ضرورت تو تب ہے جب دونوں احادیث میں جمع و تطبیق مشکل ہو' حالانکہ یہاں تطبیق ظاہر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے اور یہ حدیث عام ہے۔ جس طرح زکاۃ وصول کرنے اور بعض دیگر مالی معاملات میں زبردستی جائز ہے اسی طرح یہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل بھی ہمسائے کی (بلاوجہ) ناراضی کے باوجود جائز ہے۔ (سبل السلام)

٧٣٧۔ [حسن] أخرجه ابن حبان (الإحسان): ٧/ ٥٨٧، حديث: ٥٩٤٦ (الموارد)، حديث: ١١٦٦، والحاكم: ٣/ ٦٣٧، وللحديث شواهد.

٨ - بَابُ الْحَوَالَةِ وَالضَّمَانِ

باب: 8-ضمانت اور کفالت کا بیان

(٧٣٨) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ، وَإِذَا أُتْبِعَ أَحَدُكُمْ عَلَى مَلِيٍّ فَلْيَتْبَعْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: «وَمَنْ أُحِيلَ فَلْيَحْتَلْ.»

[738] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مالدار آدمی کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو مالدار آدمی کا حوالہ دیا جائے تو اسے قبول کر لینا چاہیے۔'' (بخاری ومسلم) اور احمد کی ایک روایت میں ہے: ''جسے (کسی مالدار کا) حوالہ دیا جائے' اسے وہ قبول کرنا چاہیے۔''

لغوی تشریح: [بابُ الْحَوَالَةِ] ''حا'' پر فتحہ اور کبھی کبھار کسرہ بھی آ جاتا ہے۔ قرض کو ایک شخص کے ذمے سے نکال کر دوسرے کے ذمے منتقل کرنا' جیسا کہ کسی شخص کے ذمے آپ کا قرض ہے اور اس آدمی کا آگے کسی دوسرے پر قرض ہے' چنانچہ یہ شخص کہے کہ میرے ذمے آپ کا قرض جو واجب الادا ہے وہ آپ فلاں صاحب سے وصول کر لیں۔ [وَالضَّمَانِ] ''ضاد'' کے فتحہ کے ساتھ۔ جس کے معنی ذمہ داری اور کفالت کے ہیں۔ [إِذَا أُتْبِعَ] ''ہمزہ'' پر ضمہ۔ صیغۂ مجہول ہے۔ اپنے حق کے تقاضے کے لیے دوسرے کا تابع بنا دیا جائے اور ضمانت دی جائے۔ [مَلِيءٍ] مالدار' صاحب ثروت۔ بروزن فعیل۔ اس کے آخر میں ہمزہ ہے۔ اور اکثر ہمزہ کو ترک بھی کر دیتے ہیں اور ''یا'' پر تشدید دے دیتے ہیں۔ [فَلْيَتَّبِعْ] ''تا'' پر تشدید ہے۔ صیغۂ معروف ہے۔ حوالے کو قبول کر لینا چاہیے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں حوالے کا بیان ہے جس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ مقروض اپنے قرض میں شخصی ضمانت دے' یعنی ایک شخص دوسرے سے کہے کہ فلاں صاحب کو قرض دے دو' ادائیگی کا ذمہ میں لیتا ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ مقروض قرض خواہ کو اپنے مقروض کے سپرد کر دے' مثلاً: زید نے خالد سے ہزار روپیہ لینا ہے اور خالد نے حمید سے ہزار روپیہ لینا ہے تو خالد زید سے کہے کہ تم میرا قرض حمید سے وصول کر لو۔ شریعت نے اس صورت کو بھی جائز رکھا ہے' بشرطیکہ حمید اس بات کا اقرار کر لے کہ میں نے واقعی خالد کا قرض دینا ہے اور وہ ہزار روپیہ میں تجھے ادا کر دوں گا۔ ② اس حدیث کے الفاظ فَلْيَتَّبِعْ اور فَلْيَحْتَلْ دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے کہ اسے اس پیشکش کو قبول کر لینا چاہیے۔ ③ یہ حکم اہل ظاہر کے نزدیک وجوب کے لیے ہے مگر جمہور نے اسے استحباب پر محمول کیا ہے۔ ④ عرب ممالک کے بنکوں میں ڈرافٹ کو ''حوالہ'' کہا جاتا ہے۔ اور ڈرافٹ بنا کر دینے والا بنک' رقم جمع کرانے والے کو ایک رسید جاری کرتا ہے کہ اس رسید کے ذریعے سے فلاں بنک سے یہ رقم وصول کر لی جائے۔ یہ حوالے کا جدید مروجہ نظام ہے جو کہ شریعت کی اجازت

٧٣٨ـ أخرجه البخاري، الحوالات، باب الحوالة وهل يرجع في الحوالة، حديث: ٢٢٨٧، ومسلم، المساقاة، باب تحريم مطل الغني، حديث: ١٥٦٤، وأحمد: ٢/ ٤٦٣.

کے عین مطابق ہے۔ إن شاء اللہ.

(٧٣٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: تُوُفِّيَ رَجُلٌ مِّنَّا، فَغَسَّلْنَاهُ، وَحَنَّطْنَاهُ، وَكَفَّنَّاهُ، ثُمَّ أَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقُلْنَا: تُصَلِّي عَلَيْهِ. فَخَطَا خُطًا، ثُمَّ قَالَ: «أَعَلَيْهِ دَيْنٌ؟» قُلْنَا: دِينَارَانِ. فَانْصَرَفَ، فَتَحَمَّلَهُمَا أَبُوقَتَادَةَ، فَأَتَيْنَاهُ، فَقَالَ أَبُوقَتَادَةَ: اَلدِّينَارَانِ عَلَيَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «حَقَّ الْغَرِيمِ؟ وَبَرِئَ مِنْهُمَا الْمَيِّتُ؟» قَالَ: نَعَمْ، فَصَلّٰى عَلَيْهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[739] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی فوت ہو گیا۔ ہم نے اسے غسل دیا' خوشبو لگائی اور کفن پہنایا' پھر ہم اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے آگے بڑھنے کے لیے چند قدم اٹھائے' پھر دریافت فرمایا: ''کیا اس کے ذمے قرض ہے؟'' ہم نے عرض کیا: دو دینار۔ یہ سن کر آپ واپس تشریف لے آئے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے دو دینار کی ادائیگی اپنے ذمے لے لی' پھر ہم آپ کے پاس آئے تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: دو دینار میرے ذمے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''(کیا تم پر) مقروض کی طرح لازم وحق ہو گیا؟ اور میت ان سے بری الذمہ ہو گئی؟'' تو حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (اسے احمد' ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان اور حاکم دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَنَّطْنَاهُ] تَحنیط سے ماخوذ ہے' یعنی غسل کے بعد میت کے جسم پر مختلف قسم کی خوشبوئیں لگانا۔ [فَخَطَا خُطًا] خُطًا میں ''خا'' پر ضمہ ہے' هُدًى کے وزن پر۔ خُطْوَةٌ کی جمع ہے' یعنی چند قدم آگے بڑھے کہ نماز جنازہ پڑھیں۔ [فَتَحَمَّلَهُمَا] دو دینار ادا کرنے کی ذمہ داری اٹھائی۔ [حَقَّ الْغَرِيمِ] فعل محذوف کا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے' شروع میں حرف استفہام محذوف ہے' یعنی کیا اس کی ادائیگی تم پر اسی طرح لازم اور حق ہے جس طرح مقروض پر اس کا ادا کرنا حق ہے؟

فوائد و مسائل: ① میت کی جانب سے قرض ادا کرنے کی ضمانت درست ہے۔ ② ضمانت دینے والا آدمی ضمانت کی رقم مرنے والے کے ترکے میں سے نہیں لے سکتا' اسے اپنی جیب سے زر ضمانت ادا کرنا ہوگا۔ ③ میت کے حقوق مالیہ' جو اس پر واجب ہیں' مثلاً: حج' زکاۃ' قرض کی ادائیگی وغیرہ' کا اسے فائدہ پہنچتا ہے اور اس کی جانب سے دوسرے کے ادا کرنے سے ادا ہو جاتے ہیں۔ ④ قرض ہو یا دوسرے حقوق العباد' جب تک ان کی ادائیگی نہ کی جائے یا حقدار یہ قرض خواہ خود معاف نہ کر دے' کبھی ساقط نہیں ہوتے حتی کہ مرنے کے بعد بھی از خود معاف نہیں ہوتے۔ ⑤ قرضہ لینا بہت ہی

٧٣٩- [صحيح] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في التشديد في الدين، حديث: ٣٣٤٣، والنسائي، الجنائز، حديث: ١٩٦٤، وأحمد: ٣/ ٣٣٠، ٥/ ٢٩٧، ٣٠٤، وابن حبان (الإحسان): ٥/ ٢٥، ٢٦، حديث: ٣٠٤٨.

سنگین اور سخت معاملہ ہے' حتی الوسع قرض لینے سے گریز ہی کرنا چاہیے' اگر اشد مجبوری اور ناگزیر ضرورت کی بنا پر لے لے تو جلد از جلد اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے۔

(۷٤٠) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يُؤْتٰى بِالرَّجُلِ الْمُتَوَفّٰى، عَلَيْهِ الدَّيْنُ، فَيَسْأَلُ: «**هَلْ تَرَكَ لِدَيْنِهِ مِنْ قَضَاءٍ**»؟ فَإِنْ حُدِّثَ أَنَّهُ تَرَكَ وَفَاءً، صَلّٰى عَلَيْهِ، وَإِلَّا قَالَ: «**صَلُّوا عَلٰى صَاحِبِكُمْ**»، فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ: «**أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ، فَمَنْ تُوُفِّيَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ، فَعَلَيَّ قَضَاؤُهُ**.» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «**فَمَنْ مَاتَ وَلَمْ يَتْرُكْ وَفَاءً** ».

[740] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مقروض شخص کا جنازہ لایا جاتا تو پہلے آپ دریافت فرماتے: ''کیا اس نے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟'' اگر بتایا جاتا کہ اس نے ادائیگی کے لیے اپنا مال چھوڑا ہے تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ورنہ فرما دیتے: ''جاؤ! تم اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھ لو۔'' پھر جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات کے دروازے کھول دیے تو آپ نے فرمایا: ''میں مومنوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں' لہٰذا اب جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر قرض کا بار ہو تو اس قرضے کی ادائیگی میرے ذمے ہے۔'' (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جو آدمی فوت ہو گیا اور اس نے اتنا ترکہ پیچھے نہیں چھوڑا جو قرض کی ادائیگی کے لیے کافی ہو.....''

لغوی تشریح: أَنَا أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ : میں ان کا ان کے نفسوں کی بہ نسبت زیادہ حق رکھتا ہوں اور زیادہ قریب ہوں اور میرا حکم ان کے بارے میں خود ان کے اپنے حکم سے بھی زیادہ نافذ و جاری ہوتا ہے۔ بعینہ ان کے ذمے قرض کی رقم کی ادائیگی کا بھی میں زیادہ ذمہ دار اور ضامن ہوں جبکہ وہ اسے ادا نہ کر سکتے ہوں اور تنگ دست ہوں۔ یہ اس لیے کہ بیت المال میں سب مومنوں کا حق مساوی ہے بالخصوص جبکہ کوئی مسکین ہو اس وقت تو وہ زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اسلامی ریاست اپنے شہریوں کی ضروریات پورا کرنے کی ذمہ دار ہے حتی کہ اگر اس کا کوئی مسلمان شہری' مقروض فوت ہو جائے اور قرض کی ادائیگی کے لیے اس نے کوئی ترکہ نہ چھوڑا ہو اور کوئی عزیز رشتہ دار اور دوست بھی قرض کی ادائیگی کی ضمانت نہ دے تو اس صورت میں اس کا قرض اسلامی ریاست کے بیت المال سے ادا کیا جائے گا۔ ② اس حدیث سے نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت کے معذوروں' مجبوروں اور قرض داروں کے ساتھ محبت و شفقت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ ان کے حق میں کتنے مہربان' ہمدرد اور غم خوار تھے۔ ③ سربراہان مملکت کو اپنی رعایا کے ساتھ ایسا ہی

٧٤٠ـ أخرجه البخاري، النفقات، باب قول النبي ﷺ من ترك كلًا أو ضياعا فإلي، حديث: ٥٣٧١، ومسلم، الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، حديث: ١٦١٩.

شفیق و مہربان ہونا چاہیے۔

(٧٤١) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا كَفَالَةَ فِي حَدٍّ». رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

[741] حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی حدود میں ضمانت و ذمہ داری نہیں۔'' (اسے بیہقی نے کمزور سند سے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے لیکن معناً صحیح ہے۔ بنابریں جرائم کا ارتکاب کرنے والے ہی سزا کے حق دار ہوں گے۔ کسی کے جرم کی حد اس کے والد، بھائی یا دیگر رشتہ داروں پر جاری نہ ہوگی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (توضيح الأحكام من بلوغ المرام: ٤/ ٥٣٠، ٥٣١)

٩ - بَابُ الشَّرِكَةِ وَالْوَكَالَةِ

باب:9- شراکت اور وکالت کا بیان

(٧٤٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ مَالَمْ يَخُنْ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَإِذَا خَانَ خَرَجْتُ مِنْ بَيْنِهِمَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[742] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں دو شراکت کرنے والوں میں تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی خیانت نہ کرے۔ جونہی ان میں سے کوئی ایک خیانت کا مرتکب ہوتا ہے تو میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الشَّرِكَةِ..... الخ] شركة کے ''شین'' کے نیچے کسرہ اور ''را'' ساکن ہے۔ ''شین'' پر فتحہ اور ''را'' کے نیچے کسرہ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور [الْوَكَالَةِ] میں ''واؤ'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ وکالت کے معنی ہیں: تفویض کرنا، سپرد کرنا، یعنی اپنے اختیارات کسی دوسرے کو دے کر اپنا قائم مقام بنانا۔ [أَنَا ثَالِثُ الشَّرِيكَيْنِ] یعنی میں ان کے ساتھ ہوتا ہوں حفاظت کرنے، نگرانی کرنے، برکت نازل کرنے اور مال میں مدد کرنے کی صورت میں۔ [خَرَجْتُ] میں ان کے درمیان سے نکل جاتا ہوں بایں صورت کہ میری حفاظت اور نگرانی اٹھ جاتی ہے۔

٧٤١ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه البيهقي: ٦/ ٧٧، وقال: تفرد به بقية عن أبي محمد عمر بن أبي عمر الكلاعي وهو من مشايخ بقية المجهولين ورواياته منكرة. * أبو محمد عمر بن أبي عمر الكلاعي مجهول كما عرفت وبقية عنعن.

٧٤٢ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الشركة، حديث: ٣٣٨٣، والحاكم: ٢/ ٥٢.

(٧٤٣) وَعَنِ السَّائِبِ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ شَرِيكَ النَّبِيِّ ﷺ قَبْلَ الْبِعْثَةِ، فَجَاءَ يَوْمَ الْفَتْحِ، فَقَالَ: «مَرْحَبًا بِأَخِي وَشَرِيكِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه.

[743] حضرت سائب مخزومی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ بعثت سے پہلے نبی ﷺ کی تجارت میں شریک تھے‘ پھر وہ فتح مکہ کے موقع پر آئے تو آپ نے فرمایا: ”خوش آمدید میرے بھائی اور میرے شریک!“ (اسے احمد‘ ابوداود اور ابن ماجہ تینوں نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے‘ تاہم مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود معناً صحیح ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (التعليق على الروضة الندية: ۲/ ۱۴۰) ② اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت نبوی سے پہلے بھی کاروبار میں شراکت کا رواج تھا۔ اسلام نے بھی اسے جاری رکھا‘ البتہ جو نقائص دور جاہلیت میں تھے ان سے شراکت کو پاک اور صاف کر دیا۔ ③ آپ نے بعثت سے پہلے کے شریک تجارت کی کس قدر حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کی‘ اس لیے پرانے اور دیرینہ دوستوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ جب ملاقات ہو تو خندہ پیشانی اور کشادہ ظرفی سے ملاقات کرنی چاہیے۔

راویٔ حدیث: [حضرت سائب بن ابی سائب مخزومی رضی اللہ عنہ] فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ عکرمہ بن ابوجہل کی معیت میں مرتدین سے قتال کیا اور فتح کی خوشخبری دے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب قاصد بھیجا۔ علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ یہ مؤلفۃ القلوب لوگوں میں سے تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کا اسلام بہت عمدہ ہے اور لمبی عمریں پائی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک زندہ رہے۔

(٧٤٤) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: اِشْتَرَكْتُ أَنَا وَعَمَّارٌ وَسَعْدٌ فِيمَا نُصِيبُ يَوْمَ بَدْرٍ. اَلْحَدِيثَ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

[744] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ انھوں نے کہا: میں‘ عمار بن یاسر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں میں شراکت کی جو ہمیں بدر کے روز حاصل ہوئیں۔ ......الحدیث (اسے نسائی نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: [اَلْحَدِيثَ] بعض نسخوں میں حدیث کا بقیہ حصہ بھی ثابت ہے اور مکمل حدیث یوں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ دو قیدی لے کر آئے اور میں اور عمار رضی اللہ عنہ کچھ بھی نہ لائے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کسب میں شراکت جائز ہے۔ ایسی شراکت کو شَرِكَةُ الْأَبْدَانِ کہتے ہیں۔ احناف اس کی صحت کے قائل ہیں اور جمہور علماء اسے باطل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے‘ اس لیے کہ اس روایت کو ابوعبیدہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ابوعبیدہ نے اپنے والد سے کچھ بھی نہیں سنا‘ لہٰذا یہ منقطع ہے جو دلیل بنانے کے لائق نہیں‘ نیز ہمارے

٧٤٣ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في كراهية المراء، حديث: ٤٨٣٦، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٨٧، وأحمد: ٣/ ٤٢٥. * مجاهد سمعه من قائد السائب والقائد لم أجد له ترجمة، وفي سند الحديث اضطراب.

٧٤٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه النسائي، المزارعة، حديث: ٣٩٦٩، ٤٧٠١، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢٢٨٨، وأبوداود، البيوع، حديث: ٣٣٨٨. * أبوعبيدة لم يدرك أباه عبدالله بن مسعود، وأبوإسحاق عنعن.

فاضل محقق نے بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس ضعف کے باوصف اس شرکت کو اللہ تعالیٰ نے باطل قرار دیا ہے اور یہ آیت نازل فرمائی ہے: ﴿ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (الأنفال 8:1) چنانچہ اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ یہ احادیث اور اس سے پہلے کی دونوں احادیث شراکت کے مسائل سے متعلق ہیں اور آئندہ آنے والی چاروں احادیث کاروبار میں کسی کو اپنا وکیل بنانے' صدقہ وصول کرنے اور قربانی کا جانور ذبح کرنے کے مسائل پر مشتمل ہیں۔

(٧٤٥) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: أَرَدْتُ الْخُرُوجَ إِلٰى خَيْبَرَ، فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «إِذَا أَتَيْتَ وَكِيلِي بِخَيْبَرَ، فَخُذْ مِنْهُ خَمْسَةَ عَشَرَ وَسْقاً». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ.

[745] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے خیبر کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: ''جب تو خیبر میں میرے وکیل کے پاس پہنچے تو اس سے پندرہ وسق وصول کر لینا۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے' تاہم دیگر دلائل کی رو سے وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ذاتی کام اپنے وکیل کے ذریعے سے کروا لیا کرتے تھے جیسے کہ بکری خریدنے کا واقعہ۔ (صحیح البخاري' المناقب' حدیث:٣٦٤٢) نیز درج ذیل روایات سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں عمال حکومت بھی رسول اللہ ﷺ کے نائب اور وکیل ہوا کرتے تھے۔ بنابریں مالی معاملات میں کسی کو اپنا وکیل بنانا درست ہے۔ واللہ أعلم.

(٧٤٦) وَعَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ بَعَثَهُ بِدِينَارٍ يَشْتَرِي لَهُ أُضْحِيَّةً. اَلْحَدِيثَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي أَثْنَاءِ حَدِيثٍ، وَقَدْ تَقَدَّمَ.

[746] حضرت عروہ بارقی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک دینار دے کر بھیجا تاکہ آپ کے لیے قربانی کا جانور خرید کر لائیں..... الحدیث (بخاری نے اسے ایک حدیث کے ضمن میں روایت کیا ہے جس کا ذکر پہلے (حدیث:٦٨٦ کے تحت) ہو چکا ہے۔)

(٧٤٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى

[747] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زکاۃ وصول کرنے

٧٤٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، القضاء، باب في الوكالة، حديث: ٣٦٣٢. * ابن إسحاق عنعن، وعلق البخاري بعض الحديث في صحيحه.

٧٤٦ـ [صحيح] تقدم ٦٨٦.

٧٤٧ـ أخرجه البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: "وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله"، حديث: ١٤٦٨، ومسلم، الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، حديث: ٩٨٣.

الصَّدَقَةِ، اَلْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

پر تحصیلدار مقرر فرمایا.....الحدیث۔ (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کو یہاں وکالت کے اثبات میں نقل کیا گیا ہے۔ ② مکمل حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابن جمیل' حضرت عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی زکاۃ ادا نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: "ابن جمیل غریب و مفلس تھا اسے یہی بات راس نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار اور غنی کر دیا ہے۔ (یہ منافق تھا اس نے بعد میں توبہ کی اور سچا مسلمان بن گیا۔) اور رہی عباس رضی اللہ عنہ کی زکاۃ! تو وہ میرے ذمے ہے' اور اس کے برابر اور بھی (کیونکہ میں ان سے دو سال کی زکاۃ پیشگی وصول کر چکا ہوں۔) اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے زکاۃ کا مطالبہ کر کے تم اس پر زیادتی کرتے ہو اس نے تو اپنا اسلحہ' سواریاں اور زرہیں (گویا سارا مال ومتاع) اللہ کے لیے وقف کر رکھا ہے تو اس سے زکاۃ کا تقاضا کیسا؟" ③ اس سے معلوم ہوا کہ سربراہ مملکت زکاۃ وصول کرنے کی ذمہ داری کسی مناسب شخص پر ڈال سکتا ہے۔ اور اسی لیے یہ روایت یہاں ذکر کی گئی ہے۔

(٧٤٨) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَحَرَ ثَلَاثًا وَّسِتِّينَ وَأَمَرَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنْ يَذْبَحَ الْبَاقِيَ. اَلْحَدِيثَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[748] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تریسٹھ اونٹ خود ذبح کیے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باقی وہ ذبح کریں.....الحدیث (مسلم)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قربانی کا جانور ذبح کرنے میں بھی وکیل بنانا جائز ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا وکیل بنایا اور انھوں نے ۳۷ اونٹ ذبح کیے۔

(٧٤٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، فِي قِصَّةِ الْعَسِيفِ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ! عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا». اَلْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[749] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مزدور کے قصے کے بارے میں مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے اُنیس! اس عورت کے پاس جاؤ اگر وہ (اپنا گناہ) تسلیم کر لے تو اسے سنگسار کر دو ....." الحدیث (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: اَلْعَسِيفِ | مزدور۔ اجیر کے معنی اور وزن پر ہے۔ اس کا مفصل واقعہ تو کتاب الحدود میں آگے آ رہا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی کے ہاں مزدور تھا' وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا' پھر مزدور کے باپ اور اس عورت کے خاوند نے آپس میں اس طرح مصالحت کر لی کہ مزدور ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی عورت کے شوہر کو دے۔ اس کے بعد ان دونوں کو شرعی سزا' یعنی حد کی خبر دی گئی تو دونوں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ آپ کے روبرو بیان کیا۔ نبی ﷺ نے سارا واقعہ سن کر زانی مرد کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی کی سزا دی اور عورت کے

٧٤٨ـ أخرجه مسلم، الحج، حديث: ١٢١٨، تقدم: ٦٠٧.

٧٤٩ـ أخرجه البخاري، الشروط، باب الشروط التي لا تحل في الحدود، حديث: ٢٧٢٤، ٢٧٢٥، ومسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: ١٦٩٧، ١٦٩٨.

بارے میں فرمایا کہ اگر وہ جرم زنا کا اعتراف کر لے تو اسے کو رجم کر دو۔ [وَاغْدُ] جاو۔ غَدَا يَغْدُو غُدُوًّا سے امر کا صیغہ ہے، یعنی صبح سویرے جانا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے مطلق جانے پر بھی بولا جاتا ہے۔ [يَا أُنَيس!] انس کی تصغیر ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہ انیس بن ضحاک اسلمی تھے۔ [فَارْجُمْهَا] رجم سے امر کا صیغہ ہے۔ رجم، پتھر مار مار کر جان سے مار ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اس حدیث کی رو سے حدود میں بھی وکالت جائز ہے، اسی لیے مصنف نے اس حدیث کو اس مقام پر ذکر کیا ہے۔

١٠ - بَابُ الْإِقْرَارِ

باب:10-اقرار کا بیان

(٧٥٠) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي النَّبِيُّ ﷺ: «قُلِ الْحَقَّ وَلَوْ كَانَ مُرًّا». وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

[750] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''حق کہو، خواہ کڑوا ہی کیوں نہ ہو۔'' (اسے ابن حبان نے ایک لمبی حدیث میں روایت کیا اور صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [قُلِ الْحَقَّ] سچ کہو، خواہ تیری اپنی ذات کے خلاف پڑے یا دوسرے کے خلاف۔ پہلی تعبیر کے لحاظ سے مصنف نے اسے باب الاقرار میں بیان کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت تفصیلاً ابن حبان میں ہے جو کہ سنداً ضعیف ہے جیسا کہ ہمارے فاضل محقق نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، البتہ اس حدیث کے بعض حصوں کے شواہد دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں جنھیں محققین نے صحیح کہا ہے، انھی میں سے مذکورہ روایات میں بیان کردہ حصہ ہے جسے محققین نے صحیح قرار دیا ہے، جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللّٰہ أعلم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الأمام أحمد: ٣٥: ٣٢٧، ٣٢٨، و صحيح الترغيب والترهيب للألباني: ٥٨١/٢، رقم: ٢٣٢٠) اس حدیث میں حق گوئی کا حکم ہے، خواہ کتنے ہی ناگوار حالات سے دوچار ہونا پڑے، حق و صداقت کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

١١ - بَابُ الْعَارِيَةِ

باب:11-ادھار لی ہوئی چیز کا بیان

(٧٥١) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ

[751] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

٧٥٠ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه ابن حبان (الموارد)، حديث: ٩٤. * إبراهيم بن هشام بن يحيى الغساني ضعيف متروك.

٧٥١ـ [ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: ٣٥٦١، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٦٦، وابن ماجه، الصدقات، حديث: ٢٤٠٠، وأحمد: ٥/ ٨، ١٣، والنسائي في الكبرى: ٣/ ٤١١، حديث: ٥٧٨٣. * قتادة عنعن.

تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ، حَتَّى تُؤَدِّيَهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاتھ نے جو کچھ لیا' جب تک اسے ادا نہ کر دے وہ اس کے ذمے رہتا ہے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْعَارِيَةِ] یا پر تشدید اور تخفیف دونوں جائز ہیں۔ کسی کو کوئی چیز دینا تاکہ وہ فائدہ اٹھا کر واپس کر دے۔ [عَلَى الْيَدِ مَا أَخَذَتْ] ہاتھ نے جو کچھ لیا ہے اسے ادا کرنا بھی اس پر واجب ہے' یعنی جس کسی نے دوسرے کا کوئی مال غصب کیا ہو یا عاریتاً لیا ہو یا ودیعت کے طور پر کسی نے اس کے پاس رکھا ہو' اسے واپس لوٹانا لازم ہے۔ [حَتّٰى تُؤَدِّيَهُ] حتی کہ اس کے مالک کو واپس دے دے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' لیکن یہ بات حق ہے کہ قرض' امانت اور عاریتاً لی ہوئی چیز کی واپسی فرض ہے' اس کے دلائل قرآن مجید اور دیگر صحیح احادیث میں موجود ہیں' مثلاً: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُونَ﴾ (المؤمنون ٢٣:٨) ''اور جو لوگ اپنی امانتوں اور وعدوں کا خیال رکھتے ہیں (وہی مومن کامیاب ہیں۔'') ② ادھار لی ہوئی چیز کی ضمانت و ذمہ داری کس پر ہے؟ عاریتاً لینے والے پر ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں تین قول ہیں: پہلا قول تو یہ ہے کہ بہرصورت اس کی ضمانت و ذمہ داری عاریتاً لینے والے پر ہے' خواہ اس کی شرط کی ہو یا نہ کی ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' زید بن علی' عطاء' احمد' اسحاق اور امام شافعی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر ضمانت و ذمہ داری کی شرط نہ کی ہوگی تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ آگے حضرت یعلیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آرہا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ شرط کے باوجود بھی وہ ضامن نہیں ہوگا بشرطیکہ خیانت نہ کرے۔

(٧٥٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُوحَاتِمِ الرَّازِيُّ.

[752] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے تمھارے پاس امانت رکھی ہو' تم اسے امانت واپس کر دو۔ اور جس نے تمھارے ساتھ خیانت کی تم اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔'' (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابوحاتم رازی نے اسے منکر جانا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَدِّ] تَأْدِيَة سے امر کا صیغہ ہے۔ [اِئْتَمَنَكَ] جس نے تجھے امین بنایا ہے۔ [وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ] جس نے تیرے ساتھ خیانت کی ہے اس کے مال پر قابو پانے کے باوجود تو اس سے خیانت نہ کر۔ اسے استحباب پر محمول کیا گیا ہے' اس لیے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشورىٰ ٤٢:٤٠) ''برائی کی جزا برائی

٧٥٢ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الرجل يأخذ حقه من تحت يده، حديث: ٣٥٣٥، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٦٤، والحاكم: ٢/ ٤٦ وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي. * حميد الطويل عنعن، وانظر علل الحديث لابن أبي حاتم: ١/ ٣٧٥، وللحديث شواهد.

کے مثل ہے۔'' اور دوسری جگہ یوں ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ﴾ (النّحل ١٦:١٢٦) ''اور اگر بدلہ لو بھی تو بالکل اتنا ہی جتنا صدمہ تمھیں پہنچایا گیا ہو۔'' یہ دونوں آیات اپنے حق کو حاصل اور وصول کرنے پر دلالت کر رہی ہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس نے خیانت کی ہے اس کے مال پر قابو پانے کی صورت میں اس سے اپنا حق لے لینا واجب ہے اور یہ عمل خیانت میں شمار نہیں ہے بلکہ خیانت تو اس صورت میں ہو گی کہ لینے والا اپنے حق سے زیادہ وصول کرے۔ دلائل' امام ابن حزم رحمہ اللہ کی رائے کی تائید کرتے ہیں۔ ان شاء اللہ حق بھی انھی کا قول ہے۔ [الرازي] رَيّ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے رازی کہلائے۔ رَيّ فارس کے شہروں میں سے ایک مشہور و معروف شہر ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم اس میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے وہ دیگر دلائل کی روشنی میں درست ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٧٥٣) وَعَنْ يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَتَتْكَ رُسُلِي فَأَعْطِهِمْ ثَلَاثِينَ دِرْعًا»، قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! أَعَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ أَوْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ؟ قَالَ: «بَلْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[753] حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جب تمھارے پاس میرے ایلچی و قاصد آئیں تو انھیں تیس زرہیں دے دینا۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (یہ کیسی عاریت ہوگی) ضمان ہو گی یا اسے (بعینہٖ) واپس ادا کریں گے۔ آپ نے فرمایا: ''واپس ادا کریں گے۔'' (اسے احمد' ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَعَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ أَوْ عَارِيَةٌ مُؤَدَّاةٌ؟] سبل السلام میں ہے کہ مَضْمُونَة اسے کہتے ہیں جس کے تلف و ضائع ہونے کی صورت میں اس کی قیمت دی جائے۔ اور مُؤَدَّاة سے مراد اصل صورت میں چیز واپس کرنا ہے اگر اس شکل میں باقی ہو' اگر تلف و ضائع ہو جائے تو قیمت کی ادائیگی کی ذمہ داری نہیں۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر عاریتاً لی ہوئی چیز کی ذمہ داری قبول نہ کی ہو تو تلف ہونے کی صورت میں اس کی ذمہ داری نہیں ہو گی اور یہ بات تمام اقوال میں سے واضح ترین ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ مسند احمد کے محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر مفصل کلام کیا ہے جس سے انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٢٩/٤٧٢' والصحيحة، رقم: ٦٣٠)

٧٥٣_ [إسناده ضعيف] أخرجه أحمد: ٤/ ٢٢٢، وأبوداود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: ٣٥٦٦، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ١٠٩، حديث: ٤٧٠٠، قتادة عنعن.

(٧٥٤) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اِسْتَعَارَ مِنْهُ دُرُوعًا يَوْمَ حُنَيْنٍ، فَقَالَ: أَغَصْبًا يَامُحَمَّدُ؟ قَالَ: «بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَأَحْمَدُ، وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَخْرَجَ لَهُ شَاهِدًا ضَعِيفًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا.

[754] حضرت صفوان بن اُمَیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ حنین کے موقع پر ان (صفوان) سے کچھ زرہیں عاریتاً لیں۔ انھوں نے کہا: اے محمد! کیا آپ غصب کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ ضمانت کے ساتھ عاریتاً لے رہا ہوں۔'' (اسے ابوداود‘ احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک ضعیف روایت بھی اس کے شاہد کے طور پر ذکر کی ہے۔)

لغوی تشریح: [أَغَصْبٌ] یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے‘ دراصل أَهُوَ غَصْبٌ؟ ہے‘ یعنی کیا یہ زبردستی ہے؟ اور ایک نسخے میں غَصْبًا منصوب بھی ہے‘ یعنی فعل محذوف کا مفعول ہے‘ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ کیا آپ یہ زرہیں زبردستی چھین رہے ہیں؟ [بَلْ عَارِيَةٌ مَضْمُونَةٌ] جو فقہاء اس سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ عاریہ میں (شرط طے کیے بغیر بھی‘ از خود) مکمل ضمانت و ذمہ داری ہوتی ہے وہ لفظ مَضْمُونَة کو عَارِيَة کی صفت کاشفہ بناتے ہیں کہ اس (لفظ مَضْمُونَة) سے عاریہ کی حقیقت واضح ہوتی ہے‘ یعنی عاریہ میں لازمی طور پر ضمانت و ذمہ داری کا مفہوم ہوتا ہے۔ اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ عاریہ میں (از خود‘ شرط طے کیے بغیر) ضمانت نہیں ہوتی وہ لفظ مَضْمُونَة کو عَارِيَة کی صفت مُخَصِّصَه بناتے ہیں‘ یعنی عاریہ لینے والا اس شرط سے لے رہا ہے کہ اس (عاریہ) کی ضمانت و ذمہ داری اس پر ہے‘ یہ مطلقاً (بغیر ضمانت کے) عاریہ نہیں۔ (نیل الأوطار)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل عمل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٢٤/١٣-١٥‘ و الصحيحة للألباني‘ رقم: ٦٣٢) ② نبی اکرم ﷺ نے جب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے جنگ حنین کے موقع پر زرہیں عاریتاً لی تھیں اس وقت وہ غیر مسلم تھے‘ لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم سے بھی عاریتاً کوئی چیز لینی جائز ہے۔ ③ ضمانت پر مستعار لی ہوئی چیز کو واپس کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ ④ عاریتاً چیز لینے والا اگر عمداً اسے تلف و ضائع کر دے تو اس صورت میں سب کے نزدیک اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

راویٔ حدیث: [حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ] اس سے صفوان بن اُمَيَّه بن خلف بن وهب قرشي جمحي مراد ہیں جو مکہ کے باشندے تھے۔ مؤلفة القلوب صحابہ میں سے تھے اور اشراف قریش میں ان کا شمار ہوتا تھا۔

٧٥٤_ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: ٣٥٦٢، والحاكم: ٢/ ٤٧ وصححه، ووافقه الذهبي. وحديث ابن عباس أخرجه الحاكم وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي وإسناده حسن، إسحاق بن عبدالواحد وثقه الجمهور فحديثه لا ينزل عن درجة الحسن. [وفيه قال صفوان: يارسول الله]

فتح مکہ کے روز فرار ہو گئے تھے۔ ان کے لیے امان طلب کی گئی تو واپس لوٹ آئے اور بعد میں حنین میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے لیکن اس وقت یہ حالت کفر میں تھے۔ بعد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہترین اسلام کا ثبوت دیا۔ جن دنوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوائیوں نے شہید کیا انھیں ایام میں یہ فوت ہوئے۔

١٢ - بَابُ الْغَصْبِ

باب:12-غصب کا بیان

(٧٥٥) عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «**مَنِ اقْتَطَعَ شِبْرًا مِنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا، طَوَّقَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[755] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے ایک بالشت بھر زمین کسی سے ظلماً لے لی' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اتنا حصہ زمین' ساتوں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالے گا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ الْغَصْبِ] ''غین'' پر فتحہ اور ''صاد'' ساکن ہے۔ ناحق کسی چیز کا حاصل کرنا' زبردستی کوئی چیز چھین لینا۔ باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے۔ اس کا استعمال غَصَبَهُ مِنْهُ ''کسی سے کوئی چیز چھینا'' اور غَصَبَهُ عَلَيْهِ ''کسی پر زبردستی کرنا یا مجبور کرنا'' ہے۔ اور اِغْتِصَاب بھی اسی معنی میں ہے۔ اور چھینی ہوئی چیز کو غصب اور مغصوب کہتے ہیں۔ [اِقْتَطَعَ] زبردستی چھین لے۔ [شِبْرًا] ''شین'' کے نیچے کسرہ اور ''با'' ساکن ہے۔ انگوٹھے کے سرے اور چھنگلی کے سرے کا درمیانی فاصلہ' یعنی بالشت بھر۔ [طَوَّقَهُ] اللہ تعالیٰ اس کا طوق بنا کر گلے میں ڈال دے گا۔ اور یہ بھی معنی کیے گئے ہیں کہ ایسے آدمی کو ساتوں زمینوں تک دھنسا کر سزا دے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے اس زمین میں گڑھا کھودنے اور اس کی مٹی کو محشر کی طرف منتقل کرنے کی سزا دی جائے گی۔

(٧٥٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ، فَأَرْسَلَتْ إِحْدٰى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ خَادِمٍ لَّهَا بِقَصْعَةٍ فِيهَا طَعَامٌ، فَضَرَبَتْ يَدَهَا فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ، فَضَمَّهَا، وَجَعَلَ فِيهَا الطَّعَامَ وَقَالَ: «**كُلُوا**» وَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيحَةَ لِلرَّسُولِ، وَحَبَسَ

[756] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنی کسی بیوی کے ہاں تشریف فرما تھے۔ کسی دوسری ام المومنین نے اپنے خادم کے ذریعے سے ایک پیالہ بھیجا جس میں کچھ کھانا تھا' تو اس بیوی نے اپنا ہاتھ مارا اور وہ پیالہ ٹوٹ گیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس پیالے کو جوڑ کر اس میں کھانا ڈال دیا اور فرمایا: ''کھاؤ'' اور لانے والے کے ہاتھ

٧٥٥ـ أخرجه البخاري، المظالم، باب إثم من ظلم شيئا من الأرض، حديث: ٢٤٥٢، ومسلم، المساقاة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها، حديث: ١٦١٠.

٧٥٦ـ أخرجه البخاري، المظالم، باب إذا كسر قصعة أو شيئا لغيره، حديث: ٢٤٨١، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٥٩.

الْمَكْسُورَةَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَسَمَّى الضَّارِبَةَ عَائِشَةَ، وَزَادَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَإِنَاءٌ بِإِنَاءٍ». وَصَحَّحَهُ.

سالم پیالہ بھیج دیا اور ٹوٹا ہوا اپنے پاس رکھ لیا۔ (بخاری و ترمذی) ترمذی نے ہاتھ مار کر پیالہ توڑنے والی کا نام حضرت عائشہ ؓ بتلایا ہے۔ اور اتنا اضافہ کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کھانے کے بدلے میں کھانا اور برتن کے بدلے میں برتن۔'' (اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [إِحدٰی أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِين] یہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ تھیں جیسا کہ امام ابن حزم نے محلی میں حضرت انس ؓ سے بیان کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد حضرت صفیہ ؓ ہیں اور بعض نے حضرت حفصہ ؓ کا نام ذکر کیا ہے' بہر حال صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس قسم کا واقعہ متعدد بار پیش آیا ہے جیسا کہ اس سے ملتا جلتا واقعہ حضرت عائشہ ؓ کا حضرت ام سلمہ ؓ کے ساتھ بھی ہے جسے امام نسائی ؒ نے ام سلمہ ؓ سے روایت کیا ہے۔ واللّٰہ أعلم. (سنن النسائي' عشرۃ النساء' باب الغیرۃ' حدیث:٣٤٠٨) [بِقَصْعَةٍ] صَحْفَة کے وزن پر' پیالے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ [وَ حَبَسَ الْمَكْسُورَةَ] یعنی ٹوٹے ہوئے پیالے کو توڑنے والی کے ہاں رکھ دیا۔ [سَمَّى الضَّارِبَةَ عَائِشَةَ] یہ الفاظ ترمذی نے نقل کیے ہیں۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کی کوئی چیز ہلاک کرے گا تو اسی طرح کی ادا کرنا اس کے ذمے ہے۔ غلے اور دانے وغیرہ میں اس کی مثل ادا کرنے پر سب کا اتفاق ہے' یعنی جیسا نقصان کیا ہے اسی کی مثل واپس دینا لازم ہے' البتہ قیمت والی چیز میں اختلاف ہے۔ [طَعَامٌ بِطَعَامٍ وَ إِنَاءٌ بِإِنَاءٍ] کے الفاظ دلالت کرتے ہیں کہ قیمت والی چیز کے بدلے میں اسی جیسی چیز واپس دینا اس کی ذمہ داری ہے۔ جب اس جیسی چیز دستیاب نہ ہو تو اس صورت میں اس کی قیمت ادا کرنا اس کے ذمے ہے۔ امام شافعی ؒ اور علمائے کوفہ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام مالک ؒ کی رائے ہے کہ قیمت والی چیز کے بدلے میں قیمت ہی کی ادائیگی لازم ہے' مگر مالکیہ کے ہاں مشہور ہے کہ جو چیز ماپی اور تولی جا سکتی ہے اس کی قیمت ہے ورنہ اس کی مثل واپس دینی ہوگی اور امام مالک ؒ سے بھی ایک قول یہی منقول ہے۔

(٧٥٧) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ زَرَعَ فِي أَرْضِ قَوْمٍ بِغَيْرِ إِذْنِهِمْ، فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ شَيْءٌ، وَلَهُ نَفَقَتُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَيُقَالُ: إِنَّ الْبُخَارِيَّ

[757] حضرت رافع بن خدیج ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے دوسرے لوگوں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر فصل کاشت کی تو اسے اس فصل میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اسے صرف وہ اخراجات ملیں گے جو اس نے خرچ کیے ہیں۔'' (اسے احمد اور چاروں نے

٧٥٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في زرع الأرض بغير إذن صاحبها، حديث:٣٤٠٣، والترمذي، الأحكام، حديث:١٣٦٦، وابن ماجه، الرهون، حديث:٢٤٦٦، وأحمد:٤/ ١٤١. * عطاء لم يسمع من رافع رضي الله عنه، وأبو إسحاق عنعن.

ضَعَّفَهُ. روایت کیا ہے سوائے نسائی کے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بخاری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَلَيْسَ لَهُ مِنَ الزَّرْعِ] کھیتی باڑی سے جو کچھ حاصل ہو وہ زمین کے مالک کا ہوگا۔ کاشت کرنے والے کو صرف اس کا خرچ واپس کیا جائے گا' مثلاً: بیج اور کھاد کی قیمت' یا اگر ٹریکٹر کرائے پر لے کر ہل چلایا ہے تو اس کا کرایہ وغیرہ۔ اس کی محنت کا اسے کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ [وَلَهُ نَفَقَتُهُ] یعنی جو اخراجات' مثلاً: ہل چلانے' زمین کو سیراب کرنے اور بیج بونے میں صرف ہوئے اسے وہی ملیں گے۔ امام احمد' اسحاق' امام مالک ؒ اور مدینہ کے اکثر علماء کا یہی موقف ہے اور یہی موقف راجح ہے۔ لیکن دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ کھیتی تو غاصب کی ہے اور اس پر زمین کا کرایہ ہے۔ مگر اس قول پر کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس حدیث کے مقابلے میں پیش کی جا سکے۔ [وَيُقَالُ: إِنَّ الْبُخَارِيَّ ضَعَّفَهُ] یہ قول علامہ خطابی نے امام بخاری ؒ سے نقل کیا ہے لیکن امام ترمذی ؒ نے ان سے اس کے برعکس یہ نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری ؒ سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ دیکھیے: (جامع الترمذي' الأحكام' حديث:١٣٦٦)

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے دیگر شواہد اور متابعات کی وجہ سے صحیح قرار دیا ہے اور انھوں نے اس کی بابت سیر حاصل بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل حجت اور قابل عمل ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٢٥/ ١٣٨-١٤٢' والإرواء' رقم:١٥١٩' والضعيفة:١/ ١٤١' حديث:٨٨)

(٧٥٨) وَعَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: إِنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي أَرْضٍ غَرَسَ أَحَدُهُمَا فِيهَا نَخْلًا وَالْأَرْضُ لِلْآخَرِ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالْأَرْضِ لِصَاحِبِهَا، وَأَمَرَ صَاحِبَ النَّخْلِ أَنْ يُخْرِجَ نَخْلَهُ: وَقَالَ: «لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ

[758] حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک آدمی نے بتایا کہ دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک زمین کا جھگڑا لے کر آئے' جس میں ان میں سے ایک نے کھجور کے درخت لگا دیے تھے جبکہ زمین دوسرے شخص کی تھی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ زمین' زمین والے کی ہے اور کھجور کے درخت لگانے والا اپنے درخت اکھاڑ لے' نیز فرمایا: ''ظالم رگ

٧٥٨ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الخراج، باب في إحياء الموات، حديث: ٣٠٧٤. أبو إسحاق عنعن، ورواية عروة عن سعيد بن زيد: أخرجه الترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٧٨، وأبوداود، الخراج، حديث: ٣٠٧٣، والنسائي في الكبرى: ٣/ ٤٠٥، حديث: ٥٧٦١، وأصله متفق عليه [البخاري، بدء الخلق، حديث: ٣١٩٨، ومسلم، المساقاة، حديث: ١٦١٠/ ١٣٩، ١٤٠].

حَسَنٌ. وَآخِرُهُ عِنْدَ أَصْحَابِ السُّنَنِ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ، وَاخْتُلِفَ فِي وَصْلِهِ وَإِرْسَالِهِ. وَفِي تَعْيِينِ صَحَابِيِّه.

(انسان کے اندر دوسرے کا حق مارنے کا منفی جذبہ یا منفی جذبے کے تحت کی گئی غاصبانہ کارروائی) کا کوئی حق نہیں۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ اس حدیث کا آخری جز اصحاب سنن نے عروہ عن سعید بن زید کی سند سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کے مرسل اور موصول ہونے اور اس کے صحابی کے تعین میں اختلاف ہے۔)

لغوی تشریح: [لَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ] امام خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی صورت اس طرح ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی زمین میں پودے لگاتا ہے اور اس سے اجازت حاصل نہیں کرتا' یا دوسرے کی زمین پر اس کی اجازت کے بغیر گھر تعمیر کر لیتا ہے' تو مکان تعمیر کرنے والے کو مکان کے گرانے اور پودے لگانے والے کو پودے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے الا یہ کہ مالک زمین اس کے چھوڑنے پر رضامند ہو جائے۔ اسی حدیث سے جمہور نے یہ استدلال کیا ہے کہ غاصب جب زمین پر زراعت کر لے یا پودے لگا لے تو وہ اس کھیتی باڑی اور پودوں کا مالک ہو جائے گا اور مالک زمین صرف اس زمین کا کرایہ وصول کرنے کا مستحق ہوگا۔ لیکن یہ حدیث جمہور کے اس مسئلے کے بارے میں صریح نہیں ہے' بلکہ جب ہم اس حدیث کو سابقہ حدیث کے ساتھ ملائیں تو زیادہ سے زیادہ یہ مفہوم نکلتا ہے کہ غاصب کو اختیار ہے کہ جو کچھ پودے وغیرہ اس نے زمین میں گاڑے ہیں وہ اکھاڑ لے یا جو اس پر مصارف اٹھے ہیں وہ لے لے۔ جمہور علماء نے جو موقف اختیار کیا ہے اس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ظالم کی رگ کا حق ہے باوجودیکہ حدیث اس کے استحقاق کی نفی کر رہی ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عروہ بن زبیر] ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: عروہ بن زبیر بن عوام بن خویلد اسدی مدنی۔ کبار تابعین میں ان کا شمار ہے۔ مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ایک ہیں۔ ثقہ اور مشہور فقیہ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں پیدا ہوئے اور ایک قول کے مطابق ۲۳ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور صحیح روایت کے مطابق ۹۴ ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ: مذکورہ روایت دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے کی بابت ہمارے فاضل محقق نے کہا ہے کہ یہ سنداً ضعیف ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے حسن قرار دیا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے روایت بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے' نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی إرواء الغليل: (۵/۳۵۵) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ روایت کا دوسرا ٹکڑا جو عروہ عن سعید بن زید سے ہے اس کی بابت فاضل محقق لکھتے ہیں کہ اس کی اصل بخاری میں ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت کا پہلا ٹکڑا سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم.

(۷۵۹) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى

[759] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ

۷۵۹۔ أخرجه البخاري، الحج، باب الخطبة أيام منى، حديث: ۱۷۳۹، ومسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث: ۱۶۷۹.

عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ النَّحْرِ بِمِنًى: «إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

نے قربانی کے روز منیٰ میں اپنے خطبے میں فرمایا: ''بے شک تمھارے خون، تمھارے اموال اور تمھاری آبروئیں تم پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمھارا آج کا یہ دن تمھارے اس شہر اور تمھارے اس مہینے میں حرمت والا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ: مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کو اگر بَابُ الْغَصَبِ کے شروع میں بیان کرتے تو بہت خوب ہوتا۔ بہرحال اس مقام پر اسے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان کا مال غصب کرنا حرام ہے اور اس کی حرمت پر سب متفق ہیں۔

١٣ - بَابُ الشُّفْعَةِ

باب:13-شفعے کا بیان

(٧٦٠) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَضٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ، فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ: اَلشُّفْعَةُ فِي كُلِّ شِرْكٍ، فِي أَرْضٍ، أَوْ رَبْعٍ، أَوْ حَائِطٍ، لَا يَصْلُحُ - وَفِي لَفْظٍ: لَا يَحِلُّ - أَنْ يَبِيعَ حَتّٰى يَعْرِضَ عَلٰى شَرِيكِهِ. وَفِي رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ: قَضَى النَّبِيُّ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[760] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس چیز میں شفعے کا فیصلہ دیا ہے جو تقسیم نہ ہوئی ہو، مگر جب حد بندی ہو جائے اور راستے الگ ہو جائیں تو پھر شفعہ نہیں۔ (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''شفعہ ہر مشترک چیز میں ہے، (مثلاً:) زمین میں، مکان میں، باغ میں۔ اپنے حصے دار (شریک) کے روبرو پیش کیے بغیر چیز فروخت کرنا کسی کے لیے درست نہیں۔'' اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر چیز میں شفعے کا حق رکھا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

لغوی تشریح: [بَابُ الشُّفْعَةِ] ''شین'' پر ضمہ اور ''فا'' ساکن ہے اور جس نے ''فا'' کو متحرک سمجھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ لغوی اعتبار سے یہ اَلشَّفْع سے ماخوذ ہے جس کے معنی جوڑا کے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زیادت و اضافے کے معنی میں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اعانت و امداد کے معنی میں ہے۔ شرعاً شفعے کے معنی ہیں: ایک شریک کے حصے کو دوسرے شریک کی طرف منتقل کرنا جو کہ مقرر معاوضے کے بدلے میں کسی اجنبی کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ (فتح الباري)

[فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُودُ] جب فروخت کی جانے والی مملوکہ چیز کو تقسیم کر دیا جائے، رکاوٹیں واقع ہو جائیں، حدود متعین ہو جائیں اور تقسیم کے ذریعے سے ہر ایک کا حصہ نمایاں و ظاہر ہو جائے۔ [وَ صُرِّفَتِ الطُّرُقُ] صُرِّفَتْ صیغۂ مجہول

٧٦٠ـ أخرجه البخاري، الشفعة، باب الشفعة فيما لم يقسم، حديث: ٢٢٥٧، ومسلم، المساقاة، باب الشفعة، حديث: ١٦٠٨، والطحاوي في معاني الآثار: ٤/ ١٢٦.

ہے۔ ''را'' مخفف اور مشدد دونوں طرح ہے' یعنی راستے اس طرح بنائے جائیں کہ ہر ایک کا حصہ اسے حاصل ہو جائے۔ [فَلَا شُفْعَةَ] تو شفعہ نہیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ شفعہ اس جائیداد میں ہو سکتا ہے جو مشترک ملکیت میں ہو' محض ہمسایہ ہونا شفعہ دائر کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ جمہور علماء' ائمۂ ثلاثہ: امام مالک' امام شافعی' اور امام احمد رحمہم اللہ کی رائے یہی ہے اور اقرب الی الصواب بھی یہی ہے۔ احناف نے ان کی مخالفت کی ہے۔ ان کا قول ہے کہ شفعہ جس طرح مشترک جائیداد میں جائز ہے اسی طرح محض ہمسائیگی کی بنیاد پر بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل آگے آ رہی ہے۔ [فِي كُلِّ شِرْكٍ] ''شین'' کے نیچے کسرہ اور ''را'' ساکن ہے' یعنی ہر وہ چیز جس میں کئی آدمی شریک ہوں۔ [رَبْعٍ] ''را'' پر فتحہ اور ''با'' ساکن۔ گھر' مسکن' رہائش گاہ اور بسا اوقات زمین پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ [حَائِطٍ] باغ۔ خطابی نے کہا ہے کہ شفعہ زمین' جائیداد' گھریلو سامان' ان کے علاوہ دیگر ساز و سامان اور حیوان وغیرہ ہی میں ہو سکتا ہے۔ یہ رائے اکثر اہل علم کی ہے جیسا کہ ترمذی نے نقل کیا ہے۔ [لَا يَصْلُحُ] ایک روایت میں [لَا يَحِلُّ] بھی مروی ہے۔ [أَنْ يَبِيعَ] حصے دار کے لیے حلال یا درست نہیں کہ وہ اپنے شریک (حصہ دار) کو اطلاع دیے بغیر اپنا حصہ فروخت کر دے۔ سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ [حَتَّى يَعْرِضَ عَلَى شَرِيكِهِ] اس سے معلوم ہوا کہ شریک کے روبرو اپنا عندیہ و مدعا پیش کر دیا جائے تو پھر فروخت کرنے کی صورت میں شفعے کا حق نہیں رہتا۔ سبل السلام میں ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب شریک کو مطلع کر دیا جائے اور اس کے بعد کسی دوسرے سے سودا کر لیا جائے تو کیا شریک کے لیے شفعے کا حق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ ایک قول تو یہ ہے کہ اسے اس کا حق ہے' پہلے اطلاع دینا شفعہ کے صحیح ہونے کے لیے مانع نہیں ہے۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ مگر سفیان ثوری' حکم' ابوعبید اور اہل حدیث کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ اطلاع دینے کے بعد شفعے کا استحقاق ساقط ہو جاتا ہے اور یہی رائے حدیث کے الفاظ کے زیادہ موافق ہے۔ اور ضوء النہار کے حاشیہ میں ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (سبل السلام) رہی طحاوی کی روایت تو وہ ہر چیز' خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ' میں شفعے کا تقاضا کرتی ہے۔ اگرچہ یہ رائے چند اہل علم کی ہے مگر دلیل کے اعتبار سے قوی ہے' نیز اس کے معارض کوئی حدیث نہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی یہ قوی ہے کیونکہ ضرر' جیسا منقولہ چیز میں متوقع ہے ویسا ہی غیر منقولہ میں بھی ہے۔ بہت سے شریک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ سخی' فراخ حوصلہ' نرم مزاج اور طبیعت کے بہت عمدہ ہوتے ہیں اور بہت سے اپنے سے پہلے کے مقابلے میں درشت مزاج اور سخت طبع ہوتے ہیں۔

(٧٦١) وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِيهِ قِصَّةٌ.

[761] حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمسایہ اپنے قرب (ہمسائیگی) کی وجہ سے زیادہ حق رکھتا ہے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس کے بارے میں ایک لمبا قصہ ہے۔)

لغوی تشریح: [بِسَقَبِهِ] اس میں ''با'' سببیہ ہے اور سَقَب کے ''سین'' اور ''قاف'' پر فتحہ ہے اور ان دونوں کے بعد

٧٦١ـ أخرجه البخاري، الشفعة، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، حديث:٢٢٥٨، والحاكم: لم أجده، والطحاوي في معاني الآثار: ٤/ ١٢٣، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٣٠٩، ٣١٠، وأحمد: ٦/ ٣٩٠.

''با'' ہے۔اور سقب کو''سین'' کی بجائے کبھی''صاد'' سے (صَقَب) بھی پڑھا گیا ہے۔''قاف'' پرفتحہ اورسکون دونوں جائز ہیں۔اس کے معنی قرب اورمجاورت کے ہیں۔کہنا یہ مقصود ہے کہ ہمسایہ قرب ومجاورت کی بدولت عام مسلمانوں سے خیر خواہی' بھلائی اور معاونت کا زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔لیکن اس حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ ہمسایہ شریک (حصہ دار) نہ ہونے کے باوجود بھی حق شفعہ رکھتا ہے۔[وَفِيهِ قِصَّةٌ] قصہ یہ ہے کہ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے جو مکان تیری حویلی کے اندر ہیں تو انھیں خرید لے۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں تو انھیں نہیں خریدوں گا۔ مِسْوَر' جو اس وقت ان کے پاس موجود تھے' نے سعد سے کہا: اللہ کی قسم! تمھیں وہ ضرور خریدنے ہوں گے۔سعد بولے اچھا تو میں بھی اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ چار ہزار (درہم) سے زیادہ پر نہیں خریدوں گا' وہ ان کی مرضی ہے یک مشت لیں یا قسط وار۔اس پر ابورافع بولے: مجھے اس کے پانچ صد دینار ملتے ہیں۔اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ ''ہمسایہ قرب ومجاورت کی وجہ سے زیادہ استحقاق رکھتا ہے'' تو میں تمھیں یہ چار ہزار (درہم) میں نہ دیتا جبکہ مجھے اس کے پانچ صد دینار ملتے ہیں۔یہ کہہ کر اسے دے دیے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بَابُ عَرْضِ الشُّفْعَةِ عَلٰى صَاحِبِهَا قَبْلَ الْبَيْعِ میں روایت کیا ہے۔اس حدیث کو ان فقہاء نے اپنی دلیل بنایا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ حق شفعہ اس ہمسائے کو بھی حاصل ہے جو شریک (حصہ دار) نہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ابورافع سعد کے شریک (حصہ دار) نہیں تھے بلکہ صرف ہمسائے تھے'اس لیے کہ سعد کی حویلی میں دو مکان ان کی ذاتی ملکیت تھے اور وہ سعد کے مکانوں کے ساتھ مشترک اور غیر منقسم نہ تھے (بلکہ وہ محض ابورافع کی زیر ملکیت تھے۔) میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال دو وجہ سے درست نہیں۔پہلی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کا مرفوع حصہ (الجار .....) شفعہ کے بارے میں صریح اور واضح ہی نہیں ہے'لہٰذا یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ ہمسایہ بھلائی' اعانت و مدد' خیر خواہی اور ایثار وترجیح کا زیادہ حقدار ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ ''جار'' کا اطلاق جس طرح ایسے پڑوسی اور قریبی پر ہوتا ہے جو شریک نہ ہو اسی طرح اس کا اطلاق شریک پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی آئندہ حدیث میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے'لہٰذا یہ احتمال بھی ہے کہ ''جار'' سے شریک ہی مراد ہو بلکہ یہی متعین ہے تا کہ اس اور دوسری احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے۔ابورافع نے جو فعل انجام دیا ہے اس کے بارے میں کوئی دلیل ایسی نہیں کہ یہ شریک کے سامنے شفعہ پیش کرنے کے قبیل سے ہے۔ بلکہ یہ امکان ہے کہ اس سے مقصود ہمسایہ کے ساتھ محض بھلائی اور ایثار ہو۔اگر ہم تسلیم کر لیں کہ یہ شفعہ پیش کرنے کے قبیل سے ہے تو پھر زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ابورافع نے یہ [اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ] کے جملے سے سمجھا ہے۔اور یہ معلوم حقیقت ہے کہ ہر وہ چیز جو صحابی سمجھے وہ حجت نہیں بن سکتی بالخصوص جبکہ صحابی کا قول صحیح وصریح حدیث کے معارض ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد: ''جب حدود متعین ہو جائیں اور راستے جدا جدا ہو جائیں تو پھر شفعے کا حق نہیں رہتا۔'' ہمسائے کے لیے شفعہ کے حق کی نفی میں صریح نص ہے۔اور جس نے یہ کہا ہے کہ یہ نص ہمسائے کے حق شفعہ کی نفی پر بالکل دلالت نہیں کرتی' نہ منطوق کے اعتبار سے اور نہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے' تو اس نے گویا منطوق اور مفہوم کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ جب زمین اس کے مالکوں میں تقسیم کی جائے گی تو ان میں سے کم از کم دو آدمی ایک دوسرے کے پڑوسی ضرور ہوں گے' اور یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ تقسیم کے بعد ان میں سے کسی کو شفعے کا حق حاصل نہیں' تو پھر یہ حدیث ہمسائے کے حق میں

شفعہ کی نفی کیوں نہیں کرتی ہے؟

(٧٦٢) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ**». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ عِلَّةٌ.

[762] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مکان کا ہمسایہ اس مکان کا زیادہ حق رکھتا ہے۔'' (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس میں علت ہے۔)

لغوی تشریح: [جَارُ الدَّارِ أَحَقُّ بِالدَّارِ] ہمسائے کے لیے حق شفعہ کے قائلین نے اس حدیث کو اپنی دلیل بنایا ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جگہ ہمسائے سے شریک (حصہ دار) ہمسایہ ہی مراد ہے کیونکہ دونوں احادیث میں تطبیق کا یہی تقاضا ہے۔ [وَلَهُ عِلَّةٌ] علت یہ ہے کہ اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا گیا ہے: ایک ان میں سے حسن عن سمرة کی سند ہے' اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حسن نے سمرہ سے عقیقہ والی حدیث کے سوا اور کوئی حدیث نہیں سنی۔ اور دوسری سند قتادة عن أنس کی ہے اور قتادہ کے بارے میں معروف و مشہور ہے کہ وہ تدلیس کرتا ہے۔

(٧٦٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اَلْجَارُ أَحَقُّ بِشُفْعَةِ جَارِهِ، يُنْتَظَرُ بِهَا، وَإِنْ كَانَ غَائِبًا، إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[763] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمسایہ اپنے ہمسائے کے شفعے کا زیادہ حقدار ہے۔ اس (ہمسائے) کا انتظار کیا جائے گا اگرچہ وہ غائب ہو بشرطیکہ دونوں کا راستہ ایک ہو۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [يُنْتَظَرُ] صیغۂ مجہول ہے۔ [بِهَا] اس میں ها ضمیر شفعہ کی جانب راجع ہے۔ [وَإِنْ كَانَ غَائِبًا] إنْ وصلیہ ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر حاضر کا شفعہ باطل نہیں ہوتا' خواہ دیر و تاخیر ہو جائے۔ [إِذَا كَانَ طَرِيقُهُمَا وَاحِدًا] نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ محض ہمسائیگی کے ذریعے سے شفعہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے مشترک راستہ ہونا ضروری ہے۔ اس کی تائید نبی ﷺ کے گزشتہ اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے: ''جب حد بندی ہو جائے اور راستے جدا جدا ہوں تو پھر شفعے کا استحقاق نہیں رہتا۔''

(٧٦٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[764] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' نبی ﷺ نے

٧٦٢ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الشفعة، حديث: ٣٥١٧، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٦٨، والنسائي: لم أجده، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٣٠٩، حديث: ٥١٥٩.

٧٦٣ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في الشفعة، حديث: ٣٥١٨، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٦٩، وابن ماجه، الشفعة، حديث: ٢٤٩٤، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٦٥٠، وأحمد: ٣/ ٣٠٣.

٧٦٤ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه ابن ماجه، الشفعة، باب طلب الشفعة، حديث: ٢٥٠٠، والبزار: لم أجده. * محمد بن الحارث متروك كما قال البيهقي وغيره، وشيخه ضعيف، والسند ضعفه البوصيري.

عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلشُّفْعَةُ كَحَلِّ الْعِقَالِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجه وَالْبَزَّارُ، وَزَادَ: «وَلَا شُفْعَةَ لِغَائِبٍ». وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

فرمایا: ''شفعہ رسی کھولنے کی طرح ہے۔'' (اسے ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا ہے۔) اور بزار نے یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: ''غیر حاضر و غائب کے لیے شفعے کا کوئی حق نہیں۔'' (اس کی سند ضعیف ہے۔)

لغوی تشریح: ﴿كَحَلِّ الْعِقَالِ﴾ اَلْحَلُّ میں ''حا'' پر فتحہ اور ''لام'' پر تشدید ہے۔ اس کے معنی ہیں: کھولنا۔ باندھنے کی ضد ہے۔ اور عِقَال اس رسی کو کہتے ہیں جس سے اونٹ کو باندھا جاتا ہے۔ نیل الاوطار میں ہے کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے کہ شفعہ رسی کھولنے کی مانند ہے اگر وہ (حق شفعہ رکھنے والا حصہ دار) اسے اسی جگہ پر مقید (شفعے کا دعویٰ دائر) کر دے گا تو اس کا حق ثابت ہو جائے گا ورنہ ملامت اس کے سر۔ عبدالحق نے ''الاحکام'' میں ابن حزم رحمہ اللہ سے اسے ذکر کیا ہے مگر ابن قطان رحمہ اللہ نے ان کا تعاقب کیا ہے کہ ابن حزم نے اسے المحلی میں روایت نہیں کیا۔ ممکن ہے محلّٰی کے سوا کسی اور کتاب میں اس کا ذکر کیا ہو۔ (نیل الأوطار) حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس میں جو اضافہ نقل کیا ہے وہ اس حدیث کے معنی کو واضح کر رہا ہے۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ شفعے کا استحقاق فی الفور ہے تاخیر اور دیر کی صورت میں شفعہ باطل ہو جائے گا۔ لیکن یہ حدیث ایسی نہیں ہے کہ اسے بطور دلیل لیا جائے کیونکہ اس کی سند میں محمد بن عبدالرحمٰن بیلمانی ہے جو اپنے والد سے ایک نسخہ (نوشتہ) بیان کرتا ہے جو تمام تر موضوع ہے۔ اس سے استدلال بالکل جائز نہیں۔ صاحب سبل السلام اس کی بابت لکھتے ہیں: بزار نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور ابوزرعہ نے کہا ہے کہ یہ منکر ہے۔ اور بیہقی کا قول ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔ اس معنی کی تمام تر احادیث بے اصل ہیں۔ صاحب سبل السلام آگے چل کر مزید لکھتے ہیں: اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگر شفعے کی مشروعیت کی وجہ دفع ضرر ہی ہے تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ فی الفور دعویٰ دائر کیا جائے (اس میں تاخیر نہ کی جائے) کیونکہ اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ سودے کو معلق کر کے شفعہ کرنے والے سے ضرر دور کرنا اور خریدار کو ضرر میں مبتلا کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن یاد رہے! محض اس قیاس سے حکم ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ دراصل شفعے میں فی الفور دعویٰ دائر کرنے کی شرط نہیں ہے اور اس شرط کے اثبات کے لیے دلیل کی ضرورت ہے مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں شفعہ کو اونٹ کے بند کھولنے سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا زانو بند کھول دیا جائے تو وہ فوراً بھاگ نکلتا ہے' اسی طرح جس وقت کوئی چیز فروخت ہو یا شفعہ کرنے والے کو اس چیز کے فروخت کیے جانے کا علم ہو' اسی وقت بلا تاخیر شفعہ کر دے' ورنہ تاخیر کی صورت میں اس سے حق شفعہ جاتا رہے گا اور اس کا شفعہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ یہ رائے احناف کی ہے۔ محدثین کے نزدیک تاخیر سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا کیونکہ شفعے کی احادیث مطلق ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے' نیز جب شفعہ کرنے والا کم سن ہو یا وہ اس وقت وہاں موجود نہ ہو تو بھی انھیں شفعہ کا استحقاق رہتا ہے جیسا کہ اوپر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اگر ہمسایہ اس موقع پر موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کیا جائے۔ ظاہر ہے اگر اس کا حق شفعہ باطل ہوتا تو پھر اس کا انتظار کرنے کے

کیا معنیٰ؟ واللہ أعلم.

١٤ - بَابُ الْقِرَاضِ

باب:14-مضاربت کا بیان

(٧٦٥) عَنْ صُهَيْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «ثَلَاثٌ فِيهِنَّ الْبَرَكَةُ: اَلْبَيْعُ إِلٰى أَجَلٍ، وَالْمُقَارَضَةُ، وَخَلْطُ الْبُرِّ بِالشَّعِيرِ لِلْبَيْتِ، لَا لِلْبَيْعِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

[765] حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین کام بڑے بابرکت ہیں: مدت مقررہ تک بیع' مضاربت کرنا اور گندم میں جو ملانا' گھر کے لیے' فروخت کرنے کے لیے نہیں۔'' (اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْقِرَاضِ] ''قاف'' کے نیچے کسرہ ہے۔ اہل حجاز '' قارضہ'' بولتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی اپنا سرمایہ کسی دوسرے آدمی کو تجارت کرنے کے لیے دے اس شرط پر کہ دونوں میں طے شدہ شرائط کے مطابق منافع تقسیم ہوگا۔ مذکورہ روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن یہ کاروبار دیگر دلائل کی رو سے جائز ہے جیسا کہ آئندہ آنے والی روایات سے واضح ہے۔ واللہ أعلم.

راویٔ حدیث: [حضرت صہیب رضی اللہ عنہ] ابویحییٰ صہیب بن سنان رومی۔ اصل میں عربی ہیں۔ نمر بن قاسط بن وائل قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ رومیوں نے انھیں بچپن میں قید کر لیا تھا۔ انھی میں نشوونما پائی' اس وجہ سے رومی کہلائے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب یہ بڑے ہوئے اور سنِ شعور کو پہنچے تو ان کے ہاں سے بھاگ کر مکہ میں پہنچ گئے اور عبداللہ بن جدعان کے حلیف بن گئے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ بنوکلب نے انھیں رومیوں سے خرید لیا اور انھیں مکہ میں لے آئے اور وہاں عبداللہ بن جدعان نے انھیں خرید لیا۔ مشہور صحابی ہیں۔ قدیم الإسلام ہیں۔ اللہ کی راہ میں انھیں بہت اذیتیں دی گئیں' پھر مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے اور مدینہ منورہ ہی میں ۳۸ ہجری میں وفات پائی۔

(٧٦٦) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ يَشْتَرِطُ عَلَى الرَّجُلِ، إِذَا أَعْطَاهُ مَالًا مُقَارَضَةً، أَنْ لَا تَجْعَلَ مَالِي فِي كَبِدٍ رَطْبَةٍ، وَلَا تَحْمِلَهُ فِي بَحْرٍ، وَلَا تَنْزِلَ بِهِ فِي بَطْنِ مَسِيلٍ، فَإِنْ فَعَلْتَ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ، فَقَدْ

[766] حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب کسی شخص کو مضاربت پر اپنا سرمایہ دیتے تو اس سے یہ شرط کر لیا کرتے تھے کہ میرا سرمایہ' حیوان کی تجارت میں نہیں لگاؤ گے' سمندر میں لے کر نہیں جاؤ گے اور سیلاب کی جگہوں میں لے کر نہیں جاؤ گے۔ اگر تم نے ان میں سے کوئی کام بھی

٧٦٥ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه ابن ماجه، التجارات، باب الشركة والمضاربة، حديث: ٢٢٨٩. * عبدالرحيم بن داود "مجهول بالنقل، حديثه غير محفوظ" قاله العقيلي، ونصر مجهول، وصالح مجهول الحال.

٧٦٦ـ [صحيح] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٦٣، والبيهقي: ٦/ ١١١، ومالك في الموطأ: ٢/ ٦٨٨.

ضَمِنْتَ مَالِي. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

کیا تو میرے مال کے تم خود ضامن و ذمہ دار ہو گے۔ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [فِي كَبِدٍ رَطْبَةٍ] اس سے مراد حیوان ہے' یعنی ذی روح' متنفس۔ [بَطْنِ مَسِيلٍ] پانی کے بہنے کی جگہ' یعنی وادی۔ [ضَمِنْتَ مَالِي] میرے مال کا تو ذمہ دار و ضامن ہو گا' اگر وہ ضائع ہو گیا۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مالک سرمایہ' مضاربت کرنے والے کو جس چیز سے چاہے روک سکتا ہے۔

وَقَالَ مَالِكٌ فِي الْمُوَطَّإِ عَنِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَعْقُوبَ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ: أَنَّهُ عَمِلَ فِي مَالٍ لِّعُثْمَانَ، عَلٰى أَنَّ الرِّبْحَ بَيْنَهُمَا. وَهُوَ مَوْقُوفٌ صَحِيحٌ.

امام مالک رحمہ اللہ موطا میں علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب سے' وہ (علاء) اپنے باپ (عبدالرحمٰن) سے اور وہ (عبدالرحمٰن) اس (علاء) کے دادا (یعقوب) سے بیان کرتے ہیں کہ اس (یعقوب) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مال میں اس شرط پر تجارت کی تھی کہ منافع دونوں کے درمیان تقسیم ہو گا۔ (یہ حدیث موقوف صحیح ہے۔)

راوی حدیث: [حضرت علاء رحمہ اللہ] ان کی کنیت أبو شِبْل ہے اور سلسلۂ نسب یوں ہے: علاء بن عبدالرحمن بن یعقوب جهنی۔ قبیلۂ حرقہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ (حرقہ کے ''حا'' پر ضمہ اور ''را'' پر فتحہ ہے۔) مدینے کے باشندے تھے۔ بہت بڑے امام تھے۔ صغار تابعین میں سے تھے۔ طبقۂ خامسہ سے تھے۔ صدوق تھے۔ کبھی وہم بھی ہو جایا کرتا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ واقدی نے کہا ہے کہ خلیفہ منصور کے دور میں وفات پائی۔

[حضرت عبدالرحمٰن بن یعقوب رحمہ اللہ] عبدالرحمٰن بن یعقوب جُهَنِی مدنی۔ اوسط تابعین میں سے تھے۔ ان کا شمار طبقۂ ثالثہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے والد کے علاوہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی سماع کیا ہے۔

[حضرت یعقوب رحمہ اللہ] یعقوب جُهَنِی قبیلۂ حرقہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کبار تابعین میں سے تھے۔ ان کا شمار طبقۂ ثانیہ میں ہوتا ہے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے روایت بھی کی ہے۔ ان سے قلیل روایات مروی ہیں۔

١٥ - بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْإِجَارَةِ

باب: 15- مساقات اور اجارے کا بیان

(٧٦٧) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[767] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

٧٦٧- أخرجه البخاري، الإجارة، باب إذا استأجر أرضًا فمات أحدهما، حديث: ٢٢٨٥، ومسلم، المساقاة، باب المساقاة والمعاملة بجزء من الثمر والزرع، حديث: ١٥٥١.

عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَامَلَ أَهْلَ خَيْبَرَ بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا مِنْ ثَمَرٍ أَوْ زَرْعٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے اس طرح معاملہ طے کیا کہ پھل اور کھیتی باڑی سے جو کچھ حاصل ہو اس میں سے آدھا ان کا۔ (بخاری ومسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لَّهُمَا: فَسَأَلُوا أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا، عَلَى أَنْ يَكْفُوا عَمَلَهَا، وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذٰلِكَ مَا شِئْنَا»**، فَقَرُّوا بِهَا، حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ.

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے: اہل خیبر (یہود) نے خود مطالبہ کیا کہ آپ انھیں (ان کی) زمینوں پر برقرار رہنے دیں' اس شرط پر کہ (زمین کے متعلقہ تمام) کام وہ کریں گے اور اس کے پھلوں (پیداوار) میں سے آدھا حصہ ان کا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم تمھیں اسی شرط پر ان زمینوں پر برقرار رکھتے ہیں' (لیکن) ہم جب تک چاہیں گے (رہنے دیں گے۔'') پھر یہ زمینوں پر برقرار رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں جلا وطن کر دیا۔

وَلِمُسْلِمٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ دَفَعَ إِلَى يَهُودِ خَيْبَرَ نَخْلَ خَيْبَرَ وَأَرْضَهَا، عَلَى أَنْ يَعْتَمِلُوهَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ، وَلَهُمْ شَطْرُ ثَمَرِهَا.

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے یہود کو خیبر کی کھجوریں اور زمین اس شرط پر دی تھیں کہ وہ اپنے اموال سے ان پر کام کریں گے اور ان کے لیے ان کے پھلوں (پیداوار) کا آدھا حصہ ہوگا۔

لغوی تشریح: [بَابُ الْمُسَاقَاةِ وَالْإِجَارَةِ] مساقاۃ کہتے ہیں کہ کھجور کے درختوں کا مالک اپنے درخت کسی آدمی کو دے تاکہ وہ ان درختوں اور ان کے پھلوں کی اصلاح و درستی سے متعلقہ تمام کام کرے اور پھل پکنے پر آدھا مالک کا اور آدھا کام کرنے والے کا ہو' گویا ایک کی طرف سے درخت ہوں گے اور دوسرے کی طرف سے محنت و عمل جیسا کہ مزارعت میں ہوتا ہے۔ اور [إِجَارَة] میں ''ہمزہ'' کے نیچے کسرہ ہے اور یہی معروف ہے۔ اور لغت کے اعتبار سے اجرت کے معنی میں ہے۔ شرعاً اس سے مراد یہ ہے کہ معلوم معاوضے کے بدلے میں مقصود اور معلوم ایسی منفعت پر عقد کرنا جو خرچ اور اباحت کے قابل ہو جیسا کہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ [بِشَطْرِ مَا يَخْرُجُ] شطر نصف کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنے حصے پر اتفاق ہو وہ معلوم ہونا چاہیے' مجہول نہ ہو۔ [أَنْ يُقِرَّهُمْ بِهَا] انھیں خیبر کی زمینوں پر برقرار رکھا جائے۔ [يَكْفُوا] کفایت سے ماخوذ ہے۔ [فَقَرُّوا] ''را'' پر تشدید۔ قرار سے ماخوذ ہے۔ باب سَمِعَ اور ضَرَبَ دونوں سے آتا ہے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ برقرار رہے۔ [أَجْلَاهُمْ] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں تیماء اور أریحا کی طرف جلا وطن کر دیا۔ [يَعْتَمِلُوهَا] ان زمینوں کی آباد کاری اور درستی کے لیے جدوجہد اور مساعی کریں اور انھیں درست اور ٹھیک کرنے کے لیے تمام کے تمام آلات' مثلاً: کلہاڑی' کدال اور درانتی وغیرہ استعمال کریں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے نصف' نصف کی بٹائی پر زمین دینا ثابت ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی ائمہ

ثلاثہ اور علمائے سلف و خلف مزارعت کے قائل ہیں۔ خیبر کے یہود کو آپ نے زمین جس شرط پر دی تھی اس کی رو سے پیداوار حاصل کرنے کے لیے جتنے کام بھی ہوتے ہیں سب ان کے ذمے تھے جیسے زمین سیراب کرنا' نہروں کی صفائی و کھدائی اور گھاس پھونس سے فصل کو محفوظ رکھنا وغیرہ۔ ② احناف نے خیبر کے معاملے کی جو تاویل کی ہے کہ یہ لوگ آپ کے غلام تھے' صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کا ارشاد گرامی ہے: [نُقِرُّكُمْ مَا أَقَرَّكُمُ اللّٰهُ] "ہم تمھیں اس وقت تک برقرار رکھیں گے جب تک تمھیں اللہ تعالیٰ برقرار رکھے گا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے غلام نہیں تھے' لہٰذا احناف کی یہ تاویل بھی باطل اور مردود ہے کہ وہ آپ کے غلام تھے۔

(٧٦٨) وَعَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ قَيْسٍ، قَالَ: سَأَلْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ، إِنَّمَا كَانَ النَّاسُ يُؤَاجِرُونَ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْمَاذِيَانَاتِ، وَأَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ، وَأَشْيَاءَ مِنَ الزَّرْعِ، فَيَهْلِكُ هٰذَا وَيَسْلَمُ هٰذَا، وَيَسْلَمُ هٰذَا وَيَهْلِكُ هٰذَا، وَلَمْ يَكُنْ لِلنَّاسِ كِرَاءٌ إِلَّا هٰذَا، فَلِذٰلِكَ زَجَرَ عَنْهُ، فَأَمَّا شَيْءٌ مَّعْلُومٌ مَّضْمُونٌ، فَلَا بَأْسَ بِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[768] حضرت حنظلہ بن قیس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سونے اور چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا کیسا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو لوگ صرف پانی کے بہاؤ والی جگہوں' نالوں کے شروع والی زمین (جہاں پانی خوب لگتا ہے) اور کھیتی کے کچھ حصے کے عوض زمین اجرت پر دیتے تھے' تو کبھی مالک کا حصہ تباہ و برباد ہو جاتا اور مزارع کا حصہ بچ جاتا اور کبھی یہ بچ جاتا اور وہ تباہ ہو جاتا۔ اور لوگوں میں ٹھیکے کی اس کے سوا اور کوئی شکل نہیں تھی' اس لیے نبی اکرم ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ بنابریں اگر کوئی معین چیز ہو جس کے تلف نہ ہونے کی ضمانت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

وَفِيهِ بَيَانٌ لِمَا أُجْمِلَ فِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ مِنْ إِطْلَاقِ النَّهْيِ عَنْ كِرَاءِ الْأَرْضِ.

اور اس حدیث میں بخاری و مسلم کی ان مجمل روایات کی وضاحت ہے جن میں مطلقاً زمین ٹھیکے پر دینے کی ممانعت آئی ہے۔

لغوی تشریح: [مَاذِيَانَاتِ] علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں "ذال" کے نیچے کسرہ ہے' پھر "یا" اور اس کے بعد "الف" ہے' پھر "نون" اور اس کے بعد "الف" ہے' پھر آخر میں "تا" ہے۔ یہی مشہور اعراب ہے۔ اور قاضی عیاض نے بعض راویوں سے صحیح مسلم کے سوا کسی اور روایت میں "ذال" کے فتحہ سے بھی بیان کیا ہے' یعنی پانی بہنے کی جگہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی بہنے کی جگہوں کے کناروں پر اگنے والی چیزیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ جو چھوٹی چھوٹی ندیوں کے اردگرد اگتا ہے۔ یہ معرب لفظ ہے۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ غیر عربی' یعنی عجمی زبان کا لفظ ہے۔ اہل عرب

٧٦٨_ أخرجه مسلم، البيوع، باب كراء الأرض بالذهب والورق، حديث: ١٥٤٧.

نے اسے عربی شکل دے کر عربی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ [أَقْبَالِ الْجَدَاوِلِ] أقبال میں ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے۔ یہ ''قُبُل'' کی جمع ہے' یعنی ندیوں اور نالوں کے شروع اور ابتدا والی زمینیں۔ اور جداول' جدول کی جمع ہے' جس کے معنی ہیں: چھوٹی نہر یا ندی۔

فائدہ: یہ حدیث مساقات و مزارعت کی جس صورت کو ممنوع قرار دے رہی ہے وہ نامعلوم پیداوار اور اس کی مقدار ہے۔ لوگ فاسد شرطیں طے کیا کرتے تھے۔ ان سے منع کیا گیا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ندیوں' نالوں اور پگڈنڈیوں کے گرد ہونے والی پیداوار سالم رہ جاتی اور باقی ساری فصل برباد ہو جاتی اور مزارع کو کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ اس صورت میں دھوکا وفریب اور سخت خطرہ پایا جاتا ہے' اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت حنظلہ رحمہ اللہ] بن قیس بن عمرو زُرَقی انصاری۔ اہل مدینہ کے ثقہ تابعی ہیں۔ ایک قول کے مطابق انھیں شرف رؤیت نبوی حاصل ہے۔

(٧٦٩) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ، وَأَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا.

[769] حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مزارعت سے منع فرمایا ہے اور ٹھیکے پر دینے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ (اسے بھی مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بِالْمُؤَاجَرَةِ] سونے یا چاندی کے عوض زمین ٹھیکے پر دینا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی زمین میں کھیتی باڑی کرے اور فصل کی مکمل دیکھ بھال کرے اور اس کے عوض اس کھیتی کی پیداوار میں سے کچھ وصول کرنے کی بجائے نقدی کی صورت میں اجرت لے لے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث مزارعت کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے اور بظاہر ان احادیث کے معارض و مخالف ہے جن میں اس کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ابوداود میں حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے یہ اشکال رفع ہو جاتا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو معاف فرمائے' میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس حدیث کا مجھے ان سے زیادہ علم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو انصاری آدمی آئے' دونوں جھگڑ رہے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تمھاری یہ حالت ہے تو پھر کھیتیاں ٹھیکے پر نہ دیا کرو۔'' (سنن أبي داود' البيوع' باب في المزارعة' حديث:٣٣٩٠) چنانچہ حضرت رافع نے آپ کا فرمان: ''کھیتیاں ٹھیکے پر نہ دیا کرو۔'' سن لیا۔ حضرت زید کی مراد یہ تھی کہ حضرت رافع نے حدیث کا پہلا حصہ نہیں سنا' لہٰذا یہ مقصود میں مخل ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع تو نہیں فرمایا' البتہ یہ فرمایا تھا: ''تم میں سے کسی ایک کا اپنی زمین کو فائدہ اٹھانے کے لیے دے دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس کے بدلے میں معلوم و متعین محصول لے۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں جو نہی ہے وہ قبل از اسلام رائج طریقے کے بارے میں ہے جس کا ذکر سابقہ

٧٦٩ـ أخرجه مسلم، البيوع، باب في المزارعة والمؤاجرة، حديث: ١٥٤٩.

حدیث میں ہو چکا ہے۔ ② اس حدیث میں جو ممانعت وارد ہوئی ہے بعض علماء نے اسے نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے۔ دراصل بات یہ تھی کہ آغاز اسلام میں مہاجرین بالخصوص حاجت مند وضرورت مند تھے۔ ان کے پاس زمینیں نہیں تھیں۔ انصار کے پاس زائد زمینیں کافی تھیں تو نبی ﷺ نے جس طرح انصار و مہاجرین میں بھائی چارہ یعنی مؤاخات قائم فرمائی تھی، اسی طرح انصار کو یہ ترغیب بھی دی کہ وہ اپنے بے وطن بھائیوں کو کوئی محصول وصول کیے بغیر زمینیں دیں اور ان سے کوئی محصول وصول نہ کریں۔ یہ نہی تنزیہی اب بھی بدستور موجود ہے، منسوخ نہیں ہوئی، یا پھر اس سے مراد وہی صورت ہوگی جس میں کسی ایک فریق کے لیے دھوکا اور فریب کا امکان ہو۔ [أَمَرَ بِالْمُؤَاجَرَةِ] کا جملہ اسی مفہوم کی غمازی کر رہا ہے، نیز اجارہ پر دینے سے دوسرے کو آسانی اور سہولت ہوتی ہے، اس لیے ابتدا میں مزارعت سے منع فرما دیا تھا مگر جب زمین کی بہتات ہوگئی تو پھر یہ پابندی ختم ہوگئی۔

راویٔ حدیث: [حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ] ابو یزید ان کی کنیت ہے۔ ثابت بن ضحاک بن خلیفہ نام ہے۔ انصاری ہیں۔ خزرج کے قبیلہ اشہل سے ہونے کی وجہ سے خزرجی اشہلی کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہیں جنھوں نے بیعت رضوان کی تھی۔ اس وقت یہ چھوٹے تھے۔ ایک قول کی رو سے ۴۵ ہجری میں وفات پائی، مگر صحیح یہ ہے کہ ابن زبیر کے ہنگامے کے ایام میں ۶۴ ہجری میں فوت ہوئے۔

(٧٧٠) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: اِحْتَجَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، وَأَعْطَى الَّذِي حَجَمَهُ أَجْرَهُ، وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[770] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سینگی لگوائی اور سینگی لگانے والے کو اس کا معاوضہ اور اجرت بھی عطا فرمائی۔ اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو آپ یہ معاوضہ عنایت نہ فرماتے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

(٧٧١) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَسْبُ **الْحَجَّامِ خَبِيثٌ**» رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[771] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حجام (سینگی لگانے والے) کی کمائی خبیث ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [كَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيثٌ] گھٹیا اور رذیل پیشہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ حرام پیشہ ہے۔ لفظ خبیث مطلق طور پر بول کر اس سے رذیل اور گھٹیا مراد لیتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ﴾ (البقرة ٢٦٧:٢) لہٰذا ردی مال اور گھٹیا چیز کو خبیث کے نام سے موسوم کر دیتے ہیں ورنہ وہ حرام نہیں ہے۔ جمہور علماء پیشۂ حجام کو مباح سمجھتے ہیں اور دلیل کے اعتبار سے یہی رائے قوی اور مضبوط ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی گزشتہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباري: ٤/ ٥٧٩، ٥٨٠)

٧٧٠ـ أخرجه البخاري، الإجارة، باب خراج الحجام، حديث: ٢٢٧٨.

٧٧١ـ أخرجه مسلم، المساقاة، باب تحريم ثمن الكلب ....، حديث: ١٥٦٨.

(٧٧٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اِسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[772] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ میں قیامت کے روز تین آدمیوں کے خلاف مدعی ہوں گا: پہلا آدمی جو میرے نام کا عہد اور ضمانت دے کر بدعہدی کرے۔ دوسرا وہ آدمی جو کسی آزاد آدمی کو فروخت کرے اور اس کی قیمت کھائے۔ تیسرا وہ آدمی جس نے کوئی مزدور رکھا اور اس سے کام تو پورا لیا مگر اس کی مزدوری نہ دی۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَعْطٰى بِي] یعنی اس نے میرے نام کی قسم کھائی اور معاہدہ کیا یا میرے نام پر اور میرے مقرر کردہ دین پر کسی کو امان دی۔ (سبل السلام) [اِسْتَوْفٰى مِنْهُ] یعنی اس سے کام تو پورا اور مکمل لیا۔

(٧٧٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْراً كِتَابُ اللّٰهِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[773] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک سب سے زیادہ مستحق کام' جس کی تم اجرت لو' کتاب اللہ ہے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تعلیم اور کتابت وطباعت وغیرہ کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ امام شافعی' امام مالک اور امام اسحاق رحمہم اللہ کی یہی رائے ہے' البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تعلیم قرآن کی تنخواہ لینا ناجائز ہے' تاہم اگر کوئی آدمی کسی سے طے کیے بغیر تعلیم حاصل کرتا ہے اور اپنی مرضی سے استاد کی مالی امداد کرتا ہے تو اسے کسی نے ناجائز نہیں کہا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباري: ۴/۵۷۱-۵۷۳)

(٧٧٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ، قَبْلَ أَنْ يَجِفَّ عَرَقُهُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه.

[774] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو۔'' (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

اور اسی مضمون سے متعلق روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی

٧٧٢ـ أخرجه مسلم: ولم أجده، والبخاري، الإجارة، باب إثم من منع أجر الأجير، حديث: ٢٢٧٠، والبيوع، باب إثم من باع حرًا، حديث: ٢٢٢٧.

٧٧٣ـ أخرجه البخاري، الإجارة، باب ما يعطى في الرقية على أحياء العرب بفاتحة الكتاب، قبل حديث: ٢٢٧٦.

٧٧٤ـ [صحيح] أخرجه ابن ماجه، الرهون، باب أجر الأجراء، حديث: ٢٤٤٣، وحديث أبي هريرة أخرجه البيهقي: ٦/ ١٢٠، وأبويعلى: ينظر عنده، وحديث جابر أخرجه الطبراني في الصغير: ١/ ٢١.

عَنْهُ عِنْدَ أَبِي يَعْلَى وَالْبَيْهَقِيِّ، وَجَابِرٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ عِنْدَ الطَّبَرَانِيِّ، وَكُلُّهَا ضِعَافٌ.

مروی ہے جسے ابویعلیٰ اور بیہقی نے نقل کیا ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے جسے طبرانی نے بیان کیا ہے' مگر یہ ساری روایات ضعیف ہیں۔

(٧٧٥) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَلْيُسَمِّ لَهُ أُجْرَتَهُ**»، رَوَاهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَفِيهِ انْقِطَاعٌ، وَوَصَلَهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيقِ أَبِي حَنِيفَةَ.

[775] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی کوئی مزدور رکھے تو وہ اس کی اجرت و مزدوری (پہلے) متعین کرے۔'' (اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔ اور بیہقی نے اس حدیث کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے واسطے سے موصول روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَلْيُسَمِّ أُجْرَتَهُ] اس میں فَلْيُسَمِّ تسمیہ سے ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مزدور کو کام پر لگانے سے پہلے مزدوری کا تعین ہونا چاہیے تاکہ عدم تعین کی وجہ سے معاملہ باہمی نزاع اور جھگڑے کی صورت اختیار نہ کر جائے۔

فائدہ: یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، تاہم اس بات پر اجماع ہے کہ اجارے کی صورت میں اجرت کا تعین کرنا ضروری ہے۔ والله أعلم۔

١٦ - بَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ

باب: 16- بنجر زمین کو آباد کرنے کا بیان

(٧٧٦) وَعَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**مَنْ عَمَّرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. قَالَ عُرْوَةُ: وَقَضَى بِهِ عُمَرُ فِي خِلَافَتِهِ.

[776] حضرت عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے غیر مملوکہ زمین کو آباد کیا وہ اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔'' عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسی پر فیصلہ فرمایا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ إِحْيَاءِ الْمَوَاتِ] موات کے ''میم'' پر فتحہ اور ''واو'' مخفف ہے۔ ایسی زمین جو بے کار و بے آباد ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو اور نہ کوئی کھیتی باڑی' باغبانی یا تعمیر کے ذریعے سے اس سے فائدہ حاصل کرتا ہو۔ اور اسے آباد کرنے سے مراد اس میں کھیتی باڑی یا باغبانی یا کوئی تعمیراتی کام کرنا یا کنواں کھودنا اور اسے پختہ کر کے زمین کی طرف اس کا پانی

٧٧٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه عبدالرزاق في المصنف: ٨/ ٢٣٥، وسنده ضعيف لانقطاعه، إبراهيم النخعي لم يدرك أبا سعيد الخدري وأبا هريرة، وأخرجه البيهقي: ٦/ ١٢٠ وسنده ضعيف، إبراهيم بن هلال أو بلال لم أجد له ترجمة.

٧٧٦ـ أخرجه البخاري، الحرث والمزارعة، باب من أحيا أرضًا مواتًا، حديث: ٢٣٣٥.

جاری کرنا ہے۔ [عَمَرَ] ''میم'' پر تشدید اور تخفیف دونوں درست ہیں۔ [فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا] یہ زمین اسی کی ملکیت ہوگی' خواہ وہ زمین آبادی کے قریب ہو یا بعید' حکمران و سربراہ نے اس کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ یہ جمہور کا قول ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مطلقاً امام کے اذن و اجازت کی شرط لگائی ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ صرف وہ زمین جو آبادی کے قریب ہو اس کے بارے میں امام کی اجازت ضروری ہے۔ اور قریب کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ وہ جگہ آبادی کے رہائشی لوگوں کی ضرورت میں شامل ہو' مثلاً: وہ اپنے جانوروں کو وہاں چراتے ہوں وغیرہ۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے بے آباد و بنجر زمین کو جو بھی آباد کر لے وہ اسی کی ملکیت میں آجاتی ہے' بشرطیکہ وہ کسی مسلمان یا ذمی کی ملکیت میں نہ ہو۔ اس میں بادشاہ وقت کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے' البتہ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام و بادشاہ سے اس وقت اجازت لی جائے گی جب وہ زمین آبادی کے قریب واقع ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تو ہر صورت میں بادشاہ سے اجازت لینا ضروری ہے۔ ② یہ حکم صرف مسلمان کے لیے ہے کافر کے لیے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

(٧٧٧) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيِّتَةً فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: رُوِيَ مُرْسَلاً. وَهُوَ كَمَا قَالَ. وَاخْتُلِفَ فِي صَحَابِيِّهِ، فَقِيلَ: جَابِرٌ، وَقِيلَ: عَائِشَةُ، وَقِيلَ: عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَالرَّاجِحُ الْأَوَّلُ.

[777] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے بنجر زمین کو آباد کیا وہ اسی کی ملکیت ہے۔'' (اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اسے مرسل بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور وہ اسی طرح ہے جس طرح انھوں نے کہا ہے۔ اس حدیث کے (راوی) صحابی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ مگر راجح قول پہلا ہی ہے۔)

لغوی تشریح: [أَرْضًا مَيِّتَةً] میتة میں ''یا'' مخفف بھی ہے اور اس پر تشدید بھی۔ اس سے مراد وہ زمین ہے جسے آباد نہ کیا گیا ہو۔ اسے آباد کرنے کو زندہ کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے اور بیکار چھوڑے رکھنے کو اس کی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فائدہ: ان دونوں احادیث میں زمین کو آباد کرنے اور اس میں فصل بونے' باغ لگانے اور پانی محفوظ کرنے کے لیے کنواں وغیرہ کھودنے کی اجازت ہے کہ جو کوئی بے آباد زمین آباد کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہوگی۔ گویا اسلام میں بیکار زمین پڑی رہنے کا تصور نہیں۔ اسے بہر نوع آباد ہونا چاہیے۔ کسی ملک کے استحکام کا بھی یہی تقاضا ہے۔ اس سے انفرادی ملکیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

٧٧٧_ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الخراج والإمارة، باب في إحياء الموات، حديث: ٣٠٧٣، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٧٨، والنسائي في الكبرٰى: ٣/ ٤٠٥، حديث: ٥٧٦١.

(٧٧٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ الصَّعْبَ بْنَ جَثَّامَةَ اللَّيْثِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**لَا حِمٰى إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[778] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت صعب بن جثامہ لیثی رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے لیے چراگاہ مخصوص کر لے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا حِمٰى] حمی میں ''حا'' کے نیچے کسرہ اور ''میم'' پر فتحہ بغیر تشدید کے ہے' یعنی چراگاہ۔ ایسی جگہ جہاں لوگوں اور جانوروں کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے تاکہ اس میں گھاس بکثرت پیدا ہو۔ [إِلَّا لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ] اس کے معنی یہ ہیں کہ سربراہ مملکت کے لیے جائز ہے کہ وہ زمین کا کچھ حصہ مخصوص کر لے تاکہ وہاں صرف صدقے کے اونٹ' جہاد کے لیے رکھے ہوئے گھوڑے اور وہ اونٹ چر سکیں جن سے راہ الٰہی میں بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ لیکن سربراہ مملکت کے سوا کوئی دوسرا ایسا کرنے کا مجاز نہیں۔ امام ابن اثیر رحمہ اللہ النِّهَايَة میں لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ دور جاہلیت میں جب کوئی رئیس اپنے قبیلے کی کسی زمین پر پڑاؤ ڈالتا تو وہاں کتے کو بھونکواتا' جہاں تک کتے کے بھونکنے کی آواز پہنچتی وہاں تک ساری زمین وہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا اور کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہوتا جبکہ وہ رئیس خود باقی ساری قوم کی چراگاہوں میں ان کا شریک اور ساجھی ہوتا۔ نبی ﷺ نے اس قسم کی ذاتی تخصیص کو ممنوع قرار دے دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے آباد زمین کو آباد کر کے اسے ملکیت میں لینا اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ چراگاہ کے مخصوص ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ پہلی صورت ان معاملات میں سے ہے جن میں مسلمانوں کی کوئی ہمہ گیر منفعت نہیں ہے جبکہ دوسری صورت کا تعلق ایسے معاملے کے ساتھ ہے جس کے لوگ ضرورت مند ہوتے ہیں اور اس میں ان کے لیے وسیع تر مفاد بھی ہوتا ہے۔

(٧٧٩) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه، وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ مِّثْلُهُ، وَهُوَ فِي الْمُوَطَّإِ مُرْسَلٌ.

[779] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہ (پہلے پہل) کسی کو نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا جائز ہے اور نہ بدلے کے طور پر نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا۔'' (اسے احمد اور ابن ماجہ دونوں نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ میں ابوسعید کے حوالے سے اسی طرح کی حدیث منقول ہے اور یہی حدیث موطا میں مرسل ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا ضَرَرَ] ضرر میں ''ضاد'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے۔ ضرر' نفع کی ضد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص

٧٧٨ـ أخرجه البخاري، المساقاة، باب لا حمى إلا لله ولرسوله ﷺ، حديث: ٢٣٧٠.

٧٧٩ـ **[إسناده ضعيف جدًا]** أخرجه ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، حديث: ٢٣٤١، وأحمد: ٥/ ٣٢٧، وحديث أبي سعيد أخرجه الحاكم: ٢/ ٥٨، والبيهقي: ٦/ ٦٩، ٧٠، ومرسل يحيى المازني أخرجه مالك: ٢/ ٧٤٥.

اپنے بھائی کو ایسی تکلیف واذیت نہ دے جس سے اس کے حق میں کمی واقع ہو جائے۔ [وَلَا ضِرَارَ] ضِرَار میں ''ضاد'' کے نیچے کسرہ ہے۔ اس کے معنی تکلیف دینا' دکھ پہنچانا ہیں' یعنی جتنا کسی نے اسے ضرر ونقصان پہنچایا ہے اس سے زیادہ اسے تکلیف نہ دے۔ اس حدیث کو اس باب میں داخل کرنے سے مصنف رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ بے آباد زمین کو آباد کرنا اس صورت میں جائز نہیں جس سے کسی دوسرے کو نقصان اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔ یہ بات امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید میں ہے جس میں انھوں نے آبادی سے قریب اور بعید کا فرق رکھا ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے صحیح اور حسن قرار دیا ہے' مثلاً: مسند احمد کے محققین نے تفصیلی بحث کے بعد اسے حسن قرار دیا ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے الصحیحة اور الإرواء میں صحیح قرار دیا ہے' نیز دکتور بشار عواد اس کی بابت لکھتے ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف اور متناً صحیح ہے' لہٰذا یہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود مجموعی طور پر دیگر شواہد اور متابعات کی وجہ سے متناً ومعناً صحیح ہے جیسا کہ محققین کی جماعت نے کہا ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٥/٥٥، ٥٦' والصحيحة، رقم:٢٥٠' والإرواء، رقم:٨٩٦' وسنن ابن ماجه بتحقيق الدكتور بشار عواد' رقم:٢٣٤٠) ② اس حدیث میں ایک زریں اصول بیان ہوا ہے۔ وہ یہ کہ نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ضرر کا خود شکار بنو۔ گویا کسی کو بلاوجہ ضرر و اذیت میں مبتلا کرنا ایک مسلمان کے شایان شان نہیں۔ جب کسی کو خود تکلیف دے گا تو ظاہر ہے مخالف بھی اسے اذیت دینے کی کوشش کرے گا تو اس نے گویا ازخود اپنے آپ کو اذیت اور ضرر رسانی کا نشانہ و ہدف بنایا۔ ③ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حدود الٰہیہ کا نفاذ و اجرا اس حدیث کے ضمن میں نہیں آتا' اس لیے کہ وہ امر الٰہی کی تعمیل ہے نہ کہ اپنے وہم وگمان کی پیروی۔

(٧٨٠) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ أَحَاطَ حَائِطًا عَلٰى أَرْضٍ فَهِيَ لَهُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ.

[780] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی (غیر مملوکہ) زمین کے اردگرد دیوار بنا لی' وہ زمین اسی کی ملکیت ہو گی۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن جارود نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ بنابریں غیر مملوکہ اور لاوارث زمین پر قبضہ کر لینا کافی نہیں بلکہ اسے آباد کیا جائے تو ملکیت ثابت ہو گی جیسا کہ گزشتہ احادیث سے ثابت ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٧٨١) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَفَرَ بِئْرًا

[781] حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کنواں کھودا تو اس کے

٧٨٠ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الخراج، باب في إحياء الموات، حديث: ٣٠٧٧. * قتادة عنعن.

٧٨١ـ [حسن] أخرجه ابن ماجه، الرهون، باب حريم البئر، حديث: ٢٤٨٦، وسنده ضعيف، وله شاهد عند البيهقي: ٦/١٥٥.

فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا، عَطَنًا لِمَاشِيَتِهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

مویشیوں کے بیٹھنے کے لیے چالیس ہاتھ زمین اسی کی ہے۔'' (اسے ابن ماجہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ حَفَرَ بِئْرًا] بے آباد و بنجر زمین جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو' اس میں کنواں کھودا۔ [فَلَهُ أَرْبَعُونَ ذِرَاعًا] تو وہ شخص کنوئیں کے اردگرد چالیس ہاتھ زمین کا مالک ہوگا' اس لیے کہ اس جگہ کنواں کھود کر اس نے زمین کو آباد کیا اور سرسبز و شاداب کیا ہے۔ [عَطَنًا] ''عین'' اور ''طا'' دونوں پر فتحہ ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں اونٹ بیٹھتے ہیں' نیز بکریوں کے باڑے کو بھی کہتے ہیں' یعنی وہ جگہ جہاں بکریاں بیٹھتی ہیں۔

(٧٨٢) وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَهُ أَرْضًا بِحَضْرَ مَوْتَ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[782] حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے انھیں حضر موت میں ایک قطعۂ زمین بطور جاگیر عطا فرمایا۔ (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَقْطَعَهُ] یعنی اسے عطا کیا۔ إِقْطَاع کے معنی ہیں: زمین کا کوئی ٹکڑا کسی کے لیے معین کرنا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سربراہ مملکت اپنی رعیت میں سے کسی کو بے آباد زمین میں سے کچھ حصہ خصوصی طور پر عنایت کر دے تو وہ اسی کے لیے مخصوص ہو جائے گا۔ اور وہ اس زمین کے آباد کرنے کا اس شخص کی بہ نسبت زیادہ حق دار ہوگا جس نے اس سے پہلے اسے آباد نہیں کیا۔ جاگیر دینے کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ وہ جاگیر کسی کی ملکیت میں دے دی جائے اور دوسری یہ کہ وہ زمین کسی کو محض انتفاع کے لیے دی جائے' اس کی ملکیت میں نہ دی جائے۔ [بِحَضْرَ مَوْتَ] ''حا'' پر فتحہ' ''ضاد'' ساکن' ''را'' پر فتحہ اور ''میم'' پر بھی فتحہ اور ''قاموس'' کے مطابق ''میم'' پر ضمہ ہے۔ منع صرف کے دو اسباب: علمیت اور ترکیب پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یہ یمن کا جنوبی علاقہ ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت علقمہ بن وائل بن حجر کندی حضرمی کوفی رحمہ اللہ] صدوق راوی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔ اپنے باپ حضرت وائل اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتا ہے۔

(٧٨٣) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ حُضْرَ

[783] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اس کے گھوڑے کی دوڑ کے برابر

٧٨٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الخراج، باب في إقطاع الأرضين، حديث: ٣٠٥٨، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٨١، وابن حبان (الإحسان): ٩/ ١٦٦، ١٦٧.

٧٨٣ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الخراج، باب في إقطاع الأرضين، حديث: ٣٠٧٢. * عبدالله بن عمر العمري حسن الحديث عن نافع، ضعيف عن غيره.

فَرَسِهِ، فَأَجْرَى الْفَرَسَ حَتّٰى قَامَ، ثُمَّ رَمٰى بِسَوْطِهِ، فَقَالَ «أَعْطُوهُ حَيْثُ بَلَغَ السَّوْطُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَفِيهِ ضَعْفٌ.

زمین' جاگیر کے طور پر عنایت فرمائی' چنانچہ انھوں نے گھوڑے کو دوڑایا حتیٰ کہ وہ ٹھہر گیا' پھر انھوں نے اپنا چابک آگے پھینک دیا۔ آپ نے فرمایا: ''جہاں تک چابک پہنچا ہے وہاں تک کی زمین ان (زبیر) کو دے دو۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس میں ضعف ہے۔)

لغوی تشریح: [حُضْرَ فَرَسِهِ] ''حا'' پر ضمہ اور ''ضاد'' ساکن ہے۔ گھوڑے کی دوڑ کے برابر۔ اس پر نصب اس بنا پر آیا ہے کہ اس کا مضاف قَدْرَ محذوف ہے' یعنی ایک مرتبہ دوڑ کی مقدار کے برابر۔ [حَتّٰى قَامَ] گھوڑا ٹھہر گیا اور بھاگنے سے رک گیا۔

فائدہ: اس حدیث کی رو سے سربراہ مملکت کے لیے کسی آدمی کو اس کی مخصوص ملّی اور دینی خدمات کے صلے میں جاگیر دینا جائز ہے' البتہ یہ شرط ہے کہ وہ زمین کسی دوسرے کی ملکیت میں نہ ہو۔

(٧٨٤) وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: «اَلنَّاسُ شُرَكَاءُ فِي ثَلَاثٍ: فِي الْكَلَإِ وَالْمَاءِ وَالنَّارِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[784] ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں شریک تھا کہ میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تین چیزوں میں سب لوگ حصہ دار ہیں: گھاس' پانی اور آگ۔'' (احمد اور ابوداود نے اسے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [اَلنَّارِ] یہاں آگ سے مراد وہ ایندھن ہے جسے لوگ آگ جلانے کے لیے اکٹھا کرتے ہیں۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد وہ پتھر ہیں جن سے آگ جلائی جاتی ہے جبکہ وہ بے آباد اور بنجر زمین میں ہوں۔ اور بعض نے اس سے چراغ مراد لیا ہے جس کی روشنی سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ ان تینوں چیزوں میں سے کوئی چیز کسی بھی انسان کے ساتھ مخصوص نہیں۔ مگر گزشتہ احادیث کی بنا پر امام و سربراہ کی مقرر کی ہوئی چراگاہ کا حکم اس سے مستثنیٰ ہے۔

١٧ - بَابُ الْوَقْفِ

باب: 17- وقف کا بیان

(٧٨٥) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا مَاتَ

[785] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب انسان وفات پا جاتا ہے تو تین اعمال

٧٨٤ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، البيوع، باب في منع الماء، حديث: ٣٤٧٧، وأحمد: ٥/ ٣٦٤.

٧٨٥ـ أخرجه مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: ١٦٣١.

الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ : صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

کے سوا اس کے سارے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں' (اور وہ یہ ہیں:) صدقہ جاریہ یا ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے' یا صالح اولاد جو اس (مرنے والے) کے لیے دعا کرتی رہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: بَابُ الْوَقْفِ لغوی معنی ہیں: روکنا' محبوس رکھنا۔ اور شرعی طور پر وقف کے معنی یہ ہیں کہ کوئی بھی چیز' جس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو اللہ کی راہ میں دے دینا بشرطیکہ اس کی اصل کو باقی رکھا جائے اور اسے کسی جائز مصرف (فروخت یا ہبہ) کے لیے بھی تصرف میں نہ لایا جائے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی مرنے والے کو بعض اعمال کا ثواب پہنچتا ہے۔ ② اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے: ایک صدقہ جاریہ' ایسا صدقہ جس کو عوام کی بھلائی کے لیے وقف کر دیا جائے' مثلاً: سرائے تعمیر کرنا' کنواں کھدوانا' نل وغیرہ لگوانا' مساجد کی تعمیر کرانا' ہسپتال تعمیر کرانا' پل بنوانا' سڑک بنوانا۔ ان میں سے جو کام بھی وہ اپنی زندگی میں کر جائے وہ سب صدقہ جاریہ شمار ہوں گے۔ دوسرے علم' یعنی لوگوں کو دینی تعلیم دینا' دلوانا' طلباء کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنا' تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا سلسلہ قائم کر جانا' مدارس کی تعمیر' دینی کتب کی طباعت و نشر و اشاعت کا بندوبست کرنا وغیرہ۔ تیسرے صالح اولاد' جس میں بیٹا' بیٹی' پوتا' پوتی' نواسا' نواسی وغیرہ کے علاوہ روحانی اولاد بھی شامل ہو سکتی ہے جسے علم دین سے آراستہ کیا' انھیں راہ راست اور صراط مستقیم کی روشنی دکھائی اور انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب میں گرفتار ہونے سے بچا لیا۔ ③ صالح اولاد مرنے والے کو اپنے نیک و صالح عمل کے ذریعے سے یاد رکھتی ہے اور اس کے لیے گناہوں کی معافی اور بلندئ درجات کی دعا کرتی ہے۔ یہ دراصل مرنے والے کے اپنے عمل کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو اسے مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔ اور یہ آیت ﴿وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى﴾ کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مطابق ہے کہ اسے اپنی سعی کی جزا ملتی ہے۔

(٧٨٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: أَصَابَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْتَأْمِرُهُ فِيهَا، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَصَبْتُ أَرْضًا بِخَيْبَرَ، لَمْ أُصِبْ مَالًا قَطُّ هُوَ أَنْفَسُ عِنْدِي مِنْهُ، قَالَ: «إِنْ شِئْتَ حَبَسْتَ أَصْلَهَا، وَتَصَدَّقْتَ بِهَا». قَالَ: فَتَصَدَّقَ بِهَا عُمَرُ رَضِيَ

[786] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (میرے باپ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیبر میں کچھ زمین ملی تھی' چنانچہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں مشورہ طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے خیبر میں کچھ زمین حاصل ہوئی ہے۔ وہ ایسی نفیس و قیمتی ہے کہ اس سے پہلے کبھی بھی ایسی زمین مجھے نہیں ملی۔ (میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟) آپ نے فرمایا: ''اگر

٧٨٦ـ أخرجه البخاري، الشروط، باب الشروط في الوقف، حديث: ٢٧٣٧، ومسلم، الوصية، باب الوقف، حديث: ١٦٣٢.

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ لَا يُبَاعُ أَصْلُهَا، وَلَا يُورَثُ، وَلَا يُوهَبُ، فَتَصَدَّقَ بِهَا فِي الْفُقَرَاءِ، وَفِي الْقُرْبٰى، وَفِي الرِّقَابِ، وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَابْنِ السَّبِيلِ، وَالضَّيْفِ، لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ، وَيُطْعِمَ صَدِيقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

چاہو تو اس کے اصل (رقبے) کو وقف کر دو اور اس کے پھل وغیرہ کو صدقہ کر دو۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ زمین اس شرط پر صدقہ کر دی کہ اس کا اصل (رقبہ) فروخت کیا جائے گا' نہ میراث میں دیا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا' بلکہ اسے فقیروں' قرابت داروں' غلاموں کو آزاد کرنے' راہ الٰہی' راہ چلتے مسافروں اور مہمانوں (کی مہمان نوازی) کے لیے صدقہ کر دیا۔ (اور یہ وصیت بھی کر دی کہ) اس کا منتظم و نگہبان معروف طریقے کے مطابق خود بھی کھا سکتا ہے اور احباب و رفقاء کو بھی کھلا سکتا ہے۔ مگر مال کو ذخیرہ بنا کر نہ رکھے۔ (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

وَفِي رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِيِّ: تَصَدَّقْ بِأَصْلِهَا: لَا يُبَاعُ، وَلَا يُوهَبُ، وَلٰكِنْ يُنْفَقُ ثَمَرُهُ.

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: اس کے اصل کو صدقہ (وقف) کر دیا جو نہ فروخت کیا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا لیکن اس کی پیداوار راہ الٰہی میں خرچ کی جائے گی۔

لغوی تشریح: [أَصَابَ عُمَرُ] مال غنیمت کے حصے میں سے پایا۔ [أَرْضًا بِخَيْبَرَ] یعنی خیبر کی زمین سے۔ اس زمین کا نام ثمغ تھا۔ ثمغ "ثا" اور "میم" کے فتحہ کے ساتھ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "میم" ساکن کے ساتھ ہے۔ [يَسْتَأْمِرُهُ] آپ کا حکم اور مشورہ طلب فرمایا۔ [أَنْفَسُ] انفیس ترین' عمدہ ترین اور محبوب ترین۔ [حَبَسْتَ] میں "با" پر تشدید اور تخفیف دونوں درست ہیں' وقف کر دے۔ [وَ تَصَدَّقْتَ بِهَا] اس سے حاصل ہونے والا فائدہ' یعنی پھل وغیرہ' صدقہ کر دے۔ [فِي الْقُرْبٰى] اس سے مراد وقف کرنے والے کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ [وَفِي الرِّقَابِ] رقاب میں "را" کے نیچے کسرہ ہے اور یہ رَقَبَة کی جمع ہے' مراد وہ غلام ہیں جنھوں نے آزادی کے لیے مالک سے رقم طے کر کے مکاتبت کر لی ہو' ان کی مکاتبت اور قرض کی ادائیگی میں تعاون کے لیے صدقہ کیا جائے۔ اور ممکن ہے یہ بھی مراد ہو کہ غلاموں کو خرید کر آزادی کی نعمت سے سرفراز کر دے۔ [لَا جُنَاحَ عَلٰى مَنْ وَّلِيَهَا] یعنی جو شخص اس کی نگرانی و نگہبانی اور حفاظت کا ذمہ دار بنے اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔ [أَنْ يَّأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوفِ] کہ وہ معروف عادت و رواج کے مطابق اس سے اپنے کھانے کے لیے اور اپنی ضرورت کی حد تک لباس کے لیے لے سکتا ہے۔ [غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا] یعنی مال جمع کرنے والا نہ ہو۔ یہ وَلِيَهَا میں موجود فاعل (ضمیر) سے حال واقع ہو رہا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں وقف شدہ چیز کو فروخت کرنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے' یعنی جو چیز وقف کر دی جائے اسے فروخت نہیں کیا جا سکتا اور نہ اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وقف شدہ چیز کے فروخت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے شاگرد رشید امام ابویوسف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر امام

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اپنی رائے سے رجوع کر لیتے۔

(٧٨٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ. اَلْحَدِيثَ، وَفِيهِ «فَأَمَّا خَالِدٌ، فَقَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتَادَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[787] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ (راوی نے) مکمل حدیث بیان کی اور اس میں ہے: (آپ نے فرمایا:) ''رہا خالد (رضی اللہ عنہ) تو اس نے اپنی زرہیں اور سامان جنگ' سب کچھ اللہ کے راستے میں وقف کر دیا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [اَلْحَدِيثَ] مکمل حدیث یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو بتایا گیا کہ ابن جمیل' خالد بن ولید اور (رسول اللہ ﷺ کے چچا) عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے زکاۃ نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن جمیل کو تو یہی بات راس نہیں آتی کہ وہ فقیر و محتاج تھا' اللہ تعالیٰ نے اسے مالدار کر دیا۔ اور خالد (رضی اللہ عنہ) کا معاملہ یہ ہے کہ تم لوگ خالد (رضی اللہ عنہ) سے ناانصافی کر رہے ہو' اس نے تو اپنی ساری زرہیں اور سامان جنگ راہ الٰہی میں وقف کر رکھا ہے۔ اور حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کا معاملہ یہ ہے کہ اس کی زکاۃ میرے ذمے ہے۔ اور اس کے برابر اور بھی (کیونکہ میں ان سے دو سال کی زکاۃ پیشگی وصول کر چکا ہوں)۔'' [أَدْرَاع] دِرْع کی جمع ہے' یعنی زرہ۔ [أَعْتَاد] عَتَد کی جمع ہے۔ عَتَد کے ''عین'' اور ''تا'' دونوں پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی ہیں: جنگ کے لیے تیار کیا جانے والا اسلحہ اور جانور۔

فوائد و مسائل: ① سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جس چیز پر زکاۃ فرض ہوتی ہے اسے وقف کرنا صحیح ہے بایں طور کہ اس کی زکاۃ سے آلات حرب و ضرب جہاد فی سبیل اللہ کے لیے حاصل کیے جائیں۔ ② اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ ساز و سامان اور حیوان کو بھی وقف کرنا درست ہے' اس لیے کہ [أَعْتَاد] کی تفسیر میں گھوڑے بھی آتے ہیں۔ ③ اور یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زکاۃ کو آٹھ مصارف زکاۃ میں سے صرف ایک پر بھی خرچ کرنا جائز ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت خالد رضی اللہ عنہ] ابوسلیمان ان کی کنیت ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: خالد بن ولید بن مغیرہ مخزومی قریشی۔ ان کی والدہ کا نام عصماء تھا اور انھی کو لبابہ صغریٰ بھی کہا گیا ہے۔ یہ حارث کی بیٹی اور ام فضل (زوجۂ عباس رضی اللہ عنہ) کی چھوٹی بہن تھی۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے ٨ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے ٥ یا ٦ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ' غزوۂ حنین اور تبوک میں حاضر ہوئے اور غزوۂ موتہ کے روز ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں۔ نبی ﷺ نے انھیں سیف اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فتنۂ ارتداد کے موقع پر انھیں عامل مقرر فرمایا۔ اس کے بعد اہل فارس سے نبرد آزما ہوئے۔ پھر انھیں شام کی طرف بھیجا۔ انھوں نے شام کا اکثر علاقہ فتح

٧٨٧- أخرجه البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿وفي الرقاب والغارمين وفي سبيل الله﴾، حديث: ١٤٦٨، ومسلم، الزكاة، باب في تقديم الزكاة ومنعها، حديث: ٩٨٣.

کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انھیں معزول کرنے تک فوج کے قائد رہے۔ معزولی کے بعد حمص میں جاگزیں ہو گئے۔ تادم آخر یہیں قیام پذیر رہے۔ ۲۱ ہجری میں وفات پائی اور حمص سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ایک بستی میں انھیں دفن کیا گیا۔

١٨ - بَابُ الْهِبَةِ وَالْعُمْرٰى وَالرُّقْبٰى

باب:18- ہبہ، عمریٰ اور رقبیٰ کا بیان

(٧٨٨) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ أَبَاهُ أَتٰى بِهِ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ. فَقَالَ: إِنِّي نَحَلْتُ ابْنِي هٰذَا غُلَامًا كَانَ لِي. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: **«أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَهُ مِثْلَ هٰذَا؟»** فَقَالَ: لَا. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: **«فَأَرْجِعْهُ»**. وَفِي لَفْظٍ: فَانْطَلَقَ أَبِي إِلَى النَّبِيِّ ﷺ لِيُشْهِدَهُ عَلٰى صَدَقَتِي، فَقَالَ: **«أَفَعَلْتَ هٰذَا بِوَلَدِكَ كُلِّهِمْ؟»** قَالَ: لَا. قَالَ: **«اِتَّقُوا اللّٰهَ، وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ»**. فَرَجَعَ أَبِي فَرَدَّ تِلْكَ الصَّدَقَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[788] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان کے والد (بشیر) انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ میں نے اپنا ذاتی غلام اپنے اس بیٹے کو ہبہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو اس طرح ہبہ کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: نہیں! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اسے واپس کر لو۔'' اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: میرے والد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ میرے صدقہ (ہبہ) پر آپ کو گواہ بنائیں۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تو نے اپنی ساری اولاد کے ساتھ ایسا کیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: نہیں! آپ نے فرمایا: ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔'' چنانچہ میرے والد واپس آئے اور انھوں نے وہ صدقہ (ہبہ) واپس لے لیا۔ (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: قَالَ: **«فَأَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي.»** ثُمَّ قَالَ: **«أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا لَكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟»** قَالَ: بَلٰى. قَالَ: **«فَلَا إِذَنْ»**.

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر میرے سوا اس پر کسی اور کو گواہ بنا لو۔'' پھر فرمایا: ''کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تیری ساری اولاد تیرے ساتھ یکساں بھلائی کا سلوک کرے؟'' انھوں نے کہا: کیوں نہیں! آپ نے فرمایا: ''پھر تو ایسا مت کر۔''

لغوی تشریح: [بَابُ الْهِبَةِ ..... الخ] ہبہ اس عطیہ و تحفہ کو کہتے ہیں جو بغیر کسی عوضانے کے دیا جائے۔ [عُمْرٰی] میں ''عین'' پر ضمہ اور ''میم'' ساکن ہے۔ حُبْلٰی کے وزن پر ہے اور عُمُر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: زندگی۔ عمریٰ

٧٨٨ـ أخرجه البخاري، الهبة، باب الإشهاد في الهبة، حديث: ٢٥٨٧، ومسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: ١٦٢٣.

کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ دور جاہلیت میں ایک آدمی اپنا مکان دوسرے کو دیتا اور کہتا کہ میں نے یہ مکان عمر بھر تجھے دیا' یعنی جب تک تمھاری زندگی ہے اس میں رہو۔ گویا تاحیات عطیہ کو عمریٰ کہا جاتا ہے۔ رقبیٰ بھی حُبلٰی کے وزن پر ہے۔ اوراس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں اپنا مکان تجھے ہبہ کرتا ہوں اس طرح کہ اگر تم مجھ سے پہلے فوت ہو گئے تو یہ مکان میرے پاس واپس آ جائے گا اور اگر میں تجھ سے پہلے مر جاؤں تو یہ مکان تیرا۔ گویا ان میں سے ہر ایک دوسرے کی موت کے انتظار میں رہتا ہے' اس لیے اسے رقبیٰ کہتے ہیں۔ [نَحَلْتُ] أَعْطَيْتُ اور وَهَبْتُ کے معنی میں ہے' یعنی میں نے عطیہ دیا اور میں نے ہبہ کیا ہے۔ [فَأَرْجِعْهُ] اپنا ہبہ کیا ہوا غلام واپس لوٹا لے۔ [لِيُشْهِدَهُ] تاکہ اس ہبہ وعطیہ پر آپ کو گواہ بنائے۔ یہ إِشْهَاد سے ماخوذ ہے۔ [فَأَشْهِدْ عَلٰى هٰذَا غَيْرِي] أَشْهِدْ امر کا صیغہ ہے' آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ یہ فعل آپ کی نظر میں غیر پسندیدہ تھا۔ بخاری ومسلم کی ایک روایت میں یوں ہے' آپ نے فرمایا: ''میں ظلم وناانصافی پر گواہ نہیں بنتا۔'' (صحيح البخاري' الشهادات' باب لايشهد على شهادة جور إذا أشهد' حديث:٢٦٥٠) [فَلَا إِذَنْ] تو اپنی اولاد کے درمیان عطیہ دینے میں تفریق نہ کر اور نہ ایک کو دوسرے پر برتری وفضیلت دے جبکہ تیری خواہش ہے کہ تیرے ساتھ تیری اولاد کا نیکی وبھلائی میں یکساں سلوک ہو۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ اولاد کو' خواہ مذکر ہو یا مؤنث' عطیہ دینے میں مساویانہ سلوک کرنا چاہیے۔ امام احمد' ثوری اور اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ جب برابری نہ ہو تو ہبہ باطل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ فرمانا کہ غلام کو واپس لے لو اسی کی تائید کرتا ہے۔ مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ برابری مستحب ہے' واجب نہیں۔

(٧٨٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «اَلْعَائِدُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَعُودُ فِي قَيْئِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.
وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «لَيْسَ لَنَا مَثَلُ السَّوْءِ، اَلَّذِي يَعُودُ فِي هِبَتِهِ كَالْكَلْبِ يَقِيءُ ثُمَّ يَرْجِعُ فِي قَيْئِهِ».

[789] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ہبہ کر کے اسے واپس لینے والا اس کتے کی طرح ہے جو قے کرتا ہے اور پھر خود اپنی قے چاٹ لیتا ہے۔'' (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: ''بری مثال ہمارے شایان شان نہیں' جو شخص ہبہ کر کے واپس لیتا ہے وہ اس کتے کی مانند ہے جو قے کرتا ہے اور پھر خود ہی اسے چاٹ لیتا ہے۔''

فائدہ: یہ حدیث ہبہ کردہ چیز کو واپس لینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے' البتہ والد اپنی اولاد کو دیے ہوئے ہبہ کے بارے میں اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ آئندہ حدیث میں موجود ہے۔ مگر احناف کا مذہب یہ ہے کہ ہبہ کردہ چیز کو واپس لینا حلال ہے اور بعض احناف نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی کَالْکَلْبِ...... اس کی عدم حرمت پر دلالت کرتا ہے' اس لیے کہ کتا تو غیر مکلف ہے اور اس کی اپنی قے اس کے لیے حرام نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب کتا

٧٨٩۔ أخرجه البخاري، الهبة، باب هبة الرجل لامرأته والمرأة لزوجها، حديث:٢٥٨٩، ومسلم، الهبات، باب تحريم الرجوع في الصدقة بعد القبض، حديث:١٦٢٢.

غیر مکلّف ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ اس کی قے اس کے لیے حلال ہے یا حرام کیونکہ تحلیل وتحریم ان فروع میں سے ہے جس کا کسی کو مکلّف بنایا گیا ہو جیسا کہ شجر وحجر (درخت اور پتھر) کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ اندھا یا بینا ہے' اس لیے کہ وہ اندھے پن اور بصارت کا محل ہی نہیں' لہٰذا اس حدیث میں تشبیہ' تحلیل یا تحریم کے اعتبار سے نہیں ہے۔ اور جب یہ تشبیہ' تحلیل وتحریم کے اعتبار سے نہیں ہے تو پھر یہ تحلیل وتحریم کے لیے سرے سے دلیل ہی نہیں بن سکتی۔ تحریم تو نص صریح سے ثابت ہے' اس لیے اسی کو دلیل بنانا چاہیے۔ اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے تو اس سے مقصود اس حرام فعل کی قباحت بیان کرنا' اس سے نفرت دلانا' اس کی شدید خباثت کا اظہار کرنا اور بدہیبت منظر کی صورت پیش کرنا ہے۔ افسوس! انسان کیسے پسند کرے گا کہ وہ کتے کے درجہ تک پہنچ جائے' پھر اس درجہ تک اتر جائے کہ پہلے قے کرے اور پھر اپنی قے چاٹ لے۔

(٧٩٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ أَنْ يُعْطِيَ الْعَطِيَّةَ ثُمَّ يَرْجِعَ فِيهَا، إِلَّا الْوَالِدَ فِيمَا يُعْطِي وَلَدَهُ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[790] حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان مرد کے لیے جائز نہیں ہے کہ عطیہ دے کر واپس لے لے' سوائے والد کے جو وہ اپنی اولاد کو دیتا ہے۔ (اسے وہ واپس لے سکتا ہے)۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی' ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① عطیات دینا اسلامی معاشرے میں محبت ومودت کی علامت ہے۔ ② عطیات وتحائف آپس میں دینے چاہئیں۔ ③ تحفہ دے کر واپس لینا والد کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔ جمہور کا مذہب تو یہی ہے' البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ذوی الارحام کے سوا کسی سے بھی واپس لینا جائز ہے' مگر یہ اور سابقہ حدیث دونوں ان کے موقف کی صریحاً تردید کرتی ہیں۔

(٧٩١) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[791] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہدیہ وتحفہ قبول فرما لیتے تھے اور اس کے بدلے میں کچھ عنایت بھی فرمایا کرتے تھے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: يُثِيبُ عَلَيْهَا اس کے بدلے وعوض میں کچھ عنایت فرماتے تھے۔ یہاں ثواب سے مراد اس کا بدلہ

٧٩٠ـ [**إسناده صحيح**] أخرجه أبوداود، البيوع، باب الرجوع في الهبة، حديث:٣٥٣٩، والترمذي، البيوع، حديث:١٢٩٨، والنسائي، الهبة، حديث:٣٧٣٠، وابن ماجه، الهبات، حديث:٢٣٧٧، وأحمد:١/ ٢٣٧، وابن حبان (الإحسان):٧/ ٢٨٩، حديث:٥١٠١، والحاكم:٢/ ٤٦ وصححه، ووافقه الذهبي.

٧٩١ـ أخرجه البخاري، الهبة، باب المكافأة في الهبة، حديث:٢٥٨٥.

دینا ہے۔

فوائد و مسائل: ① تحفہ قبول کرنا اور اس کا بدلہ دینا سنت رسول مقبول ﷺ ہے' بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ آپ ہدیہ و تحفہ کا بدلہ بہتر صورت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ (المصنف لابن أبي شيبة: ٦/ ٥٥١) ② ہدیے کا بدلہ دینے کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم ہدیہ دینے والے کو جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا کی دعا کا تحفہ ضرور دینا چاہیے۔ ③ کسی نے دوسرے کو تحفہ اس نیت و خیال سے دیا کہ وہ بھی ضرور تحفہ دے تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ باطل ہے اور دوسرے ائمہ کے نزدیک جائز ہے۔

(٧٩٢) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: وَهَبَ رَجُلٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ نَاقَةً، فَأَثَابَهُ عَلَيْهَا، فَقَالَ: «رَضِيتَ؟» قَالَ: لَا. فَزَادَهُ. فَقَالَ: «رَضِيتَ؟» قَالَ: لَا. فَزَادَهُ، فَقَالَ: «رَضِيتَ؟» قَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[792] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک اونٹنی ہبہ کی۔ آپ نے اس کے بدلے میں اسے کچھ ہدیہ دیا اور فرمایا: ''کیا تو راضی ہے؟'' اس نے کہا: نہیں! پھر مزید کچھ مرحمت فرما کر پوچھا: ''اب تو خوش ہے؟'' اس نے پھر یہی کہا کہ نہیں۔ پھر آپ نے اسے مزید براں دے کر دریافت فرمایا: ''اب تو راضی ہے؟'' وہ بولا ہاں! (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تحفہ و ہدیہ قبول کرنا چاہیے اور اس کے بدلے میں کوئی چیز دینی چاہیے۔

(٧٩٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**الْعُمْرٰى لِمَنْ وُهِبَتْ لَهُ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[793] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمریٰ اسی کا ہے جسے ہبہ کیا گیا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

وَلِمُسْلِمٍ: «**أَمْسِكُوا عَلَيْكُمْ أَمْوَالَكُمْ، وَلَا تُفْسِدُوهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرٰى، فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا، حَيًّا وَمَيِّتًا، وَلِعَقِبِهِ**».

اور مسلم کی روایت میں ہے: ''تم اپنے اموال کو اپنے پاس محفوظ رکھو۔ انھیں ضائع نہ کرو کیونکہ جس شخص نے کسی کو عمریٰ دیا تو وہ عمریٰ اسی کا ہے جسے وہ دیا گیا ہے' زندگی میں اور موت کے بعد بھی' اور اس کی وفات کے بعد اس کی اولاد کے لیے ہے۔''

٧٩٢ـ **[إسناده صحيح]** أخرجه أحمد: ١/ ٢٩٥، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١١٤٦.

٧٩٣ـ أخرجه البخاري، الهبة، باب ما قيل في العمرى والرقبى، حديث: ٢٦٢٥، ومسلم، الهبات، باب العمرى، حديث: ١٦٢٥، وأبوداود، البيوع، حديث: ٣٥٥٥، ٣٥٥٦، والنسائي، العمرى، حديث: ٣٧٦٢.

وَفِي لَفْظٍ: إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَازَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يَقُولَ: هِيَ لَكَ وَلِعَقِبِكَ. فَأَمَّا إِذَا قَالَ: هِيَ لَكَ مَا عِشْتَ، فَإِنَّهَا تَرْجِعُ إِلَى صَاحِبِهَا.

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: جس عمریٰ کو رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ عمریٰ دینے والا یہ کہے: یہ تیرے لیے ہے اور تیرے بعد تیری اولاد کے لیے ہے۔ لیکن جب یہ کہے کہ جب تک تو زندہ ہے اس وقت تک تیرے لیے ہے تو وہ (عمریٰ) اپنے دینے والے کی طرف پلٹ جائے گا۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: «لَا تُرْقِبُوا، وَلَا تُعْمِرُوا، فَمَنْ أُرْقِبَ شَيْئًا، أَوْ أُعْمِرَ شَيْئًا، فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ».

ابوداود اور نسائی کی روایت میں ہے: ''تم رقبیٰ اور عمریٰ کے انداز میں ہدیہ مت دو۔ چنانچہ جو شخص کوئی رقبیٰ دیا گیا یا عمریٰ دیا گیا تو وہ اس کے ورثاء کے لیے ہے۔''

لغوی تشریح: [اَلْعُمْرٰى لِمَنْ وُّهِبَتْ لَهُ] وُهِبَتْ، وَهَبَ سے فعل مجہول ہے' مطلب یہ ہے کہ عمریٰ لینے والا اسے اپنے قبضے میں لے کر اس کا مکمل طور پر مالک ہوگا اور عمریٰ پہلے کی طرف واپس نہیں جائے گا۔ [فَهِيَ لِلَّذِي أُعْمِرَهَا] چنانچہ یہ عمریٰ اس کی ملکیت ہوگا جسے دیا گیا ہے۔ اس جگہ أُعْمِرَ بھی صیغۂ مجہول ہے۔ [حَيًّا وَّ مَيِّتًا] جب تک زندہ رہے گا اس (عمریٰ) پر اس کا قبضہ ہوگا اور مرنے کے بعد اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی اور دینے والے کی جانب کسی بھی صورت میں واپس نہیں ہوگا۔ [وَلِعَقِبِهِ] ''عین'' پر فتحہ اور ''قاف'' کے نیچے کسرہ ہے اور اسے ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس سے مراد انسان کی نسلی اولاد ہے' یعنی اس کی وفات کے بعد وہ عمریٰ کی وارث ہوگی۔ [إِنَّمَا الْعُمْرَى الَّتِي أَجَازَهَا......] وہ عمریٰ جسے رسول اللہ ﷺ نے جائز قرار دیا ہے' وہ یہ ہے کہ عمریٰ لینے والا اس کا مکمل مالک ہوگا اس طرح کہ اب وہ پہلے کی طرف واپس نہیں جائے گا۔ واضح رہے کہ عمریٰ کی تین اقسام ہیں:

پہلی قسم: مؤبدہ' یعنی ہمیشہ ہمیش کے لیے دینا۔ وہ اس طرح کہ آدمی یوں کہے کہ یہ مکان ہمیشہ کے لیے تیرا ہے' یا اس طرح کہے کہ یہ تیرے اور تیرے وارثوں کے لیے ہے' لہٰذا یہ اس کی ملکیت میں دینا یا ہبہ کرنا ہوگا جو پہلے کی طرف لوٹ کر نہیں آئے گا۔

دوسری قسم: مقیدہ' یعنی جس کے ساتھ وقت کی قید لگائی گئی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کہے: یہ چیز تمھاری زندگی تک تمھاری ہے' جب تو وفات پا جائے تو میری طرف واپس آ جائے گی۔ چنانچہ اس صورت میں نہ یہ ہبہ شمار ہوگا اور نہ تملیک بلکہ یہ عارضی طور پر ایک مخصوص مدت تک کے لیے عاریتاً دینا شمار ہوگا۔ مدت معینہ کے اختتام پر یہ عمریٰ پہلے کی طرف لوٹ جائے گا۔ اس کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس شرط کے ساتھ عمریٰ صحیح نہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس طرح مشروط طور پر عمریٰ صحیح ہے مگر شرط فاسد ہے' لہٰذا شرط لگانے کے باوجود یہ پہلے کی طرف واپس نہیں ہوگا' جب کہ یہ دونوں قول مرجوح ہیں۔

تیسری قسم: مطلقہ، یعنی جس میں کسی قسم کی کوئی قید یا شرط نہ لگائی گئی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی یوں کہے: میں نے اپنا مکان تیرے لیے عمریٰ کیا۔ اس میں نہ تو اس نے ہمیشگی کی قید لگائی اور نہ زندگی بھر کی۔ جمہور نے اس صورت کو بھی رقبہ (چیز کی اصل) کی ملکیت پر محمول کیا ہے اور اس صورت میں بھی وہ پہلے کی طرف واپس نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ منافع کی ملکیت کی صورت ہے، رقبہ کی ملکیت کی نہیں، یعنی وہ شخص اس سے حاصل ہونے والے منافع کا مالک تو ہوگا لیکن اصل رقبے کا نہیں، لہٰذا جسے عمریٰ دیا گیا ہے اس کی موت کے بعد وہ پہلے کی طرف لوٹ آئے گا۔ جمہور کا قول راجح ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عمریٰ میں بہرحال مکان وغیرہ کے منافع کی ملکیت تو دی جاتی ہے لیکن اصل رقبے کی ملکیت کسی صورت میں نہیں دی جا سکتی۔ [لَا تُرْقِبُوا وَ لَا تُعْمِرُوا] یہ دونوں فعل باب افعال سے ہیں۔ رقبیٰ اور عمریٰ دونوں سے منع کیا گیا ہے۔ [فَمَنْ أُرْقِبَ ......] یہاں بھی أُرْقِبَ اور أُعْمِرَ دونوں فعل مجہول ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے رقبیٰ کی صورت میں بھی ملکیت اسی طرح ہوتی ہے جس طرح عمریٰ میں ہوتی ہے، اسے عاریہ نہیں کہتے۔ اور جہاں تک نہی کا تعلق ہے تو وہ صرف مصالح کی طرف رہنمائی کے لیے ہے بایں معنی کہ اپنے مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا کرنا تمھیں زیب نہیں دیتا، لیکن اگر تم ایسا کر گزرو تو صحیح ہوگا۔

(۷۹٤) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: حَمَلْتُ عَلَى فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَأَضَاعَهُ صَاحِبُهُ، فَظَنَنْتُ أَنَّهُ بَائِعُهُ بِرُخْصٍ، فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «**لَا تَبْتَعْهُ، وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ**» اَلْحَدِيثَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[794] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک آدمی کو اللہ کے راستے میں ایک گھوڑا سواری کے لیے دیا۔ اس نے اسے ناکارہ کر دیا۔ میں نے خیال کیا کہ وہ اسے سستے داموں بیچنے والا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا (کیا میں اسے خرید سکتا ہوں؟) تو آپ نے فرمایا: ''وہ تمھیں اگر یہ (گھوڑا) ایک درہم کے عوض بھی دے، تب بھی نہ خریدو۔'' (راوی نے) مکمل حدیث بیان کی۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [حَمَلْتُ ... الخ] میں نے گھوڑا دیا تاکہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اس پر سوار ہو۔ [فَأَضَاعَهُ] یعنی اس کی دیکھ بھال اور حفاظت میں بے پروائی اور عدم توجہ کی وجہ سے وہ کمزور اور دبلا پتلا ہو گیا۔ [بِرُخْصٍ] ''را'' پر ضمہ اور ''خا'' ساکن ہے۔ یہ غلاء کا متضاد ہے۔ غلاء کے معنی ہیں: گراں اور مہنگا۔ اور رخص کے معنی ہیں: کم قیمت اور سستا۔

فوائد و مسائل: ① صدقہ و خیرات میں دی ہوئی چیز قیمتاً بھی واپس نہیں لینی چاہیے۔ بعض علماء نے اسے خریدنا حرام ٹھہرایا ہے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے۔ ② رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا خیرات کردہ گھوڑا خریدنے سے منع فرمایا کہ ایسی خاص صورتوں میں فروخت کرنے والا خریدار سے تسامح اور چشم پوشی کر جاتا ہے جس سے فروخت کنندہ کو نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس طرح اس چیز کی قیمت میں کمی کا واقع ہونا گویا اپنی خیرات کو واپس لینے کے

۷۹٤_ أخرجه البخاري، الهبة، باب لا يحل لأحد أن يرجع في هبته وصدقته، حديث: ۲٦۲۳.

مترادف ہے جو کہ جائز نہیں۔

(٧٩٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «تَهَادَوْا تَحَابُّوا». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي الْأَدَبِ الْمُفْرَدِ، وَأَبُويَعْلٰى بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[795] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے باہمی محبت پیدا ہوتی ہے۔'' (اسے بخاری نے ''الادب المفرد'' میں روایت کیا ہے اور ابویعلیٰ نے حسن سند سے نقل کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [تَهَادَوْا] ''دال'' پر فتحہ ہے۔ تَهَادِي سے امر کا صیغہ ہے' یعنی ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو۔ [تَحَابُّوا] ''با'' پر تشدید ہے۔ امر کے جواب میں ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے' یعنی تمھارے درمیان مودت و محبت بڑھے گی۔

فائدہ: ایک دوسرے کو تحفہ دینا آپس میں محبت کا باعث ہے۔ اسلام محبت و مودت کا علمبردار ہے' عداوت و دشمنی کا اس میں کوئی تصور نہیں۔

(٧٩٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تَسُلُّ السَّخِيمَةَ». رَوَاهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

[796] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تحفے تحائف کا باہمی تبادلہ کیا کرو کیونکہ ہدیہ بغض و کینے کو کھینچ نکالتا ہے۔'' (اسے بزار نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [تَسُلُّ السَّخِيمَةَ] تَسُلُّ باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے۔ اور سَخِيمَة میں ''سین'' پر فتحہ اور ''خا'' کے نیچے کسرہ ہے' اس صورت میں یہ مکبر (بلا تصغیر) ہوگا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''سین'' پر ضمہ اور ''خا'' پر فتحہ ہے' اس صورت میں یہ مصغر (بحالت تصغیر) ہوگا' یعنی کینہ' پوشیدہ دشمنی اور وہ عداوت جو دل میں بیٹھ جائے۔ معنی یہ ہوئے کہ ہدیہ' بغض و کینہ اور مخفی دشمنی کو نکال دیتا ہے۔

(٧٩٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يَانِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ

[797] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن (کے لیے ہدیہ بھیجنے) کو ہرگز حقیر نہ سمجھے' خواہ وہ

٧٩٥ـ [إسناده حسن] أخرجه البخاري في الأدب المفرد: ٥/ ٥٩٤، وأبويعلى: ١١/ ٩، حديث: ٦١٤٨.

٧٩٦ـ [إسناده ضعيف] أخرجه البزار، كشف الأستار: ٢/ ٣٩٤. * فيه حميد بن حماد بن أبي الخوار وعائذ بن شريح وهما ضعيفان.

٧٩٧ـ أخرجه البخاري، الهبة وفضلها، باب فضل الهبة، حديث: ٢٥٦٦، ومسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بالقليل .....، حديث: ١٠٣٠.

شَاةٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(ہدیہ) بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: لَا تَحْقِرَنَّ حقیر نہ سمجھے' یعنی جو ہدیہ کسی کو دیا جائے اسے دینے والا حقیر تصور نہ کرے ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ ہدیہ دینا ترک کر دیں گے۔ اور جسے ہدیہ دیا گیا ہو وہ بھی اسے حقیر نہ سمجھے اگرچہ ہدیہ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ [فِرْسِنَ] ''فا'' کے نیچے کسرہ اور ''را'' ساکن اور پھر ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے' یعنی کھر۔

(٧٩٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَهَبَ هِبَةً فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، مَا لَمْ يُثَبْ عَلَيْهَا». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ، وَالْمَحْفُوظُ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ عُمَرَ قَوْلُهُ.

[798] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کوئی چیز ہبہ کرے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے جب تک کہ اس کا بدلہ نہ دیا جائے۔'' (اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔)

فائدہ: اسی معنی کی دو روایتیں حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ بعض نے ان روایتوں کی بنا پر یہ قید لگائی ہے کہ جب ہبے کا بدلہ دے دیا جائے تو پھر ہبہ واپس لینا حرام ہے۔ مگر علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ حضرات ابن عمر' ابوہریرہ اور سمرہ رضی اللہ عنہم کی یہ روایات ضعیف ہیں' ان میں کوئی ایسی نہیں جسے صحیح قرار دیا جا سکے۔ طبرانی نے اپنی المعجم الکبیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت بیان کی ہے کہ جس کسی نے کوئی چیز ہبہ کی وہ اس کا اس وقت تک زیادہ حقدار ہے جب تک اسے بدلہ نہ دے دیا جائے (لیکن اس صورت میں بھی) اگر وہ اپنی ہبہ کردہ چیز کو واپس لے تو اس کی مثال اس جیسی ہے جو پہلے قے کرے اور پھر اسے کھائے۔ اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو یہ اس حدیث کے عموم کی تخصیص کرتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہبہ واپس لینا مطلقاً حرام ہے' اس کا بدلہ ملنے کی قید نہیں ہے۔ پھر اس صورت میں بدلہ ملنے سے پہلے ہبہ واپس لینے کا جواز بھی مل جاتا ہے۔ (نیل الأوطار) علامہ شوکانی رحمہ اللہ کا یہ کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ان احادیث کی صحت پر مطمئن نہیں کہ ان سے اس حدیث کی تخصیص درست قرار دی جائے۔ اور یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے' بنابریں ہدیہ واپس لینا مطلقاً حرام ہے' بدلہ ملنے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ واللہ أعلم.

١٩ - بَابُ اللُّقَطَةِ

باب:19- لقطہ کا بیان

(٧٩٩) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[799] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے

٧٩٨ـ [شاذ] أخرجه الحاكم: ٢/ ٥٢ وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، والدارقطني: ٣/ ٤٣، حديث: ٢٩٣٧ وقال: "لا يثبت هذا مرفوعًا والصواب عن ابن عمر عن عمر موقوفًا" وأعله البيهقي وغيره، وهم أحد رواته عبيدالله بن موسى، والصواب موقوف كما رواه جماعة.

٧٩٩ـ أخرجه البخاري، اللقطة، باب إذا وجد تمرة في الطريق، حديث: ٢٤٣١، ومسلم، الزكاة، باب تحريم الزكاة على رسول الله ﷺ وعلى آله، حديث: ١٠٧١.

قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ ﷺ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيقِ، فَقَالَ: «لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ہیں کہ نبی ﷺ کا گزر راستے میں گری پڑی ایک کھجور کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقے کی ہوگی تو میں اسے ضرور کھا لیتا۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ اللُّقَطَةِ] لقطہ کے ''لام'' پر ضمہ اور ''قاف'' پر فتحہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کے ماسوا اعراب جائز نہیں۔ مگر خلیل نحوی نے لازم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''قاف'' ساکن ہے۔ اور امام زمخشری کے قول کے مطابق عام لوگوں کی رائے یہی ہے' حالانکہ اہل عرب سے سنا گیا ہے اور اہل لغت اور محدثین اس پر متفق ہیں کہ ''قاف'' پر فتحہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی اعراب نہیں ہے۔ لقطہ زمین پر گری ہوئی اس لاوارث چیز کو کہتے ہیں جسے اٹھا لیا جائے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لقطہ اگر معمولی ہو تو اس سے انتفاع جائز ہے اور اسے اٹھانے والے کے لیے اس کا اعلان کرتے رہنا بھی ضروری نہیں۔ ② لقطہ کی دو اقسام ہیں: ایک یہ کہ وہ چیز بالکل معمولی سی ہو۔ اس کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ اسے اٹھا کر استعمال کر لیا جائے۔ دوسری یہ کہ وہ چیز قیمتی ہو۔ اس کے بارے میں ارشاد نبوی ہے: ''اس کا سال بھر اعلان کرائے۔'' فی زمانہ اخبارات' ٹیلی ویژن' ریڈیو وغیرہ اور مساجد کے باہر بڑے بڑے جلسوں میں اعلان کرایا جا سکتا ہے۔ اگر اشتہار کی صورت میں اسے کچھ مصارف کرنے پڑیں تو مالک لقطہ سے وصول کیے جا سکتے ہیں' اگر وہ آ جائے' ورنہ اپنی جیب خاص سے۔ سال بھر اعلان کے بعد بھی اگر اس کا اصل مالک نہ ملے تو اسے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ پھر بھی اس کی علامات اور نشانیاں ذہن نشین کر لے یا نوٹ کر لے' بعد میں بھی اگر اصل مالک آ جائے تو اتنی قیمت ادا کرے یا مالک اسے خود چھوڑ دے۔

(٨٠٠) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَسَأَلَهُ عَنِ اللُّقَطَةِ، فَقَالَ: «اِعْرِفْ عِفَاصَهَا وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ عَرِّفْهَا سَنَةً، فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا، وَإِلَّا فَشَأْنُكَ بِهَا،» قَالَ: فَضَالَّةُ الْغَنَمِ؟ قَالَ: «هِيَ لَكَ، أَوْ لِأَخِيكَ، أَوْ لِلذِّئْبِ.» قَالَ: فَضَالَّةُ الْإِبِلِ؟ قَالَ: «مَالَكَ وَلَهَا؟ وَمَعَهَا سِقَاؤُهَا، وَحِذَاؤُهَا، تَرِدُ الْمَاءَ، وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ، حَتّٰى يَلْقَاهَا رَبُّهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[800] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے لقطہ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''اس کی تھیلی (یا وہ چیز جس میں وہ ہو) اور تسمہ خوب پہچان کے رکھو' پھر سال بھر اس کا اعلان کرتے رہو۔ اگر اس کا اصل مالک آ جائے تو اس کے سپرد کر دو ورنہ جو چاہو کرو۔'' پھر اس نے گم شدہ بکریوں کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تیری ہے یا تیرے بھائی کی یا بھیڑیے کی۔'' پھر اس نے گم شدہ اونٹوں کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: ''تجھے اس سے کیا سروکار؟ اس کا پانی اور اس کے جوتے اس

٨٠٠ـ أخرجه البخاري، اللقطة، باب ضالة الإبل، حديث: ٢٤٢٧، ومسلم، اللقطة، باب معرفة العفاص والوكاء ....، حديث: ١٧٢٢.

کے پاس ہیں۔ گھاٹ پر آ کر پانی پی لے گا اور درختوں کے پتے کھا لے گا، یہاں تک کہ اس کا مالک اس کے پاس پہنچ جائے گا۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [اِعْرِفْ] مَعْرِفَة سے امر کا صیغہ ہے۔ [عِفَاصَهَا] ''عین'' کے نیچے کسرہ ہے۔ چمڑے یا کپڑے وغیرہ کا تھیلہ جس میں لقطہ ملے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عفاص دراصل اس چمڑے کو کہتے ہیں جو بوتل کے منہ پر اسے بند کرنے کے لیے چڑھایا جاتا ہے۔ [وِ كَاءَ هَا] ''واؤ'' کے نیچے کسرہ ہے، یعنی وہ دھاگا، رسی یا تسمہ جس سے تھیلے وغیرہ کا منہ باندھا جاتا ہے۔ [ثُمَّ عَرِّفْهَا] ''را'' پر تشدید ہے۔ یہ تعریف سے امر کا صیغہ ہے، یعنی لوگوں کی اجتماع گاہوں میں اس کا اعلان کرے کہ جس کسی کی فلاں چیز گم ہوگئی ہو وہ مجھ سے طلب کرے۔ [فَإِنْ جَاءَ صَاحِبُهَا] یہ شرط ہے، اس کی جزا محذوف ہے، یعنی اگر اس کا مالک آئے اور بتائے کہ اس کی تعداد کتنی ہے؟ اس کا بندھن کیسا ہے؟ اس کا تھیلا کس طرح کا ہے؟ تو وہ لقطہ اس کے سپرد کر دے جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی صراحت آئی ہے۔ [وَإِلَّا] یعنی اگر اس کا اصل مالک سال بھر کے اعلان تک نہ آئے۔ [فَشَأْنُكَ بِهَا] شَأْنَكَ منصوب ہو تو فعل محذوف اِلْزَمْ کا مفعول ہوگا، یعنی پھر اسے اپنے تصرف میں لے لے۔ اور اگر شَأْنُكَ کو رفعی حالت میں پڑھیں تو یہ مبتدا ہوگا اور اس کی خبر جَائِزٌ محذوف ہوگی، یعنی اس کا استعمال کرنا جائز ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ''سال بھر کے اعلان کے اختتام پر اس سے انتفاع کا اسے اختیار ہے کہ جس طرح چاہے اسے اپنے مصرف میں لائے۔ اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے: ''پھر اسے خرچ کر لے۔'' (جامع الترمذي، الأحكام، حديث:١٣٧٢) اور ابوداود کی روایت میں ہے: ''پھر اسے کھا لے۔'' (سنن أبي داود، اللقطة، حديث:١٧٠٦) اور ایک دوسری روایت میں [فَشَأْنُكَ بِهَا] کی جگہ [ثُمَّ اقْبِضْهَا فِي مَالِكَ] کے الفاظ ہیں، یعنی اسے اپنے مال میں شامل کر کے اپنے قبضے میں کر لے۔ (سنن أبي داود، اللقطة، حديث:١٧٠٧) اور جب گری ہوئی چیز اٹھانے والا اعلان کے بعد اسے خرچ کر چکے اور بعد میں اس کا مالک بھی آ جائے اور اس کی علامات وغیرہ بتلا دے تو کیا ایسی صورت میں وہ لقطے کو واپس کرنے کا پابند ہے یا نہیں؟ روایات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس پر واپس کرنا واجب ہے۔ چنانچہ ترمذی کی روایت میں ہے کہ سال بھر اس کا اعلان واشتہار دے، پھر اس کا بندھن اور تھیلا وغیرہ ذہن نشین کر لے، پھر اسے خرچ کر لے۔ اب اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ چیز اسے لوٹا دے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''سال بھر اس کا اعلان کرتا رہ۔ اگر اسے پہچان لیا جائے تو اسے واپس کر دے ورنہ اس کا سر بند، تھیلا اور تعداد یاد رکھ اور اسے استعمال کر لے۔ اس کے بعد اگر اس کا مالک آ جائے تو پھر بھی اسے واپس لوٹا دے۔'' (حوالۂ مذکورہ) ابوداود میں بھی یہ روایت بعض الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ مروی ہے۔ اور یہ تمام الفاظ اس بات کے متقاضی ہیں کہ سال گزرنے کے بعد بھی اصل مالک کی ملکیت باقی رہتی ہے اور جس نے وہ لقطہ اٹھایا ہوا ہے بھی ضمانت وذمہ داری کے بغیر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ [فَضَالَّةُ الْغَنَمِ] یعنی گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے؟ ضالة: گم کردہ راہ، راستہ بھٹکی ہوئی۔ وہ حیوان جو آبادی سے دور ویران جگہ میں رہ گیا ہو۔ [هِيَ لَكَ ......الخ] وہ تیرے لیے ہے۔ اور ترمذی کی روایت میں ہے: ''اسے پکڑ لو۔ وہ تمھارے ہی لیے ہے۔'' (حوالۂ مذکورہ) مطلب یہ ہے کہ سال بھر اعلان کے بعد اسے کھا سکتے

ہو۔ [أَوْ لِأَخِيكَ] یعنی اگر تو نے اسے چھوڑ دیا تو تیرے جیسا کوئی دوسرا بھائی اسے پکڑ لے گا' پھر تو اسے کیوں چھوڑتا ہے' حالانکہ تو اس کے پاس پہلے پہنچا ہے۔ [أَوْ لِلذِّئْبِ] یعنی اگر تو نے اور تیرے جیسے دوسرے بھائی نے اسے چھوڑ دیا تو اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور بھیڑیے کے لیے اسے چھوڑنا اسے ضائع کرنا ہے۔ اس میں لقطے کو لینے کی ترغیب ہے۔ [مَالَكَ وَلَهَا؟] یعنی تجھے اس سے کیا سروکار؟ یہ استفہام انکاری ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ تیرے لیے نہیں ہے' لہٰذا اسے نہ پکڑ۔ [سِقَاءُ هَا] ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے۔ مشکیزہ۔ اس سے مراد اس کا پیٹ ہے' یعنی جب یہ اونٹ پانی کے گھاٹ پر وارد ہوگا تو اتنا پانی پی لے گا کہ کسی اور جگہ سے پانی پینے تک یہ پانی کافی رہے گا' نیز اس کے پیٹ اور اس کی اوجھ میں اتنی رطوبت ہوتی ہے جو اسے چند ایام تک پانی سے بے نیاز رکھتی ہے۔ [حِذَاءُ هَا] ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ جوتا مراد ہے' یعنی اس کے پاؤں موجود ہیں جو اسے چلنے میں قوت دیتے ہیں اور دور دراز کے علاقوں کو طے کرنے میں مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں اور دور دراز واقع پانی پر پہنچنے میں تقویت کا باعث ہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اونٹ پانے والے کو اس کا تعرض کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پانی کے گھاٹ پر وارد ہو جاتا ہے' درختوں کے پتے کھا لیتا ہے اور بغیر کسی نگران و محافظ کے زندہ رہ سکتا ہے اور اکثر درندوں سے اپنا دفاع بھی بخوبی کر لیتا ہے' بنابریں ضروری ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے کہ اس کا مالک آئے اور اسے پکڑ کر لے جائے۔

راویٔ حدیث: [حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ] ان کی کنیت ابوعبدالرحمٰن یا ابوطلحہ تھی۔ مدینہ میں رہنے کی وجہ سے مدنی کہلائے۔ اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر بنوجہینہ کا جھنڈا انھی کے ہاتھ میں تھا۔ کوفہ چلے آئے اور وہیں ۶۸ یا ۷۸ ہجری کو ۸۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

(۸۰۱) وَعَنْهُ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ آوَى ضَالَّةً فَهُوَ ضَالٌّ مَا لَمْ يُعَرِّفْهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[801] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے گم شدہ جانور کو اپنے ہاں پناہ دی تو وہ جب تک اس کا اعلان نہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ آوَى ضَالَّةً] یعنی جو اس لقطے کو اپنے ذاتی مال میں شامل کر لے۔ [فَهُوَ ضَالٌّ] وہ راہ حق اور صراط مستقیم سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت یافتہ نہیں۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس نے سال بھر اس کا اعلان نہ کیا ہو۔

فائدہ: اس حدیث میں یہ تنبیہ ہے کہ اگر کوئی آدمی گری پڑی چیز کو اعلان کرنے کے لیے اٹھائے یا اس نیت سے اٹھائے کہ شاید ایسے آدمی کے ہاتھ نہ لگ جائے جو اس کا اعلان ہی نہ کرے اور خود ہڑپ کر جائے تو اسے اٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اور اگر اس کی اپنی نیت ہی ہضم کر جانے کی ہو اور اس کا اعلان وغیرہ بھی نہ کرے تو یہ آدمی خود گمراہ ہے۔ اسے چاہیے کہ گری پڑی چیز کو ہاتھ نہ لگائے' جہاں پڑی ہے پڑی رہے اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش رہے۔

۸۰۱ـ أخرجه مسلم، اللقطة، باب في لقطة الحاج، حديث: ۱۷۲۵.

(۸۰۲) وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ وَجَدَ لُقَطَةً فَلْيُشْهِدْ ذَوَيْ عَدْلٍ، وَلْيَحْفَظْ عِفَاصَهَا، وَوِكَاءَهَا، ثُمَّ لَا يَكْتُمْ، وَلَا يُغَيِّبْ، فَإِنْ جَاءَ رَبُّهَا، فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا، وَإِلَّا فَهُوَ مَالُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ.

[802] حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کو کوئی لقطہ ملے تو اسے چاہیے کہ دو منصف آدمیوں کو اس پر گواہ بنا لے اور اس کے برتن اور سربند کو خوب یاد رکھے' پھر اسے چھپائے نہ غائب کرے۔ اگر اس کا اصل مالک آ جائے تو وہی اس کا زیادہ حق دار ہے۔ اگر نہ آئے تو وہ اللہ کا مال ہے وہ جسے چاہتا ہے عنایت فرما دیتا ہے۔'' (اسے احمد نے اور ترمذی کے سوا چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ' ابن جارود اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَلْيُشْهِدْ ذَوَيْ عَدْلٍ] علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں امر تادیب کے لیے ہے' یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان اپنے فریب کے جال میں پھانس لے اور امانت کے بعد خیانت کی طرف دعوت دے یا اس کی نیت میں خرابی پیدا ہو جائے کہ وہ اپنے ورثاء کے لیے ترکہ چھوڑ جائے اور پھر ورثاء اسے اپنے مال میں ترکہ سمجھ کر شامل کر لیں۔ [لَا يَكْتُمْ] یعنی اسے چھپائے نہیں' بایں طور کہ اس کا اعلان ہی نہ کرے۔ [وَلَا يُغَيِّبْ] باب تفعیل سے ہے' یعنی اسے دوسری جگہ منتقل کر کے چھپانے کی کوشش نہ کرے۔

فائدہ: اس حدیث کی رو سے جب لقطہ ملے تو اس وقت گواہ بنانا واجب ہے۔ مگر امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مستحب ہے۔ اس کا بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ خدانخواستہ پکے بعد دیگرے دو آدمی آ کر اس کی ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور علامات اور نشانیاں بھی بتا دیتے ہیں تو اب یہ کس کو دے؟ اسی جھگڑے سے محفوظ رہنے کے لیے گواہ بنانا ضروری ہے کیونکہ پوری اور صحیح علامات تو صرف مالک اصلی ہی بتا سکے گا۔ اور یہ گواہوں کی موجودگی میں واپس دے کر اس جھگڑے کو ختم کر سکے گا۔

راویٔ حدیث: [حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ] عیاض کے ''عین'' اور حمار کے ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ مشہور صحابی ہیں۔ نسبتاً تمیمی مجاشعی ہیں۔ انھوں نے بصرہ کو جائے سکونت قرار دے لیا تھا اور پچاس ہجری کے آخر تک زندہ رہے۔

(۸۰۳) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[803] حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حاجیوں کے لقطہ (کو اٹھانے) سے منع فرمایا ہے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

۸۰۲ـ **[إسناده صحيح]** أخرجه أبوداود، اللقطة، باب التعريف باللقطة، حديث: ١٧٠٩، وابن ماجه، اللقطة، حديث: ٢٥٠٥، والنسائي في الكبرى كما في تحفة الأشراف: ١١٠١٣، وأحمد: ٤/ ١٦٢، ٢٦٦، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١١٦٩.

۸۰۳ـ أخرجه مسلم، اللقطة، باب في لقطة الحاج، حديث: ١٧٢٤.

لغوی تشریح: نَهٰی عَنْ لُقْطَةِ الْحَاجِّ اس کا مطلب یہ ہے کہ حاجی کا جو سامان مکہ میں گم ہو گیا ہو اسے اٹھانے کی ممانعت ہے۔ اور یہ ممانعت صرف اسے اپنی ملکیت میں لینے کی بنا پر ہے ورنہ اگر وہ اعلان کرنے کے لیے اٹھائے گا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ مکہ مکرمہ کا لقطہ (اٹھانا) صرف اس کے لیے حلال ہے جو اس کا اعلان کرنے کا عزم رکھتا ہو۔ (صحیح البخاري' اللقطة' حدیث: ۲۴۳۳' و صحیح مسلم' الحج' حدیث: ۱۳۵۳)

راویٔ حدیث: حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن عثمان بن عبیداللہ تیمی قریشی۔ یہ طلحہ بن عبیداللہ کے بھائی کے بیٹے ہیں۔ شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو پایا مگر شرف رؤیت حاصل نہیں۔ حدیبیہ کے روز اسلام قبول کیا۔ اور ایک قول کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۷۳ ہجری میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔

(٨٠٤) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَلَا لَا يَحِلُّ ذُو نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ، وَلَا الْحِمَارُ الْأَهْلِيُّ، وَلَا اللُّقَطَةُ مِنْ مَالِ مُعَاهِدٍ، إِلَّا أَنْ يَسْتَغْنِيَ عَنْهَا». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

[804] حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سن لو! درندوں میں سے کچلی والا جانور' گھریلو گدھا اور ذمی کے مال میں سے گری ہوئی اٹھائی جانے والی چیز حلال نہیں' الا یہ کہ وہ (ذمی) اس سے بے نیاز ہو۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: ذُو نَابٍ ناب وہ (نوک دار) دانت ہے جو رباعیہ کے بعد ہوتا ہے۔ ناب کی جمع انیاب ہے۔ کچلی والے درندے سے مراد وہ جانور ہے جو چیر پھاڑ کر کھاتا ہو اور شکار کرنے اور اسے کاٹنے کے لیے اپنی کچلیوں سے مدد لیتا ہو۔ السِّبَاعِ ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے۔ سَبُع کی جمع ہے۔ سبع کے ''سین'' پر فتحہ ہے اور ''با'' پر ضمہ اور فتحہ دونوں جائز ہیں۔ چیرنے پھاڑنے والا درندہ۔ مِنْ مَّالِ مُعَاهِدٍ معاہد سے مراد وہ کافر ہے جس کا مسلمان حکام سے امان دینے کا معاہدہ ہو' اسی کو ذمی کہتے ہیں۔ اس کا بالخصوص ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اسے زیادہ اہمیت دینا مقصود ہے۔

فائدہ: معاہد چونکہ اسلامی سلطنت میں باقاعدہ اجازت لے کر آتا ہے اور پرامن رہتا ہے' اس لیے اس کے مال و جان کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہوتی ہے' اسی لیے اس کے اور مسلمان کے لقطہ میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا' البتہ اگر عرف عام میں کوئی معمولی چیز ہو تو اس کی اجازت ہے۔

راویٔ حدیث: حضرت مقدام رضی اللہ عنہ مقدام کے ''میم'' کے نیچے کسرہ ہے۔ مقدام بن معد یکرب بن عمرو الکندی (کرب کے ''کاف'' پر فتحہ اور ''را'' کے نیچے کسرہ ہے اور اضافت کی وجہ سے ''با'' کے نیچے کسرہ مع تنوین جائز ہے اور مبنی ہونے کی بنا پر اس پر فتحہ بھی جائز ہے۔) ان کی کنیت ابوکریمہ یا ابویحییٰ تھی۔ مشہور صحابی ہیں۔ شام میں فروکش ہوئے' اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث کے راوی بھی شامی ہیں۔ صحیح قول کے مطابق ۸۷ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی

۸۰۴۔ [إسناده صحیح] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب ما جاء في أكل السباع، حدیث: ۳۸۰۴

عمر 91 برس تھی۔

٢٠ - بَابُ الْفَرَائِضِ

باب:20-فرائض(وراثت) کا بیان

(٨٠٥) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ»**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[805] حضرت ابن عباس ﷺ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(وراثت کے) مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو' پھر جو کچھ باقی بچ جائے وہ میت کے سب سے زیادہ قریبی مذکر (وارث) کے لیے ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ الْفَرَائِض [فرائض' فریضة کی جمع ہے'اس سے مراد وہ مقرر حصۂ وراثت ہے جو مرنے والے کی میراث سے کتاب وسنت کی رو سے وارثوں کو ملتا ہے' وہ حصے کچھ اس طرح ہوتے ہیں: آدھا' چوتھا' آٹھواں' دوتہائی' ایک تہائی اور چھٹا حصہ۔ لفظ فرائض' فرض سے ماخوذ ہے جس کے معنی حصہ مقرر کرنے کے ہیں۔ اسی سے محاورہ فَرَضْتُ لِفُلَانٍ ہے۔ اور یہ آپ اس وقت کہیں گے جب آپ کسی کو مال میں سے مقرر حصہ دیں گے۔ [أَلْحِقُوا] ''ہمزہ'' پر فتحہ اور ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ پہنچا دو' ادا کر دو۔ [بِأَهْلِهَا] یعنی جن کے حصے مقرر ہیں انھیں ان کے حصے دے دو۔ اور ''اہل فرائض'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ میں بیان ہوئے ہیں۔ [فَمَا بَقِيَ] حصہ داروں کے حصے ادا کر چکنے کے بعد جو کچھ باقی بچ رہے۔ [فَهُوَ لِأَوْلٰى] نسب کے اعتبار سے جو شخص مرنے والے کے زیادہ قریب ہو۔ [ذَكَرٍ] ''ذکر'' یعنی مذکر کی قید لگانے سے تاکید مقصود ہے' یا پھر اس سے مخنث کو اس زمرے سے خارج کرنا مطلوب ہے اور اس بات پر متنبہ کرنا مقصود ہے کہ اسے اس باقی ماندہ مال میراث کا استحقاق صرف بحیثیت مرد کے حاصل ہے۔ مرنے والے کے مطلقاً سب سے زیادہ قریب اس کے بیٹے ہیں' پھر پوتے اور پڑپوتے وغیرہ۔ ان کے بعد باپ' پھر دادا اور پڑدادا وغیرہ' ان کے بعد بھائی' پھر بھتیجے' ان کے بعد چچے اور ان کی اولاد۔ یہ تمام عصبۂ نسبی ہیں۔ علامہ نووی ؒ کا قول ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ اہل فرائض سے جو کچھ باقی بچے وہ عصبات کے لیے ہے۔ اَلْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ کے ضابطے کے تحت' جب قریبی رشتہ دار موجود ہو تو پھر دور کا عصبی رشتہ دار وراثت کا استحقاق نہیں رکھتا۔

(٨٠٦) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: **«لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ، وَلَا يَرِثُ الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ»**.

[806] حضرت اسامہ بن زید ﷺ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔'' (بخاری ومسلم)

٨٠٥ـ أخرجه البخاري، الفرائض، باب ميراث الولد من أبيه وأمه، حديث: ٦٧٣٢، ومسلم، الفرائض، باب ألحقوا الفرائض بأهلها، حديث: ١٦١٥.

٨٠٦ـ أخرجه البخاري، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر، حديث: ٦٧٦٤، ومسلم، الفرائض، باب لا يرث المسلم الكافر ......، حديث: ١٦١٤.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

فائدہ: کوئی مسلمان اپنے مرنے والے کسی کافر عزیز کا وارث نہیں ہو سکتا اور اسی طرح کوئی کافر اپنے مسلمان رشتہ دار کا وارث قرار نہیں پا سکتا۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے اور درست بھی یہی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(٨٠٧) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فِي بِنْتٍ، وَبِنْتِ ابْنٍ، وَأُخْتٍ، فَقَضَى النَّبِيُّ ﷺ لِلْابْنَةِ النِّصْفُ، وَلِابْنَةِ الْابْنِ السُّدُسُ، تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ، وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[807] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیٹی' پوتی اور بہن کے بارے میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بابت یہ فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف (آدھا حصہ) اور پوتی کو دو تہائی پورا کرنے کے لیے سدس (چھٹا حصہ) ملے گا' پھر جو کچھ باقی بچے وہ بہن کا ہوگا۔'' (بخاری)

لغوی تشریح: [تَكْمِلَةَ الثُّلُثَيْنِ] اس لیے کہ پوتی بمنزلہ بیٹی کے ہوتی ہے' لہٰذا پوتی ایک بیٹی کے ساتھ مل کر بمنزلہ دو بیٹیوں کے ہو گئیں اور اگر دو بیٹیاں ہوں تو انھیں ترکے میں سے دو تہائی ملتا ہے۔ اور جب تنہا ایک بیٹی ہو تو وہ چونکہ آدھے ترکے کی مستحق ہوتی ہے تو اب دو تہائی پورا کرنے کے لیے چھٹا حصہ ہی باقی بچتا ہے' لہٰذا یہ پوتی کو دے دیا۔ اس طرح دونوں کو جمع کر کے مجموعہ دو تہائی پورا ہو گیا۔ [وَمَا بَقِيَ فَلِلْأُخْتِ] باقی جو بچے اس کی مستحق بہن ہے' اس لیے کہ یہ بیٹی کے ساتھ مل کر عصبہ بنتی ہے' لہٰذا اہل فرائض سے جو کچھ بچے گا وہ یہ لے لے گی۔

(٨٠٨) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا يَتَوَارَثُ أَهْلُ مِلَّتَيْنِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ بِلَفْظِ أُسَامَةَ، وَرَوَى النَّسَائِيُّ حَدِيثَ أُسَامَةَ بِهٰذَا اللَّفْظِ.

[808] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو مختلف دینوں کے پیروکار ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔'' (اسے احمد نے اور ترمذی کے سوا چاروں نے روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اس روایت کو اسامہ کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ اور نسائی نے اسامہ کی حدیث کو انھی الفاظ سے بیان کیا ہے۔ یعنی جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [أَهْلُ مِلَّتَيْنِ] دو ملتوں سے مراد کفر کے دو مختلف دین ہیں یا کفر و اسلام ہی مراد ہے؟ جمہور اہل علم کے نزدیک اس سے مراد کفر اور اسلام ہے اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ صرف امام اوزاعی رحمہ اللہ

٨٠٧ـ أخرجه البخاري، الفرائض، باب ميراث الأخوات مع البنات عصبة، حديث: ٦٧٤٢.

٨٠٨ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الفرائض، باب هل يرث المسلم الكافر، حديث: ٢٩١١، والترمذي، الفرائض، حديث: ٢١٠٨، وابن ماجه، الفرائض، حديث: ٢٧٣١، وأحمد: ٢/ ١٧٨، ١٩٥، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٨٢، حديث: ٦٣٨٣، ٦٣٨٤، وحديث أسامة أخرجه الحاكم: ٢/ ٢٤٠ وصححه، ووافقه الذهبي، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٨٢، حديث: ٦٣٨١، ٦٣٨٢.

حدیث کی عمومیت کی بنا پر تمام ملتوں کو اس میں شامل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہودی عیسائی کا اور عیسائی یہودی کا بھی وارث نہیں بن سکتا۔ اسی طرح باقی ادیان والے بھی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ اور حدیث کا ظاہری مفہوم انھی کا مؤید ہے۔ (سبل السلام۔ ملخصاً)

(٨٠٩) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ ابْنَ ابْنِي، مَاتَ، فَمَا لِي مِنْ مِيرَاثِهِ؟ فَقَالَ: «لَكَ السُّدُسُ»، فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ: «لَكَ سُدُسٌ آخَرُ»، فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ: «إِنَّ السُّدُسَ الْآخَرَ طُعْمَةٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ عِمْرَانَ، وَقِيلَ: إِنَّهُ لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ.

[809] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: میرا پوتا وفات پا گیا ہے۔ اس کی میراث میں میرا حصہ کتنا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”تجھے سدس (چھٹا حصہ) ملے گا۔“ پھر جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: ”تیرے لیے ایک اور سدس ہے۔“ پھر جب وہ جانے لگا تو اسے بلایا اور فرمایا: ”آخری سدس تیرے لیے رزق ہے۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ اور یہ حدیث حسن بصری رحمہ اللہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ مگر یہ کہا گیا ہے کہ حسن بصری کا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔)

لغوی تشریح: [لَكَ السُّدُسُ] یعنی مقرر اور طے شدہ سدس تجھے ملے گا۔ [لَكَ سُدُسٌ آخَرُ] تیرے لیے ایک اور سدس ہے اور وہ عصبہ ہونے کی حیثیت سے ہوگا۔ اور آخر میں ”خا“ پر فتحہ ہے۔ [إِنَّ السُّدُسَ الْآخِرَ] ”خا“ کے نیچے کسرہ ہے۔ [طُعْمَةٌ] رزق کے معنی میں ہے، یعنی اصحاب فروض کے کم ہونے کی بنا پر تجھے مقررہ حصے سے زائد بطور رزق دیا گیا ہے اور یہ حصہ ہر حال میں تمھارے لیے واجب نہیں۔ طیبی نے کہا ہے کہ صورت مسئلہ یہ تھی کہ میت نے اپنے پیچھے دو بیٹیاں اور ایک یہ مسئلہ پوچھنے والا (دادا) چھوڑے۔ دونوں بیٹیوں کو ثلثان (دو تہائی) مل گئے اور ثلث (ایک تہائی) باقی بچ گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مسئلہ پوچھنے والے (دادا) کو اس کا مقررہ حصہ سدس دے دیا کیونکہ وہ میت کا دادا تھا، اور اسے جانے دیا، پھر جب وہ رخصت ہونے لگا تو آپ نے اسے واپس بلایا اور اس وقت اسے آخری سدس دیا تاکہ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس کا مقررہ حصہ ثلث ہی ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم معناً صحیح ہے کیونکہ مسئلہ ایسے ہی ہے کہ بالفرض اگر مرنے والے کے وارث دادا اور دو بیٹیاں ہوں تو دادا کو چھٹا حصہ، بیٹیوں کو دو تہائی اور بقیہ حصہ $\frac{1}{6}$ بھی دادا کو ملے گا۔

٨٠٩۔ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الفرائض، باب ما جاء في ميراث الجد، حديث: ٢٨٩٦، والترمذي، الفرائض، حديث: ٢٠٩٩، والنسائي في الكبرى: ٤/ ٧٣، حديث: ٦٣٣٧، وابن ماجه، لم أجده، وأحمد: ٤/ ٤٢٨ * قتادة عنعن والحسن لم يسمع من عمران رضي الله عنه.

راویٔ حدیث: [حضرت حسن بصری رحمہ اللہ] حسن بن ابوالحسن بصری انصاری۔ حسن بصری رحمہ اللہ انصار کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے والد کا نام یسار تھا۔ حسن بصری رحمہ اللہ رشد و ہدایت کے امام تھے۔ بالاتفاق ثقہ فقیہ اور مشہور زمانہ فاضل تھے۔ عابد و زاہد کثیر العلم فصیح و بلیغ، حسین و جمیل علوم کے جامع اور عظیم المرتبت تھے۔ تابعین کے تیسرے طبقے کے سرخیل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اختتام سے دو سال قبل ان کی پیدائش ہوئی۔ انھوں نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو اپنی چشم بینا سے دیکھا ہے مگر ان سے کسی حدیث کا سماع نہیں کیا۔ رجب ۱۱۰ ہجری میں نوے برس کے قریب عمر پا کر فوت ہوئے۔

(۸۱۰) وَعَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ جَعَلَ لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ، إِذَا لَمْ يَكُنْ دُونَهَا أُمٌّ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَدِيٍّ.

[810] حضرت (عبداللہ) ابن بریدہ اپنے والد (بریدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جدہ (دادی نانی) کے لیے چھٹا حصہ مقرر فرمایا جب کہ اس سے پہلے ماں نہ ہو۔ (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے، ابن خزیمہ اور ابن جارود نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن عدی نے اسے قوی قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لِلْجَدَّةِ السُّدُسَ] جَدَّہ کے لیے صرف چھٹا حصہ ہے، خواہ دادی ہو یا نانی، ایک ہو یا زیادہ، اعلیٰ ہو یا اسفل، البتہ قریبی کی وجہ سے دور والی ساقط ہو جائے گی۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ "جدہ" مطلقاً ماں کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اور اہل علم کے نزدیک یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ باپ کی موجودگی میں دادیاں اور پڑدادیاں سب ساقط ہو جائیں گی۔ اور سقوط کی وجہ یہ ہے کہ ان کی میت کے ساتھ نسبت، میت کے باپ کے ذریعے سے ہے۔ اور یہ قاعدہ معروف ہے کہ میت کے ساتھ نسبت رکھنے والا اس شخص کی موجودگی میں میت کا وارث نہیں بن سکتا جو اس کی نسبت اور رشتہ داری کا ذریعہ اور سبب ہے۔ یاد رہے! باپ کی موجودگی کی صورت میں دادیوں اور پڑدادیوں کے ساقط ہو جانے کی رائے حضرت عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، زید بن ثابت اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہے۔

(۸۱۱) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ». وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، سِوَى التِّرْمِذِيِّ. وَحَسَّنَهُ

[811] حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ماموں اس کا وارث ہوگا جس کا کوئی (اصحاب الفروض یا عصبات میں سے) وارث نہ ہو۔" (اسے احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے سوائے ترمذی کے۔

۸۱۰ _ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الفرائض، باب في الجدة، حديث: ۲۸۹۵، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ۷۳، حديث: ٦٣٣٨، وابن الجارود، حديث: ۹٦۰، وابن خزيمة: لم أجده.

۸۱۱ _ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الفرائض، باب في ميراث ذوي الأرحام، حديث: ۲۸۹۹، ۲۹۰۱، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٧٦، ٧٧، حديث: ٦٣٥٤، ٦٣٥٥، ٦٣٥٦، وابن ماجه، الديات، حديث: ۲٦٣٤، وأحمد: ١/ ۲۸، ٤٦، ٤/ ۱۳۱، وانظر علل الحديث لابن أبي حاتم الرازي: ۲/ ۵۱، وابن حبان (الإحسان): ۷/ ٦۱۱، حديث: ٦۰۰۳، والحاكم: ٤/ ٣٤٤.

أَبُوزُرْعَةَ الرَّازِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ حِبَّانَ.

اور ابوزرعہ رازی نے اسے حسن کہا ہے۔ حاکم اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْخَالُ وَارِثُ ......الخ] یہ حدیث دلیل ہے کہ ذوی الارحام بھی وراثت پاتے ہیں۔ اکثر صحابۂ کرام ؓ کی یہی رائے ہے۔ حضرت زید بن ثابت ؓ کا قول ہے کہ یہ وراثت نہیں پاتے۔ امام شوکانی ؒ نے کہا ہے کہ پہلے گروہ کی دلیل یہی حدیث ہے' نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی کے عموم سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ﴾ (الأنفال۸:۷۵) ''اور قرابت والے ایک دوسرے کے (وارث ہونے میں) زیادہ حقدار ہیں۔'' نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ' وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ (النساء۴:۷) ''مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو کچھ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور قریبی چھوڑ گئے ہیں۔'' رجال ' نساء اور أقربين کے الفاظ ذوی الارحام کو شامل ہیں اور یہ تخصیص کرنے والے کے دعویٰ کے خلاف دلیل ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے اگر ذوی الفروض اور عصبہ میں سے کوئی زندہ نہ ہو تو پھر ماموں وارث ہوگا۔ ② ذوی الارحام کو وارث قرار دینے میں علمائے میراث میں اختلاف ہے' ایک بڑی جماعت انھیں وارث قرار دیتی ہے۔ ③ خالہ کی حیثیت بھی وہی ہے جو ماموں کی ہے۔ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا۔ ④ جو لوگ ذوی الارحام کی وارثت کے قائل نہیں ان کے نزدیک عصبات کی عدم موجودگی میں ترکہ بیت المال میں جمع کرا دیا جائے گا لیکن اس مسئلے میں جمہور کی رائے ہی راجح ہے۔

(۸۱۲) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَتَبَ مَعِي عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ إِلٰى أَبِي عُبَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «**اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ مَوْلٰى مَنْ لَا مَوْلٰى لَهُ، وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَا وَارِثَ لَهُ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، سِوٰى أَبِي دَاوُدَ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[812] حضرت ابوامامہ بن سہل ؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ نے مجھے حضرت ابوعبیدہ ؓ کے لیے لکھ کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کا کوئی مولیٰ نہ ہو' اللہ اور اس کا رسول اس کا مولیٰ ہے' اور جس کا کوئی وارث نہ ہو' ماموں اس کا وارث ہے۔'' (اسے احمد نے اور سوائے ابوداود کے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَوْلٰى مَنْ لَا مَوْلٰى لَهُ] یعنی جس کا کوئی ولی اور سرپرست نہ ہو اور جس کا کوئی والی وارث نہ ہو (اللہ اور اس کا رسول اس کے والی وارث ہیں۔) اور حضرت مقدام ؓ کی حدیث' جسے ابوداود نے روایت کیا ہے' میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''جس کا کوئی مولیٰ اور سرپرست نہیں میں اس کا ولی اور سرپرست ہوں۔ میں اس کی وراثت

۸۱۲۔ [حسن] أخرجه الترمذي، الفرائض، باب ما جاء في ميراث الخال، حديث:۲۱۰۳، وابن ماجه، الفرائض، حديث:۲۷۳۷ والنسائي في الكبرٰى:۴/ ۷۶، حديث:۶۳۵۱، وأحمد:۴/ ۱۳۱، وابن حبان (الإحسان): ۷/ ۶۱۲.

لوں گا اور اس کے قیدی کو رہا کروں گا۔'' (سنن أبي داود' الفرائض' حديث:۲۹۰۱) اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا مال بیت المال میں چلا جائے گا۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابوامامہ بن سہل رضی اللہ عنہ] ان کا نام اسعد اور ایک قول کے مطابق سعد ہے' مگر یہ اپنی کنیت ہی سے مشہور و معروف ہیں۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: ابوامامہ بن سہل بن حُنَیف بن واہب انصاری اوسی مدنی۔ یعنی مدینہ کے انصار کے قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے مگر کچھ سماعت نہیں کر سکے۔ ۱۰۰ ہجری میں ۹۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وضاحت: [حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ] عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال قریشی فہری۔ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک رہے۔ جنگ احد کے روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار مبارک میں خود کے جو دو حلقے داخل ہو گئے تھے انھیں اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالتے وقت ان کے سامنے کے دونوں دانت گر گئے تھے۔ شام کی فتوحات میں لشکر اسلامی کی قیادت کے فرائض انجام دیے۔ ۱۸ ہجری میں طاعون عمواس کے موقع پر وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۵۸ برس تھی۔

(۸۱۳) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا اسْتَهَلَّ الْمَوْلُودُ وُرِّثَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[813] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب نومولود بچہ آواز نکالے تو اسے وارث بنایا جاتا ہے۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [إِذَا اسْتَهَلَّ] جب آواز بلند کرے بایں صورت کہ وہ چیخے اور روئے۔ [وُرِّثَ] تَوْرِیث سے صیغۂ مجہول ہے' یعنی اسے وارث بنایا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بچہ زندہ پیدا ہو' پھر بعد میں فوت ہو جائے تو وہ وارث شمار ہوگا۔ بچے کا چیخنا اور رونا اسے وارث قرار دینے کے لیے شرط نہیں ہے۔ اِسْتِھْلَال کا ذکر بالخصوص اس لیے کیا گیا ہے کہ عام طور پر بچہ پیدا ہونے کے بعد چیختا ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ بچہ زندہ ہے' لہٰذا اگر اس کے علاوہ دوسری کسی علامت سے اس کے زندہ ہونے کا علم ہو جائے' مثلاً: چھینک مارنا' سانس لینا یا ایسی کوئی حرکت کرنا جو اس کے زندہ ہونے پر دلالت کرے تو یہ بھی اسے وارث قرار دینے کے لیے کافی ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور انھی کی رائے ہی درست معلوم ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ والله أعلم. مزید دیکھیے: (صحيح سنن أبي داود' للألباني' رقم:۲۹۲۰)

۸۱۳ ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الفرائض، باب في المولود يستهل ثم يموت، حديث: ۲۹۲۰، وابن حبان (الإحسان): ۷/ ۶۰۹، حديث: ۶۰۰۰. * ابن إسحاق عنعن وله شواهد ضعيفة.

(٨١٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ لِلْقَاتِلِ مِنَ الْمِيرَاثِ شَيْءٌ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَقَوَّاهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ، وَأَعَلَّهُ النَّسَائِيُّ، وَالصَّوَابُ وَقْفُهُ عَلٰى عَمْرٍو.

[814] حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' وہ فرماتے ہیں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قاتل کو مقتول کی میراث میں سے کچھ نہیں ملتا۔'' (اسے نسائی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور ابن عبدالبر نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ اور نسائی نے اسے معلول کہا ہے۔ اور درست بات یہ ہے کہ یہ عمرو (رضی اللہ عنہ) کی موقوف روایت ہے۔)

فائدہ: اس حدیث کی رو سے قاتل' مقتول کی میراث میں سے کچھ بھی وصول کرنے کا مستحق نہیں۔ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے کہ قتل عمد ہو یا قتل خطا' قاتل کو نہ اصل مال میں سے کچھ ملے گا اور نہ دیت میں سے' مگر امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر قتل خطا ہے تو قاتل کو دیت میں سے تو کچھ نہیں ملے گا' البتہ دوسرے مال میں سے میراث لے گا' لیکن اس موقف کی ہمیں کوئی دلیل نہیں ملی۔ واللہ أعلم.

(٨١٥) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا أَحْرَزَ الْوَالِدُ أَوِ الْوَلَدُ فَهُوَ لِعَصَبَتِهِ مَنْ كَانَ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ.

[815] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''والد یا بیٹا جو کچھ جمع کرے وہ اس کے عصبہ کے لیے ہے خواہ وہ (عصبہ) کوئی بھی ہو۔'' (اسے ابوداود' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' نیز ابن مدینی اور ابن عبدالبر نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَا أَحْرَزَ الْوَالِدُ......الخ] جو کچھ والد یا بیٹے نے جمع کیا اور حاصل کیا' یا جن اموال اور حقوق کا وہ مستحق ٹھہرا۔ [فَهُوَ] تو وہ جمع کردہ مال یا وہ حق جس کا وہ مستحق ہے۔ [لِعَصَبَتِهِ] اس جمع کرنے اور حاصل کرنے والے شخص کے عصبہ کے لیے ہے۔ [مَنْ كَانَ] وہ عصبہ میں سے کوئی بھی ہو۔ سبل السلام میں ہے: مَا أَحْرَزَ...... سے مراد وہ حقوق ہیں جن کا یہ استحقاق رکھتا ہے' تو یہ بطور وراثہ اس کے عصبہ کے ہوں گے۔ (سبل السلام)

فائدہ: اس حدیث میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے وہ دراصل اس واقعے سے تعلق رکھتا ہے کہ ایک خاتون فوت ہوگئی۔ اس کے بیٹے اس کے وارث ہوئے' پھر بیٹے بھی فوت ہوگئے اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان لڑکوں کے عصبہ ہونے کی حیثیت

٨١٤ ـ [حسن] أخرجه النسائي في الكبرٰى: ٤/ ٧٩، حديث: ٦٣٦٧، ٦٣٦٨، والترمذي، الفرائض، حديث: ٢١٠٩، والدارقطني: ٤/ ٩٦، وللحديث شواهد.

٨١٥ ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الفرائض، باب في الولاء، حديث: ٢٩١٧، وابن ماجه، الفرائض، حديث: ٢٧٣٢، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٧٥، حديث: ٦٣٤٨.

سے ان کے وارث بنے، پھر اس عورت کا آزاد کردہ غلام بھی فوت ہو گیا تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس غلام کا ورثہ بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس عورت کے بھائیوں نے عورت کے آزاد کردہ غلام کی میراث کا دعویٰ کر دیا۔ اور یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان فرمائی اور اس آزاد کردہ غلام کی میراث کا فیصلہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے حق میں کر دیا جو کہ اس عورت کے بیٹوں کے عصبہ تھے۔ واضح رہے کہ ولا، یعنی آزاد کردہ غلام کا ترکہ ذوی الفروض کے ورثے کی طرح تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ سب سے قریبی عصبہ کا حصہ ہے۔ اگرچہ بعض نے اس میں اختلاف بھی کیا ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ یہ میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ واللہ أعلم.

(٨١٦) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ**». رَوَاهُ الْحَاكِمُ مِنْ طَرِيقِ الشَّافِعِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي يُوسُفَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَأَعَلَّهُ الْبَيْهَقِيُّ.

[816] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**ولا، نسب کے تعلق کی طرح ایک تعلق ہے جسے فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔**'' (اسے حاکم نے بطریق شافعی، محمد بن حسن سے اور انھوں نے ابویوسف سے روایت کیا ہے، نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور بیہقی نے اسے معلول کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْوَلَاءُ] ''واو'' پر فتحہ اور ''لام'' پر مد ہے، یعنی آزادی کی ولا۔ اور اس سے مراد آزاد کرنے والے کو آزاد ہونے والے کی طرف سے ملنے والا وراثتی حق ہے۔ [لُحْمَةٌ] ''لام'' پر ضمہ اور ''حا'' ساکن ہے۔ اس کے معنی قرابت اور تعلق کے ہیں۔ عرب لوگ ولا کو فروخت بھی کرتے تھے اور ہبہ بھی کر دیتے تھے، جس سے منع فرما دیا گیا اور واضح کیا گیا کہ ولا کا تعلق نسب کے تعلق کی طرح ہے۔ یہ زائل کرنے سے بھی زائل نہیں ہوتا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ولا کو نسب کے تعلق سے تشبیہ دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ اس کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے نہ اسے ہبہ کیا جا سکتا ہے اور نہ نذر کی جا سکتی ہے۔ ② عرب معاشرے میں لوگ اسے فروخت بھی کر دیتے تھے اور ہبہ اور نذر بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ممنوع قرار دے دیا۔

راویٔ حدیث: [حضرت محمد بن حسن رحمہ اللہ] ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ احناف کے ایک مشہور و معروف امام ہیں۔ ۱۳۲ ہجری میں واسط شہر میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشو و نما پا کر پروان چڑھے۔ علم حدیث حاصل کیا۔ بڑے بڑے علماء سے ملاقات کی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مجلس میں کئی سال تک رہے، پھر امام ابویوسف رحمہ اللہ سے فقہ کا درس لیا۔ بہت سی نادر کتب تصنیف کیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علم کو خوب پھیلایا۔ یہ احناف کے تین علمی ستونوں میں سے ایک ہیں۔ تین سال تک امام مالک رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ ان کی بابت فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسن کی طرح جسم میں فربہ اور خوش طبع کسی کو نہیں دیکھا اور نہ میں نے ان سے زیادہ

٨١٦ـ [صحيح] أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٤١ وسنده ضعيف، محمد بن الحسن الشيباني وأبويوسف القاضي ضعيفان، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٢٢٠، والبيهقي: ١٠/ ٢٩٢، وللحديث شواهد كثيرة.

کسی کو خیر خواہ پایا۔ حافظے کے اعتبار سے ان کو حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ ۱۸۹ ہجری میں رَیّ کی ''برنبویہ'' نامی بستی میں وفات پائی۔

[امام ابویوسف رحمہ اللہ] اس سے مراد امام علامہ قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری کوفی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد ہیں اور اہل عراق کے مستند فقیہ ہیں۔ ان کی نشوونما طلب علم ہی میں ہوئی۔ ان کے والد ایک غریب آدمی تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ قاضی ابویوسف کو وقتاً فوقتاً سَو سَو درہم دے کر ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اصحاب الرائے میں امام ابویوسف سے زیادہ احادیث کا علم رکھنے والا اور ان سے زیادہ فن میں پختہ کوئی دوسرا نہیں۔ اور یحییٰ بن یحییٰ تمیمی کا قول ہے کہ میں نے ابویوسف کو ان کی موت کے وقت یہ فرماتے سنا کہ میں نے اپنے تمام فتووں سے رجوع کیا سوائے ان کے جو کتاب وسنت سے موافقت رکھتے ہیں اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ سوائے ان فتووں کے جو قرآن کے موافق ہیں اور جن پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ ربیع الثانی ۱۸۲ ہجری میں انہتر (۶۹) سال کی عمر میں وفات پائی۔

(۸۱۷) وَعَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَفْرَضُكُمْ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ سِوٰى أَبِي دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ.

[817] حضرت ابوقلابہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سب سے زیادہ علم میراث کے ماہر زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) ہیں۔'' (اس حدیث کو احمد نے اور ماسوا ابوداود کے چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن اسے مرسل ہونے کی بنا پر معلول قرار دیا گیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ] أُعِلَّ، صیغۂ مجہول ہے۔ معلول اسے اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ ابوقلابہ نے اگرچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بہت سی احادیث سنی ہیں مگر ان سے یہ حدیث نہیں سنی۔ اس وجہ سے یہ حدیث مرسل، یعنی منقطع ہے۔

فائدہ: یہ دراصل ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مکمل روایت یوں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں سے امت پر سب سے زیادہ رحم دل اور شفیق انسان ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں' دین کے معاملے میں سب سے زیادہ سخت عمر (رضی اللہ عنہ)' سب سے زیادہ حیادار عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ)' سب سے بہتر فیصلے کرنے والے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)' کتاب اللہ کے سب سے اچھے قاری اُبی بن کعب (رضی اللہ عنہ)' حلال وحرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل (رضی اللہ عنہ) اور علم میراث کے سب سے زیادہ ماہر زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) ہیں۔'' یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے میراث کے اختلافی مسائل میں عموماً حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی رائے قابل ترجیح قرار دی ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابوقلابہ رحمہ اللہ] قلابہ میں ''قاف'' کے نیچے کسرہ اور ''لام'' مخفف ہے۔ ان کا نام عبداللہ بن

۸۱۷۔ [صحیح] أخرجه الترمذي، المناقب، باب مناقب معاذ بن جبل، حديث: ۳۷۹۰، ۳۷۹۱، وابن ماجه، المقدمة، حديث: ۱۵٤، والنسائي في الكبرٰى: ٥/ ۷۸، حديث: ۸۲۸۷.

زید بن عمرو یا عامر جرمی بصری ہے۔ جلیل القدر تابعی' ثقہ اور فاضل آدمی ہیں۔ ان کی اکثر روایات میں ارسال ہوتا ہے۔ کتب ستہ کے راویوں میں سے ہیں۔ منصب قضا کو چھوڑ کر شام جا کر مقیم ہو گئے اور وہاں ۱۰۴ یا ۱۰۶ یا ۱۰۷ ہجری میں فوت ہوئے۔

٢١ - بَابُ الْوَصَايَا

باب:21-وصیتوں کا بیان

(٨١٨) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[818] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کو یہ لائق نہیں ہے کہ وہ اپنی کسی چیز کے بارے میں وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہو مگر وہ دو راتیں بھی اس حالت میں گزار دے کہ اس کے پاس وصیت تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ الْوَصَايَا] وَصَايَا' وصية کی جمع ہے جیسا کہ هدايا' هدية کی جمع ہے۔ وصیت شرعی طور پر اس خاص عہد واقرار کو کہتے ہیں جس کا تعلق مرنے کے بعد سے ہوتا ہے۔ بسا اوقات یہ محض اجر وثواب کی غرض سے ہوتی ہے۔ (فتح الباري) [مَا حَقُّ امْرِئٍ مُسْلِمٍ] اس جملہ میں ''ما'' نافیہ ہے' یعنی مسلمان کے لیے یہ حزم واحتیاط کا تقاضا نہیں ہے اور اس کے لیے لائق ومناسب نہیں ہے۔ [لَهُ شَيْءٌ] یہ امْرِئٍ کی صفت ہے' یعنی اس کے پاس مال ہے یا کسی کا قرض ادا کرنا ہے یا اور کوئی حق ہے یا کسی کی امانت ہے۔ [يُرِيدُ...... الخ] یہ شَيْءٌ کی صفت ہے' یعنی یہ شخص اس چیز کے بارے میں کوئی وصیت کرنا چاہتا ہے۔ [يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ......الخ] یہ ''ما'' کی خبر ہے' مصدر کی تاویل کی صورت میں' یعنی اس کا اس حالت میں دو راتیں بسر کرنا اسے لائق نہیں۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ صفت ہو' تو اس صورت میں اس کے بعد والا استثنا خبر ہوگا۔ ''واؤ'' یہاں حالیہ بھی ہو سکتی ہے اور زائدہ بھی۔ ایک دوسری روایت میں لَيْلَةً أَوْ لَيْلَتَيْنِ کے الفاظ بھی منقول ہیں۔ اور ایک روایت میں ثَلَاثَ لَيَالٍ بھی مروی ہے۔ الفاظ کا اختلاف وصیت میں جلدی کرنے کی دلیل ہے نہ کہ مدت کی تعیین کی' یعنی کسی مسلمان کے لائق نہیں کہ اس پر تھوڑا سا وقت بھی ایسا گزرے کہ اس کے پاس اس کی وصیت تحریری صورت میں موجود نہ ہو کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ موت کب آ جائے؟ (عون المعبود) اور [يُرِيدُ أَنْ يُوصِيَ......الخ] کے الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وصیت کرنا مستحب ہے' واجب نہیں' جمہور اہل علم کی یہی رائے ہے' تاہم قرض کی ادائیگی کی وصیت اور امانتوں کے واپس کرنے کی وصیت کرنا واجب ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وصیت ہر وقت تحریری شکل میں موجود رہنی چاہیے۔ ② آیت میراث کے نزول سے پہلے وصیت کرنا ہر ایک کے لیے ضروری اور لازمی تھا لیکن جب میراث کی آیت نازل ہوئی تو یہ وصیت ختم ہوگئی' یعنی جن کے حصے قرآن میں متعین ومقرر کر دیے گئے ہیں ان کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں' البتہ میراث کے

٨١٨ـ أخرجه البخاري، الوصايا، باب الوصايا......، حديث:٢٧٣٨، ومسلم، الوصية، حديث:١٦٢٧.

علاوہ اگر کوئی وصیت کرنا چاہے تو کر سکتا ہے' مثلاً: بیٹے کی موجودگی میں پوتے کی میراث ختم ہے مگر اس کی تعلیم و تربیت' نگہداشت اور دیکھ بھال کے لیے تہائی مال کی وصیت کی جا سکتی ہے۔

(٨١٩) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! أَنَا ذُومَالٍ، وَلَايَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي وَاحِدَةٌ، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِشَطْرِهِ؟ قَالَ: «لَا»، قُلْتُ: أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ؟ قَالَ: «اَلثُّلُثُ، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[819] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں مالدار آدمی ہوں اور میری وارث صرف میری ایک بیٹی ہے۔ تو کیا میں دو تہائی مال کو صدقہ و خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' میں نے دوبارہ عرض کیا: کیا میں اپنے مال کا نصف حصہ خیرات کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' میں نے تیسری مرتبہ عرض کیا: تو کیا میں ایک تہائی مال صدقہ و خیرات کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! مگر ایک تہائی بھی بہت ہے۔ تیرا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ تو انھیں محتاج چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [بِشَطْرِهِ] اپنا آدھا مال۔ [قَالَ: اَلثُّلُثُ] اَلثُّلُث کی دوسری ''ثا'' پر فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں۔ اگر فتحہ ہو تو أَعْطِ فعل محذوف کا مفعول ہوگا' یعنی تہائی حصہ دے دو۔ اگر ضمہ ہو تو یَکْفِیكَ فعل محذوف کا فاعل ہوگا' یعنی تہائی حصہ خیرات کرنا تجھے کافی ہے۔ [وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ] یعنی بہتر یہ ہے کہ اس سے کم کرو' تاہم ثلث بہت ہے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ تھوڑا نہیں' بہت ہے' چنانچہ اس میں مزید اضافہ نہ کرو۔ [أَنْ تَذَرَ] چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ اور کلمہ أَنْ کے ''ہمزہ'' پر فتحہ کی صورت میں یہ ناصبہ ہوگا اور فعل منصوب ہوگا۔ اور ''ہمزہ'' کے نیچے کسرہ کی صورت میں یہ شرطیہ ہوگا اور فعل مجزوم ہوگا اور اس کی جزا [خَيْرٌ......الخ] ہوگی اور محذوف عبارت یوں ہوگی۔ فَهُوَ خَيْرٌ [مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً] یعنی انھیں محتاج و فقیر چھوڑ جانے سے۔ عالة، عائل کی جمع ہے۔ [يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ] یعنی وہ لوگوں سے فقیروں کی طرح اپنے ہاتھ پھیلا کر سوال کرتے پھریں گے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو یہ خیال مکہ مکرمہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر آیا جب انھیں گمان ہوا کہ وہ بیماری کی وجہ سے اب فوت ہو جائیں گے۔ مگر اس کے بعد وہ صحت یاب ہو گئے اور زندہ رہے اور ان کے ہاں چار بیٹے ہوئے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں دس سے زیادہ لڑکے اور بارہ لڑکیاں عطا فرمائیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صاحب مال زیادہ سے زیادہ اپنے تہائی مال کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے' اس

٨١٩ـ أخرجه البخاري، الوصايا، باب أن يترك ورثته أغنياء خير ....، حديث: ٢٧٤٢، ومسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: ١٦٢٨.

سے زیادہ نہیں الا یہ کہ ورثاء خود بخود ایک تہائی سے زائد کی اجازت دے دیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ورثاء کو محروم رکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ ان کا غنی رہنا اور دست سوال دراز کرنے سے بچنا بہر نوع بہتر ہے۔

(٨٢٠) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ أُمِّي افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا، وَلَمْ تُوصِ، وَأَظُنُّهَا لَوْتَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ. أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[820] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ اچانک وفات پا گئی ہے اور اس نے کوئی وصیت نہیں کی۔ میرا اس کے بارے میں خیال ہے کہ اگر وہ کوئی گفتگو کرتی تو صدقہ (ضرور) کرتی۔ کیا اسے ثواب ملے گا اگر میں اس کی جانب سے صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں۔'' (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [أَنَّ رَجُلًا] اس سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ [افْتُلِتَتْ نَفْسُهَا] اُفْتُلِتَتْ صیغۂ مجہول ہے۔ اچانک کوئی حادثہ پیش آیا اور فوراً وفات پا گئیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد کی جانب سے صدقے کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اور بغیر وصیت کے صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔

(٨٢١) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ. فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ. وَقَوَّاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ، وَرَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَادَ فِي آخِرِهِ: «**إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ**»، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

[821] حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے' لہٰذا اب کسی وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں۔'' (اسے احمد نے اور سوائے نسائی کے چاروں نے روایت کیا ہے۔ احمد اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ اور دارقطنی نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: ''الا یہ کہ اس کے وارث چاہیں۔'' اور اس کی سند حسن ہے۔)

٨٢٠ـ أخرجه البخاري، الوصايا، باب ما يستحب لمن توفي فجأة أن يتصدقوا عنه ......، حديث: ٢٧٦٠، ومسلم، الزكاة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت إليه، حديث: ١٠٠٤.

٨٢١ـ **[إسناده حسن]** أخرجه أبوداود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: ٣٥٦٥، والترمذي، الوصايا، حديث: ٢١٢١، وابن ماجه، الوصايا، حديث: ٢٧١٣، وأحمد: ٤/ ٢٣٨، ٥/ ٢٦٧، وحديث ابن عباس أخرجه الدارقطني: ٤/ ١٥٢ وسنده ضعيف، عطاء الخراساني مدلس وعنعن.

لغوی تشریح: [إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرَثَةُ] جمہور علماء نے اس استثنا سے یہ اخذ کیا ہے کہ یہ اضافہ قابل استدلال ہے اور اگر ورثاء ازخود چاہیں تو کسی ایک کے لیے وصیت ہو سکتی ہے ورنہ حق داروں کے حقوق بیان ہو جانے کے بعد وصیت کرنے کی اجازت نہیں۔ مگر اہل ظاہر کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں' جیسے قاتل کے حق میں وصیت جائز نہیں' خواہ ورثاء اس کی اجازت دے بھی دیں۔ لیکن اس روایت کی بنا پر راجح ترین مسلک جمہور کا ہے۔

(۸۲۲) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «**إِنَّ اللّٰهَ تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ، زِيَادَةً فِي حَسَنَاتِكُمْ**». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْبَزَّارُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي الدَّرْدَاءِ، وَابْنُ مَاجَهْ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَكُلُّهَا ضَعِيفَةٌ، لٰكِنْ قَدْ يَقْوَى بَعْضُهَا بِبَعْضٍ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

[822] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم کو موت کے وقت تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت دے کر تم پر احسان فرمایا ہے تاکہ تمھاری نیکیاں زیادہ ہو جائیں۔'' (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور احمد اور بزار نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسے بیان کیا ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے۔ مگر ساری کی ساری روایتیں ضعیف ہیں' اس کے باوجود بعض' بعض کے لیے باعث تقویت ہیں۔ و اللّٰہ أعلم.

لغوی تشریح: [تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ......الخ] یعنی تمام مال کو وراثت قرار نہیں دیا بلکہ اس میں سے تہائی مال کی وصیت کرنے کی اجازت دے کر تم پر احسان کیا ہے کہ اگر تم چاہو تو اتنا مال فی سبیل اللہ خرچ کر کے اپنے لیے صدقہ جاریہ بنا سکتے ہو۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے دیگر شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے جیسا کہ صاحب کتاب نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان تمام میں ضعف ہے لیکن بعض بعض کے لیے باعث تقویت ہیں۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۴۵/ ۴۷۵، ۴۷۶ والإرواء رقم:۱۶۴۱)

۲۲ - بَابُ الْوَدِيعَةِ

باب:22- ودیعت (امانت) کا بیان

(۸۲۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**مَنْ أُودِعَ وَدِيعَةً فَلَيْسَ عَلَيْهِ ضَمَانٌ**». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَهْ،

[823] حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ (شعیب) اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کے پاس

۸۲۲ـ [ضعيف] أخرجه الدارقطني: ۴/ ۱۵۰، وحديث أبي الدرداء أخرجه أحمد: ۶/ ۴۴۱، والبزار، وحديث أبي هريرة أخرجه ابن ماجه، الوصايا، حديث: ۲۷۰۹، وسنده ضعيف.

۸۲۳ـ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن ماجه، الصدقات، باب الوديعة، حديث: ۲۴۰۱ * المثنى بن الصباح ضعيف وله متابعات ضعيفة.

وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

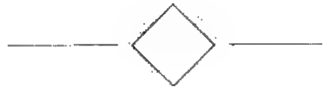
کوئی چیز امانت کے طور پر رکھی جائے تو اس پر ذمہ داری نہیں ہے۔'' (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ أُودِعَ] أُودِعَ صیغۂ مجہول ہے۔ [وَدِيعَةً] ودیعہ اس چیز کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک یا مالک کا نائب کسی کے پاس حفاظت کے لیے کچھ عرصہ تک بطور امانت رکھے۔ یہ حدیث اس لیے ضعیف ہے کہ اس کی سند میں مُثنّٰی بن صباح ایسا راوی ہے جسے امام احمد اور امام نسائی ﷫ نے ضعیف کہا ہے۔ لیکن ابن معین کا قول ہے کہ ثقہ صالح آدمی ہے' اس کی حدیث لکھی جائے' اسے ترک نہ کیا جائے۔ جبکہ مذکورہ حدیث کو شیخ البانی ﷫ نے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: (الإرواء' رقم:١٥٤٧' والصحيحة' رقم:٢٣١٥) نیز اس حدیث کے مفہوم پر اجماع ہے کہ امانت کی حفاظت کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں ہے' البتہ حسن بصری ﷫ فرماتے ہیں کہ اگر امانت رکھنے والے نے اس پر ضمان کی شرط لگائی ہو تو پھر جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے وہ ضامن ہوگا۔ واللّٰه أعلم.

وَبَابُ قِسْمِ الصَّدَقَاتِ تَقَدَّمَ فِي آخِرِ الزَّكَاةِ، وَبَابُ قِسْمِ الْفَيْءِ وَالْغَنِيمَةِ يَأْتِي عَقِبَ الْجِهَادِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى.

صدقات کی تقسیم کا باب کتاب الزکاۃ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ مال فے اور مال غنیمت کی تقسیم کا باب کتاب الجہاد کے آخر میں آئے گا۔ إن شاء اللّٰه.

فائدہ: مصنف ﷫ نے ان دونوں ابواب کے مواضع کے بارے میں اس لیے تنبیہ کی ہے کہ ان کا تعلق بھی اموال کے مسائل کے ساتھ ہے۔



٨ - كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح سے متعلق احکام ومسائل

(٨٢٤) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ، فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[824] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: ''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے نکاح کرنے کی استطاعت ہو' اسے نکاح کرنا چاہیے کیونکہ نکاح نگاہ کو خوب جھکانے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا ہے۔ اور جسے اس کی استطاعت نہ ہو اسے روزے کا اہتمام کرنا چاہیے' اس لیے کہ وہ (روزہ) اس کی خواہشات کو کچل دیتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [كِتَابُ النِّكَاحِ] نکاح کے لغوی معنی ضم کرنے' ملانے اور ایک دوسرے میں داخل ہونے کے ہیں۔

٨٢٤ـ أخرجه البخاري، الصوم، باب الصوم لمن خاف على نفسه العزبة، حديث: ١٩٠٥، ومسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه ووجد مؤنة ....، حديث: ١٤٠٠.

اور شرعی لحاظ سے نکاح' میاں بیوی کے اس باہمی عقد کو کہا جاتا ہے جس کے سبب سے وطی (جماع) کرنا حلال ہوتا ہے۔ نکاح درحقیقت تو عقد کا نام ہے اور مجازی طور پر وطی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی منقول ہیں۔ [اَلشَّبَاب] ''شین'' پر فتحہ ہے اور ''با'' بغیر تشدید کے ہے۔ یہ شَابٌّ کی جمع ہے۔ نوجوانوں کو اس لیے بالخصوص مخاطب کیا گیا ہے کہ ان میں عورتوں کی جانب نفسانی رغبت کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ [اَلْبَاءَ ةَ] ''ہمزہ'' اور ''تا'' تانیث ممدودہ۔ لغت میں اس کے معنی جماع کے ہیں۔ یہ مباء ة سے ماخوذ ہے جس کے معنی منزل اور مکان کے ہیں' اس لیے کہ جو آدمی کسی خاتون سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس خاتون کو اپنی جائے قیام اور اپنے مکان میں ٹھہراتا ہے۔ اس مقام پر یا تو یہ جماع کے معنی میں ہے بایں صورت عبارت یوں ہوگی: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْجِمَاعَ لِقُدْرَتِهِ عَلٰى مُؤْنَةِ النِّكَاحِ یعنی تم میں سے جو کوئی نکاح کے مصارف و اخراجات کی استطاعت کے ساتھ ساتھ جماع کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کرنا چاہیے۔ یا اس سے نکاح کے مصارف و اخراجات کی ہمت رکھنا مراد ہوگا۔ تو اس صورت میں گویا نکاح کے لوازمات کا نام ہی نکاح رکھ دیا گیا ہے۔ [أَغَضُّ] خوب جھکانے والا' بچانے والا اور شادی کرنے والے کی نگاہوں کو غیر عورت کی جانب اٹھنے سے روکنے والا۔ [أَحْصَنُ] زیادہ محفوظ رکھنے والا' حفاظت کرنے والا۔ [وِجَاءٌ] ''واؤ'' کے نیچے کسرہ ہے۔ شہوت و ہوس نفسانی کو کچلنے اور توڑنے کا باعث ہے۔ اصل میں اس کا استعمال جانور کے خصیے کو دبا کر' ناکارہ و بیکار کرنے کے لیے ہوتا ہے تاکہ نر کی قوت باہ ختم ہو جائے۔ معنی یہ ہوئے کہ روزہ شہوت کو اس طرح قطع کر دیتا ہے اور منی کے شر کو ایسے دور کر دیتا ہے جیسے کسی کو خصی کر دیا جائے۔

(٨٢٥) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حَمِدَ اللّٰهَ، وَأَثْنٰى عَلَيْهِ، وَقَالَ: «لٰكِنِّي أَنَا أُصَلِّي، وَأَنَامُ، وَأَصُومُ، وَأُفْطِرُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[825] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا: ''لیکن میں (رات کے وقت) نماز بھی ادا کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں' لہٰذا جس کسی نے میری سنت سے منہ پھیرا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [لٰكِنِّي] یہ ماقبل سے استدراک ہے۔ مصنف نے اختصار کے پیش نظر اسے حذف کر دیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین صحابیوں میں سے ایک نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ ہمیشہ روزے رکھے گا۔ اور دوسرے نے کہا کہ وہ رات بھر قیام کیا کرے گا۔ اور تیسرے نے کہا کہ وہ کبھی نکاح نہیں کرے گا۔ جب اس عزم کی خبر نبی ﷺ کو پہنچی تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ''تمھی تھے جنھوں نے اس اس طرح کہا تھا؟ سن لو: اللہ کی قسم! میں تمھاری نسبت اللہ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہوں۔ اس کے باوجود میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں' (نفلی) روزے رکھتا بھی ہوں اور ترک بھی کر دیتا ہوں اور عورتوں سے شادیاں بھی کرتا ہوں۔ یہ میرا اسوہ ہے۔ اب اگر کوئی

٨٢٥ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح، حديث: ٥٠٦٣، ومسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليه.....، حديث: ١٤٠١.

ازخود اپنے اوپر پابندیاں لازم کرتا ہے اور میرے اسوے اور طریقے سے روگردانی کا مرتکب ہوتا ہے تو میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''

(٨٢٦) وَعَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَأْمُرُ بِالْبَاءَةِ، وَيَنْهَى عَنِ التَّبَتُّلِ نَهْيًا شَدِيدًا، وَيَقُولُ: «تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأَنْبِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ حِبَّانَ أَيْضًا مِنْ حَدِيثِ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ.

[826] حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نکاح کرنے کا حکم دیا کرتے اور تجرد کی زندگی سے سختی سے منع کرتے اور فرماتے تھے: ''بہت محبت کرنے والی، بہت بچے جننے والی خواتین سے نکاح کرو، اس لیے کہ میں تمھاری کثرت کی بدولت قیامت کے روز دوسرے انبیاء پر فخر کروں گا۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، نیز اس حدیث کا ایک شاہد ابوداود، نسائی اور ابن حبان میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلتَّبَتُّل] عورتوں سے الگ تھلگ رہنے، نکاح نہ کرنے اور ازدواجی تعلق سے کنارہ کش رہنے کو تَبَتُّل کہتے ہیں۔ [اَلْوَدُود] میں ''واؤ'' پر فتحہ ہے۔ ایسی عورت جو اپنے شوہر سے بے پناہ پیار و محبت کرتی ہو۔ یا اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ عورت جو اپنے عمدہ اوصاف و خصائل، عادات و اطوار اور حسن خلق کی وجہ سے شوہر کو محبوب ہو۔ [اَلْوَلُود] ''واؤ'' پر فتحہ ہے۔ ایسی عورت جو بچے زیادہ جننے والی ہو۔ یہ چیز کنواری لڑکی میں اس کی صحت اور خاندان کی حالت سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ [مُكَاثِرٌ] میں اپنے متبعین کی کثرت تعداد کی وجہ سے انبیاء پر فخر کرنے والا ہوں گا۔

فوائد و مسائل: ① قرآن و حدیث کے بہت سے دلائل نکاح کی ترغیب و تحضیض کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ ان دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض علماء نے نکاح کرنا فرض قرار دیا ہے جبکہ کچھ اہل علم نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ ② قرآن و حدیث سے جو بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ نکاح کو علی الاطلاق فرض یا مستحب قرار دینا محل نظر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے میں قدرے تفصیل ہے۔ وہ اس طرح کہ (ا) جو لوگ جسمانی طور پر تندرست ہوں، انھیں برائی کا خدشہ ہو، شادی کے ضروری اخراجات برداشت کرنے کے متحمل ہوں اور بعد ازاں اپنے اہل و عیال کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جائز اور ضروری اخراجات بھی برداشت کر سکتے ہوں تو شرعاً ایسے لوگوں پر نکاح کرنا فرض ہے۔ (ب) جو لوگ مذکورہ بالا صفات سے عاری ہوں، بالخصوص جب وہ حق زوجیت ادا نہ کر سکتے ہوں تو ان کے لیے نکاح کرنا حرام ہے۔ (ج) اور جو لوگ اس کے مابین ہیں ان کے لیے نکاح مستحب ہے۔ واللّٰہ أعلم. ③ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح اور شادی کا مقصد محض جنسی تسکین اور نفسانی لذت ہی نہیں بلکہ اصل مقصد اس عظیم مشن کی

٨٢٦ـ [حسن] أخرجه أحمد: ٣/ ١٥٨، ٢٤٥، وابن حبان (موارد الظمآن)، حديث: ١٢٢٨، وللحديث شواهد، وحديث معقل بن يسار أخرجه أبو داود، النكاح، حديث: ٢٠٥٠، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٢٢٩، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٢٢٩.

تاسیس و تکمیل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے باقی انبیاء ﷺ پر وجہِ افتخار ہے' یعنی نکاح کا اصل مقصد '' بچے دو ہی اچھے'' نہیں بلکہ کثرتِ اولاد ہی مقصد ہے۔ ④ پاکیزہ اور صالح نسل کی جس قدر کثرت ہوگی' اسلامی اقدار و روایات کی اسی قدر ترویج ہوگی۔ اور یہی چیز نکاح کا ایک بہت بڑا مقصد ہے۔ ⑤ یہ حدیث اس بات کی طرف بھی راہنمائی کرتی ہے کہ بانجھ' یعنی بچے جننے کی صلاحیت سے محروم عورت سے نکاح نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے برعکس بہت زیادہ بچے جننے والی عورت کو حبالۂ عقد میں لانا چاہیے کیونکہ نکاح کا اصل مقصد حصولِ اولاد ہے اور ہونا بھی چاہیے' لہٰذا جو خاتون اس وصف سے محروم ہو' اس سے نکاح کرنا ہی بے فائدہ ہے' تاہم اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ بانجھ عورت سے نکاح کرنا مطلقاً ہی ممنوع ہے' اس لیے کہ بسا اوقات صرف توالد و تناسل کے لیے نہیں بلکہ کچھ دوسرے مقاصد کے پیش نظر بھی نکاح کیا جاتا ہے' چنانچہ ایسی صورت میں نکاح کرنا نہ صرف جائز بلکہ پسندیدہ بھی ہے۔ ⑥ سنن ابوداود (اردو' طبع دارالسلام) کی حدیث (۲۰۵۰) کے فوائد میں مذکور ہے: ''بیوہ عورت کے متعلق تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عقیم (بانجھ) ہے مگر کنواری میں حیض کا نہ آنا ایک امکانی سبب ہے' یقینی نہیں (لہٰذا ایسی صفات والی خاتون کے ساتھ عقد کرنے سے اجتناب بہتر ہے۔) واللہ أعلم.
⑦ سنن ابوداود کی مذکورہ حدیث کے فوائد میں حدیث شریف کے اس جملے ''بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بہت بچے جننے والی'' کی بابت مذکور ہے کہ یہ صفات خاندانی عرف سے جانی جا سکتی ہیں' ویسے کنواری لڑکیوں میں یہ اوصاف بالعموم فطرتاً پائے جاتے ہیں۔ ⑧ کنواری لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے صرف مذکورہ بالا فوائد ہی نہیں بلکہ دیگر کئی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جن کی طرف جناب رسول اللہ ﷺ نے بایں الفاظ راہنمائی فرمائی ہے: ارشادِ گرامی ہے: [عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهًا، وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا، وَ أَرْضَى بِالْيَسِيرِ] (سنن ابن ماجه، النكاح، تزويج الأبكار، حديث:١٨٦١، و الصحيحة، رقم:٦٢٣) ''کنواریوں سے نکاح کرو کیونکہ وہ شیریں دہن' زیادہ بچے پیدا کرنے والی' اور تھوڑی چیز پر (خوب) راضی رہنے والی ہوتی ہیں۔'' سنن ابن ماجہ (مترجم' مطبوعہ دارالسلام) میں اس حدیث کے فوائد میں مذکور ہے کہ شیریں دہن کا مطلب یہ ہے کہ ان میں حیا زیادہ ہوتی ہے' اس لیے خاوند کو خوش رکھنے کی زیادہ کوشش کرتی ہیں اور تلخ لہجے میں بات کرنے سے پرہیز کرتی ہیں۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کا لعاب دہن زیادہ شیریں ہوتا ہے۔ جو عورت پہلے ایک خاوند کے ساتھ زندگی گزار چکی ہو اور اس کے بچے ہوں' اب نئے شوہر سے اس کے بچے کم ہونے کی توقع ہے جبکہ کنواری لڑکی سے نکاح کے بعد جتنے بچے ہوں گے وہ سب اسی خاوند کے ہوں گے۔ ''تھوڑی چیز پر (خوب) راضی ہونے والی ہوتی ہیں'' اس کی بابت سنن ابن ماجہ کی مذکورہ حدیث کے تحت فوائد میں مذکور ہے کہ قناعت ایک اچھا وصف ہے۔ جس عورت میں یہ صفت پائی جائے وہ اچھی بیوی ثابت ہوگی۔ بنابریں بیوہ اور مطلقہ سے بھی نکاح کر لینا چاہیے لیکن اگر بیوہ' مطلقہ اور کنواری (تینوں) کا رشتہ مل رہا ہو تو کنواری کو ترجیح دینی چاہیے' خصوصاً جب کہ مرد نوجوان ہو۔ (اس طرح ان کے مابین زیادہ ذہنی ہم آہنگی ہونے کی امید ہوتی ہے۔) ⑨ رسول اللہ ﷺ نے بذاتِ خود اگرچہ زیادہ تر شوہر دیدہ (بیوہ اور مطلقہ) خواتین سے نکاح کیے ہیں (سوائے سیدہ عائشہ صدیقہ ؓ کے) تاہم آپ کے استحبابی فرامین کنواری لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اس کی بابت دیکھیے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی صحیحین کی وہ روایت جس میں رقم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: [فَهَلَّا جَارِيَةً تُلَاعِبُهَا وَ

تُلَاعِبُكَ] یعنی تو نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی کہ وہ تجھ سے (جی بھر کے) کھیلتی اور تو اس کے ساتھ کھیلتا؟'' (صحیح البخاري' النکاح' حدیث:۵۰۷۹' وصحیح مسلم' الرضاع' حدیث:۷۱۵ بعد حدیث:۱۴۶۶) اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے کو ترجیح دی جائے۔ واللّٰہ أعلم.

(۸۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا، وَلِحَسَبِهَا، وَلِجَمَالِهَا، وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مَعَ بَقِيَّةِ السَّبْعَةِ.

[827] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''عورت سے نکاح چار اسباب و وجوہ کی بنا پر کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے' اس کے خاندان کی وجہ سے' اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی بنا پر۔ تو دین دار کے ذریعے سے کامیابی حاصل کر۔ تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں۔'' (بخاری و مسلم' نیز ساتوں میں سے باقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لِحَسَبِهَا] ''حا'' اور ''سین'' دونوں پر فتحہ ہے۔ وہ شرف جو قریبی رشتہ داروں کی وجہ سے کسی کو حاصل ہوتا ہے۔ [فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ] یعنی ایسی خاتون سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو۔ [تَرِبَتْ يَدَاكَ] تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ کہا جاتا ہے: [تَرِبَ الرَّجُلُ] آدمی فقیر و محتاج ہو گیا۔ یہاں بددعا مراد نہیں بلکہ اس جگہ جدوجہد اور سعی و کوشش کے لیے ابھارنا اور برانگیختہ کرنا مقصود ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی کے لیے ہر صورت میں دین دار عورت کا انتخاب کرنا چاہیے۔ کسی کے مال و دولت یا حسن و جمال پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ عورت محض بیوی نہیں ہوگی بلکہ بچوں کی ماں بھی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ وہ اپنی اولاد کی دینی تربیت اسی وقت کر سکے گی جب خود نیک اور دین سے وابستہ ہوگی۔

(۸۲۸) وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا رَفَّأَ إِنْسَانًا، إِذَا تَزَوَّجَ، قَالَ: «**بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، وَبَارَكَ عَلَيْكَ، وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ**». رَوَاهُ

[828] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کو اس کی شادی پر مبارکباد دیتے تو فرماتے: [بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ' وَبَارَكَ عَلَيْكَ' وَجَمَعَ

۸۲۷ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث: ٥٠٩٠، ومسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، حديث: ١٤٦٦، وأبوداود، النكاح، حديث: ٢٠٤٧، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٢٣٢، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٥٨، والترمذي: لم أجده، وعنده حديث جابر رضي الله تعالى عنه، حديث: ١٠٨٦، وأحمد: ٢/ ٤٢٨.

۸۲۸ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب ما يقال للمتزوج، حديث: ٢١٣٠، والترمذي، النكاح، حديث: ١٠٩١، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٠٥، والنسائي في الكبرى: ٦/ ٧٣، حديث: ١٠٠٨٩، وأحمد: ٢/ ٣٨١، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٤٢، حديث: ٤٠٤١، وابن خزيمة: لم أجده

أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ. وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ] ''اللہ تعالیٰ تیرے لیے (معاملات میں) برکت فرمائے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو بھلائی اور خیر پر جمع رکھے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے' نیز ترمذی' ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [رَفَّأَ] ''ف'' پر تشدید اور اس کے بعد ہمزہ ہے۔ اور کبھی بغیر ہمزہ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے' یعنی اسے مبارک باد دی اور اس کے حق میں دعا فرمائی۔ دور جاہلیت میں نئے شادی شدہ شخص کو دعا دینے کا یہ طریقہ مروج تھا کہ کہتے: [بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِينَ] تم دونوں میں اتفاق و اتحاد رہے اور اولاد نصیب ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔ رفاء اتفاق و اتحاد' برکت اور بڑھوتری کبھی معانی میں مستعمل ہے۔

(٨٢٩) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ: «إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ». وَيَقْرَأُ ثَلَاثَ آيَاتٍ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ. وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ.

[829] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حاجت و ضرورت میں یہ تشہد سکھایا: [إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ...... وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ] ''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اس کی حمد کرتے ہیں' اس سے مدد کے طلب گار ہیں' اس سے مغفرت و بخشش مانگتے ہیں۔ اور اپنے نفسوں کے شر سے (بچنے کے لیے) اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت سے نوازے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود (حقیقی) نہیں اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' اور پھر آپ نے تین آیات تلاوت فرمائیں۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور حاکم نے اسے حسن کہا ہے۔)

٨٢٩ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أبوداود، النكاح، باب في خطبة النكاح، حديث:٢١١٨، والترمذي، النكاح، حديث:١١٠٥، والنسائي، الجمعة، حديث:١٤٠٥، وابن ماجه، النكاح، حديث:١٨٩٢، وأحمد:١/٣٩٣، والحاكم:٢/١٨٢. * أبوعبيدة عن أبيه منقطع، وأبو إسحق عنعن في السند الموصول، فالسند معلل، ولم أجد طريق شعبة عن أبي إسحاق عن أبي الأحوص عن ابن مسعود .... والله أعلم.

لغوی تشریح: [اَلتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ] سبل السلام میں ہے کہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے الإرشاد میں اتنا اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے یہ خطبہ حاجت وضرورت اور نکاح وغیرہ ہر کام کے لیے سکھایا ہے۔ [إِنَّ الْحَمْدَ] میں أَنْ تخفیف سے پڑھا جائے تو یہ أَنْ تفسیر یہ ہوگا اور اَلْحَمْدُ پر رفع ہوگا جب کہ ''ن'' پر تشدید بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اَلْحَمْدَ پر اعراب کے اعتبار سے نصب ہوگا اور باعتبار حکایت اس پر رفع بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے اور دلائل کے اعتبار سے انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود شواہد کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۶/ ۲۶۳، ۲۶۴) ② یہ خطبہ صرف خطبۂ نکاح نہیں بلکہ یہ رسول اللہ ﷺ نے ہر حاجت و ضرورت کے لیے سکھایا ہے۔ علامہ یمانی نے تو فرمایا ہے کہ نکاح کرنے والے کو خود یہ خطبہ پڑھنا چاہیے۔ مگر یہ سنت متروک ہو چکی ہے۔ ③ جن تین آیات کا حدیث میں ذکر ہے وہ یہ ہیں: سورۂ آل عمران آیت: 102، سورۂ نساء آیت: 1، سورۂ احزاب آیت: 70، 71۔ ④ اہل ظواہر اس خطبے کو واجب قرار دیتے ہیں اور شوافع میں سے ابوعوانہ نے بھی اسے واجب کہا ہے، مگر جمہور علمائے امت کے نزدیک یہ مسنون اور مستحب عمل ہے۔

(٨٣٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَنْظُرَ مِنْهَا إِلٰى مَا يَدْعُوهُ إِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ عَنِ الْمُغِيرَةِ، وَعِنْدَ ابْنِ مَاجَه وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ مُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ.

[830] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو پیغام نکاح دے تو اگر ممکن ہو کہ اس کی وہ چیز (قدوقامت اور حسن و جمال وغیرہ) دیکھ لے جو اس کے لیے نکاح کا باعث ہو تو ایسا کر لے۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، نیز ترمذی اور نسائی میں مغیرہ کی روایت اس کے لیے شاہد ہے۔ اور ابن ماجہ اور ابن حبان میں محمد بن مسلمہ کی روایت شاہد ہے۔)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث کی رو سے مرد کو چاہیے کہ جس عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہو اسے خود ایک مرتبہ دیکھ لے۔ جمہور کے نزدیک ایسا کرنا مستحب ہے، لازمی اور ضروری نہیں۔ ② اگر کسی قابل اعتماد اپنی رشتہ دار خاتون کو بھیج کر عورت کے چہرے کے رنگ وروپ اور عادات وخصائل کا پتہ کرا لے تب بھی ٹھیک ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ام سلیم کو بھیج کر ایک خاتون کے متعلق معلومات حاصل کی تھیں۔

---

٨٣٠ ـ [حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها، حديث: ٢٠٨٢، وأحمد: ٣/ ٣٣٤، والحاكم: ٢/ ١٦٥ وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي. وحديث المغيرة أخرجه الترمذي، النكاح، حديث: ١٠٨٧، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٢٣٧ وسنده صحيح، و حديث محمد بن سلمة أخرجه ابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٦٤، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٢٣٥ وهو حديث حسن.

راویٔ حدیث: [حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ] ان کا شمار فضلاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ انصار کے قبیلۂ حارث سے تھے' اس لیے انصاری حارثی کہلاتے تھے۔ تبوک کے سوا تمام غزوات میں شریک رہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ۴۳ ہجری میں ستتر برس کی عمر میں وفات پائی۔

(۸۳۱) وَلِمُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً: «أَنَظَرْتَ إِلَيْهَا؟» قَالَ: لَا. قَالَ: «اِذْهَبْ فَانْظُرْ إِلَيْهَا».

[831] صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص سے' جو ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا' فرمایا: ''کیا تو نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ اور اسے دیکھ لو۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ جواز کے لیے ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے۔ ② یہ دیکھنا پیغام نکاح سے پہلے ہونا چاہیے کیونکہ پیغام نکاح کے بعد اگر انکار کر دے گا تو لڑکی والوں کے لیے اذیت کا باعث ہو سکتا ہے۔

(۸۳۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَخْطُبْ أَحَدُكُمْ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ، حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ، أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[832] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح نہ دے یہاں تک کہ اس سے پہلے پیغام نکاح دینے والا از خود چھوڑ دے یا پیغام نکاح دینے والا اسے اجازت دے دے۔'' (بخاری و مسلم- یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دینا جائز نہیں' مگر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقعے سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت میں دو تین پیغام دیے جا سکتے ہیں کیونکہ اس خاتون کو دو پیغام نکاح پہنچے تو یہ مشورے کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور صورتحال بیان کر کے مشورہ طلب کیا مگر یہ اس روایت کے خلاف نہیں۔ ممکن ہے دوسری بار پیغام نکاح دینے والے کو پہلے پیغام کا علم نہ ہو۔ ② بعض نے کہا ہے کہ منگنی طے ہو جانے کے بعد پیغام نکاح کی ممانعت ہے پہلے نہیں۔ ③ جمہور علماء کے نزدیک یہ ممانعت تحریمی ہے اور یہی بات راجح ہے۔

(۸۳۳) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ

[833] حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

۸۳۱۔ أخرجه مسلم، النكاح، باب ندب النظر إلى وجه المرأة وكفيها لمن يريد تزويجها، حديث: ١٤٢٤.

۸۳۲۔ أخرجه البخاري، النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع، حديث: ٥١٤٢، ومسلم، النكاح، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه حتى يأذن أو يترك، حديث: ١٤١٢.

۸۳۳۔ أخرجه البخاري، النكاح، باب التزويج على القرآن وبغير صداق، حديث: ٥١٤٩، ومسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد ....، حديث: ١٤٢٥، و حديث أبي هريرة أخرجه أبوداود، النكاح، حديث: ٢١١٢، وسنده ضعيف، فيه عسل وهو ضعيف.

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! جِئْتُ أَهَبُ لَكَ نَفْسِي، فَنَظَرَ إِلَيْهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَصَوَّبَهُ، ثُمَّ طَأْطَأَ رَسُولُ اللهِ ﷺ رَأْسَهُ، فَلَمَّا رَأَتِ الْمَرْأَةُ أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ فِيهَا شَيْئًا جَلَسَتْ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّكَ بِهَا حَاجَةٌ فَزَوِّجْنِيهَا، قَالَ: «**فَهَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ**»؟ فَقَالَ: لَا، وَاللهِ يَارَسُولَ اللهِ! فَقَالَ: «**اِذْهَبْ إِلٰى أَهْلِكَ، فَانْظُرْ هَلْ تَجِدُ شَيْئًا**»؟ فَذَهَبَ. ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا وَاللهِ، مَا وَجَدْتُ شَيْئًا. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اُنْظُرْ وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ**». فَذَهَبَ ثُمَّ رَجَعَ، فَقَالَ: لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ! وَلَا خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ، وَلٰكِنْ هٰذَا إِزَارِي (- قَالَ سَهْلٌ: - مَالَهُ رِدَاءٌ -) فَلَهَا نِصْفُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**مَا تَصْنَعُ بِإِزَارِكَ؟ إِنْ لَبِسْتَهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهَا مِنْهُ شَيْءٌ، وَإِنْ لَبِسَتْهُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ مِنْهُ شَيْءٌ**». فَجَلَسَ الرَّجُلُ، حَتّٰى إِذَا طَالَ مَجْلِسُهُ قَامَ، فَرَآهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مُوَلِّيًا فَأَمَرَ بِهِ فَدُعِيَ بِهِ، فَلَمَّا جَاءَ، قَالَ: «**مَاذَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ**»؟ قَالَ: مَعِي سُورَةُ كَذَا، وَسُورَةُ كَذَا، عَدَّدَهَا، فَقَالَ: «**تَقْرَؤُهُنَّ عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ**»؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «**اِذْهَبْ فَقَدْ مَلَّكْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: «**اِنْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْآنِ**».

کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے آپ کو آپ کے لیے ہبہ کرنے آئی ہوں' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا' پہلے اوپر کی طرف' پھر نیچے کی طرف' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر نیچے کر لیا۔ جب اس عورت نے دیکھا کہ آپ نے اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں فرمایا تو وہ بیٹھ گئی۔ اتنے میں ایک صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر اس عورت کی آپ کو ضرورت نہیں تو اس سے میرا نکاح کر دیں۔ آپ نے اس سے دریافت فرمایا: ''کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے؟'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے گھر جاؤ اور تلاش کرو آیا کوئی چیز تمھیں ملتی ہے؟'' چنانچہ وہ چلا گیا' پھر واپس آ کر کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے پھر فرمایا: ''تلاش کرو' خواہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو۔'' وہ آدمی پھر دوبارہ گیا اور واپس آ کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! لوہے کی انگوٹھی تک بھی میسر نہیں۔ لیکن میرا یہ ایک تہ بند ہے (حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس اوپر کی چادر نہ تھی۔) آدھا حصہ میں اسے دے دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ (خاتون) تیرے اس تہ بند کو کیا کرے گی؟ اگر تو اسے زیب تن کرے گا تو اس کے لیے کچھ نہیں بچے گا اور اگر یہ اسے پہنے گی تو پھر تیرے لیے اس میں سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔'' یہ سن کر وہ آدمی بیٹھ گیا حتی کہ جب کافی دیر تک بیٹھا رہنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا (اور پیٹھ پھیر کر جانے لگا) تو رسول اللہ ﷺ نے اسے مڑتے ہوئے دیکھ لیا۔ آپ نے اسے واپس بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ واپس آ گیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا: ''تجھے کتنا قرآن یاد ہے؟'' اس نے بتایا کہ مجھے فلاں فلاں

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «أَمْلَكْنَاكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ».

سورت یاد ہے اور انھیں شمار کرنے لگا۔ آپ نے پوچھا: ''تم انھیں زبانی پڑھ سکتے ہو؟'' وہ بولا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''جا! میں نے تجھے اس کا مالک بنا دیا' قرآن کی ان سورتوں کے بدلے میں جو تجھے یاد ہیں۔'' (بخاری و مسلم' یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔) اور ایک روایت میں ہے: ''جا! میں نے اسے تیری زوجیت میں دے دیا' چنانچہ تو اسے کچھ قرآن سکھا دے۔'' اور بخاری میں ہے: ''ہم نے تجھے اس کا مالک بنا دیا قرآن کے اس حصے کے عوض جو تجھے یاد ہے۔''

وَلِأَبِي دَاوُدَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: مَا تَحْفَظُ؟ قَالَ: سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَالَّتِي تَلِيهَا. قَالَ: «فَقُمْ، فَعَلِّمْهَا عِشْرِينَ آيَةً».

اور ابوداود میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تجھے کتنا قرآن حفظ ہے؟'' اس نے کہا کہ سورۂ بقرہ اور اس کے ساتھ والی سورت (آل عمران۔) آپ نے فرمایا: ''اٹھو اور اسے بیس آیات سکھا دو۔''

لغوی تشریح: [فَصَعَّدَ النَّظَرَ فِيهَا وَ صَوَّبَهُ] دونوں باب تفعیل کے صیغے ہیں' یعنی اوپر نیچے اس عورت پر نظر دوڑائی اور اس کے بارے میں غور و فکر کیا۔ [طَأْطَأَ] سر نیچے جھکایا۔ [قَالَ سَهْلٌ: مَالَهُ رِدَاءٌ] یہ جملہ معترضہ ہے۔ [إِنْ لَبِسْتَهُ] پہلا خطاب کا صیغہ ہے' یعنی اگر تو اسے پہنے گا' اور دوسرا مؤنث غائب کا صیغہ ہے' یعنی اگر وہ عورت اسے پہنے گی۔ [مُوَلِّيًا] تَوْلِيَة سے اسم فاعل ہے۔ پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگا۔ [عَنْ ظَهْرِ قَلْبِكَ] زبانی یاد ہے؟ [مَلَّكْتُكَهَا] میں نے تجھے اس عورت کی عصمت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا مالک بنایا۔ معلوم ہوا کہ تملیك کا لفظ بھی نکاح کے لیے صحیح ہے۔ [بِمَا مَعَكَ] ''با'' یہاں بدلے اور مقابلے کے معنی میں مستعمل ہے' چنانچہ یہ دلیل ہے کہ تعلیم قرآنی بھی مہر ہو سکتی ہے۔ اگر یہ مہر درست نہیں تھا تو آپ ﷺ کا اسے وہ اشیاء' جو مہر بن سکتی ہیں' تلاش کرنے کا حکم دینے کے بعد اس سے یہ دریافت فرمانا کہ تجھے کتنا قرآن یاد ہے' کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ''محض منفعت اور فائدہ'' حق مہر بن سکتا ہے۔ اور [وَلَوْ خَاتَمًا مِنْ حَدِيدٍ] کا جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ کم سے کم چیز بھی مہر میں جائز ہے کیونکہ لوہے کی انگوٹھی نہایت قلیل چیز ہے۔ [وَالَّتِي تَلِيهَا] یعنی اس سے متصل سورت' اور وہ سورۂ آل عمران ہے۔ اس حدیث سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جو کہ غور و خوض اور تامل کرنے والے سے پوشیدہ نہیں ہیں اور یہ مقام تفصیل میں جانے اور شرح و بسط سے بیان کرنے کا نہیں ہے۔

(٨٣٤) وَعَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَعْلِنُوا

[834] حضرت عامر بن عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے' انھوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے

٨٣٤ ـ [صحيح] أخرجه أحمد: ٤/ ٥، والحاكم: ٢/ ١٨٣ وصححه، ووافقه الذهبي.

النِّكَاحَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

فرمایا: ''نکاح کا اعلان کرو۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نکاح علی الاعلان کیا جانا چاہیے' خفیہ اور چھپے طور پر نہیں' اس لیے کہ یوں میاں بیوی کے تعلقات پر کسی کو انگشت نمائی کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

راویٔ حدیث: [**حضرت عامر بن عبداللہ** رحمہ اللہ] عامر بن عبداللہ بن زبیر بن عوام اسدی قریشی مدنی۔ اپنے والد اور دیگر حضرات سے احادیث سنی ہیں۔ بڑے عبادت گزار اور مشہور ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ ۱۲۴ ہجری میں وفات پائی۔

(٨٣٥) وَعَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسٰى، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»**. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ.

[835] حضرت ابوبردہ بن ابوموسیٰ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولی وسرپرست کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ امام ابن مدینی' ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور مرسل ہونے کی وجہ سے اسے معلول قرار دیا گیا ہے۔)

وَرَوَى الْإِمَامُ أَحْمَدُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ مَرْفُوعًا: **«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْنِ»**.

اور امام احمد رحمہ اللہ نے حسن سے اور انھوں نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے: ''نکاح ولی وسرپرست اور دو گواہوں کے بغیر منعقد نہیں ہوتا۔''

لغوی تشریح: [أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ] یعنی اسے مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے۔ لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس روایت کا موصول ہونا قوی اور راجح ہے' لہٰذا یہ ارسال حدیث کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے قابل احتجاج ہونے میں رکاوٹ کا باعث ہو سکتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ ② اس حدیث کو تیس کے قریب صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے اور اس کے بعض طرق صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔ ③ جمہور علماء کی بھی رائے یہی ہے کہ ولی اور دو گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے دو ولی ہوں اور نکاح کے موقع پر اختلاف واقع ہو جائے تو ترجیح قریبی ولی کو ہوگی۔ اگر کوئی بھی ولی نہ ہو تو حدیث میں ہے کہ سربراہ مملکت اس کا ولی ہے۔ اور اگر دونوں ولی برابر حیثیت کے ہوں اور ان میں اختلاف ہو جائے تو ایسی صورت میں بھی حاکم ولی ہوگا۔

٨٣٥ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في الولي، حديث: ٢٠٨٥، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٠١، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٨١، والنسائي: لم أجده، وأحمد: ٤/ ٣٩٤، وانظر لابطال التعليل نيل المقصود لراقم الحروف، والحمد لله، وحديث عمران بن حصين أخرجه أحمد: لم أجده، ومتن الحديث صحيح بالشواهد.

(٨٣٦) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، فَإِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا، فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ». أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَبُو عَوَانَةَ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[836] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس خاتون نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا' اس کا نکاح باطل ہے۔ پھر اگر شوہر نے اس سے مباشرت کی ہے تو اس عورت کے لیے حق مہر ہے' اس کی شرم گاہ کو حلال کرنے کے بدلے میں۔ اگر سرپرستوں میں جھگڑا ہو جائے تو پھر جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی حاکم وقت ہے۔'' (نسائی کے سوا اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔ اور اسے ابوعوانہ' ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَيُّمَا امْرَأَةٍ] أَيُّمَا ان الفاظ میں سے ہے جن میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورتیں مطلقاً بغیر کسی تخصیص کے ولی بننے کی حق دار نہیں ہیں' یعنی کوئی عورت کسی صورت میں ولی نہیں بن سکتی۔ اس میں مالکیہ کی اس رائے کا رد ہے کہ شریف و معزز عورت تو ولی بننے کا حق رکھتی ہے اور نچلے درجے کی عورت اس کا استحقاق نہیں رکھتی۔ [نَكَحَتْ] خود اپنا نکاح کر لے۔ اور ولی وہی شخص ہوگا جو عصبہ نسبی میں سے (عورت کے) سب سے زیادہ قریب ہو' اس کے بعد وہ جو عصبہ سببی میں سے سب سے زیادہ قریب ہو' پھر وہ جو عصبہ سببی کے عصبہ میں سے سب سے زیادہ قریب ہو۔ اور ذوی الفروض اور ذوی الارحام ولی بننے کے اہل نہیں ہیں۔ جمہور کی رائے یہی ہے۔ [بِمَا اسْتَحَلَّ] اس میں ''ما'' مصدری معنی میں مستعمل ہے' یعنی عورت کی شرم گاہ کو تمتع کے لیے حلال کرنے کی وجہ سے۔ [اِشْتَجَرُوا] اولیاء (سرپرستوں) میں ایسا تنازع اور شدید اختلاف ہو جو عورت کے نکاح میں مانع ہو جائے تو پھر ایسی صورت میں ان اولیاء کی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہوگی' وہ کالعدم ہو جائیں گے۔ ان کا حق ولایت ساقط ہو جائے گا اور یہ استحقاق حاکم وقت کی طرف منتقل ہو جائے گا' البتہ جب اولیاء کا اختلاف و تنازع عقد کے بارے میں واقع ہو (ایک ولی کسی جگہ اور دوسرا ولی دوسری جگہ عقد کرنا چاہتا ہو) اور مرتبے میں سب اولیاء مساوی ہوں تو اس کا عقد معتبر اور قابل تسلیم ہوگا جس نے پہلے عقد کرایا۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث ولایت کو شرط قرار دینے کی دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح کسی صورت میں نہیں کر سکتی۔ جمہور کا یہی موقف ہے اور ان کی تائید اس مضمون کی احادیث سے ہوتی ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ امام حاکم فرماتے ہیں: اس مسئلے کے بارے میں ازواج مطہرات' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہن سے صحیح روایات منقول ہیں' نیز فرماتے ہیں کہ اس مضمون سے متعلقہ روایات حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں' پھر اس سلسلے میں انھوں نے تیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا شمار کیا ہے۔ (سبل السلام) ② احناف ولی کی شرط کے سرے سے

٨٣٦ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في الولي، حديث: ٢٠٨٣، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٠٢، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٧٩، وأحمد: ٦/ ١٦٦، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٥١، حديث: ٤٠٦٣، والحاكم: ٢/ ١٦٨.

قائل ہی نہیں' جب عورت اپنے کفو سے شادی کرے۔ انھوں نے اس مسئلے کو بیع پر قیاس کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے' مگر یہ کسے معلوم نہیں کہ قیاس کی نص کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔ ان احادیث میں سے بعض پر انھوں (احناف) نے بے جا گفتگو اور کلام کیا ہے۔ اور بعض حضرات نے' جنھیں دراصل اس فن میں کوئی بصیرت حاصل نہیں' ان احادیث پر بے بنیاد اعتراضات کیے ہیں جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

(٨٣٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ، وَلَاتُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَأْذَنَ». قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! وَكَيْفَ إِذْنُهَا؟ قَالَ: «أَنْ تَسْكُتَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[837] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیوہ یا مطلقہ عورت کا نکاح اس سے مشورہ لیے بغیر نہ کیا جائے۔ اور کنواری کا نکاح اس سے اجازت لیے بغیر نہ کیا جائے۔'' انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس (کنواری) کی اجازت کیسے ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس کا خاموش رہنا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [لَا تُنْكَحُ] صیغۂ مجہول ہے۔ یہ مبالغے کے لیے نفی ہے یا پھر نہی کا صیغہ ہے۔ [اَلْأَيِّمُ] ''ہمزہ'' کے فتحہ اور ''یا'' کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ۔ وزن اور معنی کے اعتبار سے ثَيِّبٌ کے مترادف ہے۔ ثَيِّبٌ شوہر دیدہ عورت کو کہتے ہیں' یعنی جس کا خاوند وفات پا گیا ہو یا جسے طلاق ہوگئی ہو۔ ایسی عورت کو أَيِّم بھی کہتے ہیں اور ثَيِّب بھی۔ [حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ] یہاں تک کہ اس سے مشورہ کر لیا جائے' یعنی وہ بول کر اجازت دے اور صراحت کرے' اجازت کے لیے اس کی خاموشی ناکافی رہے گی۔ [اَلْبِكْرُ] ''با'' کے نیچے کسرہ اور ''کاف'' ساکن ہے۔ باکرہ' کنواری جس نے ابھی تک شادی نہ کی ہو۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ شریعت کی نظر میں عورت کی بہت اہمیت ہے۔ وہ عورت جسے اسلام سے پہلے معاشرے میں کوئی خاص مقام نہیں دیا جاتا تھا' اسلام نے اسے پستی سے اٹھا کر بلند مقام پر پہنچایا ہے اور اس کی اہمیت کو دوبالا کیا ہے۔ شادی بیاہ کے معاملے میں اس سے مشورہ لینا تو کجا اسے اپنے بارے میں کچھ کہنے کی اجازت تک نہ تھی۔ سربراہ و ولی اپنی مرضی سے جس سے چاہتے نکاح کر دیتے تھے۔ ② شریعت محمدیہ نے عورت کو اس کا صحیح معاشرتی مقام و منصب دیا اور سرپرستوں کو حکم دیا کہ شوہر دیدہ سے مشورہ ضرور کیا جائے اور کنواری سے اس کی اجازت حاصل کی جائے۔ ③ شوہر دیدہ کی رضا و مشورے کے بغیر اس کا نکاح نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بغیر ولی کے اپنا نکاح کر سکتی ہے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ولی اپنی سرپرستی میں اس کے مشورے اور اس کی رضامندی کے ساتھ اس کا نکاح کرے۔

(٨٣٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[838] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی

٨٣٧ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب لا ينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما، حديث: ٥١٣٦، ومسلم، النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح بالنطق .....، حديث: ١٤١٩.

٨٣٨ـ أخرجه مسلم، النكاح، باب استئذان الثيب في النكاح بالنطق ....، حديث: ١٤٢١، وأبوداود، النكاح، حديث: ٢٠٩٨ـ٢١٠٠، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٢٦٥، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٥٦، حديث: ٤٠٧٧.

عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا، وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ، وَإِذْنُهَا سُكُوتُهَا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ﷺ نے فرمایا: ''شوہر دیدہ عورت (دوبارہ نکاح کے لیے) اپنے ولی کی بہ نسبت اپنے بارے میں زیادہ استحقاق رکھتی ہے۔ اور کنواری سے اجازت لی جائے گی اور اس کا اذن اس کی خاموشی ہے۔'' (مسلم)

وَفِي لَفْظٍ: «لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ وَالْيَتِيمَةُ تُسْتَأْمَرُ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اور ایک روایت میں ہے: ''شوہر دیدہ عورت کے بارے میں ولی کا کوئی اختیار نہیں اور یتیم لڑکی سے بھی مشورہ لیا جائے۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا] احناف نے اس سے اپنے مذہب کی تائید میں استدلال کیا ہے کہ شوہر دیدہ کے لیے ولایت کی شرط نہیں، حالانکہ یہ استدلال فاسد ہے کیونکہ أَحَقُّ کا کلمہ صیغۂ تفضیل ہے اور یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس حق میں غیر، یعنی ولی بھی شریک ہے، البتہ اس عورت کا حق زیادہ پختہ اور راجح ہے، اس لیے اس سے ان کے مذہب کی پوری تائید نہیں ہوتی کیونکہ یہ حضرات تو ولی کے حق کو مکمل طور پر ساقط کر دیتے ہیں، بجز اس کے کہ وہ عورت غیر کفو کے ساتھ اپنی مرضی سے نکاح کرے، جبکہ جمہور کے مذہب کی روشنی میں حدیث کے معنی واضح ہیں کہ اگر ولی اس کے نکاح کا کہیں ارادہ کرتا ہے اور وہ عورت وہاں نہیں چاہتی تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ عورت کہیں نکاح کرنا چاہتی ہے اور ولی اسے روکتا ہے تو ولی کو مجبور کیا جائے گا کہ عورت کے فیصلے کا احترام کرے۔ پھر اگر اولیاء عقد روکنے پر اصرار کریں تو ولی کا حق ولایت ساقط ہو جائے گا اور قاضی اس کا نکاح کر دے گا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا حق زیادہ مضبوط اور قابل ترجیح ہے، اسی لیے فرمایا: [لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ أَمْرٌ] یعنی ولی اسے مجبور نہیں کر سکتا اور اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔

(٨٣٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[839] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت (ولی بن کر) کسی دوسری عورت کا نکاح نہیں کر سکتی اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کر سکتی ہے۔'' (اسے ابن ماجہ اور دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔)

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کی ولی نہیں بن سکتی، اور نہ خود ولی بن کر اپنا نکاح کرنے کی مجاز ہے۔ جمہور علماء کی رائے یہی ہے۔ مگر احناف کہتے ہیں کہ عاقلہ بالغہ خاتون اپنا بھی اور اپنی نابالغہ بچی کا

٨٣٩ ـ [صحيح] أخرجه ابن ماجه، النكاح، باب لا نكاح إلا بولي، حديث: ١٨٨٢، والدارقطني: ٣/ ٢٢٧، وللحديث شواهد عند البيهقي: ٧/ ١١٠ وغيره.

بھی نکاح کر سکتی ہے اور دوسرے کی وکیل نکاح بھی بن سکتی ہے' البتہ اگر کہیں غیر کفو سے نکاح کر لے تو ولی کو دخل اندازی کا اختیار ہے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صرف کم ذات عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے' کسی معزز خاتون کے لیے یہ جائز نہیں' مگر اس کے بارے میں جمہور علماء کی رائے مضبوط ہے۔ (سبل السلام)

(٨٤٠) وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلٰى أَنْ يُزَوِّجَهُ الْآخَرُ ابْنَتَهُ، وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاتَّفَقَا مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَلٰى أَنَّ تَفْسِيرَ الشِّغَارِ مِنْ كَلَامِ نَافِعٍ.

[840] حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شغار سے منع فرمایا ہے۔ اور شغار یہ ہے کہ ایک آدمی اپنی بیٹی دوسرے آدمی سے اس شرط پر بیاہ دے کہ وہ اپنی بیٹی اس سے بیاہ دے گا اور دونوں کے مابین کوئی مہر بھی نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری و مسلم ایک دوسری سند سے اس بات پر متفق ہیں کہ شغار کی یہ تعریف نافع کی بیان کردہ ہے۔

لغوی تشریح: [اَلشِّغَارُ] ''شین'' کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں۔ جب کتا پیشاب کرنے کے لیے اپنی ٹانگ اوپر اٹھاتا ہے تو کہا جاتا ہے: شَغَرَ الْكَلْبُ۔ اور اس جگہ اس کے معنی عورت کا عورت کے بدلے میں بغیر مہر کے نکاح کرنا ہیں' جیسا کہ اوپر حدیث میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یہ دور جاہلیت کے نکاحوں میں سے ایک نکاح تھا جسے شارع علیہ السلام نے ممنوع قرار دیا ہے۔ ائمۂ ثلاثہ یعنی امام مالک' شافعی اور احمد رحمہم اللہ اس کے باطل ہونے کے قائل ہیں۔ اور ایک گروہ کا کہنا ہے کہ مہر مثل کے ساتھ یہ نکاح صحیح ہے' حالانکہ یہ ان احادیث کے خلاف ہے۔

(٨٤١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَذَكَرَتْ أَنَّ أَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ، فَخَيَّرَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ.

[841] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بتایا کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے جبکہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔ (یہ سن کر) نبی ﷺ نے اس لڑکی کو (نکاح باقی رکھنے یا اسے فسخ کرنے کا) اختیار دے دیا۔ (اسے احمد' ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث کو مرسل ہونے کی بنا پر معلول کہا گیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ] مگر ارسال کی یہ علت زائل ہو چکی ہے کیونکہ یہ موصول بھی مروی ہے اور خود مصنف رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس حدیث میں کسی قسم کا طعن بے معنی ہے' اس لیے کہ اس حدیث کے بہت سے طرق ہیں جو

٨٤٠ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الشغار، حديث: ٥١١٢، ومسلم، النكاح، باب تحريم نكاح الشغار وبطلانه، حديث: ١٤١٥.

٨٤١ ـ [حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في البكر يزوجها أبوها ولا يستأمرها، حديث: ٢٠٩٦، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٧٥، وأحمد: ١/ ٢٧٣.

ایک دوسرے کی تقویت کا باعث ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باپ اگرچہ ولی ہے لیکن اگر وہ لڑکی کے اذن اور مشورے کے بغیر اس کا نکاح کرتا ہے تو لڑکی کو شرعاً اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ اس نکاح سے ناخوش ہے تو اسے فسخ کر دے۔

(٨٤٢) وَعَنِ الْحَسَنِ، عَنْ سَمُرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْأَوَّلِ مِنْهُمَا». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[842] حضرت حسن، حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کا ارشاد بیان کرتے ہیں: ''جس عورت کا نکاح دو ولی (دو مختلف شخصوں سے) کر دیں تو یہ خاتون ان میں سے پہلے خاوند کی ہوگی۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک خاتون کے دو ولی جب دو مختلف آدمیوں سے مختلف اوقات میں نکاح کر دیں تو وہ عورت اس آدمی کی بیوی قرار پائے گی جس سے پہلے نکاح کیا گیا ہو اور دوسرا نکاح از خود باطل قرار پائے گا کیونکہ شریعت نے نکاح پر نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور اگر دونوں نکاح بیک وقت کیے جائیں تو دونوں باطل قرار پائیں گے، کوئی بھی صحیح نہیں ہوگا۔ ② ہاں، اگر عورت دونوں نکاحوں میں سے کسی نکاح کو باقی رکھنا چاہے یا دونوں شخصوں میں سے کوئی ایک، عورت کے ساتھ اس کی رضامندی سے خلوت صحیحہ کر چکا ہو تو وہ نکاح برقرار رہ سکتا ہے۔

(٨٤٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ وَأَهْلِهِ فَهُوَ عَاهِرٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَكَذٰلِكَ ابْنُ حِبَّانَ.

[843] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس غلام نے اپنے مالکوں اور اپنے اہل کی اجازت کے بغیر نکاح کیا وہ بدکار (زانی) ہے۔'' (اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [عَاهِرٌ] یعنی وہ زانی ہے۔ اور زنا چونکہ باطل ہے، لہٰذا یہ حدیث اس نکاح کے بطلان پر دلالت کرتی ہے، خواہ مالک، عقد کے بعد اجازت دے دے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ دونوں کی یہی رائے ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ دونوں کا قول ہے کہ اگر مالک عقد کے بعد اسے اجازت دے دے تو نکاح صحیح ہو جائے گا، مگر پہلا قول راجح ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سنن ابوداود کی تحقیق کرتے ہوئے اسی

٨٤٢ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب إذا أنكح الوليان، حديث: ٢٠٨٨، والترمذي، النكاح، حديث: ١١١٠، والنسائي، البيوع، حديث: ٤٦٨٦، وابن ماجه، التجارات، حديث: ٢١٩٠، وأحمد: ٥/ ٨، ١٨.

٨٤٣ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في نكاح العبد بغير إذن مواليه، حديث: ٢٠٧٨، والترمذي، النكاح، حديث: ١١١١، وأحمد: ٣/ ٣٠٠، ٣٠١، ٣٨٢، وابن حبان: ينظر عنده، والحاكم: ٢/ ١٩٤، ابن عقيل ضعيف.

مفہوم کی ایک حدیث بیان کی ہے جسے انھوں نے سنداً قوی قرار دیا ہے' نیز شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس پر تفصیلاً بحث کرتے ہوئے اسے حسن قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت ہمارے فاضل محقق کے نزدیک بھی معناً صحیح اور قابل عمل ہے۔ واللہ أعلم. مزید دیکھیے: (الإرواء: ٦/٣٥١-٣٥٣)

(٨٤٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا، وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَخَالَتِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[844] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(ایک مرد کے نکاح میں) پھوپھی و بھتیجی اور خالہ و بھانجی کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔'' (بخاری و مسلم)

(٨٤٥) وَعَنْ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَنْكِحُ الْمُحْرِمُ، وَلَا يُنْكِحُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةٍ لَّهُ: «وَلَا يَخْطُبُ». زَادَ ابْنُ حِبَّانَ «وَلَا يُخْطَبُ عَلَيْهِ».

[845] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''احرام والا آدمی خود اپنا نکاح کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے کا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''اور نہ وہ پیغام نکاح دے سکتا ہے۔'' اور ابن حبان نے یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''اور نہ اسے پیغام نکاح دیا جا سکتا ہے۔''

لغوی تشریح: [لَا يَنْكِحُ | ينكح میں ''یا'' پر فتحہ ہے' یعنی خود کسی عورت کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا۔ [اَلْمُحْرِمُ] احرام والا' خواہ احرام حج کا ہو یا عمرے کا یا (حج اور عمرہ) دونوں کا۔ [وَلَا يُنْكِحُ] ''یا'' پر ضمہ ہے' یعنی احرام والا شخص ولی یا وکیل بن کر کسی دوسرے کا بھی نکاح نہیں کر سکتا۔ [وَ لَا يَخْطُبُ] نہ اپنے لیے اور نہ کسی دوسرے کے لیے پیغام نکاح دے۔ [وَلَا يُخْطَبُ عَلَيْهِ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی کوئی شخص محرم (احرام والے شخص) کو اپنی زیر ولایت لڑکی کے نکاح کا پیغام نہ بھیجے اور نہ اس کے عزیز و اقارب میں سے کسی عورت کے نکاح کا اس سے مطالبہ کرے۔

(٨٤٦) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: تَزَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ مَيْمُونَةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلِمُسْلِمٍ عَنْ مَيْمُونَةَ نَفْسِهَا: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ تَزَوَّجَهَا وَهُوَ حَلَالٌ.

[846] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو اس وقت آپ حالت احرام میں تھے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے

٨٤٤ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب لا تنكح المرأة على عمتها، حديث: ٥١٠٩، ومسلم، النكاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها ......، حديث: ١٤٠٨.

٨٤٥ ـ أخرجه مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم ......، حديث: ١٤٠٩، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٦٩، حديث: ٤١١٢.

٨٤٦ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب نكاح المحرم، حديث: ١٨٣٧، ومسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم ......، حديث: ١٤١٠، وحديث ميمونة أخرجه مسلم، النكاح، حديث: ١٤١١.

ان سے نکاح کیا تو اس وقت آپ حلال تھے' یعنی حالت احرام میں نہیں تھے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ مُحرم نکاح کر سکتا ہے' حالانکہ اس حدیث میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ یہ اکثر صحابۂ کرام ؓ کی روایت کے مخالف ہے۔ فرد واحد کو وہم ہو جانا جماعت کو وہم ہو جانے سے زیادہ قریب ہے۔ اور خود حضرت میمونہ ؓ سے' نیز یہ رشتہ کرانے میں سفیر کے فرائض سرانجام دینے والے حضرت ابورافع ؓ سے منقول ہے کہ بلاشبہ نبی ﷺ اس وقت حالت احرام میں نہیں تھے۔ حضرت میمونہ اور حضرت ابو رافع ؓ دوسروں کی بہ نسبت زیادہ خبر رکھتے ہیں اور صورت واقعہ سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں' لہٰذا ان دونوں سے مروی روایت دوسروں کی روایت سے زیادہ لائق اعتبار ہے۔ ② علاوہ ازیں ان دنوں حضرت ابن عباس ؓ نو دس برس کے بچے ہی تھے' اس لیے ان دونوں کے مقابلے میں اس کا واقعاتی صورت کو محفوظ نہ رکھ سکنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ نبی ﷺ نے احرام کی حالت میں حضرت میمونہ ؓ سے نکاح کیا ہے تو پھر اسے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ③ محدث جلیل علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری ؒ تحفة الأحوذي (٨٩/٢) میں فرماتے ہیں: اس مسئلے میں جانبین (طرفین) کا طویل کلام ہے اور قابل ترجیح بہرحال جمہور کا قول ہے۔ ④ حضرت عثمان ؓ سے مروی حدیث میں قانون کلی کا بیان ہے اور ابن عباس ؓ سے منقول روایت میں نبی ﷺ کے فعل کی حکایت ہے جس میں بہت سے احتمالات کی گنجائش ہے۔ واللّٰه أعلم.

(٨٤٧) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ أَحَقَّ الشُّرُوطِ أَنْ يُوَفّٰى بِهِ، مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[847] حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شروط میں سے وہ شرط پورا کیے جانے کا زیادہ حق رکھتی ہے جس کے ذریعے سے تم نے عورتوں کی شرم گاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شرائط سب سے زیادہ پوری کرنے کی مستحق ہیں وہ شروط نکاح ہیں کیونکہ اس کا معاملہ بڑا ہی محتاط اور نازک ہے۔ ② یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ نکاح میں شرط طے کرنا جائز ہے اور اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ ③ نکاح کی شرطوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ادائیگی مہر ہے کیونکہ مہر وطی سے مشروط ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ سب کچھ ہے جس کی عورت زوجیت کے تقاضے میں مستحق ٹھہرتی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مقصود ہر وہ شرط ہے جو خاوند عورت کو نکاح پر آمادہ کرنے کے لیے طے کر لے بشرطیکہ شریعت میں ممنوع نہ ہو۔ سیاق حدیث کی رو سے یہی آخری رائے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔ واللّٰه أعلم.

٨٤٧ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الشروط في النكاح، حديث: ٥١٥١، ومسلم، النكاح، باب الوفاء بالشروط في النكاح، حديث: ١٤١٨.

(٨٤٨) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: رَخَّصَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ أَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[848] حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اوطاس کے سال تین روز کے لیے (نکاح) متعہ کی اجازت دی' پھر اس سے منع فرما دیا۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [عَامَ أَوْطَاسٍ] یعنی غزوۂ حنین کا سال۔ اور یہی فتح مکہ کا سال بھی ہے' یعنی ۸ ہجری۔ ''اوطاس'' حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ جب مسلمانوں پر وادئ حنین میں قبائل ہوازن وثقیف ٹوٹ پڑے تھے' اس وقت انھوں، یعنی اہل ثقیف و ہوازن نے مال' مویشی اور آل اولاد سب کچھ وادئ اوطاس میں اکٹھا کر رکھا تھا۔ جب شکست و ہزیمت سے پالا پڑا تو سب کچھ یہیں چھوڑ کر فرار ہو گئے' چنانچہ مسلمانوں نے اسے اپنے قبضے میں لے کر مال غنیمت بنا لیا۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام ''عام حنین'' یا ''عام اوطاس'' پڑ گیا۔ [فِي الْمُتْعَةِ] ''متعہ'' سے مراد یہ ہے کہ کسی عورت سے ایک مقرر وقت تک کے لیے نکاح کر لیا جائے اور جب مقرر وقت پورا ہو جائے تو ان کے درمیان جدائی واقع ہو جائے۔

فائدہ: یہ معلوم رہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو مرتبہ مباح و جائز ہوا' چنانچہ یہ غزوۂ خیبر سے پہلے حلال تھا' پھر اسے غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا' پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر مباح کیا گیا۔ غزوۂ اوطاس کا سال بھی یہی ہے۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ یہ امام نووی رحمہ اللہ کا کلام ہے جب کہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ متعہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ اس کی تحریم فتح مکہ کے سال ہوئی اور یہی رائے درست ہے۔ اور اہل علم کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ متعہ خیبر کے موقع پر حرام ہوا ہے' پھر حلال کیا گیا، پھر حرام کیا گیا۔ اور انھوں نے صحیحین میں مروی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے (جو آگے آ رہی ہے۔) امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے متعہ کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی جسے حرام کیا گیا ہو' پھر حلال کیا گیا ہو' پھر اسے حرام قرار دیا گیا ہو۔ اہل علم کے اس گروہ کا کہنا ہے کہ متعہ دو دفعہ منسوخ ہوا ہے۔ مگر بعض دوسرے لوگوں نے اس رائے کی مخالفت کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ متعہ صرف فتح مکہ کے سال ہی حرام کیا گیا ہے' اس سے پہلے مباح و جائز تھا۔ اور وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے متعہ کی حرمت اور گھریلو گدھے کی حرمت کو اس لیے اکٹھا بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں کو مباح و حلال سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تردید میں نبی ﷺ سے ان دونوں کی تحریم بیان کی ہے۔ اور چونکہ پالتو گدھے کی تحریم یوم خیبر میں ہوئی تھی' اس لیے اس کی تحریم کے لیے خیبر کے دن کو بطور ظرف ذکر کیا ہے اور تحریم متعہ کو مطلق بیان کیا ہے' کسی وقت و زمانے سے مقید نہیں کیا جیسا کہ مسند احمد میں صحیح سند سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھریلو گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا اور آپ نے عورتوں کے متعہ کو بھی حرام کیا ہے۔ اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے عورتوں کے متعہ کو حرام قرار دیا اور خیبر کے دن گھریلو گدھے کا گوشت کھانا حرام کر دیا۔ امام سفیان بن عیینہ نے دونوں کی حرمت کو اسی طرح تفصیل کے ساتھ علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔ بعض راویوں نے سمجھا کہ ان دونوں کو خیبر کے روز ہی حرام کیا گیا ہے تو انھوں نے دونوں کو خیبر کے روز سے مقید کر دیا۔ پھر بعض راویوں نے دونوں میں سے

٨٤٨۔ أخرجه مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة ......، حديث: ١٤٠٥.

ایک، یعنی گدھے کی تحریم پر اقتصار کیا اور خیبر کے دن سے اسی کو مقید کیا، بس یہیں سے وہم پیدا ہوا۔ اور رہا قصۂ خیبر! تو اس غزوے کے دوران میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہودی عورتوں سے متعہ نہیں کرتے رہے۔ اور نہ انھوں نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی۔ اور نہ کسی نے کبھی اس غزوے میں اسے نقل کیا ہے۔ اور نہ اس غزوے میں متعہ کے فعل یا اس کی تحریم کا (حتمی) ذکر ہے۔ بخلاف فتح مکہ کے کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر متعہ کے فعل اور اس کی تحریم کا ذکر مشہور ہے۔ روایات کی تطبیق میں مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے آخر الذکر صورت صحیح ترین ہے۔ (زادالمعاد: ۳/۳۴۳-۳۴۵ ملخصا) اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ متعہ کی حرمت پر مسلمانوں کا گویا اجماع ہے۔ اور سوائے بعض روافض کے امت مسلمہ میں کوئی بھی اس اجماع کے مخالف نہیں۔

(٨٤٩) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْمُتْعَةِ عَامَ خَيْبَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[849] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے سال متعہ سے منع فرما دیا تھا۔ (بخاری و مسلم)

(٨٥٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ، وَعَنْ أَكْلِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ. أَخْرَجَهُ السَّبْعَةُ إِلَّا أَبَا دَاوُدَ.

[850] حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھے کھانے سے خیبر کے روز منع فرمایا۔ (ابوداود کے سوا ساتوں نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔)

(٨٥١) وَعَنْ رَبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنِّي كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَرَّمَ ذٰلِكَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيلَهَا، وَلَا تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ

[851] حضرت ربیع بن سبرہ اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمھیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی۔ اب اللہ تعالیٰ نے اسے تا روز قیامت حرام قرار دے دیا ہے، لہٰذا جس کسی کے پاس ان (متعہ والی عورتوں) میں سے کوئی ہو تو وہ اسے چھوڑ دے اور جو کچھ تم انھیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ

٨٤٩ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة أخيرًا، حديث: ٥١١٥، ومسلم، النكاح، باب نكاح المتعة ......، حديث: ١٤٠٧.

٨٥٠ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب نهي النبي ﷺ عن نكاح المتعة أخيرًا، حديث: ٥١١٥، ومسلم، النكاح، باب نكاح المتعة ....، حديث: ١٤٠٧ وانظر الحديث السابق، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٢١، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٣٦٨، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٦١.

٨٥١ ـ أخرجه مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة....، حديث: ١٤٠٦، وأبوداود، النكاح، حديث: ٢٠٧٢، ٢٠٧٣، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٣٧٠، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٦٢، وأحمد: ٣/ ٤٠٥، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٧٧، حديث: ٤١٣٥.

مَاجَه وَأَحْمَدُ وَابْنُ حِبَّانَ.

بھی واپس نہ لو۔'' (اسے مسلم' ابوداود' نسائی' ابن ماجہ' احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فِي الْإِسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ] یعنی عورتوں سے متعہ کرنا۔ [مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ] جو کچھ تم نے مہر و معاوضہ دیا ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ربیع بن سبرہ رحمہ اللہ] جہنی اور مدنی ہیں۔ انھیں ابن عوسجہ بھی کہا جاتا ہے۔ انھیں امام نسائی اور عجلی دونوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور ابن حبان نے انھیں كتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔

(٨٥٢) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَفِي الْبَابِ عَنْ عَلِيٍّ، أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ.

[852] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (اسے احمد' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے جسے نسائی کے سوا چاروں نے ذکر کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُحَلِّلَ] یہ تحلیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ محلّل وہ شخص ہے جو طلاق دینے کی نیت سے کسی دوسرے کی مطلقہ ثلاثہ عورت سے نکاح ومباشرت کرے تاکہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے۔ اور اس سے مقصود دائمی نکاح نہیں ہوتا۔ [وَالْمُحَلَّلَ لَهُ] یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اس سے وہ پہلا شوہر مراد ہے جس نے تین طلاقیں دیں۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ نکاح حلالہ حرام ہے کیونکہ لعنت حرام فعل ہی پر کی جاتی ہے۔ جمہور اس کی حرمت کے قائل ہیں سوائے احناف کے کہ انھوں نے اس بارے میں ایسے خبیث عمل اور برے فعل کا ارتکاب کیا ہے جسے نیک وابرار مسلمان تو درکنار' فجار وکفار تک معیوب سمجھتے ہیں۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے فاضل محقق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو بھی سنداً ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی بابت مزید لکھا ہے کہ مسند احمد (٢/٣٢٣) کی روایت اس سے کفایت کرتی ہے۔ دیکھیے: (سنن ابن ماجہ' اردو' طبع دارالسلام، حدیث: ١٩٣٥) بنابریں دیگر محققین کی سیر حاصل بحث سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ روایت دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ والله أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٣٢/١٤، ٣٣، والإرواء، رقم: ١٨٩٧، وصحيح أبي داود (مفصل)

٨٥٢ـ [ضعيف] أخرجه الترمذي، النكاح، باب ما جاء في المحلل والمحلل له، حديث: ١١٢٠، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٤٤٥، وأحمد: ١/٤٤٨ وسنده ضعيف، الثوري عنعن. و حديث علي أخرجه أبوداود، النكاح، حديث: ٢٠٧٦. والترمذي، النكاح، حديث: ١١١٩، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٣٥ وسنده ضعيف.

للألباني، رقم:١٨١١)

(٨٥٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا يَنْكِحُ الزَّانِي الْمَجْلُودُ إِلَّا مِثْلَهُ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[853] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی زانی جسے زنا کی حد لگی ہو' اپنے جیسی (حد لگی ہوئی عورت) ہی سے نکاح کرتا ہے۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [اَلْمَجْلُودُ] یعنی وہ شخص جسے سزائے زنا میں کوڑے لگ چکے ہوں۔

فائدہ: سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے لیے حرام ہے کہ وہ اس شخص سے نکاح کرے جو زانی ہو۔ اور زانی کے لیے مجلود کی صفت بطور اغلب ہے۔ اسی طرح مرد کے لیے بھی حرام ہے کہ وہ ایسی عورت سے شادی کرے جو زانیہ ہو۔ اور یہ حدیث اس ارشاد باری تعالیٰ کے موافق ہے: ﴿وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ (النور ٢٤:٣) ''اور یہ مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے۔'' اس کے بعد علامہ صنعانی نے اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے اور بالآخر زانی اور زانیہ سے نکاح کی حرمت کے قول کو مضبوط قرار دیا ہے۔

(٨٥٤) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: طَلَّقَ رَجُلٌ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا، فَتَزَوَّجَهَا رَجُلٌ، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ بِهَا، فَأَرَادَ زَوْجُهَا الْأَوَّلُ أَنْ يَتَزَوَّجَهَا، فَسَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «**لَا، حَتّٰى يَذُوقَ الْآخَرُ مِنْ عُسَيْلَتِهَا مَا ذَاقَ الْأَوَّلُ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[854] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں' پھر اس عورت سے ایک دوسرے آدمی نے نکاح کر لیا اور اس سے ہم بستری کیے بغیر ہی اسے طلاق دے دی۔ تو پہلے شوہر نے اس سے نکاح کرنا چاہا اور رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق استفسار کیا تو آپ نے فرمایا: ''نہیں! یہاں تک کہ دوسرا خاوند اس سے اسی طرح لطف اندوز ہو لے جس طرح پہلا خاوند ہوا تھا۔'' (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [عُسَيْلَتِهَا] عسل کی تصغیر ہے اور ذَوْقُ الْعُسَيْلَة (لطف اندوز ہونا) جماع سے کنایہ ہے۔ اور جماع کو شہد سے تشبیہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ جس طرح شہد کے استعمال سے لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے' جماع سے بھی لذت و حلاوت حاصل ہوتی ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ وہ جماع جس سے حد واجب ہوتی ہے اور مہر دینا واجب ٹھہرتا ہے' وہ ہے جس میں مرد کا حشفہ عورت کی اندام نہانی میں غائب ہو جائے۔

٨٥٣ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في قوله تعالى: ﴿الزاني لا ينكح إلا زانية﴾، حديث:٢٠٥٢، وأحمد:٢/ ٣٢٤.

٨٥٤ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب من جوّز الطلاق الثلاث، حديث: ٥٢٦٠، ٥٢٦١، ومسلم، النكاح، باب لا تحل المطلقة ثلاثًا لمطلقها حتى تنكح زوجًا غيره ......، حديث: ١٤٣٣.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقہ ثلاثہ عورت جب کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور دونوں میں ازدواجی تعلق بھی قائم ہو جائے اور یہ دوسرا خاوند اپنی مرضی سے اسے طلاق دے یا وفات پا جائے تو پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔ ② اگر اس دوسرے خاوند سے نکاح تو ہوا مگر مباشرت اور ہم بستری نہ ہوئی اور اس نے طلاق دے دی تو اس صورت میں پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح درست نہیں ہوگا۔ اور اگر دوسرا نکاح صرف حلالہ کی نیت سے کیا تو نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ اس صورت میں مُحَلِّلْ اور مُحَلَّلْ لَهُ تو لعنتی قرار پاتے ہی ہیں، ساتھ ہی پہلے مرد سے دوبارہ نکاح بھی حرام ہے۔

١ - بَابُ الْكَفَاءَةِ وَالْخِيَارِ

باب:1-کفواور اختیار کا بیان

(٨٥٥) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**الْعَرَبُ بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، وَالْمَوَالِي بَعْضُهُمْ أَكْفَاءُ بَعْضٍ، إِلَّا حَائِكًا أَوْ حَجَّامًا**». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ رَاوٍ لَمْ يُسَمَّ، وَاسْتَنْكَرَهُ أَبُو حَاتِمٍ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْبَزَّارِ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ بِسَنَدٍ مُنْقَطِعٍ.

[855] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عرب ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں اور موالی بھی ایک دوسرے کے لیے کفو ہیں، سوائے جولا ہے اور حجام کے۔'' (اس روایت کو حاکم نے نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں ایسا راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ اور ابوحاتم نے اسے منکر قرار دیا ہے۔ اور اس کا ایک شاہد، منقطع سند سے بزار میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْكَفَاءَةِ] كفاءة کے ''کاف'' پر فتحہ اور ''فا'' کے بعد ''الف'' اور ''ہمزہ'' ہے، یعنی مساوات، مماثلت اور ہمسری۔ یہ دین اور اخلاق میں معتبر ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مساوات اور برابری کا اعتبار چار چیزوں میں کیا جاتا ہے: دین، نسب، آزادی اور پیشہ وصنعت کاری۔ لیکن پہلا قول ہی راجح ہے۔ [أَكْفَاءُ] كُفُوٌ کی جمع ہے۔ كُفُوٌ کے ''کاف'' پر ضمہ، ''فا'' ساکن اور اس کے بعد ''ہمزہ'' ہے۔ اس کے معنی مثل اور نظیر کے ہیں۔ [اَلْمَوَالِي] مَوْلَى کی جمع ہے۔ اس سے مراد غیر عربی لوگ ہیں۔ [إِلَّا حَائِكًا] جولاہا۔ جو کپڑا بننے کا پیشہ ور ہو۔ یہ روایت باطل ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے جواب میں کہا کہ یہ جھوٹ کا پلندا ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور دوسرے مقام پر کہا: یہ باطل ہے۔ اور علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے: یہ حدیث منکر اور موضوع ہے۔ اس کے بہت سے طرق ہیں اور سب کے سب کمزور ہیں۔ ان سب کا ذکر مصنف نے اپنی کتاب التلخیص الحبیر میں کیا ہے۔

٨٥٥ـ [ضعيف] أخرجه الحاكم: لم أجده في المستدرك، والبيهقي: ٧/ ١٣٤، ١٣٥، وانظر علل الحديث لابن أبي حاتم: ١/ ٤١٢، وقال أبوحاتم: "هذا كذب لا أصل له" وللحديث طرق شديدة الضعف لا يصلح للاستشهاد، وحديث معاذ أخرجه البزار، كشف الأستار: ٢/ ١٦٠، ١٦١، خالد بن معدان لم يسمع من معاذ، وسليمان بن أبي الجون مجهول الحال.

(٨٥٦) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهَا: «اِنْكِحِي أُسَامَةَ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[856] حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اسامہ سے نکاح کر لو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: شاید مصنف نے اس حدیث کو اس باب میں اس لیے بیان کیا ہو کہ یہ معلوم ہو جائے کہ مسئلہ کفو میں دین کے سوا اور کسی چیز کا اعتبار نہیں کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا قریش کے قبیلہ ''فہر'' کی معزز خاتون تھیں اور اسامہ خود بھی غلام تھے اور ان کے باپ (زید) بھی غلام تھے۔

راویٔ حدیث: [حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا] فاطمہ بنت قیس بن خالد فہریہ۔ مشہور صحابی حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں اور مشہور صحابیہ ہیں۔ سب سے پہلے ہجرت کرنے والی خواتین میں شمار ہوتی ہیں۔ ایک بڑی جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ بڑی حسین و جمیل، عقلمند و دانا اور صاحب کمال تھیں۔ پہلے یہ ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، انھوں نے انھیں طلاق دے دی تو نبی ﷺ نے ان کا نکاح اپنے غلام اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ ان (فاطمہ بنت قیس) کا اپنا قول ہے کہ اس نکاح میں اللہ تعالیٰ نے بڑی خیر پیدا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جاتا تھا۔

(٨٥٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يَابَنِي بَيَاضَةَ! أَنْكِحُوا أَبَاهِنْدٍ وَانْكِحُوا إِلَيْهِ، وَكَانَ حَجَّامًا». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالْحَاكِمُ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ.

[857] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے بنو بیاضہ! (اپنی بیٹیوں سے) ابوہند کا نکاح کرو اور اس سے بھی (اس کی کسی عزیزہ کا) نکاح لے لو۔'' اور (یہ یاد رہے کہ) ابوہند سینگی لگانے والے تھے۔ (اسے ابوداود اور حاکم نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنْكِحُوا أَبَاهِنْدٍ] باب افعال سے امر کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی لڑکیاں اس کے ہاں بیاہ دو۔ [وَانْكِحُوا إِلَيْهِ] باب فَتَحَ يَفْتَحُ سے امر کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ اس کی لڑکیوں کے متعلق تم اسے اپنے لیے پیغام نکاح دو۔ اسے محض اس وجہ سے اپنے سے خارج نہ کرو کہ وہ سینگی لگانے والا ہے۔

فوائد و مسائل: ① ابوہند بنو بیاضہ، جو قبائل عرب میں ایک قبیلہ تھا، کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ② نبی ﷺ نے بنو بیاضہ سے فرمایا کہ ابوہند کا نکاح اپنے قبیلے کی کسی عورت سے کر دو۔ اس طرح نبی ﷺ نے نسب کے بت کو پاش پاش کر دیا۔ ③ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جلیل القدر غنی صحابی (جن کا تعلق عرب کے سب سے معزز قبیلے قریش سے تھا) نے اپنی ہمشیرہ ہالہ کو بلال حبشی کے نکاح میں دے کر نسب کے فخر کو توڑا اور خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لخت جگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا نبی ﷺ سے نکاح ہونے سے پہلے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو ان سے نکاح کے لیے

٨٥٦ـ أخرجه مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: ١٤٨٠.

٨٥٧ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في الأكفاء، حديث: ٢١٠٢، والحاكم: ٢/ ١٦٤ وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي.

پیشکش کی تھی۔ ④ ان مثالوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ حسب ونسب اور حسن و جمال اہمیت کے حامل ضرور ہیں مگر دینداری کے مقابلے میں ان کی حیثیت ثانوی ہے۔

وضاحت: [ابو ہند رضی اللہ عنہ] ان کا نام یسار تھا۔ اور ایک قول کے مطابق ان کا نام سالم بن ابی سالم اور ایک قول کے مطابق عبداللہ بن ہند تھا۔ یہ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جنھوں نے نبی ﷺ کو سینگی لگائی تھی۔ بنو بیاضہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ، جابر اور خالد رضی اللہ عنہم نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔

(٨٥٨) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: خُيِّرَتْ بَرِيرَةُ عَلٰى زَوْجِهَا حِينَ عَتَقَتْ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

[858] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو جب آزادی ملی تو اس وقت انھیں اپنے خاوند کے (نکاح میں رہنے یا نہ رہنے کے) بارے میں اختیار دیا گیا۔ (بخاری و مسلم- یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔)

وَلِمُسْلِمٍ عَنْهَا: أَنَّ زَوْجَهَا كَانَ عَبْدًا. وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهَا: كَانَ حُرًّا. وَالْأَوَّلُ أَثْبَتُ، وَصَحَّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عِنْدَ الْبُخَارِيِّ: أَنَّهُ كَانَ عَبْدًا.

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غلام تھا۔ اور انھی سے ایک روایت میں ہے کہ وہ آزاد تھا۔ پہلی روایت زیادہ پختہ ہے۔ بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول صحیح قول یہ ہے کہ وہ غلام تھا۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ عورت آزاد ہو جانے کے بعد، جبکہ اس کا خاوند ابھی تک غلام ہو، شوہر کے بارے میں خودمختار ہے، چاہے اس کی زوجیت میں رہے چاہے نہ رہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب وہ شوہر آزاد ہو۔ ایک قول کے مطابق عورت کے لیے کوئی اختیار نہیں، اسے اسی خاوند کی زوجیت میں رہنا ہوگا۔ یہ رائے جمہور کی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے بہر حال اختیار حاصل ہے اگرچہ خاوند آزاد ہی ہو، اسے ابن قیم رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ معلوم رہے کہ یہ حدیث بڑی عظیم الشان ہے۔ علماء نے اپنی کتابوں میں کئی مقامات پر اس کا ذکر کیا ہے اور خود مصنف رحمہ اللہ نے اس سے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے جن کی تعداد ایک سو بائیس تک پہنچتی ہے۔ (سبل السلام)

(٨٥٩) وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوزَ الدَّيْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ:

[859] حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی نے اپنے باپ (فیروز رضی اللہ عنہ) سے روایت بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں

٨٥٨ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الحرة تحت العبد، حديث: ٥٠٩٧، ومسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، حديث: ١٥٠٤.

٨٥٩ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع أو أختان، حديث: ٢٢٤٣، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٢٩، ١١٣٠، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٥٠، ١٩٥١، وأحمد: ٤/ ٢٣٢، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٨١، حديث: ٤١٤٣، والدارقطني: ٣/ ٢٧٣، والبيهقي: ٧/ ١٨٤.

يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَسْلَمْتُ، وَتَحْتِي أُخْتَانِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَأَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ.

نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان دونوں میں سے جسے چاہو طلاق دے دو۔'' (اسے احمد نے اور نسائی کے سوا چاروں نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان، دارقطنی اور بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے جبکہ بخاری نے اسے معلول کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے نکاح قابل اعتبار ہیں اگرچہ وہ اسلامی نکاح کے مخالف ہوں۔ اور اسلام قبول کر لینے کے بعد جب تک خاوند عورت کو طلاق نہ دے وہ اس کی زوجیت کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اور اسلام قبول کرنے کے بعد تجدید نکاح کے بغیر نکاح بھی باقی رہتا ہے۔ یہ مذہب امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور داود ؒ کا ہے۔ (سبل السلام) ② جامع ترمذی میں فیروز دیلمی سے اس حدیث کے یہ الفاظ منقول ہیں: ''ان دونوں میں سے جس کا چاہو انتخاب کر لو۔'' اس طرح یہ حدیث آنے والی حدیث کے اس اعتبار سے موافق ہوئی کہ جب کوئی نومسلم شخص اپنی بیویوں میں سے بعض کو پسند کر لے کہ میں فلاں اور فلاں کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہوں تو ان کا نکاح برقرار رہے گا اور باقی ماندہ بیویوں کو طلاق دیے بغیر اس کے اور ان کے مابین جدائی واقع ہو جائے گی۔ ③ یہ دونوں احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ جدائی میں ترتیب نکاح کا کچھ اثر نہیں ہوتا ہے، چنانچہ مرد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ دونوں بہنوں میں سے پہلی کو روک رکھے اور نہ یہ ضروری ہے کہ بیویوں میں سے پہلی چار کو روک رکھے بلکہ اسے اختیار ہے جسے چاہے روک لے اور جسے چاہے جدا کر دے۔ یہ دونوں احادیث احناف کے خلاف حجت ہیں۔

راویٔ حدیث: [حضرت ضحاک ؒ] ''حا'' پر تشدید ہے۔ [فَيروز] ''فا'' پر فتحہ، ''یا'' ساکن اور ''را'' پر ضمہ ہے۔ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ [اَلدَّيلَمِي] ''دال'' پر فتحہ ہے۔ فارس کے مشہور پہاڑ دیلم کی طرف نسبت ہے۔ ضحاک مشہور تابعی ہیں۔ ابن حبان نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کی حدیث بصریوں کے ہاں پائی جاتی ہے۔

[عَنْ أَبِيهِ] ابوعبداللہ فیروز دیلمی ؓ۔ حِمْیَر میں فروکش ہونے کی وجہ سے انھیں حِمْیَرِي بھی کہا جاتا تھا۔ یہ اہل فارس سے تھے اور صنعاء کے رہنے والے تھے۔ اور یہ اس وفد میں شامل تھے جو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اور یہی یمن کے مدعیٔ نبوت اسود عنسی کذاب کے قاتل ہیں۔ انھوں نے عنسی کو نبی ﷺ کے آخری ایام میں قتل کیا تھا اور آپ کو یہ خبر مرض الموت کے دوران میں موصول ہوئی تھی۔ ان کی وفات حضرت عثمان ؓ کے دور خلافت میں ہوئی۔

(٨٦٠) وَعَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ غَيْلَانَ بْنَ

[860] حضرت سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں

٨٦٠ ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، النكاح، باب ما جاء في الرجل يسلم وعنده عشر نسوة، حديث:١١٢٨، وابن ماجه، النكاح، حديث:١٩٥٣، وأحمد:٢/ ١٣، ١٤، ٤٤، ٨٣، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٨٢، حديث:٤١٤٥، والحاكم:٢/ ١٩٢، وانظر علل الحديث لابن أبي حاتم:١/ ٤٠٠، الزهري عنعن، وللحديث شواهد ضعيفة.

سَلَمَةَ أَسْلَمَ، وَلَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ، فَأَسْلَمْنَ مَعَهُ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَتَخَيَّرَ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَأَعَلَّهُ الْبُخَارِيُّ وَأَبُو زُرْعَةَ وَأَبُو حَاتِمٍ.

کہ حضرت غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اس وقت اس کی دس بیویاں تھیں۔ ان سب نے غیلان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ تو نبی ﷺ نے غیلان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کا انتخاب کر لے (اور باقی سب کو چھوڑ دے۔) (اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ بخاری' ابوزرعہ اور ابوحاتم نے اسے معلول کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ اور ان محققین کی بحث سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:۸/۲۲۰، ۲۲۲ و ۹:/۶۹، وإرواء الغليل:۶/۲۹۱، ۲۹۶، رقم:۱۸۸۳، ۱۸۸۵) ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مسلمان کے لیے چار سے زائد بیویاں ایک ہی وقت میں رکھنا حرام ہے اور یہ حکم متعدد روایات میں منقول ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے حرم میں نو بیویاں تھیں تو یہ آپ ﷺ کے لیے خاص رعایت تھی کیونکہ اس میں بہت سی دینی اور سیاسی مصلحتیں تھیں۔ اور یہ رعایت خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دی تھی' اس لیے اس پر اعتراض کرنا سراسر حماقت ہے۔

وضاحت: [حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ] "غین" پر فتحہ اور "یا" ساکن ہے۔ ثقیف کے سرداروں میں سے تھے۔ فتح طائف کے بعد اسلام قبول کیا اور ہجرت نہیں کی۔ خوش الحان شاعر تھے۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں وفات پائی۔

(۸۶۱) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: رَدَّ النَّبِيُّ ﷺ اِبْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيعِ بَعْدَ سِتِّ سِنِينَ بِالنِّكَاحِ الْأَوَّلِ، وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ أَحْمَدُ وَالْحَاكِمُ.

[861] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد پہلے نکاح کی بنا پر ہی ابوالعاص کے پاس بھیج دیا' نیا نکاح نہیں کیا تھا۔ (اسے احمد نے اور سوائے نسائی کے چاروں نے کے روایت کیا ہے اور احمد اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: [وَلَمْ يُحْدِثْ نِكَاحًا] إِحْدَاث سے ماخوذ ہے' یعنی نیا اور جدید نکاح نہیں کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ

۸۶۱۔ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أبوداود، الطلاق، باب إلى متى ترد عليه امرأته إذا أسلم بعدها، حديث:۲۲۴۰، والترمذي، النكاح، حديث:۱۱۴۳، وابن ماجه، النكاح، حديث:۲۰۰۹، وأحمد:۱/۲۶۱، ۳۵۱، ۶/۳۶۶، والحاكم:۲/۲۰۰ وصححه، ووافقه الذهبي. ✽ داود بن الحصين ثقة ولكن قال ابن المديني: "ما روي عن عكرمة فمنكر" فالجرح مقدم ومفسر، وللحديث شواهد مرسلة.

نبی ﷺ نے اپنی بیٹی کو دو سال بعد واپس فرمایا۔ (سنن أبي داود' الطلاق' حدیث: ۲۲۴۰' وسنن ابن ماجه' النکاح' حدیث:۲۰۰۹) اور ایک روایت میں تین سال کا ذکر ہے۔ (فتح الباري:۹/۵۲۳) ان روایات کے مابین اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ چھ سال کی مدت سے مراد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت سے لے کر ابوالعاص کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے تک کا عرصہ ہے۔ اور دو سال یا تین سال سے مراد آیت ﴿لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ﴾ کے نازل ہونے سے لے کر ابوالعاص کے مسلمان ہو کر واپس آنے تک کا درمیانی عرصہ ہے۔ اور یہ عرصہ دو سال اور کچھ مہینے بنتا ہے۔ لیکن یہ تطبیق قابل تردید ہے کیونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے سن دو ہجری کے آخر میں یا سن تین ہجری کے آغاز میں ہجرت کی اور ان کی وفات ۸ ہجری کے شروع میں ہوئی۔ (سبل السلام) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہجرت اور ان کی وفات کے درمیان پانچ برس اور چند ماہ کا وقفہ بنتا ہے' لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ابوالعاص کا قبول اسلام اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ان کے پاس واپسی اسی مدت کے دوران میں ہوئی۔ ابن ہشام نے بیان کیا ہے کہ ابوالعاص نے فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے اسلام قبول کیا۔ انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ابوالعاص تاجروں کے اموال تجارت لے کر شام سے واپس آ رہے تھے' ان اموال میں مشرکین مکہ کی امانتیں بھی تھیں جنھیں مسلمانوں کے سریّہ نے چھین لیا تھا۔ ابوالعاص مدینہ میں رات کے وقت داخل ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں پناہ دی۔ مسلمانوں نے چھینے ہوئے مال ابوالعاص کو واپس کر دیے اور وہ مکہ واپس چلے گئے اور جن جن کی امانتیں تھیں انھیں واپس کر کے اسلام قبول کر لیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کر آئے' حالانکہ اس سارے قصے کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے بھی پہلے کا ہے نہ کہ فتح مکہ سے پہلے کا' کیونکہ اگر یہ واقعہ فتح مکہ سے پہلے کا تسلیم کیا جائے تو پھر یہ حدیبیہ کے عہد کو توڑنے کا سبب ہوگا' حالانکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے معاہدۂ حدیبیہ کو نہیں توڑا۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ۸ ہجری کے اوائل میں ہوئی اور یہ بات طے شدہ ہے کہ فتح مکہ ۸ ہجری کے آخر میں ہوئی ہے۔ اگر ابوالعاص کے قبول اسلام کا وقت فتح مکہ کے قریب تسلیم کیا جائے تو پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ابوالعاص کے ہاں واپسی کیسے ممکن ہو سکتی ہے جبکہ وہ اسی سال کے اوائل میں وفات پا چکی تھیں' چنانچہ صحیح وہی ہے جسے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ابوالعاص نے صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ (دیکھیے: زاد المعاد:۵/ ۱۳۶) جب یہ ثابت ہو چکا کہ ابوالعاص نے صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا ہے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی نکاح جدید سے واپسی کے کچھ معنی نہیں بنتے کیونکہ مشرکین پر مسلمان خواتین کو حرام قرار دینے کا حکم معاہدۂ حدیبیہ کے ختم ہونے کے بعد نازل ہوا ہے' لہٰذا اس مدت کے دوران میں نکاح فسخ نہیں ہوا کیونکہ اس کے بارے میں کوئی شرعی حکم ہی نہیں تھا۔ اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ صحیح ترین روایت یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی واپسی تین سال بعد ہوئی تھی' یعنی تین سال مکمل اور چند ماہ اس کے علاوہ۔ اس تحقیق اور تطبیق سے بہت سے اشکالات ازخود رفع ہو گئے' نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث معنی اور متن کے اعتبار سے اسی طرح صحیح ہے جس طرح یہ سند کے اعتبار سے صحیح ہے' اور عمرو بن شعیب کی آنے والی روایت معنی اور متن کے اعتبار سے اسی طرح ضعیف ہے جس طرح یہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ اور یہ حدیث اہل علم کے اس خیال و رائے کی تردید نہیں کرتی اور نہ اس کے معارض ہے کہ جب عورت اسلام قبول کر لے پھر اسی عدت

کے دوران میں اس کا شوہر بھی اسلام میں داخل ہو جائے تو وہی اپنی بیوی کا زیادہ مستحق ہے' لیکن جب عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر عدت کے دوران میں اسلام قبول نہ کرے اور عدت کی مدت بھی ختم ہو جائے تو دونوں میں جدائی واقع ہو جائے گی' اب اسے جدید نکاح کے ماسوا کسی صورت میں واپس نہیں کیا جائے گا۔ ہم یہاں ایک نہایت لطیف بحث ذکر کرتے ہیں جسے ابن قیم رحمہ اللہ نے اہل علم کی رائے کے رد میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ کسی حدیث میں عدت کا اعتبار مذکور نہیں اور نہ نبی ﷺ نے کسی خاتون سے دریافت فرمایا کہ کیا اس کی عدت ختم ہوئی ہے یا نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر محض اسلام فرقت اور علیحدگی کا باعث ہو تو پھر یہ علیحدگی رجعی نہیں بلکہ بائنہ ہوگی۔ اس صورت میں نکاح کو باقی رکھنے کے ساتھ عدت کا کوئی تعلق نہیں ہوگا بلکہ عدت کا تعلق آگے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کے ساتھ ہوگا۔ پس اگر اسلام نے ان دونوں کے درمیان مکمل علیحدگی کر دی ہے تو پھر شوہر عدت کے دوران میں اس عورت کا حق دار نہیں ہے۔ لیکن نبی ﷺ کا حکم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ نکاح موقوف ہے۔ اگر شوہر نے اس کی عدت کے اختتام سے پہلے اسلام قبول کر لیا تو یہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر عدت ختم ہوگئی تو پھر عورت خود مختار ہے' وہ جس سے چاہے نکاح کر لے۔ اور اگر اسے پہلے شوہر کا انتظار کرنا پسند ہو تو انتظار کر لے۔ پھر اگر اس مرد نے اسلام قبول کر لیا تو بغیر تجدید نکاح وہ اس کی بیوی رہے گی۔ ہمارے علم میں قطعاً ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس نے اسلام لانے کی وجہ سے تجدید نکاح کیا ہو' بلکہ دو ہی صورتیں ہیں: یا تو دونوں میں جدائی اور علیحدگی ہوگی اور اس خاتون کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہوگا۔ یا پھر دونوں کا نکاح برقرار رہے گا' خواہ عورت کے اسلام قبول کرنے میں تاخیر ہو یا مرد کے۔ رہی مکمل طور پر جدائی اور علیحدگی یا عدت کا لحاظ' تو ہمیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کا فیصلہ فرمایا ہو جبکہ آپ کے عہد مبارک میں بہت سے مردوں نے اور ان کی بیویوں نے اسلام قبول کیا۔ اور میاں بیوی میں سے کسی کا قبول اسلام جلدی تھا اور کسی کا بہت دیر سے بھی۔ (زاد المعاد: ۵/ ۱۳۷) علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ کلام انتہائی عمدہ اور مضبوط ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (فتح الباري' الطلاق' باب إذا أسلمت المشركة...... ' وإرواء الغليل: ۲/ ۳۳۹-۳۴۲' وصحيح سنن أبي داود (مفصل): ۷/ ۱۰' ۱۱)

وضاحت: [حضرت زینب رضی اللہ عنہا] بنتِ رسول اللہ ﷺ۔ یہ آپ ﷺ کی بیٹیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی والدہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان سے ان کے خالہ زاد ابو العاص بن ربیع نے نکاح کیا اور ایک بیٹا علی پیدا ہوا۔ وہ جب بلوغت کے قریب پہنچا تو فوت ہوگیا۔ فتح مکہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی پر سوار تھا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بطن سے امامہ رضی اللہ عنہا بھی پیدا ہوئیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بدر کے بعد ہجرت کی اور ۸ ہجری کو فوت ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے خود انھیں قبر میں اتارا۔

[حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ] ان کا نام مقسم (''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''قاف'' ساکن) بن ربیع بن عبد العزیٰ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام لقیط تھا۔ نبی ﷺ کے داماد تھے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ بدر کے روز حالت کفر میں قید کر لیے گئے' پھر فدیہ لیے بغیر انھیں رہا کر دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ زینب رضی اللہ عنہا کو ہمارے پاس بھیج دینا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ابو العاص نبی ﷺ کے عزیز اور محبوب تھے۔ جنگ یمامہ

میں شہید ہوئے۔

(٨٦٢) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ ابْنَتَهُ زَيْنَبَ عَلٰى أَبِي الْعَاصِ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ. قَالَ التِّرْمِذِيُّ: حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ أَجْوَدُ إِسْنَادًا، وَالْعَمَلُ عَلٰى حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ.

[862] حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت زینب ؓ کو ابوالعاص کے پاس جدید نکاح کے ساتھ واپس بھیجا۔ (ترمذی نے کہا ہے: ابن عباس ؓ سے مروی حدیث سند کے اعتبار سے عمدہ ترین ہے مگر عمل عمرو بن شعیب سے مروی حدیث پر ہے۔)

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ کا جو یہ قول ہے: ''عمل عمرو بن شعیب والی حدیث پر ہے۔'' تو اس سے مراد صرف اہل عراق کا عمل ہے نہ کہ تمام فقہاء و محدثین کا۔ اور بلاشبہ ان کا ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور قوی کو ترک کر دینا' ضعیف حدیث کو قوی نہیں کر سکتا بلکہ ان کا یہ طرز عمل خود ان کے عمل کے ضعف کا باعث ہے۔ (سبل السلام)

(٨٦٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: أَسْلَمَتِ امْرَأَةٌ، فَتَزَوَّجَتْ، فَجَاءَ زَوْجُهَا، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي كُنْتُ أَسْلَمْتُ، وَعَلِمَتْ بِإِسْلَامِي، فَانْتَزَعَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ زَوْجِهَا الْآخَرِ، وَرَدَّهَا إِلٰى زَوْجِهَا الْأَوَّلِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[863] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا' پھر نکاح بھی کر لیا۔ اتنے میں اس کا (پہلا) خاوند آ گیا اور اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اسے میرے قبول اسلام کا علم بھی تھا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے دوسرے شوہر سے جدا کر کے پہلے خاوند کے پاس واپس بھیج دیا۔ (اسے احمد' ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم مسئلہ یہی ہے کہ اختلاف دین کی وجہ سے جب میاں بیوی کے درمیان جدائی اور علیحدگی واقع ہو جائے کہ عورت اسلام قبول کر لے' پھر عورت کے ایام عدت میں مرد بھی مسلمان ہو جائے اور اس عورت کو مرد کے قبول اسلام کا علم بھی ہو گیا ہو تو ایسی صورت میں وہ دوسری جگہ نکاح کرنے کی قطعاً مجاز نہیں' اگر کرے گی تو نکاح باطل قرار دیا جائے گا۔

٨٦٢ ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، النكاح، باب ما جاء في الزوجين المشركين يسلم أحدهما، حديث: ١١٤٢ . * حجاج بن أرطاة ضعيف مدلس.

٨٦٣ ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب إذا أسلم أحد الزوجين، حديث: ٢٢٣٩، وابن ماجه، النكاح، حديث: ٢٠٠٨، وأحمد: ١/ ٣٦٤، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٨٢، حديث: ٤١٤٧، والحاكم: ٢/ ٢٠٠ وصححه، ووافقه الذهبي. * سماك عن عكرمة، سلسلة ضعيفة.

(٨٦٤) وَعَنْ زَيْدِ بْنِ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: تَزَوَّجَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْعَالِيَةَ مِنْ بَنِي غِفَارٍ، فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ، وَوَضَعَتْ ثِيَابَهَا، رَأَى بِكَشْحِهَا بَيَاضًا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «الْبَسِي ثِيَابَكِ، وَالْحَقِي بِأَهْلِكِ». وَأَمَرَ لَهَا بِالصَّدَاقِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَفِي إِسْنَادِهِ جَمِيلُ بْنُ يَزِيدَ، وَهُوَ مَجْهُولٌ، وَاخْتُلِفَ عَلَيْهِ فِي شَيْخِهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا.

[864] حضرت زید بن کعب بن عجرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے بنوغفار کی عالیہ نامی خاتون سے نکاح کیا۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس (خلوت میں) پہنچی اور اس نے اپنا لباس اتارا تو آپ نے اس کے پہلو میں (پھلبہری کی) سفیدی دیکھی۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اپنے کپڑے پہن لے اور اپنے میکے چلی جا۔'' اور آپ نے اسے مہر دینے کا حکم جاری فرمایا۔ (اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں جمیل بن زید ایسا راوی ہے جو مجہول ہے اور اس کے استاذ میں بہت اختلاف کیا گیا ہے۔)

لغوی تشریح: [غِفَار] ''غین'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''فا'' تشدید کے بغیر ہے۔ مشہور و معروف قبیلے کا نام ہے۔ [بِكَشْحِهَا] ''کاف'' پر فتحہ اور ''شین'' ساکن ہے۔ جسم کا وہ حصہ جو پہلو اور پسلی کے درمیان ہے۔ [بَيَاضًا] یعنی پھلبہری (برص) کی سفیدی۔ [اِلْحَقِي] لُحُوق سے امر کا صیغہ ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طلاق کنائے کے الفاظ میں بھی معتبر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے عالیہ کو اِلْحَقِي بِأَهْلِكِ کے الفاظ میں طلاق دی۔ گویا طلاق بالکنایہ شریعت میں قابل اعتبار ہے۔ ② یہ حدیث اس بات کی بھی دلیل ہے کہ برص وہ عیب ہے جس سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے۔ ③ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ چار عیوب ایسے ہیں جن کی وجہ سے عورتوں کو رد کیا جا سکتا ہے: جنون، جذام، برص، اندام نہانی کی بیماری یا آتشک وسوزاک وغیرہ جیسا کہ آئندہ حدیث: ٨٦٥ کے تحت آ رہا ہے۔ لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ جمہور علماء باعث نفرت بیماری کی بنا پر فسخ نکاح کے قائل ہیں مگر داود ظاہری اور ابن حزم وغیرہ کسی عیب کی وجہ سے فسخ نکاح کے سرے سے قائل ہی نہیں۔

راویٔ حدیث: [حضرت زید بن کعب بن عجرہ رحمہ اللہ] ایک قول کے مطابق یہ بنوسالم بن عوف سے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق بنوسالم بن بَلِـي خزرج کے حلیف قبیلے سے ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے سوا اور کسی طرف نسبت ہے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تلخیص المستدرک میں ابن معین کا قول نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ نہیں ہے، حالانکہ امام ابن معین رحمہ اللہ کا یہ قول جمیل بن زید کے بارے میں ہے۔

وضاحت: [حضرت عالیہ رضی اللہ عنہا] کہا گیا ہے کہ یہ بنوبکر بن کلاب سے تھیں اور یہی عالیہ بنت ظبیان ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کلابیہ، عالیہ کے سوا کوئی اور خاتون ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ نبی ﷺ عالیہ کے پاس ایک عرصہ ٹھہرے، پھر اسے طلاق دے دی۔

٨٦٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٤، وفيه علل أخرى مع العلة التي ذكرها المؤلف رحمه الله.

[جمیل بن زید] یہ جمیل بن زید طائی ہے۔ امام ابن معین اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ ثقہ نہیں۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں' نیز ائمہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

(٨٦٥) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أَيُّمَا رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، فَدَخَلَ بِهَا، فَوَجَدَهَا بَرْصَاءَ، أَوْ مَجْنُونَةً، أَوْ مَجْذُومَةً، فَلَهَا الصَّدَاقُ بِمَسِيسِهِ إِيَّاهَا، وَهُوَ لَهُ عَلٰى مَنْ غَرَّهُ مِنْهَا. أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ وَمَالِكٌ وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[865] حضرت سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے' پھر اس سے دخول کرے اور اسے برص یا دیوانی یا کوڑھ کے مرض میں مبتلا پائے تو اس (خاوند) کی اس سے صحبت کی بنا پر اس (عورت) کو حق مہر ملے گا۔ اور مہر خاوند کی طرف سے اس شخص کے ذمے ہوگا جس نے اسے عورت کے بارے میں دھوکا دیا۔ (اسے سعید بن منصور' مالک اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

وَرَوٰى سَعِيدٌ أَيْضًا عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ، وَزَادَ: وَبِهَا قَرْنٌ، فَزَوْجُهَا بِالْخِيَارِ، فَإِنْ مَسَّهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ فَرْجِهَا.

اور سعید (بن منصور) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس عورت کو مرض قرن ہو تو اس کا شوہر خود مختار ہوگا۔ اگر اس نے عورت سے مباشرت کی تو عورت کی شرم گاہ کو حلال کرنے کے بدلے میں اسے مہر دینا ہوگا۔

لغوی تشریح: [بَرْصَاءَ] مرض برص میں مبتلا عورت۔ [مَجْذُومَةً] مرض جذام میں مبتلا عورت۔ یہ اذیت رساں مرض' فساد خون کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے اعضائے بدن بالخصوص ہاتھوں اور پاؤں سے گوشت جھڑ جاتا ہے۔ [فَلَهَا الصَّدَاقُ] صداق کے ''صاد'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ اس کے معنی ''مہر'' کے ہیں۔ [بِمَسِيسِهِ إِيَّاهَا] یعنی عورت کے ساتھ مرد کی مباشرت و مجامعت کی وجہ سے۔ [وَهُوَ لَهُ] یعنی مہر خاوند کی طرف سے۔ [عَلٰى مَنْ غَرَّهُ] اس شخص کے ذمے ہے جس نے اسے دھوکا دیا۔ [مِنْهَا] اس عورت کے اس معاملے میں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خاوند اس آدمی سے مہر کی رقم وغیرہ وصول کرے گا جس نے اس عورت کے بارے میں اسے نکاح کی ترغیب دلا کر دھوکا دیا اور اس کا عیب مخفی رکھا اور اسے بیان نہیں کیا۔ [قَرْنٌ] ''قاف'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے۔ عَفْلَة کو کہتے ہیں۔ لیث نے کہا ہے کہ عفلہ اس چیز کو کہتے ہیں جو عورتوں کی اندام نہانی اور اونٹنی کی شرم گاہ میں نکل آتی ہے۔ یہ چیز مردوں کے خصیوں میں پیدا ہونے والے ورم کے مشابہ ہوتی ہے۔ ابن الاعرابی کا قول ہے کہ عفل' عورت کی اندام نہانی میں ابھر آنے والے گوشت کو کہتے ہیں اور یہی قرن ہے۔ اور ابن درید نے کہا ہے کہ عفل وہ سخت سا گوشت ہوتا ہے جو مردوں کی دبر میں اور عورتوں کے رحم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ابوعمرو شیبانی نے کہا ہے کہ عفل ایک گول چیز ہے جو عورت کی شرم گاہ

٨٦٥ـ[حسن] أخرجه مالك في الموطأ: ٢/ ٥٢٦، وابن أبي شيبة: ٤/ ١٧٥، وسعيد بن منصور.

میں نکل آتی ہے۔ اور انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ باکرہ (کنواری) عورتوں میں نہیں ہوتی بلکہ یہ عورتوں میں بچہ جننے کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: لسان العرب وغیرہ۔

فوائد و مسائل: ① اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر عورت دیوانی ہو یا جذام اور کوڑھ کے موذی مرض میں مبتلا ہو یا اسے پھلبہری ہو یا کسی اور دائمی مرض کا شکار ہو اور اس کا ولی و سرپرست اس کا عیب ظاہر کیے بغیر کسی مرد سے اس کا نکاح کر دے تو اس مرد کو نکاح فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی عورت کا نکاح کسی ایسے مرد سے کر دیا جائے جو کسی موذی مرض کا شکار ہو یا اس میں کوئی دوسرا خطرناک عیب ہو تو عورت بھی اس کا استحقاق رکھتی ہے کہ نکاح فسخ کر دے۔ ② اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مرد اگر دھوکا دہی کے ذریعے سے نکاح میں دی گئی عورت نہ رکھنا چاہے تو اس پر ادائیگی مہر ناحق بوجھ ہے اور اگر عورت کو مہر نہ ملے تو اس کی حق تلفی ہے۔ اسی بنا پر حق مہر کی ادائیگی کا بوجھ اس شخص پر ڈالا جائے گا جس نے مرد کو اس عورت سے نکاح کرنے پر اکسایا اور عورت کے عیوب کا علم ہونے کے باوجود مرد کو مطلع نہ کیا' کیونکہ اس نے دیدہ و دانستہ دھوکا دیا ہے۔

(٨٦٦) وَمِنْ طَرِيقِ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ أَيْضًا قَالَ: قَضٰى بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِي الْعِنِّينِ أَنْ يُؤَجَّلَ سَنَةً. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[866] حضرت سعید بن مسیّب ہی کے واسطے سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نامرد آدمی کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ اسے ایک سال کی مہلت دی جائے۔ (اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [فِي الْعِنِّينِ] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''نون'' پر تشدید ہے۔ سِکّین کے وزن پر۔ اس آدمی کو کہتے ہیں جو قوت مردمی نہ ہونے کی وجہ سے عورت کے پاس جانے کی طاقت نہ رکھتا ہو اور مباشرت و مجامعت نہ کر سکتا ہو۔ [يُؤَجَّلَ] تأجیل سے صیغۂ مجہول ہے اور تأجیل کے معنی ڈھیل دینا' مہلت دینا اور مؤخر کرنا ہیں۔

فائدہ: یہ اثر اور زید بن کعب بن عجرہ کی حدیث اگرچہ سنداً ضعیف ہیں، تاہم ہر وہ عیب و نقص جو میاں بیوی کے درمیان نفرت کا موجب ہو اور اس سے نکاح کا مقصد بھی حاصل نہ ہو' یعنی آپس میں محبت و الفت پیدا نہ ہو یا وہ عیب و نقص وظیفۂ زوجیت میں دخل انداز ہو تو ایسا نقص اختیار کا موجب و باعث اور فسخ نکاح کا سبب بن جاتا ہے جیسا کہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے اور جمہور کا بھی یہی موقف ہے۔

٢ - بَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ

باب: 2-عورتوں کے ساتھ رہن سہن کا بیان

(٨٦٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[867] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول

٨٦٦ـ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن أبي شيبة: ٤/ ٢٠٦، حديث: ١٦٤٩٦ فيه سعيد بن أبي عروبة وقتادة مدلسان وعنعنا.

٨٦٧ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في جامع النكاح، حديث: ٢١٦٢، والنسائي في الكبرٰى: ٥/ ٣٢٣، حديث: ٩٠١٥، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٢٣.

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لٰكِنْ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص عورت سے اس کی دبر میں جماع کرے وہ لعنتی ہے۔'' (اس حدیث کو ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ نسائی کے ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس حدیث کو مرسل ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''شین'' ساکن ہے' یعنی رہن سہن' میل جول اور باہمی رفاقت۔ اسی سے ''معاشرہ'' ہے' یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہنا۔ [لٰكِنْ أُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ] أُعِلَّ صیغۂ مجہول ہے۔ یاد رہے! مرسل ہونے کی یہ علت اس اعتبار سے دور ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث متعدد طرق سے متعدد صحابۂ کرام ؓ سے مروی ہے اور اس کے مفہوم کی شریعت کے اصول و فروع سے تائید ہوتی ہے۔

(٨٦٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلٰى رَجُلٍ أَتٰى رَجُلًا، أَوِ امْرَأَةً فِي دُبُرِهَا». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ، وَأُعِلَّ بِالْوَقْفِ.

[868] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا جس نے کسی مرد سے لواطت کی یا عورت سے اس کی دبر میں مباشرت کی۔'' (اسے ترمذی' نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور اسے موقوف ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَتٰى رَجُلًا] یعنی قوم لوط کا عمل کیا۔ [أُعِلَّ بِالْوَقْفِ] اسے موقوف ہونے کی بنا پر معلول کہا گیا ہے۔ مگر سبل السلام میں ہے کہ چونکہ اس مسئلے میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں خصوصاً جبکہ اس میں وعید کا ذکر بھی ہے اور وعید کا علم اجتہاد پر موقوف نہیں ہے' اس لیے یہ اثر حکماً مرفوع ہے۔

(٨٦٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ، وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ مِنَ الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ

[869] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے' وہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کو نہ ستائے۔ اور عورتوں کے بارے میں بھلائی کی وصیت قبول کرو' بے شک وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ اور پسلی کا سب

٨٦٨ ـ [حسن] أخرجه الترمذي، الرضاع، باب ما جاء في كراهية إتيان النساء في أدبارهن، حديث: ١١٦٥، وقال: "حسن غريب" والنسائي في الكبرى: ٥/ ٣٢٠، ٣٢١، حديث: ٩٠٠١، ٩٠٠٢، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ٢٠٢، حديث: ٤١٩١ب.

٨٦٩ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الوصاة بالنساء، حديث: ٥١٨٥، ٥١٨٦، ومسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: ١٤٦٨.

تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِمُسْلِمٍ: «فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا، وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا».

سے ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہوتا ہے' لہٰذا اگر تو اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا تو اسے توڑ بیٹھے گا۔ اور اگر اسے (اس کے حال پر) چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھا ہی رہے گا' چنانچہ عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔'' (بخاری و مسلم' یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔) اور مسلم کی روایت میں ہے: ''اگر تو اس عورت سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے ٹیڑھ پن کے ہوتے ہوئے ہی اس سے فائدہ اٹھا سکے گا اور اگر تو نے اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی تو اسے توڑ بیٹھے گا اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینا ہے۔''

لغوی تشریح: [اِسْتَوْصُوا ......] ان عورتوں کے حق میں مجھ سے بھلائی کی وصیت قبول کرو۔ [ضِلَع] ''ضاد'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''لام'' پر فتحہ بھی جائز ہے اور اسے ساکن رکھنا بھی درست ہے۔ گویا یہ عِنَبٌ اور جِذْعٌ کے وزن پر ہے۔ اور [ضِلَع] پہلو میں واقع ہڈی' یعنی پسلی کو کہتے ہیں جو خم دار اور ٹیڑھی ہوتی ہے۔ [أَعْوَجَ شَيْءٍ] زیادہ خم دار اور ٹیڑھا حصہ۔ [أَعْلَاهُ] اس کا بالائی حصہ' یعنی پسلی کی وہ ہڈی جو ہنسلی کی ہڈی سے متصل ہوتی ہے۔ اور یہ گول نصف دائرے کی شکل میں ہوتی ہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ عورتوں کی تخلیق میں بنیادی طور پر ہی ٹیڑھ ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کی اصل حضرت حوا ہیں جن کے بارے میں مشہور ہے کہ انھیں حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ عورتوں کی سرشت و جبلت میں ٹیڑھ رکھ دیا گیا ہے' لہٰذا کوئی بھی ان کی فطری و جبلی عادت کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ [تُقِيمُهُ] تو اسے سیدھا کرنا چاہے گا۔

فائدہ: اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور حسن سلوک کا حکم ہے اور ان کی چھوٹی موٹی خامیوں اور کوتاہیوں پر چشم پوشی اور درگزر کرنے کی تلقین ہے اور ان کی کمزوریوں اور ناروا حرکتوں کو برداشت کرنے کی تاکید ہے کیونکہ یہ ان کی طبیعت میں شامل ہے۔

(٨٧٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي غَزَاةٍ، فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ، فَقَالَ ﷺ: «أَمْهِلُوا حَتّٰى تَدْخُلُوا لَيْلًا، يَعْنِي عِشَاءً، لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ، وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيبَةُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[870] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوے میں ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم مدینے واپس پہنچ کر اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو آپ نے فرمایا: ''ذرا ٹھہر جاؤ۔ رات' یعنی عشاء کے وقت گھروں میں داخل ہونا تاکہ پراگندہ بالوں والی کنگھی (وغیرہ) کر لے

٨٧٠ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب تزويج الثيبات، حديث: ٥٠٧٩، ومسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح البكر، حديث: ٧١٥، بعد حديث: ١٤٦٦/ ٥٧.

اور جس کا خاوند گھر سے غائب تھا' وہ اپنی صفائی کر لے۔"

(بخاری ومسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ: «إِذَا أَطَالَ أَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ، فَلَا يَطْرُقْ أَهْلَهُ لَيْلًا».

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: "جب تم میں سے کوئی لمبی مدت کے بعد واپس آئے تو اچانک رات کے وقت اپنے اہل کے پاس نہ جائے۔"

لغوی تشریح: [أَمْهِلُوا] ٹھہرو۔ [تَمْتَشِطَ] سر کے بالوں میں کنگھی وغیرہ کر کے انھیں درست کر لے اور انھیں سنوار لے۔ "امتشاط" کے معنی کنگھی استعمال کر کے بالوں کی اصلاح اور درستی کرنا ہیں اور مُشط بالوں کو درست اور ٹھیک کرنے والے دندان دار آلے کو کہتے ہیں، یعنی کنگھی یا کنگھا وغیرہ۔ [اَلشَّعِثَةُ] "شین" پر فتحہ اور "عین" کے نیچے کسرہ ہے۔ ایسی عورت جس کے سر کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں اور ان میں کنگھی وغیرہ نہ کی گئی ہو۔ [تَسْتَحِدَّ] اِسْتِحْدَاد سے ماخوذ ہے۔ لوہے کا آلہ یعنی استرا وغیرہ استعمال کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ زیر ناف بال صاف کر لے۔ [اَلْمُغِيبَةُ] جس عورت کا شوہر گھر پر نہ ہو، سفر پر ہو۔ [فَلَا يَطْرُقْ] طروق سے نہی کا صیغہ ہے اور باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے، یعنی رات کے اوقات میں بغیر اطلاع کے اچانک سفر سے آنا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اس شخص کو، جو بہت دیر کے بعد گھر واپس لوٹا ہو، حکم ہے کہ وہ اچانک گھر آنے کی بجائے اپنی رہائش سے قریب کسی جگہ پر کچھ دیر ٹھہرے اور انتظار کرے اور اپنی آمد کی اطلاع اہل خانہ کو کرے تاکہ اس کی بیوی اپنی زیب وآرائش کر لے، اس لیے کہ جن عورتوں کے شوہر سفر پر یا باہر کسی علاقے میں ہوتے ہیں، وہ عموماً پراگندہ اور غیر مناسب حالت میں ہوتی ہیں۔ ممکن ہے کہ شوہر جب ایسی پراگندہ حالت میں اسے دیکھے تو اس سے نفرت پیدا ہو جائے۔ ② دور جدید میں ڈاک اور ٹیلیفون کے ذریعے سے پیشگی اطلاع دی جا سکتی ہے۔ یہ اطلاع مقصد پورا کر دیتی ہے، لہٰذا اب گھر کے قریب پہنچ کر ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔

(٨٧١) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[871] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سے بدترین حیثیت کا حامل وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی سے خلوت کرتا ہے اور وہ (بیوی) اس سے خلوت کرتی ہے، پھر وہ اس کا بھید ظاہر کرتا پھرتا ہے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

لغوی تشریح: [يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ] اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے۔ [ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا] رات کی تنہائی کی باتیں اور

٨٧١ـ أخرجه مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، حديث: ١٤٣٧.

باہمی پوشیدہ اعمال لوگوں میں بیان کرتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی کی تنہائی کے لمحات میں ہونے والی باہمی گفتگو اور تعلقات زن وشو کو دوست احباب کے سامنے بیان کرنا سخت گناہ ہے۔

(٨٧٢) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! مَا حَقُّ زَوْجِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «**تُطْعِمُهَا إِذَا أَكَلْتَ، وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجه، وَعَلَّقَ الْبُخَارِيُّ بَعْضَهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[872] حضرت حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے بیان کیا ہے' وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: ''(وہ حق یہ ہے کہ) جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ اور جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ۔ نہ چہرے پر مارو نہ گالی گلوچ دو' اور (ناراضی کی صورت میں) گھر ہی میں (اس سے) علیحدگی اختیار کیے رکھو۔'' (اسے احمد' ابوداود' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور بخاری نے اس روایت کا بعض حصہ تعلیقاً بیان کیا ہے۔ اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [زَوْجِ أَحَدِنَا] زوج بغیر ''تا'' کے مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے اور ''تا'' کے ساتھ صرف مؤنث کے لیے مخصوص ہے۔ [تَكْسُوهَا] تم اسے پہننے کے لیے لباس دو۔ [وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ] چہرے پر نہ مارو کیونکہ چہرہ اعضائے انسانی میں سب سے معزز اور قابل تکریم وتشریف ہے اور نازک اجزاء پر مشتمل ہے۔ [وَلَا تُقَبِّحْ] تَقْبِيح سے نہی کا صیغہ ہے' یعنی بیوی کو نہ تو برا بول بولو اور نہ اسے گالی گلوچ دو اور نہ اس سے ایسے کلمات کہو کہ اللہ تیرا برا کرے وغیرہ۔ [لَا تَهْجُرْ] باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے۔ معنی یہ ہیں کہ نہ اسے چھوڑ اور نہ اس سے دور ہو۔ [إِلَّا فِي الْبَيْتِ] سوائے گھر کے' یعنی جب عورت سے اظہار ناراضی کرنا ہو تو اس کے لیے نہ خود گھر سے نکل کر دوسرے کسی مکان میں منتقل ہو اور نہ عورت کو گھر سے نکال بلکہ اس کی بجائے گھر ہی میں اس سے قطع تعلق اور قطع کلامی کر لے اور مخصوص تعلق بھی منقطع کر لے اور عورت کی طرف پشت کر کے سو جا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ یہ طریقہ ڈانٹ ڈپٹ اور زجر وتوبیخ کے لیے نہایت اثر انگیز' نیز درستی اور اصلاح کے لیے بڑا زوداثر اور شیطانی فریب کاری اور بہکاوے سے محفوظ رہنے کے لیے مفید تر ہے۔ [وَعَلَّقَ الْبُخَارِيُّ بَعْضَهُ] امام بخاری نے اس روایت کا بعض حصہ تعلیقاً بیان کیا ہے۔ اور نبی ﷺ کے واقعۂ ایلا سے استدلال کیا ہے کہ بیویوں کو ان کے گھروں میں چھوڑ کر دوسرے مکان میں رہنا جائز ہے' حالانکہ یہ دونوں امر ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا اپنا موقع محل ہے۔

٨٧٢ ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: ٢١٤٢، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٥٠، والنسائي في الكبرى: ٥/ ٣٧٣، حديث: ٩١٧١، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٨٨، حديث: ٤١٦٣، والحاكم: ٢/ ١٨٨، والبخاري تعليقًا بعضه قبل حديث: ٥٢٠٢.

(٨٧٣) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَتِ الْيَهُودُ تَقُولُ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ أَحْوَلَ. فَنَزَلَتْ: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ الْآيَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[873] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ جب مرد اپنی بیوی سے پچھلی جانب سے قُبُل میں مجامعت و مباشرت کرتا ہے تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ﴾ ''عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، لہٰذا اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو، آؤ۔'' (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [مِنْ دُبُرِهَا فِي قُبُلِهَا] خاوند اپنی بیوی کے پیچھے سے اس کی فرج میں مجامعت کرے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عورت کی دبر میں جماع کرے۔ یہ تو قطعی طور پر حرام ہے۔ [أَحْوَلَ] بھینگا۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ یا دونوں آنکھوں کے ڈھیلے اصل جگہ سے دائیں بائیں ہٹے ہوئے ہوں۔ [أَنّٰى شِئْتُمْ] أَنّٰى، كَيْفَ کے معنی میں ہے، یعنی اپنی بیوی سے جماع کسی بھی حالت و صورت میں کر سکتے ہو۔ کھڑے کھڑے، بیٹھ کر، لیٹ کر، آگے سے، پیچھے سے خواہ کوئی ہیئت ہو۔ وہ عورت تمھارے سپرد ہے اور تمھارے لیے مباح و حلال ہے۔ جس طرح چاہو، اس سے صحبت کرو۔ اس سے تمھارے لیے کسی قسم کا نقصان اور ضرر مترتب نہیں ہوتا، البتہ مقام کھیتی کے سوا دوسرے مقام میں جانے سے بچنا اور پرہیز کرنا لازمی ہے، لہٰذا عورتوں کی دبر میں جماع کسی صورت میں حلال نہیں ہے کیونکہ کھیتی تو قُبُل ہے دبر نہیں۔ اور پھر جس طرح کھیتی سے مطلوب اس کی پیداوار ہوتی ہے اسی طرح عورتوں سے مطلوب حصول اولاد ہوتا ہے اور اس کا مقام صرف قُبُل ہے، لہٰذا عورتوں کی کھیتی سے مقصود ان کی قُبُل ہی ہے۔

(٨٧٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ أَبَدًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[874] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت یہ دعا پڑھے: [بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ، وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا] ''اللہ کے نام کے ساتھ (میں یہ کام کرتا ہوں)، الٰہی! ہمیں شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس سے بھی دور رکھ جو تو ہمیں عطا فرمائے۔'' تو حقیقت یہ ہے کہ اگر اس (مجامعت) سے ان کے مقدر میں اولاد ہوگی تو شیطان اسے کبھی ضرر نہ

٨٧٣ ـ أخرجه البخاري، التفسير، باب نساءكم حرث لكم ......، حديث: ٤٥٢٨، ومسلم، النكاح، باب جواز جماعه امرأته في قبلها ......، حديث: ١٤٣٥.

٨٧٤ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب ما يقول الرجل إذا أتى أهله، حديث: ٥١٦٥، ٧٣٩٦، ومسلم، النكاح، باب ما يستحب أن يقوله عند الجماع، حديث: ١٤٣٤.

پہنچا سکے گا۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ] یہاں کلمۂ لَوْ تمنی کے لیے ہے' نیز ابن صائغ اور ابن ہشام کے مختار مذہب کے مطابق یہ جواب کا محتاج نہیں ہوتا۔ اور اسے شرطیہ قرار دینا بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اس کا جواب محذوف ہوگا۔ اور محذوف جواب کی مقدر عبارت لَسَلِمَ مِنَ الشَّيْطَانِ ...... الخ ہو گی۔ [جَنِّبْنَا] ہمیں محفوظ رکھ اور دور رکھ۔ [مَا رَزَقْتَنَا] اس وقت جو اولاد تو عطا فرمائے۔ [إِنْ يُّقَدَّرْ] تقدیر سے صیغۂ مجہول ہے۔ [لَمْ يَضُرَّهُ الشَّيْطَانُ] اس پر شیطانی تسلط نہیں ہو سکے گا اور نہ شیطان اسے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کر کے کفر کی جانب کھینچ لے جائے گا۔ اس سے ہر قسم کے ضرر و نقصان کی نفی مراد نہیں ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مباشرت کے وقت انسان کے ازلی و ابدی دشمن سے بچنے اور محفوظ رہنے کی دعا کا ذکر ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ شیطان صرف ذکر الٰہی کے وقت انسان سے جدا اور الگ ہوتا ہے' بصورت دیگر وہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے اور کسی حالت میں بھی آدمی سے جدا اور الگ نہیں ہوتا۔

(٨٧٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلَى فِرَاشِهِ، فَأَبَتْ أَنْ تَجِيءَ، فَبَاتَ غَضْبَانَ، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ. وَلِمُسْلِمٍ: «كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا، حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا».

[875] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب مرد اپنی بیوی کو (جنسی خواہش کے لیے) اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کر دے اور وہ (خاوند) ناراض ہو کر رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔'' (بخاری ومسلم' یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔) اور مسلم میں ہے: ''جو آسمان میں ہے وہ اس پر ناراض رہتا ہے جب تک کہ وہ (خاوند) اس سے خوش نہ ہو جائے۔''

لغوی تشریح: [إِلٰى فِرَاشِهِ] اپنے بستر پر جنسی خواہش کے لیے بلائے۔ [فَأَبَتْ] وہ انکار کر دے اور بستر پر جانے سے رک جائے۔ [غَضْبَانَ] بَاتَ سے حال واقع ہو رہا ہے' یعنی وہ ناراضی اور غصے کی حالت میں رات بسر کرے۔ [سَاخِطًا] ناراض اور غضبناک۔ [حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا] تاوقتیکہ شوہر بیوی سے خوش اور راضی ہو جائے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے خاوند کی جنسی خواہش پوری کرنے سے بیوی کا (بلاوجہ) انکار کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ ② یہ مرد کا عورت پر ایسا حق ہے جسے پورا کرنا عورت پر لازم ہے۔ لیکن مرد کے لیے بھی عورت کی صحت اور طبیعت کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

٨٧٥ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حديث: ٥١٩٣، ٣٢٣٧، ومسلم، النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها، حديث: ١٤٣٦.

(٨٧٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمُسْتَوْصِلَةَ، وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[876] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (سر میں) بال جوڑنے اور جڑوانے والی پر لعنت کی ہے اور گودنے اور گدوانے والی پر بھی۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [اَلْوَاصِلَة] بالوں کے ساتھ بال جوڑنے والی' خواہ اپنے لیے ایسا کرے یا کسی دوسری عورت کے لیے۔ [اَلْمُسْتَوْصِلَة] وہ خاتون جو اپنے سر کے بالوں میں دوسرے بالوں کو جڑوانے اور لگانے کی طلبگار ہو۔ [اَلْوَاشِمَة] وشم سے فاعل کا صیغہ ہے۔ وشم کہتے ہیں: جسم کے کسی حصے میں سوئی چبھو کر سوراخ کرنا اور پھر اس سوراخ میں سرمہ' پاؤڈر یا نیل بھر کر اس جگہ کو رنگ دینا جس سے اس مقام پر نشانات اور لکیریں نمایاں نظر آئیں۔ [اَلْمُسْتَوْشِمَة] یعنی وہ عورت جو اس طرح کا کام اپنے جسم پر کروائے۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ یہ امور حرام ہیں۔ رہا یہ کہ عورت اپنے بالوں کے ساتھ حیوانی بال (اون)' دھاگہ اور کپڑے کے ٹکڑے (بطور پراندہ) باندھ سکتی ہے یا نہیں تو محققین نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ خصوصاً جب ان چیزوں کا رنگ بالوں کے رنگ سے ملتا ہی نہ ہو' تب تو ان کے جواز کے بارے میں کسی کو اختلاف ہی نہیں۔

(٨٧٧) وَعَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: حَضَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي أُنَاسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: «لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيلَةِ، فَنَظَرْتُ فِي الرُّومِ وَفَارِسَ، فَإِذَا هُمْ يُغِيلُونَ أَوْلَادَهُمْ، فَلَا يَضُرُّ ذٰلِكَ أَوْلَادَهُمْ شَيْئًا». ثُمَّ سَأَلُوهُ عَنِ الْعَزْلِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[877] حضرت جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھی۔ آپ فرما رہے تھے: ''میں نے غیلہ (مدت رضاعت میں عورت سے جماع کرنے) سے منع کرنے کا ارادہ کیا تو فوراً میری نظر روم و فارس پر پڑی کہ وہ اپنی اولاد کی مدت رضاعت میں ان کی ماؤں سے جماع کرتے ہیں اور یہ ان کی اولاد کو کچھ ضرر بھی نہیں دیتا۔'' پھر ان لوگوں نے عزل کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [هَمَمْتُ] میں نے ارادہ کیا۔ [اَلْغِيلَة] ''غین'' کے نیچے کسرہ ہے۔ خاوند کا بیوی سے بچے کو دودھ پلانے کے ایام میں مباشرت و مجامعت کرنا۔ اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ غیلہ بچے کے لیے ضرر کا سبب ہے اور اس کے اعصاب کی کمزوری کا باعث ہے اور یہ ضرر انسان کے ساتھ زندگی بھر رہتا ہے۔ اور اسی اعصابی کمزوری کے نتیجے میں بسا

٨٧٦ـ أخرجه البخاري، اللباس، باب الموصولة، حديث: ٥٩٤٠، ومسلم، اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة، حديث: ٢١٢٤.

٨٧٧ـ أخرجه مسلم، النكاح، باب جواز الغيلة، وهي وطء المرضع، وكراهة العزل، حديث: ١٤٤٢.

اوقات انسان گھوڑے سے نیچے گر پڑتا ہے اور گھوڑے کی پشت پر قائم نہیں رہ سکتا' اس لیے کہ غیلہ کے بعد عورت کا دودھ پتلا ہو جاتا ہے اور اس میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اس حدیث میں اہل فارس و روم کے تجربات کی روشنی میں عرب کے اسی عقیدے کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ [اَلْعَزْلِ] ''عین'' پر فتحہ اور ''زا'' ساکن ہے۔ عزل یہ ہے کہ مرد عورت سے جماع کرے' جب انزال کے قریب ہو تو عضو مخصوص کو عورت کی شرم گاہ سے نکال کر باہر انزال کرے۔ [ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ] اَلْوَأْدُ میں ''ہمزہ'' ساکن ہے۔ اس کے معنی ہیں: لڑکی کو زندہ درگور کرنا' یعنی عزل حقیقتاً تو زندہ درگور کرنا نہیں لیکن اس کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں بھی حمل کو روکنے اور ضائع کرنے کی کوشش ہوتی ہے اور اس نطفے کو تلف کرنے کی سعی ہوتی ہے جس کے جاندار نفس بننے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ عزل میں حقیقی زندگی کو ختم کرنا نہیں' اس لیے یہ حقیقی وَأْد (زندہ درگور کرنا) نہیں ہے' لہٰذا حدیث میں اس کی حرمت کی دلیل نہیں ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت جُدامہ ﷞] ''جیم'' پر ضمہ ہے اور ''جیم'' کے بعد ''دال'' ہے۔ تقریب میں ہے کہ ''جدامہ بنت وہب'' کے بارے میں یہ بھی قول ہے کہ وہ جدامہ بنت جندل ہیں۔ اسد قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے اسدیہ کہلائیں۔ عکاشہ بن محصن کی ماں جائی بہن تھیں۔ مشہور صحابیہ ہیں۔ سابقین میں سے ہیں۔ ہجرت کے شرف سے بھی مشرف ہوئیں۔ امام دارقطنی ﷫ نے کہا ہے کہ جس نے اسے ذال کے ساتھ (جذامہ) پڑھا ہے اس نے غلطی کی ہے۔ (تقریب التھذیب) مکہ میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں۔ اپنی قوم کو چھوڑ دیا۔ انیس بن قتادہ ﷜ کی زوجیت میں تھیں۔

(٨٧٨) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ لِي جَارِيَةً، وَأَنَا أَعْزِلُ عَنْهَا، وَأَنَا أَكْرَهُ أَنْ تَحْمِلَ، وَأَنَا أُرِيدُ مَا يُرِيدُ الرِّجَالُ، وَإِنَّ الْيَهُودَ تُحَدِّثُ أَنَّ الْعَزْلَ الْمَوْءُودَةُ الصُّغْرٰى. قَالَ: «**كَذَبَتِ الْيَهُودُ، لَوْ أَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَخْلُقَهُ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَصْرِفَهُ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَالنَّسَائِيُّ وَالطَّحَاوِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[878] حضرت ابوسعید خدری ﷜ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک لونڈی ہے۔ میں اس سے عزل کرتا ہوں اور اس کا حاملہ ہونا مجھے پسند نہیں' اور میں وہی کچھ چاہتا ہوں جو مرد چاہتے ہیں۔ یہودی کہتے ہیں کہ عزل چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''یہود غلط کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہے تو تو اسے ٹال نہیں سکتا۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے' اور یہ الفاظ ابوداود کے ہیں۔ اور نسائی اور طحاوی نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [اَلْمَوْءُ وْدَةُ الصُّغْرٰى] چھوٹا زندہ درگور کرنا' اس لیے کہ یہ ایک جان کو ضائع کرنا اور اسے تلف کرنا ہے اگرچہ ابھی وہ وجود سے بہت دور ہے۔ [كَذَبَتِ الْيَهُودُ] یہود نے غلط اور جھوٹ کہا ہے۔

فائدہ: علامہ ابن قیم ﷫ نے کہا ہے: جس چیز میں نبی ﷺ نے یہود کو جھوٹا قرار دیا ہے وہ ان کا یہ خیال ہے کہ عزل کی

٨٧٨ ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، النكاح، باب ما جاء في العزل، حديث: ٢١٧١، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٣٢٩، وأحمد: ٣/ ٣٣، والطحاوي في مشكل الآثار: ٢/ ٣٧٢، وحديث البيهقي: (٧/ ٢٣٠) يغني عنه.

صورت میں حمل کا تصور ہی نہیں اور انھوں نے اسے' زندہ درگور کرنے کے ذریعے سے نسل کو قطع کرنے کے مقام پر رکھا ہے۔ مگر میں ان کے اس نظریے اور خیال کی تکذیب کرتا ہوں اور خبر دیتا ہوں کہ عزل حمل کو ہرگز نہیں روک سکتا جب اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنا چاہے۔ اور جب اس کا ارادہ ہی تخلیق کا نہ ہو تو پھر وہ حقیقت میں زندہ درگور کرنا ہی نہیں۔ حدیث جدامہ میں بھی اسے خفیہ زندہ درگور کرنے کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ مرد حمل سے فرار کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عزل کرتا ہے۔ اسی بنا پر اس کے ارادے اور قصد کو زندہ درگور کرنے کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان دونوں میں فرق ہے کہ زندہ درگور تو براہ راست ایک ظاہر عمل ہے اور اس میں قصد اور فعل دونوں جمع ہوتے ہیں مگر عزل کا تعلق صرف قصد و ارادے سے ہے، اسی وجہ سے اسے وأد خفی کہا گیا ہے۔ اس سے دونوں احادیث میں تطبیق بھی ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جدامہ کی حدیث عزل کی تحریم پر دلالت نہیں کرتی' اس میں صرف کراہت و ناپسندیدگی کا اظہار ہے کیونکہ اس میں تقدیر کا مقابلہ ہوتا ہے اور عزل کرنے والا اپنی تدبیر کے ذریعے سے تقدیر کو رد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دور جدید کے جو ڈاکٹر رگ کاٹ کر قوت تولید کو قطع کر دیتے ہیں تاکہ نسل کو محدود کر دیا جائے گو قوت جماع باقی رہنے دیتے ہیں' تو اسے عزل پر قطعاً قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان دونوں کے درمیان بہت فرق ہے۔ عزل تو وقتی اور ظنی سبب ہے بلکہ منع حمل کے لیے درحقیقت یہ سبب ہے ہی نہیں۔ اس کے باوجود عازل خود مختار ہے اگر چاہے تو یہ فعل کرے اور چاہے اسے ترک کرے۔ اور جہاں تک رگ تولید کو کاٹ دینے کا تعلق ہے تو وہ ایسا سبب ہے جو قطعی اور دائمی ہے۔ اس رگ کے کٹ جانے کے بعد مرد کا اختیار باقی نہیں رہتا' نیز اس میں اللہ کی تخلیق کو بدل دینا' جسمانی نظام کو تبدیل کر دینا اور بعض قوتوں کے عمل کو بے کار کر دینا ہے۔ اور رگ تولید کو کاٹنے کا یہ عمل کینسر جیسے مہلک مرض میں مبتلا کر دینے کا سبب بن جاتا ہے جو کہ کٹی ہوئی رگ کی جگہ' دل اور پھیپھڑے وغیرہ تک سرایت کر جاتا ہے۔ ہر باخبر آدمی اس کے برے نتائج اور اثرات کو خوب جانتا ہے۔

(٨٧٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نَعْزِلُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَالْقُرْآنُ يَنْزِلُ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ يُنْهٰى عَنْهُ، لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْآنُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[879] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں عزل کرتے تھے جبکہ قرآن اس وقت نازل ہو رہا تھا۔ اگر کوئی چیز قابل ممانعت ہوتی تو قرآن ہمیں اس سے لازماً منع کر دیتا۔ (بخاری ومسلم)

وَلِمُسْلِمٍ: فَبَلَغَ ذٰلِكَ نَبِيَّ اللهِ ﷺ فَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ.

اور مسلم کی روایت میں ہے: یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

فائدہ: اس روایت کی رو سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ امام مالک' امام شافعی رحمہما اللہ' اہل کوفہ اور جمہور علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

٨٧٩ ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب العزل، حديث: ٥٢٠٧، ومسلم، النكاح، باب حكم العزل، حديث: ١٤٤٠.

(۸۸۰) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَطُوفُ عَلٰى نِسَائِهِ بِغُسْلٍ وَاحِدٍ. أَخْرَجَاهُ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[880] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ اپنی تمام بیویوں کے پاس جاتے اور آخر میں ایک ہی غسل کر لیتے تھے۔ (بخاری و مسلم دونوں نے اسے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مباشرت کے فوراً بعد غسل جنابت ضروری اور واجب نہیں۔ ② نبی ﷺ کے لیے آپ کی بیویوں میں باری کی تقسیم واجب نہ تھی، اگر واجب ہوتی تو آپ ایک ہی رات میں تمام ازواج مطہرات کے پاس نہ جاتے، جبکہ جمہور اسے واجب قرار دیتے ہیں اور اس کا جواب وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ کام آپ نے اجازت لے کر کیا تھا یا سب کی باری ختم ہونے پر کیا تھا یا یہ عمل تقسیم واجب ہونے سے پہلے کا ہے۔ (سبل السلام)

٣ - بَابُ الصَّدَاقِ

باب:3-حق مہر کا بیان

(۸۸۱) عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ أَعْتَقَ صَفِيَّةَ، وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[881] حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ الصَّدَاقِ] ''صاد'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ عورت کے مہر کو کہتے ہیں، یعنی وہ مال، جو مرد نکاح کے وقت عورت کو دیتا ہے۔ یہ صِدْقٌ سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ مرد کی بیوی سے سچی محبت و رغبت کی دلیل ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث، غلامی سے آزادی کو مہر مقرر کرنے کی صحت کے بارے میں بالکل واضح ہے۔ جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے مگر انھوں نے اپنے موقف پر کوئی قابل اطمینان دلیل پیش نہیں کی۔ ② اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی بھی منفعت کو مہر مقرر کرنا درست ہے کیونکہ آزادی بھی منفعت ہے، اور اس کی تائید میں وہ واقعہ بھی ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ نبی ﷺ نے تعلیم قرآن کو مہر مقرر کیا تھا۔ گویا مالیت کے علاوہ دوسری چیزیں بھی حق مہر مقرر کی جا سکتی ہیں۔ امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ وغیرہما کا یہی موقف ہے۔

وضاحت: [حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا] ام المومنین حضرت صفیہ، حُيَي بن أخطب کی بیٹی تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ہارون علیہ السلام برادر موسیٰ علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ آپ اسی خانوادۂ رسالت سے تھیں۔ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو غزوۂ خیبر میں قتل ہو گیا تھا اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قیدی بن گئیں۔ رسالت مآب ﷺ نے انھیں اپنے حرم کے

۸۸۰ـ أخرجه البخاري، الغسل، باب الجنب يخرج ويمشي في السوق وغيره، حديث: ٢٨٤، ومسلم، الحيض، باب جواز نوم الجنب ......، حديث: ٣٠٩.

۸۸۱ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب من جعل عتق الأمة صداقها، حديث: ٥٠٨٦، ومسلم، النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، حديث: (٨٤) - ١٣٦٥ بعد الحديث: ١٤٢٧.

لیے پسند فرمایا' پھر مسلمان ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا اور اسی آزادی کو مہر مقرر کیا۔ انھوں نے ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔

(٨٨٢) وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، أَنَّهُ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، كَمْ كَانَ صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟ قَالَتْ: كَانَ صَدَاقُهُ لِأَزْوَاجِهِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً، وَنَشًّا، قَالَتْ: أَتَدْرِي مَا النَّشُّ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَتْ: نِصْفُ أُوقِيَّةٍ، فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَهٰذَا صَدَاقُ رَسُولِ اللهِ ﷺ لِأَزْوَاجِهِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[882] حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے روایت ہے' انھوں نے فرمایا: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ (کی بیویوں) کا مہر کتنا تھا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے لیے مہر بارہ اُوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر انھوں نے فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ نش کتنا ہوتا ہے؟ وہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے فرمایا: آدھا اوقیہ۔ اس طرح یہ پانچ سو درہم ہوئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے لیے یہ حق مہر تھا۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أُوقِيَّة] ''ہمزہ'' پر ضمہ اور ''یا'' پر تشدید ہے' یعنی چالیس درہم یا اس کے برابر چاندی۔ یہ آج کل کے ایک سو سینتالیس (۱۴۷) گرام کے برابر ہے۔ [اَلنَّشّ] ''نون'' پر فتحہ اور ''شین'' پر تشدید ہے۔ نصف اُوقیہ' یعنی بیس درہم۔

راوی حدیث: [حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ] ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری قریشی۔ ایک قول کے مطابق یہ مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے۔ مشہور اور نامور تابعین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام تھا۔ کثیر الحدیث تھے اور وسیع روایات کرنے والوں میں سے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت سے حدیث رسول ﷺ کا سماع کیا اور ان سے بھی ایک بہت بڑی جماعت نے علم اخذ کیا۔ ۹۴ ہجری اور ایک قول کے مطابق ۱۰۴ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ برس تھی۔

(٨٨٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«أَعْطِهَا شَيْئًا»**. قَالَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ. قَالَ: **«فَأَيْنَ دِرْعُكَ الْحُطَمِيَّةُ؟»** رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ،

[883] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کچھ دو۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ تمھاری حطمی زرہ کہاں ہے؟ (وہی دے دو)۔'' (اسے

٨٨٢ـ أخرجه مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد ......، حديث: ١٤٢٦.

٨٨٣ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها شيئًا، حديث: ٢١٢٥، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٣٧٧، والحاكم: لم أجده، وابن حبان (الإحسان): ٩/ ٥٠.

وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَمَّا تَزَوَّجَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہجرت مدینہ کے دوسرے سال ماہ رمضان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور رخصتی ذوالحجہ کے مہینے میں ہوئی۔ (تلقیح الفہوم، ص:١٥) [اَلْحُطَمِيَّةُ] ''حا'' پر ضمہ اور ''طا'' پر فتحہ ہے۔ ''حطمہ بن محارب'' کی جانب منسوب ہے۔ یہ عبدالقیس قبیلے کی شاخ تھی۔ یہ لوگ زرہیں بناتے تھے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حطم (توڑنا) کی طرف منسوب ہے کیونکہ یہ زرہ تلواروں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی تھی۔ ابوداود کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وہ زرہ دے دی تھی، پھر تعلق زن وشو قائم کیا تھا۔ (سنن أبي داود، النکاح، حدیث:٢١٢٦) امام ابوداود رحمہ اللہ اور منذری نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے مسئلہ مہر کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ نبی ﷺ کو علم ما کان و ما یکون حاصل نہیں تھا، اسی لیے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرما رہے تھے کہ تمھاری حطمی زرہ کہاں ہے؟ ورنہ یوں فرماتے کہ تمھاری حطمی زرہ جو فلاں مقام پر تم نے رکھی ہوئی ہے وہ لا کر دے دو۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ سسر حق مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے، البتہ داماد سے وہی چیز طلب کی جائے جو اس کے پاس ہو۔ ایسی چیز کا تقاضا و مطالبہ نہ کیا جائے جو اس کے بس میں نہ ہو۔

(٨٨٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ نُكِحَتْ عَلٰى صَدَاقٍ أَوْ حِبَاءٍ أَوْ عِدَةٍ قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لَهَا، وَمَا كَانَ بَعْدَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ، فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ، وَأَحَقُّ مَا أُكْرِمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ ابْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ.

[884] حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نکاح سے قبل جو مہر، عطیہ یا ہبہ وغیرہ کی شرط ہو، وہ عورت کا حق ہے۔ اور جو (عطیہ یا وعدہ) عقد نکاح کے بعد ہو تو وہ اسی کا ہے جسے دیا جائے۔ اور وہ چیز جس کی وجہ سے مرد زیادہ عزت و احترام کا مستحق ہے اس کی بیٹی یا اس کی بہن ہے۔'' (اسے احمد نے اور سوائے ترمذی کے چاروں نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [حِبَاءٍ] ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''با'' بغیر تشدید کے مد کے ساتھ ہے۔ اصل میں عطیہ کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو مرد مہر کے علاوہ عورت کو دیتا ہے۔ [عِدَةٍ] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''دال'' مخفف ہے۔ جس چیز کا خاوند نے وعدہ کیا ہو۔ اور سنن ابن ماجہ میں عِدَةٍ کی جگہ هِبَة کا لفظ ہے۔ [قَبْلَ عِصْمَةِ النِّكَاحِ] یعنی عقد نکاح سے پہلے۔ [فَهُوَ لَهَا] پس وہ اسی عورت کے ساتھ خاص ہے۔ اس میں عورت کے والد یا دوسرے کسی ولی و

٨٨٤ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في الرجل يدخل بامرأته قبل أن ينقدها شيئًا، حديث: ٢١٢٩، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٣٥٥، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٥٥، وأحمد: ٢/ ١٨٢.

سرپرست کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں' اگر عورت اپنی خوشی و رضامندی سے دینا چاہے تو ایسا کرنا جائز ہے اور ولی کا لینا بھی جائز ہے۔ [فَهُوَ لِمَنْ أُعْطِيَهُ] چنانچہ وہ اس کا حق ہے جسے دیا گیا ہو' وہ عورت کا والد ہو یا اس کا بھائی یا ان دونوں کے علاوہ کوئی دوسرا ولی۔ [أَحَقُّ مَا أُكْرِمَ] فعل مجہول ہے۔ [عَلَيْهِ] لِأَجْلِهِ کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے' یعنی اس کی اس حیثیت کی بنا پر۔ [اِبْنَتُهُ أَوْ أُخْتُهُ] یہ خبر ہے اور اس موصول کا بیان ہے جو أَحَقُّ مَا أُكْرِمَ کے قول میں ہے۔ اور اس میں ترغیب ہے کہ عورت کے ولی کی عزت افزائی کے لیے اسے کچھ مال دینا چاہیے۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ اگر مرد' عورت کے ولی کو کچھ مال دے یا اس سے کوئی وعدہ کرے' اگر یہ نکاح سے پہلے ہو تو پھر ولی اس مال کا مستحق نہیں ہے' خواہ ولی نے اس مال کی اپنے لیے شرط لگائی ہو' بلکہ عورت ہی اس کا استحقاق رکھتی ہے' البتہ اگر نکاح کے بعد کوئی چیز دی گئی ہے تو وہ اسی کا حق ہے جسے وہ دی گئی ہے' خواہ وہ عورت کا ولی ہو یا کوئی اور رشتہ دار یا خود وہ عورت ہی ہو۔ اور یہ معاملہ اس عطیہ یا ہدیہ وغیرہ کا ہے جو مہر کے علاوہ ہو۔ رہا مہر کا معاملہ تو وہ بہر صورت عورت ہی کا حق ہے۔

(٨٨٥) وَعَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَأَةً، وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا، وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ، فَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا، لَا وَكْسَ، وَلَا شَطَطَ، وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ، وَلَهَا الْمِيرَاثُ، فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْأَشْجَعِيُّ، فَقَالَ: قَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِي بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَأَةٍ مِنَّا مِثْلَ مَا قَضَيْتَ، فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ جَمَاعَةٌ.

[885] حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا جبکہ اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا تھا اور اس سے دخول بھی نہیں کیا حتی کہ وہ فوت ہو گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس عورت کو اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر مہر ملے گا۔ اس میں کمی ہوگی نہ زیادتی۔ اور اس پر عدت گزارنا بھی لازمی ہے اور اس کے لیے میراث بھی ہے۔ یہ سن کر حضرت معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا کہ ہماری ایک عورت بِرْوَع بنت واشق کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جیسا فیصلہ آپ نے کیا ہے۔ اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور ایک جماعت نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَمْ يَفْرِضْ] "یا" پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ ہے۔ مقرر اور طے نہیں کیا۔ [وَ لَمْ يَدْخُلْ بِهَا] اس سے جماع نہیں کیا اور نہ اس سے خلوت صحیحہ ہوئی۔ [مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا] اس کی قوم و برادری کی عورتوں کے طے شدہ

٨٨٥ ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم صداقًا حتى مات، حديث: ٢١١٤، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٤٥، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٣٥٦، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٨٩١، وأحمد: ١/ ٤٤٧.

مہر کی مثل۔ [لَا وَكَسَ] ''واؤ'' پر فتحہ اور ''کاف'' ساکن ہے یعنی کم نہیں ہوگا۔ [وَلَا شَطَطَ] ''شین'' اور ''طا'' پر فتحہ ہے یعنی زیادہ نہ ہوگا۔ [وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ] اس پر وفات کی عدت ہے یعنی چار ماہ دس دن۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ خاوند کی وفات کی صورت میں عورت مکمل مہر کی حقدار ہے خواہ اس کا تعین شوہر نے نہ کیا ہو اور نہ شوہر نے اس سے مجامعت کی ہو۔ امام احمد اور امام ابوحنیفہ ؒ کا یہی مسلک ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت علقمہ ؒ] یہ علقمہ بن قیس ابوشبل بن مالک ہیں۔ بنوبکر بن نخع میں سے ہیں۔ حضرت عمر اور ابن مسعود ؓ سے انھوں نے روایت کیا ہے۔ جلیل القدر تابعی ہیں۔ ابن مسعود ؓ کی احادیث اور ان کی شاگردی کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ یہ اسود نخعی کے چچا ہیں۔ ۶۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

وضاحت: [حضرت مَعْقِل بن سِنَان اَشْجعی ؓ] ان کی کنیت ابومحمد ہے۔ (معقل کے ''میم'' پر فتحہ اور ''قاف'' کے نیچے کسرہ ہے اور سنان کے ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے۔) مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ میں شریک تھے۔ کوفہ میں فروکش ہوئے۔ ان کی حدیث کوفیوں میں مشہور ہے۔ حَرّہ کی لڑائی میں ان کو باندھ کر شہید کیا گیا۔

[حضرت بروع بنت واشق ؓ] بروع میں محدثین کے نزدیک ''با'' کے نیچے کسرہ ہے۔ اور اہل لغت کے نزدیک ''با'' پر فتحہ ہے اور ''واؤ'' پر بھی فتحہ ہے۔ واشق کے ''شین'' کے نیچے کسرہ ہے مشہور صحابیہ ہیں۔ ان کے خاوند کا نام ہلال بن مُرہ ؓ تھا۔ جو ان سے خلوت صحیحہ سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔

(٨٨٦) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعْطٰى فِي صَدَاقِ امْرَأَةٍ سَوِيقًا أَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ، وَأَشَارَ إِلٰى تَرْجِيحِ وَقْفِهِ.

[886] حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے مہر میں عورت کو ستو یا کھجوریں دے دیں، اس نے (عورت کو اپنے لیے) حلال کر لیا۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے موقوف ہونے کو راجح قرار دینے کی طرف اشارہ کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [سَوِيقًا] گندم کا بھونا ہوا یا مکئی یا جو کا آٹا۔ ابوداود کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے، اس میں [مِلْأَ كَفَّيْهِ سَوِيقًا] ہے جس کے معنی ہیں مٹھی بھر ستو۔ [فَقَدِ اسْتَحَلَّ] اس نے عورت کو اپنے لیے حلال کر لیا۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ جب نکاح کرنے والے مرد و عورت کسی مقدار مہر پر راضی ہو جائیں' خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر' جبکہ اس کی قیمت ہو تو یہ جائز ہے۔

(٨٨٧) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ،

[887] حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے باپ

٨٨٦ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، النكاح، باب قلة المهر، حديث: ٢١١٠. * ابن رومان مستور وثقه ابن حبان وحده وفيه علة أخرى.

٨٨٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، النكاح، باب ما جاء في مهور النساء، حديث: ١١١٣. * فيه عاصم بن عبيدالله وهو ضعيف.

عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَجَازَ نِكَاحَ امْرَأَةٍ عَلَى نَعْلَيْنِ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَخُولِفَ فِي ذٰلِكَ.

سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک عورت کے نکاح کو دو جوتیوں کے عوض جائز قرار دیا۔ (اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اسے صحیح قرار دینے میں امام ترمذی کی مخالفت کی گئی ہے۔)

راوی حدیث: [حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ] یہ ابوعمران عبداللہ بن عامر بن ربیعہ عدوی عنزی ہیں۔ ان کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ نبی ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۴ یا ۵ سال تھی۔ ۸۵ ہجری میں اور ایک قول کے مطابق ۹۰ ہجری میں وفات پائی۔

(٨٨٨) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: زَوَّجَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا امْرَأَةً بِخَاتَمٍ مِنْ حَدِيدٍ. أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ طَرَفٌ مِنَ الْحَدِيثِ الطَّوِيلِ الْمُتَقَدِّمِ فِي أَوَائِلِ النِّكَاحِ.

[888] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کا نکاح ایک عورت کے ساتھ لوہے کی انگوٹھی کے عوض کیا۔ (اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور یہ کتاب النکاح کے آغاز میں مذکور طویل حدیث (۸۳۳) کا ایک ٹکڑا ہے۔)

فائدہ: حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے مروی لمبی روایت پہلے گزر چکی ہے جس میں ایک خاتون نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نکاح کے لیے پیش کیا تھا۔ اس میں یہ نہیں تھا کہ نبی ﷺ نے لوہے کی انگوٹھی کے بدلے میں اس خاتون کا نکاح کر دیا تھا، بلکہ اس میں یہ ہے کہ آپ نے نکاح کے خواہش مند کو لوہے کی انگوٹھی لانے کا حکم فرمایا تھا اور جب وہ انگوٹھی بھی اسے نہ ملی تو اس عورت کے ساتھ اس کا نکاح قرآن پاک کی کچھ سورتوں کی تعلیم پر کر دیا۔ اگر یہ حدیث وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے خود اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا ہے تو پھر ان کی یہ بات کہ یہ طویل حدیث کا ٹکڑا ہے' وہم سے خالی نہیں۔ الا یہ کہ اس کی تاویل کی جائے کہ آپ نے لوہے کی انگوٹھی پر نکاح کی اجازت دی تھی اگرچہ اس کے نہ ملنے پر عقد نہ ہوا بلکہ تعلیم قرآن کو مہر قرار دیا گیا۔ واللّٰہ أعلم.

(٨٨٩) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: لَا يَكُونُ الْمَهْرُ أَقَلَّ مِنْ عَشَرَةِ دَرَاهِمَ. أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْقُوفًا، وَفِي سَنَدِهِ مَقَالٌ.

[889] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انھوں نے فرمایا: ''مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔'' (اسے دارقطنی نے موقوف روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔)

لغوی تشریح: [وَفِي سَنَدِهِ مَقَالٌ] اس کی سند میں کلام ہے اور وہ یہ کہ اس میں داود اودی ضعیف راوی ہے۔ سنن دارقطنی ہی میں یہ روایت اور بہت سے طرق سے بھی منقول ہے مگر کوئی بھی سند ضعف سے خالی نہیں۔

٨٨٨ـ [إسناده حسن] أخرجه الحاكم: ٢/ ١٧٨ وصححه، ووافقه الذهبي، وانظر حديث: ٨٣٣.

٨٨٩ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٢٤٥، داود الأودي ضعيف، والشعبي لم يسمع من علي رضي الله تعالى عنه.

(۸۹۰) وعنْ عُقْبَةَ بْنِ عامِرٍ رضي اللّٰهُ تعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَيْرُ الصَّدَاقِ أَيْسَرُهُ». أخرجهُ أبُوداوُد، وصحّحهُ الْحاكِمُ.

[890] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین حق مہر وہ ہے جو (ادائیگی میں) نہایت آسان اور سہل ہو۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [خَيْرُ الصَّداق أَيسَرُهُ] بہترین حق مہر وہ ہے جسے ادا کرنا آدمی پر نہایت آسان ہو' یعنی وہ انسان کی مالی حالت کی بہ نسبت کم ہو۔ اور یہ حدیث دلیل ہے کہ مہر کی کم مقدار مستحب ہے اور جس کا ادا کرنا آسان نہ ہو وہ غیر مستحسن وغیر مستحب ہے۔ (بحوالہ سبل السلام' مع اضافہ)

(۸۹۱) وعنْ عائِشة رضي اللّٰهُ تعالَى عنْها. أنَّ عَمْرَة بِنْتَ الْجوْنِ تَعَوَّذَتْ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، حِينَ أُدْخِلَتْ عليْه، تعْني لمَّا تزَوَّجهَا. فَقَالَ: «لقَدْ عُذْتِ بِمَعاذٍ، فطَلَّقَها وأمَرَ أُسامَةَ فَمَتَّعَها بثلاثةِ أثْوابٍ». أخرجهُ ابْنُ ماجه، وفي إسْنادِهِ رَاوٍ متْرُوكٌ. وأصْلُ الْقِصَّة في الصَّحيح منْ حديثِ أبي أُسَيْدٍ السَّاعديِّ.

[891] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عمرہ بنت جون نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جب اسے آپ کے پاس (خلوت گاہ میں) بھیجا گیا' یعنی جب آپ نے اس سے نکاح کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے واقعتا پناہ دینے والے کی پناہ طلب کی ہے۔'' پھر آپ نے اسے طلاق دے دی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انھوں نے فائدے کے طور پر اسے تین کپڑے دیے۔ (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں متروک راوی ہے۔ اس کا اصل قصہ صحیح بخاری میں حضرت ابو اُسید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔)

لغوی تشریح: [تعوَّذتْ] اس نے پناہ طلب کی۔ صحیح بخاری میں ابو اسید رضی اللہ عنہ سے مروی (حدیث: ۵۲۵۵ میں) ہے کہ جونیہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ جب اسے آپ ﷺ کی خلوت گاہ میں داخل کیا گیا تو آپ نے اس سے فرمایا: ''اپنے آپ کو مجھے ہبہ کر دے۔'' تو وہ بولی: ملکہ اپنے آپ کو رعایا کے ایک مرد کے سپرد کیسے کر سکتی ہے؟ آپ نے اپنا دست مبارک اس کی طرف بڑھایا کہ اس کا جوش ٹھنڈا ہو جائے تو وہ بولی: میں تجھ سے اللہ کی پناہ پکڑتی ہوں۔ گفتگو کا سیاق یہ تقاضا کر رہا ہے کہ اس نے یہ بات یا تو اس لیے کہی کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے اعلیٰ و ارفع تصور کرتی تھی اور آپ کو اپنا ہم پلہ اور کفو نہیں سمجھتی تھی اور یا یہ کہ اس نے نبی ﷺ کو پہچانا ہی نہیں تھا اور نہ آپ کے ارادے کو پہچان سکی کہ

۸۹۰ ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب فيمن تزوج ولم يسم صداقا حتى مات، حديث: ۲۱۱۷، والحاكم: ۲/ ۱۸۲ وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي.

۸۹۱ ـ [موضوع] أخرجه ابن ماجه، الطلاق، باب متعة الطلاق، حديث: ۲۰۳۷ * عبيد بن القاسم متروك، كذبه ابن معين، واتهمه أبوداود بالوضع (تقريب)، وحديث البخاري، الطلاق، حديث: ۵۲۵٤ هو الصحيح، وحديث أبي أسيد الساعدي أخرجه البخاري، الطلاق، حديث: ۵۲۵۵ وانظر، حديث: ۹۲٤

آپ نے اس کی جانب ہاتھ کس لیے بڑھایا ہے؟ نیز (صحیح البخاري، الأشربة، حدیث:۵۶۳۷) میں ہے کہ لوگوں نے اس سے پوچھا: تجھے معلوم ہے کہ یہ کون تھے؟ وہ بولی: مجھے تو معلوم نہیں۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ وہ تو رسول اللہ ﷺ تھے، تیرے پاس تشریف لائے تھے کہ پیغام نکاح دیں۔ وہ بولی: پھر تو میں اس وجہ سے بدبخت و بدقسمت ہوں ...... الخ۔ [لَقَدْ عُذْتِ] صیغۂ مؤنث مخاطب ہے۔ [بِمَعَاذٍ] ''میم'' پر فتحہ ہے۔ جس سے پناہ طلب کی جائے یعنی تو نے اس کی پناہ طلب کی ہے جو اس کا اہل ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی۔ [فَمَتِّعْهَا] تمتیع سے ماخوذ ہے یعنی اسے تین کپڑے بطور فائدہ عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل میں: ﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (البقرۃ۲:۲۳۶) ''کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لیے مہر۔ اور ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو۔ صاحب وسعت اپنی وسعت کے مطابق دے اور تنگی والا اپنی حیثیت کے مطابق دے' نیکی کرنے والوں پر یہ لازم ہے۔''

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے اور مزید لکھا ہے صحیح بخاری کی روایت صحیح ہے' علاوہ ازیں شیخ البانی ؒ اس کی بابت لکھتے ہیں کہ اس میں حضرت اسامہ کا ذکر منکر ہے اور مزید لکھا ہے کہ صحیح الفاظ صحیح بخاری کے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ابو اسید ؓ کو حکم دیا کہ اسے اس کے والدین کے ہاں بھیجنے کے لیے تیار کریں اور اسے پہننے کے لیے دو سوتی کپڑے دے دیں' لہٰذا صحیح بخاری کی روایت ہی صحیح ہے جیسا کہ دیگر محققین نے بھی کہا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:۲۵/۴۶۰-۴۶۲' والإرواء:۷/۱۴۶' حدیث:۲۰۶۴) ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کو دخول سے پہلے طلاق ہو جائے اور اس کا مہر بھی معین نہ ہوا ہو تو اسے کچھ نہ کچھ مال ضرور دینا چاہیے۔ علماء کی اکثریت اسے واجب کہتی ہے۔ آیت کا ظاہر بھی اسی کا مؤید ہے۔

وضاحت: [عَمْرَہ بنت جون] عمرہ میں ''عین'' پر فتحہ اور ''میم'' ساکن ہے۔ جون میں ''جیم'' پر فتحہ اور ''واو'' ساکن ہے۔ اس جونیہ کے (نام کے) بارے میں اختلاف ہے' چنانچہ اس روایت میں ہے کہ یہ عَمرہ ہے۔ اور ابن جوزی نے اپنی کتاب (التلقيح' ص:۱۳) میں ذکر کیا ہے کہ یہ اسماء بنت نعمان بن ابی الجون بن حارث کندیہ ہے۔ امام بخاری ؒ کی نقل کردہ ابو اسید کی حدیث کے بعض طرق اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ امیمہ بنت نعمان بن شراحیل ہے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ یہ فاطمہ بنت ضحاک ہے۔ (التلقيح' ص:۱۲) صاف ظاہر ہے کہ ان سب سے ایک ہی عورت مراد ہے اور اختلاف تو راویوں کے تصرفات کی وجہ سے ہے۔ اور درست بات یہ ہے کہ اس کا نام امیمہ ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابو اُسَید ؓ] اُسَید اسد کی تصغیر ہے۔ یہ مالک بن ربیعہ بن بَدَن ہیں۔ (بدن کے ''با'' اور ''دال'' دونوں پر فتحہ ہے۔) یہ نام کی بجائے اپنی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ غزوۂ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۰ ہجری میں وفات پائی۔ اور ایک قول کے مطابق اس کے بعد وفات پائی۔ بلکہ مدائنی کے قول کے مطابق ۶۰ ہجری میں وفات پائی اور بدری صحابہ میں سے وفات پانے والے سب سے آخری صحابی یہ ہیں۔

٤ - بَابُ الْوَلِيمَةِ

باب:4- ولیمے کا بیان

(٨٩٢) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى عَلَى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أَثَرَ صُفْرَةٍ، فَقَالَ: «مَا هٰذَا؟» قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ. قَالَ: «**فَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ، أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[892] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (کے کپڑوں) پر زردی کا نشان دیکھا تو فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' انھوں نے کہا: اللہ کے رسول! میں نے ایک عورت سے کھجور کی گٹھلی کے مساوی سونے کے عوض نکاح کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے' ولیمہ ضرور کر' خواہ ایک بکری ہی ہو۔'' (بخاری و مسلم۔ اور الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْوَلِيمَةِ] شادی بیاہ کے موقع پر جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے ولیمہ کہتے ہیں۔ یہ اَلْوَلْم سے مشتق ہے۔ وَلْمٌ میں ''واؤ'' پر فتحہ اور ''لام'' ساکن ہے۔ اس کے معنی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں۔ میاں بیوی چونکہ اکٹھے ہوتے ہیں اس کے بعد کھانا تیار کیا جاتا ہے' اس لیے اسے ولیمہ کہتے ہیں۔ ولیمہ سنت ہے۔ اور بعض نے اسے واجب بھی کہا ہے۔ [أَثَرَ صُفْرَةٍ] زردی کا نشان۔ یہ زعفران کا نشان تھا جو دلھن نے بطور خوشبو لگایا تھا' پھر بوقت صحبت انھیں لگ گیا۔ انھوں نے عمداً زعفران کا رنگ نہیں لگایا تھا کیونکہ مردوں کے لیے زعفرانی رنگ کا استعمال (بطور خوشبو یا بطور لباس) شرعاً ممنوع ہے' بلکہ یہ عورتوں کا شعار ہے اور مردوں کو عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ [عَلَى وَزْنِ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ] ایک قول یہ ہے کہ نواۃ سونے کا معروف وزن ہے جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کھجور کی گٹھلی مراد ہے' یعنی کھجور کی گٹھلی کے وزن کے برابر سونا دے کر نکاح کیا۔ پہلا قول راجح ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نواۃ کا وزن تین درہم کے برابر ہوتا ہے۔ اور لغت میں نواۃ کھجور کی گٹھلی کو کہتے ہیں۔ [أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ] یہاں لَو تقلیل کے لیے مستعمل ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ ولیمے میں کم از کم بکری ضرور ذبح کرنی چاہیے۔ لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعض ازواج کا ایک بکری سے کم کا ولیمہ بھی کیا ہے' لہٰذا مستحب یہ ہے کہ ولیمہ شوہر کی مالی حیثیت کے مطابق ہو۔ اور اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مالی حالت کے پیش نظر ایک بکری کا ولیمہ کرنا قلیل تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ولیمہ مطلقاً کم از کم ایک بکری ہے۔

(٨٩٣) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[893] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے

٨٩٢ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب الوليمة ولو بشاة، حديث: ٥١٦٧، ومسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن وخاتم حديد ......، حديث: ١٤٢٧ قبل الحديث: ١٣٦٥.

٨٩٣ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب حق إجابة الوليمة والدعوة ......، حديث: ٥١٧٣، ومسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: ١٤٢٩.

عنهما، قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا دعي أحدكم إلى الوليمة فليأتها». متفق عليه.

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا جائے تو اسے وہاں پہنچنا چاہیے۔'' (بخاری و مسلم)

ولمسلم: «إذا دعا أحدكم أخاه فليجب، عرسا كان أو نحوه»

اور مسلم کی روایت میں ہے: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو مدعو کرے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہیے' خواہ وہ شادی ہو یا اسی طرح کی کوئی اور دعوت۔''

فائدہ: یہ حدیث شادی کے موقع پر کی جانے والی دعوت ولیمہ کے قبول کرنے کو واجب قرار دیتی ہے۔ جمہور کی رائے یہی ہے' البتہ وہ یہ شرط ضرور لگاتے ہیں کہ وہاں حاضر ہونے میں کوئی امر مانع نہ ہو' مثلاً: کھانا مشتبہ نہ ہو یا محض مالداروں کو مدعو نہ کیا گیا ہو یا باطل کام پر تعاون و استعانت کے لیے اسے دعوت نہ دی گئی ہو یا وہاں کوئی ایسا کام نہ ہو جو غیر پسندیدہ اور شرعاً منکر کی تعریف میں آتا ہو۔ اگر ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو تو جمہور علماء کے نزدیک ایسی دعوت میں حاضر ہونا درست نہیں ہے۔

(٨٩٤) وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «شر الطعام طعام الوليمة يمنعها من يأتيها، ويدعى إليها من يأباها، ومن لم يجب الدعوة فقد عصى الله ورسوله». أخرجه مسلم.

[894] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدترین کھانا اس ولیمے کا کھانا ہے جس میں (بخوشی) آنے والے کو منع کر دیا جائے اور جو آنے سے انکاری ہو اسے بلایا جائے۔ اور جس نے دعوت ولیمہ کو قبول نہ کیا تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [يُمنَعُهَا] صیغۂ مجہول ہے' یعنی اس سے روکا جائے اور باز رکھا جائے۔ [مَنْ يَّأْتِيهَا] جو برضا و رغبت اس میں شمولیت کرنا چاہتا ہو' یعنی فقراء اور دیگر مستحقین۔ [مَنْ يَّأْبَاهَا] جو اس میں شامل ہونے سے انکاری ہو اور جان چھڑائے۔ اور ایسا عموماً مالدار لوگ کرتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جس دعوت میں فقراء اور اغنیاء دونوں کو مدعو کیا گیا ہو' اس میں شر نہیں ہوتا۔

(٨٩٥) وعنه قال: قال رسول الله ﷺ: «إذا دعي أحدكم فليجب، فإن كان صائما

[895] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی

٨٩٤ _ أخرجه مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: ١٤٣٢.

٨٩٥ _ أخرجه مسلم، النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، حديث: ١٤٣١، وحديث جابر: أخرجه مسلم، النكاح، حديث: ١٤٣٠.

فَلْيُصَلِّ، وإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ أَيْضًا.

کو (کھانے کی دعوت پر) مدعو کیا جائے تو اسے قبول کرنا چاہیے۔ اگر وہ روزے سے ہو تو (دعوت دینے والے کے لیے) دعا کرے اور اگر روزے سے نہ ہو تو پھر اسے کھانا کھانا چاہیے۔'' (اسے بھی مسلم نے روایت کیا ہے۔)

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ جَابِرٍ نَحْوُهُ، وقال: «فَإِنْ شَاءَ طَعِمَ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَ».

اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے اور اس میں آپ کا ارشاد ہے: ''اگر وہ چاہے تو کھا لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے۔''

لغوی تشریح: [فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ] اگر روزے سے ہو تو پھر اسے چاہیے کہ دعوت دینے والوں کے لیے مغفرت و برکت کی دعا کرے۔ جمہور نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ فَلْيُصَلِّ کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز میں مشغول ہو جائے تاکہ اس کی نماز کی برکت سے اہل خانہ اور دیگر حاضرین بھی فیض یاب ہو سکیں۔

(٨٩٦) وعن ابنِ مسْعُودٍ رضي اللَّهُ تَعالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله ﷺ: «طَعَامُ الْوَلِيمَةِ أَوَّلَ يَوْمٍ حَقٌّ، وَطَعَامُ [يَوْمِ] الثَّانِي سُنَّةٌ، وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ، وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَاسْتَغْرَبَهُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنْ أَنَسٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَه.

[896] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولیمے کا کھانا پہلے روز حق ہے اور دوسرے روز کا کھانا مروجہ طریقہ ہے اور تیسرے روز کا کھانا شہرت و ریاکاری ہے۔ اور جو شخص ریاکاری کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے گا۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے غریب قرار دیا ہے۔ اور اس حدیث کے راوی صحیح (بخاری) کے راوی ہیں اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت اس کا شاہد ہے۔)

لغوی تشریح: [حَقٌّ] کے معنی ثابت شدہ یا واجب کے ہیں۔ [وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِي سُنَّةٌ] دوسرے روز کا کھانا مروجہ طریقہ ہے جو لوگوں میں معروف و مشہور ہے اور ناپسندیدہ اور برا عمل نہیں ہے۔ [سُمْعَةٌ] ''سین'' پر ضمہ اور ''میم'' ساکن ہے' یعنی ریا اور دکھاوا۔ تیسرے روز ولیمے کی دعوت دینے والا اور کھانا کھلانے والا محض اس لیے کرتا ہے تاکہ لوگوں کو دکھائے اور ریاکاری کرے۔ [وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللَّهُ بِهِ] سَمَّعَ میں ''میم'' پر تشدید ہے' یعنی جو شخص سخاوت وغیرہ کے ذریعے سے اپنی شہرت و ریاکاری کرے گا یا فخر کا اظہار کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز محشر کے کھلے میدان میں اس عنوان سے اس کی تشہیر کرے گا کہ یہ جھوٹا اور شہرت پسند ہے۔

٨٩٦ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، النكاح، باب ما جاء في الوليمة، حديث: ١٠٩٧ * عطاء اختلط، وللحديث شواهد ضعيفة عند أبي داود، الأطعمة، حديث: ٣٧٤٥ وغيره، وحديث أنس: أخرجه ابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩١٥، وفيه أبو مالك النخعي اتفقوا على ضعفه كما قال البوصيري.

(٨٩٧) وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ: أَوْلَمَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهِ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيرٍ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[897] حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی بیوی کا ولیمہ دو مُد جو سے کیا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مختلف شادیوں کی صورت میں ضروری نہیں کہ ولیمہ ایک ہی جیسا ہو۔ حسب حال ولیمہ کرنا چاہیے۔ ② آپ نے ولیمہ میں بکری بھی ذبح کی اور ستو اور کھجور بھی ولیمہ میں کھلائے اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں صرف دو مد جو پر اکتفا کیا۔

راویٔ حدیث: [حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا] صفیہ بنت شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ حَجَبِی۔ بنوعبدالدار میں سے تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو دیکھا ہے اور ایک قول کے مطابق ان کی رؤیت ثابت نہیں ہے۔ صحیح اور درست بات یہی ہے کہ حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب دونوں میں اس کی تصریح کی ہے، نیز انھوں نے یہ بھی کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں نبی ﷺ سے حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا کے سماع کی تصریح کی ہے۔ جن اہل علم نے انھیں تابعیہ شمار کیا ہے، یہ ان کا سہو ہے۔

(٨٩٨) وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ: أَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِينَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ، يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ، فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِينَ إِلٰى وَلِيمَتِهِ، فَمَا كَانَ فِيهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ، وَمَا كَانَ فِيهَا إِلَّا أَنْ أَمَرَ بِالْأَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ، فَأَلْقٰى عَلَيْهَا التَّمْرَ وَالْأَقِطَ وَالسَّمْنَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[898] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین روز تک قیام کیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا (کے ساتھ شب زفاف گزارنے) کے لیے آپ کی خاطر وہاں خیمہ لگایا گیا، چنانچہ میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کے ولیمے کی دعوت دی۔ اس (دعوت) میں روٹی تھی نہ گوشت۔ اس (تقریب) میں بس یہی تھا کہ آپ نے چرمی دسترخوان (بچھانے) کا حکم دیا تو وہ بچھا دیے گئے اور ان پر کھجوریں، پنیر اور گھی لا کر رکھ دیا گیا۔ (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ] فعل مجہول ہے۔ یہ کنایہ ہے شب زفاف گزارنے اور شادی کے ابتدائی ایام میں میاں بیوی کے جمع ہونے سے۔ [بِالْأَنْطَاعِ] أَنْطَاع نِطَعٌ کی جمع ہے۔ نطع میں ''نون'' کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ اور ''طا'' پر فتحہ اور جزم، سب صورتیں درست ہیں، یعنی چٹائی یا چرمی چادر۔ [الْأَقِط] ''ہمزہ'' پر فتحہ اور ''قاف'' کے نیچے کسرہ یا دونوں کے نیچے کسرہ ہے۔ اور اس میں اور لغات بھی ہیں۔ اور اس کے معنی ہیں: سخت جما ہوا دہی جسے پنیر کہتے ہیں۔ اور

٨٩٧ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب من أولم بأقل من شاة، حديث: ٥١٧٢.

٨٩٨ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب اتخاذ السراري .....، حديث: ٥٠٨٥، ومسلم، النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، حديث: ١٣٦٥/ ٣٥٠٠.

کھجور، پنیر اور گھی کے مجموعے کو حَیس کہتے ہیں۔ اور ترمذی اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ستوؤں اور کھجوروں سے کیا تھا۔ (سنن أبي داود، الأطعمة، حديث:٣٧٤٤، و سنن ابن ماجه، النكاح، حديث:١٩٠٩) گھی اور کھجوروں کے ساتھ پنیر کی بجائے ستو ملا لیے جائیں تو اسے بھی حَیس ہی کہتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوران سفر میں شادی کرنا جائز ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شادی بیاہ اور ولیمے وغیرہ کی تقریبات میں سب رشتہ داروں کا شامل کرنا بھی لازمی اور ضروری نہیں۔ ③ یہ بھی ثابت ہوا کہ ولیمے میں ایک سے زائد کھانے بھی جائز ہیں، البتہ اس میں اسراف سے بہر نوع اجتناب ضروری ہے۔

(٨٩٩) وَعَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: إِذَا اجْتَمَعَ دَاعِيَانِ فَأَجِبْ أَقْرَبَهُمَا بَابًا، فَإِنْ سَبَقَ أَحَدُهُمَا فَأَجِبِ الَّذِي سَبَقَ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

[899] نبی ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: جب دو آدمیوں نے دعوت طعام دی ہو تو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو، اور اگر ان میں سے ایک نے پہل کی ہو تو پہل کرنے والے کی دعوت قبول کرو۔" (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے، اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مصنف رحمہ اللہ نے یہ روایت موقوفاً بیان کی ہے جبکہ سنن ابی داود میں مرفوعاً مذکور ہے۔ ② مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم دیگر صحیح احادیث سے بھی یہ ترتیب ثابت ہے، نیز مسند احمد کے محققین نے اسے سنداً حسن قرار دیا ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٣٨/٣٥٢)

(٩٠٠) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا آكُلُ مُتَّكِئًا». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[900] حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں ٹیک لگا کر نہیں کھایا کرتا۔" (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: «مُتَّكِئًا» اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آلتی پالتی مار کر تکیے وغیرہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ سے زمین پر ٹیک لگانا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنے کسی ایک پہلو کے بل جھک جانا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ کسی بھی طرح مضبوطی سے جم کر بیٹھ جانا۔ امام خطابی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عوام تو متکئا اسے سمجھتے ہیں جو اپنے کسی ایک پہلو کے بل ہو کر کھائے، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد تکیے وغیرہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا ہے۔ اور اس کی کراہت و ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا دنیا دار متکبرین اور مختلف اقسام کے کھانے

٨٩٩ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب إذا اجتمع داعيان أيهما أحق، حديث:٣٧٥٦. * أبو خالد الدالاني عنعن.

٩٠٠ـ أخرجه البخاري، الأطعمة، باب الأكل متكئا، حديث:٥٣٩٨.

کثرت سے کھانے والوں کی عادت ہے' اللہ والوں کا یہ شیوہ نہیں۔

(۹۰۱) وعَنْ عُمَر بْنِ أَبي سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَاغُلَامُ! سمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[901] حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اے بچے! بِسْمِ اللّٰہ پڑھو' اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ: معلوم ہوا کہ کھانا ہمیشہ بسم اللّٰہ پڑھ کر دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانا چاہیے' البتہ اگر کھانے کی اشیا مختلف ہوں تو دل پسند چیز جہاں ہو لے سکتا ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عمر بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ] عمر بن ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال مخزومی۔ یہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر ہیں' اور نبی ﷺ نے ان کی تربیت و پرورش فرمائی تھی۔ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ کے درمیانی عرصے میں ہوئی تھی۔ ۸۳ ہجری میں وفات پائی۔

(۹۰۲) ا- وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِقَصْعَةٍ مِنْ ثَرِيدٍ، فَقَالَ: «كُلُوا مِنْ جَوَانِبِهَا، وَلَا تَأْكُلُوا مِنْ وَسَطِهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ فِي وسطِهَا». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَهٰذَا لَفْظُ النَّسَائِيِّ. وسندُهُ صَحِيحٌ

[902] (ا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ثرید سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''پیالے کے اطراف سے کھاؤ' اس کے درمیان سے نہ کھاؤ' اس لیے کہ اس کے درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ نسائی کے ہیں اور اس کی سند صحیح ہے۔)

لغوی تشریح: [بقَصْعَةٍ مِّنْ ثَرِيدٍ] قصعة بڑے پیالے کو کہتے ہیں اور ثرید اس روٹی کو کہتے ہیں جسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے گوشت کے شوربے میں بھگو لیا جائے۔

(۹۰۲) ب - وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: مَا عَابَ رَسُولُ اللهِ ﷺ طَعَامًا قَطُّ، كَانَ إِذَا اشْتَهٰى شَيْئًا أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[902] (ب) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ جب کسی چیز کی خواہش ہوتی تو تناول فرما لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو چھوڑ دیتے۔ (بخاری و مسلم)

۹۰۱_ أخرجه البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، حديث: ۵۳۷۶، ومسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: ۲۰۲۲.

۹۰۲_ (الف) [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب في الأكل من أعلى الصحفة، حديث: ۳۷۷۲، والترمذي، الأطعمة، حديث: ۱۸۰۵، وابن ماجه، الأطعمة، حديث: ۳۲۷۷، والنسائي في الكبرٰى: ۴/ ۱۷۵، حديث: ۶۷۶۲.

۹۰۲_ (ب) أخرجه البخاري، الأطعمة، حديث: ۵۴۰۹، ومسلم، الأشربة، حديث: ۲۰۶۴.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے میں عیب نہیں نکالنا چاہیے۔ اگر طبیعت مائل ہو تو کھا لیا جائے اور اگر طبیعت کے موافق نہ ہو تو چھوڑ دیا جائے۔ ② عیب نکالنے سے کھانا تیار کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے اور مہمان نواز پر اچھا اثر نہیں پڑتا' نیز اس طرح اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری بھی ہوتی ہے۔

(٩٠٣) وعَنْ جابِرٍ رضي اللّٰهُ تعالى عَنْهُ. عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**لَا تَأْكُلُوا بِالشِّمَالِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِالشِّمَالِ**». رواهُ مُسْلِمٌ.

[903] حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ' اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(٩٠٤) وعَنْ أَبِي قَتَادة رضي اللّٰهُ تعالى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ قَالَ: «**إِذَا شَرِبَ أَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِي الْإِنَاءِ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. ولِأَبِي داوُدَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوُهُ، وَزَادَ: «**أَوْ يَنْفُخْ فِيهِ**» وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[904] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص پیے تو برتن میں سانس نہ لے۔'' (بخاری و مسلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح کی روایت ابوداود میں بھی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے: ''اس میں پھونک نہ مارے۔'' (ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: فَلَا يَتَنَفَّسْ فعل معلوم ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں برتن میں سانس لینے کی ممانعت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ برتن میں سانس لینے سے اندیشہ ہے کہ مشروب میں تھوک یا رال ٹپک جائے جو دوسرے آدمی کی طبیعت پر ناگوار گزرے' نیز سانس کے ذریعے سے پھیپھڑے سے جو ہوا نکلتی ہے اس میں فاسد مادوں کا اثر ہوتا ہے جو صحت کے لیے ضرر رساں ہے۔ ② افضل یہ ہے کہ انسان تین سانس میں پیے اور برتن کو منہ سے الگ کر کے سانس لے۔ ③ کھانے پینے کی اشیاء میں پھونک مارنا بھی جائز نہیں۔ اگر کھانا یا مشروب زیادہ گرم ہو تو انتظار کرے اور ٹھنڈا کر کے کھائے پیے۔ اسی طرح اگر کوئی تنکا وغیرہ اس میں گر پڑا ہو تو ہاتھ سے نکال لے' پھونک نہ مارے۔ ④ بعض علماء تبرک کے لیے قرآن کریم یا کوئی دعا پڑھ کر دم کرنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں جبکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ اور مسنون ادعیہ پڑھنے سے اس میں کچھ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے' اس لیے وہ دم کر کے پھونک مارنے کو ممنوع نفخ میں شامل نہیں کرتے بلکہ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے سنن ابوداود، اردو، طبع دارالسلام' حدیث: ۳۷۲۲ کے فوائد و مسائل دیکھیں۔

٩٠٣ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: ٢٠١٩.

٩٠٤ـ أخرجه البخاري، الأشربة، باب النهي عن التنفس في الإناء، حديث: ٥٦٣٠، ومسلم، الأشربة، باب كراهة التنفس في نفس الإناء ....، حديث: ٢٦٧ بعد حديث: ٢٠٢٧، وحديث ابن عباس: أخرجه أبوداود، الأشربة، حديث: ٣٧٢٨، والترمذي، الأشربة، حديث: ١٨٨٩ وسنده صحيح.

٥ - بَابُ الْقَسْمِ

باب:5- بیویوں میں باری کی تقسیم کا بیان

(٩٠٥) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقْسِمُ لِنِسَائِهِ، فَيَعْدِلُ، وَيَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ، وَلَا أَمْلِكُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَلٰكِنْ رَجَّحَ التِّرْمِذِيُّ إِرْسَالَهُ.

[905] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری تقسیم کرتے تھے اور اس معاملے میں انصاف سے کام لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے: ''الٰہی! جو میرے بس میں ہے' اس کے مطابق یہ میری تقسیم ہے اور جو میرے بس میں نہیں بلکہ تیرے اختیار میں ہے' اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن ترمذی نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْقَسْمِ] ''قاف'' پر فتحہ اور ''سین'' ساکن ہے۔ بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اپنی بیویوں کے ہاں ایک ایک دن جانے کی باری مقرر کر دے۔ [فَيَعْدِلُ] عدل سے ماخوذ ہے جو جَوْر (ظلم) کے مقابلے میں آتا ہے۔ [هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ] بیویوں کے ہاں شب بسری میں حتی المقدور یہ میری تقسیم ہے۔ [فَلَا تَلُمْنِي] مجھے ملامت نہ کر اور میرا مؤاخذہ نہ فرما۔ [فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ] یعنی قلبی میلان اور محبت' جو ایک دوسری کے لیے کم وبیش ہوتی ہے' کے بارے میں میرا مؤاخذہ نہ فرمانا کیونکہ یہ انسان کے بس میں نہیں ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھنا چاہیے' البتہ دلی میلان اگر کسی کی طرف زیادہ ہو تو اس میں کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا' کیونکہ عورتیں سیرت و کردار' اخلاق' حسن و جمال اور عادات وخصائل کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ جس عورت میں حسن و جمال' اخلاق و اوصاف اور شوہر کی فرمانبرداری کی خصوصیت زیادہ ہوگی' شوہر کا میلان قدرتی طور پر اس کی جانب زیادہ ہوگا۔

(٩٠٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[906] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ

٩٠٥ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: ٢١٣٤، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٤٠، والنسائي، عشرة النساء، حديث: ٣٣٩٥، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٧١، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٣٠٥، والحاكم: ٢/ ١٨٧ وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي.

٩٠٦ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: ٢١٣٣، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٤١، والنسائي، عشرة النساء، حديث: ٣٣٩٤، وابن ماجه، النكاح، حديث: ١٩٦٩، وأحمد: ٢/ ٣٤٧، ٤٧١، قتادة مدلس وعنعن.

عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَتْ لَهُ امْرَأَتَانِ فَمَالَ إِلَى إِحْدَاهُمَا دُونَ الْأُخْرَى جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهُ مَائِلٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ.

نے فرمایا: ''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور اس کا رجحان ایک کی طرف ہو تو وہ قیامت کے روز ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مفلوج ہو گا۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔)

لغوی تشریح: | شِقُّهُ | اس کا ایک پہلو۔ | مَائِلٌ | مفلوج ہو گا۔ جامع ترمذی میں سَاقِطٌ کا لفظ ہے، یعنی گرا ہوا ہو گا۔ تحفۃ الاحوذی کے مطابق بعض روایات میں ہے: ''ایسا شوہر قیامت کے روز اپنے ایک مفلوج یا لٹکے ہوئے پہلو کو گھسیٹتا ہوا آئے گا۔'' دونوں بیویوں میں سے ایک کی طرف میلان و رجحان سے مراد باری کی تقسیم اور اخراجات و مصارف میں ناانصافی کرنا ہے جن میں وہ برابری کا اختیار رکھتا ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے اور اس پر تفصیلی بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ١٣ / ٣٢٠، ٣٢١ وسنن ابن ماجه بتحقيق الدكتور بشار عواد، حديث: ١٩٦٩)

(٩٠٧) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: «مِنَ السُّنَّةِ إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ، أَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا، ثُمَّ قَسَمَ، وَإِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ، أَقَامَ عِنْدَهَا ثَلَاثًا، ثُمَّ قَسَمَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[907] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شوہر دیدہ کی موجودگی میں کنواری سے شادی کرے تو اس (نئی دلھن) کے پاس سات دن قیام کرے، پھر باری تقسیم کرے۔ اور جب کنواری کی موجودگی میں شوہر دیدہ سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین روز قیام کرے، پھر باری تقسیم کرے۔ (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

لغوی تشریح: | إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ | یعنی جب آدمی کے پاس پہلے سے بیوی موجود ہو، پھر کنواری سے شادی کرے۔

فائدہ: اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ نئی بیوی کے ساتھ زفاف کی راتیں بسر کرنا اس کا حق ہے اور دوسری بیویوں پر اسے ترجیح دی جائے گی۔ یہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر نئی اور پرانی بیویاں باریوں کی تقسیم میں مساوی استحقاق رکھتی ہیں۔

(٩٠٨) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى

[908] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ

٩٠٧۔ أخرجه البخاري، النكاح، باب إذا تزوج الثيب على البكر، حديث: ٥٢١٤، ومسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب من إقامة الزوج عندها عقب الزفاف، حديث: ١٤٦١.

٩٠٨۔ أخرجه مسلم، الرضاع، باب قدر ما تستحقه البكر والثيب ...، حديث: ١٤٦٠.

عنها، أنَّ النَّبيَّ ﷺ لَمَّا تزوَّجها، أقام عندها ثلاثًا، وقال: «إنَّه ليس بك على أهلِكِ هَوانٌ، إن شئتِ سبَّعتُ لكِ، وإن سبَّعتُ لكِ سبَّعتُ لنسائي». رواه مُسلمٌ.

نے جب ان سے نکاح کیا تو ان کے پاس تین روز قیام کیا اور فرمایا: ''تو اپنے اہل خانہ کے ہاں بے قدر (اور حقیر) نہیں ہے۔ اگر تو چاہتی ہے تو میں تیرے لیے سات روز مقرر کرتا ہوں۔ اور اگر تیرے لیے سات دن مقرر کیے تو اپنی باقی سب عورتوں کے ہاں بھی سات سات دن گزاروں گا۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [لَيس بكِ على أهلِكِ هوانٌ] میں ''با'' سببیہ ہے اور أهل سے حضرت ام سلمہ ؓ کا اپنا قبیلہ مراد ہے۔ اور [هوان] کے معنی حقارت و ذلت کے ہیں، یعنی تیری وجہ سے تیرے قبیلے کو ذلت و رسوائی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ أهل سے مراد خود نبی ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں نے تین روز کا عرصہ اس لیے مختصر نہیں رکھا کہ تو میری نظر میں ادنیٰ درجے کی ہے اور تیری ذات میں میری دلچسپی اور رغبت کم ہے بلکہ اس لیے کہ دراصل حکم یہی ہے۔ آپ نے حضرت ام سلمہ ؓ سے یہ اس لیے فرمایا کہ جب آپ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو حضرت ام سلمہ ؓ نے آپ کا دامن پکڑ لیا۔ [سبَّعتُ لكِ] تسبیع سے ماخوذ ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ میں تیرے ہاں سات روز تک قیام کر سکتا ہوں۔ اور سنن دارقطنی کی روایت میں ہے: ''اگر تیری منشا ہو تو یہ تین دن بالخصوص تیرے ہاں قیام کرتا ہوں اور اگر تو چاہے تو سات روز مقرر کر دیتا ہوں۔'' اور اس کے آخر میں ہے، حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: تین روز میرے پاس بالخصوص قیام فرمائیں۔ (سنن الدارقطني: ۳/ ۲۸۳، حديث: ۳۶۹۱) اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ اگر مدت مقررہ میں مزید اضافہ عورت کی طلب پر ہو تو اس کا خصوصی حق ساقط ہو جائے گا اور ساری بیویوں کا استحقاق برابر ہو جائے گا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آدمی کے پاس پہلے بیوی موجود ہو اور اب نئی دلھن لانا چاہتا ہو تو اگر اس نے ایسی عورت سے شادی کی جو شوہر دیدہ ہے تو اس کے ہاں تین روز قیام کرے گا اور اگر کنواری ہے تو اس کے پاس سات روز قیام کرنا ہوگا۔ اس کے بعد دونوں کے ہاں باری باری سے قیام کرے گا۔ ② کنواری کے لیے سات روز اس لیے مقرر فرمائے کہ اس کا دل لگ جائے اور اس کی اجنبیت دور ہو جائے جبکہ شوہر دیدہ جلدی مانوس ہو جاتی ہے اور ماحول میں گھل مل جاتی ہے، اس لیے اس کے لیے تین روز مدت مقرر کی گئی ہے۔

(٩٠٩) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَنَّ سَوْدَةَ بِنْتَ زَمْعَةَ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[909] حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ ؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ ؓ کو ہبہ کر دیا، اور نبی ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے لیے ان کا اپنا دن اور حضرت سودہ ؓ کا دن بھی تقسیم کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

٩٠٩ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب المرأة تهب يومها من زوجها لضرتها.....، حديث: ٥٢١٢، ومسلم، الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، حديث: ١٤٦٣.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بیوی اپنی باری دوسری بیوی کو دے سکتی ہے۔ یہ بخشش ناقابل رجوع اور ناقابل واپسی ہوگی بشرطیکہ ایام کی تعیین نہ کی گئی ہو۔

(٩١٠) وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا: يَاابْنَ أُخْتِي، كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يُفَضِّلُ بَعْضَنَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْقَسْمِ، مِنْ مُكْثِهِ عِنْدَنَا، وَكَانَ قَلَّ يَوْمٌ إِلَّا وَهُوَ يَطُوفُ عَلَيْنَا جَمِيعًا، فَيَدْنُو مِنْ كُلِّ امْرَأَةٍ، مِنْ غَيْرِ مَسِيسٍ، حَتّٰى يَبْلُغَ الَّتِي هُوَ يَوْمُهَا، فَيَبِيتُ عِنْدَهَا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[910] حضرت عروہ رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے بھانجے! رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ٹھہرنے کی تقسیم میں ہم میں سے کسی کو کسی پر فوقیت وفضیلت نہیں دیتے تھے۔ اور کم ہی ایسا کوئی دن ہوگا جس میں آپ ہم سب کے پاس نہ آتے ہوں۔ آپ ہر بیوی کے پاس جاتے مگر مباشرت نہ کرتے حتیٰ کہ اس بیوی کے پاس پہنچ جاتے جس (کی باری) کا دن ہوتا' چنانچہ آپ رات اس کے پاس بسر کرتے۔ (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور یہ الفاظ ابوداود کے ہیں' نیز حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ دَارَ عَلٰى نِسَائِهِ، ثُمَّ يَدْنُو مِنْهُنَّ. اَلْحَدِيثَ.

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز عصر ادا فرما لیتے تو اپنی ساری بیویوں کے پاس چکر لگاتے' پھر ان کے قریب بھی ہوتے۔ ... الحدیث۔

لغوی تشریح: [يَاابْنَ أُخْتِي] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عروہ کو یوں مخاطب کرنا اس بنا پر تھا کہ عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر کے فرزند تھے۔ [لَا يُفَضِّلُ] تَفْضِيل سے ماخوذ ہے۔ [فَيَدْنُو] آپ قریب جاتے' یعنی ان سے محبت کا اظہار کرتے اور بوس وکنار کرتے۔ [مَسِيسٍ] جماع۔ [دَارَ] گھومنا' چکر لگانا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ ہر روز اپنی ازواج مطہرات کی قیام گاہوں میں حالات معلوم کرنے کی غرض سے چکر ضرور لگاتے اور باہمی محبت و پیار کا اظہار کرتے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر بیوی کی قیام گاہ الگ ہونی چاہیے' اس سے پردہ داری رہتی ہے۔ ③ کم عمر بچوں کو پیار سے بلانا بھی ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے کو يَاابْنَ أُخْتِي کہہ کر بلایا۔

(٩١١) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا.

[911] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ

٩١٠- [حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: ٢١٣٥، وأحمد: ٦/ ١٠٧، والحاكم: ٢/ ١٨٦، وصححه، ووافقه الذهبي، وحديث عائشة: كان إذا صلى العصر ... أخرجه مسلم، الطلاق، حديث: ١٤٧٤، والبخاري، النكاح، حديث: ٥٢١٦.

٩١١- أخرجه البخاري، الجنائز، باب ما جاء في قبر النبي ﷺ ... ، حديث: ١٣٨٩، والنكاح، باب إذا استأذن»

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَانَ يَسْأَلُ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ: «أَيْنَ أَنَا غَدًا؟» يُرِيدُ يَوْمَ عَائِشَةَ. فَأَذِنَ لَهُ أَزْوَاجُهُ، يَكُونُ حَيْثُ شَاءَ، فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ﷺ نے جس مرض میں وفات پائی اس میں دریافت فرماتے تھے: ''میں کل کہاں ہوں گا؟ (کل میری باری کس کے ہاں ہے؟'') آپ کا مقصود حضرت عائشہ ؓ کا دن تھا' چنانچہ آپ کی ازواج مطہرات نے اس بات کی اجازت دے دی کہ آپ جہاں چاہیں رہیں' پھر آپ حضرت عائشہ ؓ کے ہاں ہی رہے۔ (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: ① ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ کے مرض الموت کا آغاز حضرت میمونہ ؓ کے گھر سے ہوا تھا۔ ② آخر کار بیماری نے اتنا کمزور اور ضعیف کر دیا کہ سب بیویوں کے گھر میں جانا دشوار ہو گیا تو حضرت فاطمہ ؓ نے سب ازواج مطہرات سے حضرت عائشہ ؓ کے ہاں مستقل قیام کی اجازت لے لی۔ انھوں نے برضا ورغبت آپ کو حضرت عائشہ ؓ کے ہاں ٹھہرنے کی اجازت دے دی۔ ③ یہ اجازت اس لیے طلب کی گئی کہ کسی کے ذہن میں کوئی نامناسب خیال پیدا نہ ہو۔

(٩١٢) وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا، خَرَجَ بِهَا مَعَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[912] حضرت عائشہ ؓ ہی سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے' چنانچہ جس بیوی کے نام قرعہ نکلتا اسے ساتھ لے جاتے۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: اس حدیث سے کسی مبہم معاملے کے تصفیے کے لیے قرعہ اندازی کا ثبوت ملتا ہے۔

(٩١٣) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا يَجْلِدْ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[913] حضرت عبداللہ بن زمعہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يَجْلِدْ] کوڑے نہ مارے۔ باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے۔ جَلْد کے معنی ہیں: کوڑے مارنا۔ [جَلْدَ الْعَبْدِ] جس طرح غلام کو کوڑوں سے مارا پیٹا جاتا ہے۔ مصدر منصوب بنزع الخافض ہے جو تشبیہ کے لیے لایا گیا ہے' اس حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے: [ثُمَّ يُجَامِعُهَا] کہ پھر اس سے جماع کرے۔ یہ مارنے کے فعل سے نفرت پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ کوئی بھی عقلمند ایسے سلوک نہیں کرتا کہ بیوی کو مارے پیٹے بھی اور اس سے شب

»الرجل نساءه ....، حديث: ٥٢١٧، ومسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: ٢٤٤٣.

٩١٢ـ أخرجه البخاري، الهبة، باب هبة المرأة لغير زوجها......، حديث: ٢٥٩٣، ومسلم، التوبة، باب في حديث الإفك......، حديث: ٢٧٧٠.

٩١٣ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب ما يكره من ضرب النساء، حديث: ٥٢٠٤.

باشی بھی کرے' البتہ اس حدیث کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ بطور تنبیہ ہلکی پھلکی مار جائز ہے۔

راوی حدیث: [حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ] عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن عبدالمطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اسدی۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے۔ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے روز شہید ہوئے۔

٧ - بَابُ الْخُلْعِ

باب:6-خلع کا بیان

(٩١٤) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعِيبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ، وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ؟»** فَقَالَتْ: نَعَمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«اِقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً»**. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ: وَأَمَرَهُ بِطَلَاقِهَا.

[914] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین میں کوئی عیب نہیں نکالتی لیکن اسلام (کی موجودگی) میں نافرمانی و ناشکری کو مکروہ جانتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تو اس کا باغ اسے واپس کر دے گی؟'' اس نے کہا: جی ہاں!۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(اے ثابت!) اپنا باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے' اور بخاری ہی کی ایک روایت میں ہے: آپ نے اسے طلاق دینے کا حکم دیا۔

وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ - وَحَسَّنَهُ -: أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اخْتَلَعَتْ مِنْهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ عِدَّتَهَا حَيْضَةً.

ابوداود اور ترمذی میں ہے' اور امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے' کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان سے خلع کیا تو نبی ﷺ نے اس کے لیے عدت ایک حیض مقرر فرمائی۔

وَفِي رِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عِنْدَ ابْنِ مَاجَه: أَنَّ ثَابِتَ بْنَ قَيْسٍ كَانَ دَمِيمًا، وَأَنَّ امْرَأَتَهُ قَالَتْ: لَوْلَا مَخَافَةُ اللهِ إِذَا دَخَلَ عَلَيَّ لَبَصَقْتُ فِي وَجْهِهِ.

اور ابن ماجہ میں عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے منقول روایت میں ہے: ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ خوبصورت نہ تھے اور ان کی بیوی نے کہا: اگر مجھے اللہ کا خوف اور ڈر نہ ہوتا تو جس وقت وہ (خلوت میں) میرے پاس آیا تھا' میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔

٩١٤ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب الخلع . . . . ، حديث: ٥٢٧٣، وحديث امرأة ثابت بن قيس اختلعت منه: أخرجه أبوداود، الطلاق، حديث: ٢٢٢٩، والترمذي، الطلاق واللعان، حديث: ١١٨٥، وسنده حسن، وحديث عمرو بن شعيب: أخرجه ابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٥٧ وسنده ضعيف، حجاج بن أرطاة ضعيف مدلس وعنعن. والحديث ضعفه البوصيري، وحديث سهل بن أبي حثمة: أخرجه أحمد: ٤/ ٣ وسنده ضعيف، فيه حجاج بن أرطاة عنعن.

وَلِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ: اور مسند احمد میں حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی
وَكَانَ ذٰلِكَ أَوَّلَ خُلْعٍ فِي الْإِسْلَامِ. ہے کہ اسلام میں یہ پہلا خلع تھا۔

لغوی تشریح: [بَابُ الْخُلْعِ] خلع کے ''خا'' پر ضمہ اور ''لام'' ساکن ہے۔ مرد کا عورت سے کچھ مال لے کر اسے جدا اور الگ کر دینا خلع کہلاتا ہے۔ یہ خَلْعُ الثَّوْبِ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: لباس اتارنا' کپڑے اتارنا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ عورت مرد کے لیے اور مرد عورت کے لیے لباس ہے۔ اس کے مصدر میں ''خا'' پر ضمہ اس لیے پڑھا جاتا ہے تاکہ حسی اور معنوی اشیاء کے مابین فرق ہو سکے' چنانچہ خَلَعَ ثَوْبَهُ خَلْعًا میں ''خا'' پر فتحہ پڑھا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ ''خلع'' حسی چیز کے لیے استعمال ہوا ہے جبکہ خَلَعَ امْرَأَتَهُ خُلْعًا وَ خُلْعَةً میں ''خا'' پر ضمہ پڑھا جائے گا' اس لیے کہ اس کا تعلق معنوی چیز کے ساتھ ہے۔ [أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ] ثابت بن قیس کی بیوی۔ اکثر روایات میں اس کا نام حبیبہ بنت سہل ہے۔ اور بعض نے صحیح نام جمیلہ قرار دیا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ صحیح نام مریم تھا۔ مگر پہلا قول ہی صحیح ہے۔ اور اس کا احتمال بھی ہے کہ خلع کے واقعات متعدد ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بعض راویوں کو وہم ہوا ہو۔ [مَا أَعِيبُ] عیب سے ماخوذ ہے اور ''یا'' کی بجائے ''تا'' بھی منقول ہے' یعنی مَا أَعْتِبُ: میں اس کے دین اور اخلاق پر کوئی سرزنش نہیں کرتی۔ [خُلُقٍ] میں ''خا'' اور ''لام'' دونوں پر ضمہ ہے اور ''لام'' ساکن بھی پڑھا جا سکتا ہے' جس کے معنی عادت اور طبیعت کے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ میں یہ نہیں کہتی کہ ثابت' بد خلق اور دین کے اعتبار سے برا ہے۔ [وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ] یعنی مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ خاوند کی نافرمانی' اس سے بغض اور بے رخی کے سبب میں حدود اللہ قائم نہ رکھ سکوں گی جو کہ سراسر اخلاق' اسلام اور اس کے اوامر کے منافی ہے باوجود یکہ میں مسلمان ہوں۔ اس نے یہ گفتگو اور اس خوف و اندیشے کا اظہار اس لیے کیا کہ وہ دین پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ بہت خوبصورت تھی جبکہ ثابت بن قیس پست قامت اور نہایت کالے رنگ کے تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ طبعاً سخت تھے اور عورتوں کو بہت پیٹنے والے تھے۔ ایک بار انھوں نے اپنی اسی بیوی کو اتنا مارا پیٹا کہ اس کا ہاتھ توڑ دیا۔ اسی وجہ سے اس کے دل میں اپنے خاوند کے بارے میں نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس عورت کی یہ گفتگو اس کے عظیم صبر' حسن اخلاق اور کمال دین پر دلالت کرتی ہے۔ [حَدِيقَتَهُ] ثابت بن قیس کا باغ۔ یہ باغ ثابت نے حبیبہ کو حق مہر میں دیا تھا۔ [طَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً] ایک طلاق دے دو۔ یہ امر کا صیغہ ہے۔ [دَمِيمًا] بدصورت۔ قبیح چہرے والا۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ عورت سے فدیہ قبول کرنے کے بعد طلاق دینے سے خلع واقع ہوگا۔ اور ایک روایت میں ہے [خُذْهُمَا] یعنی دونوں باغ جو حق مہر میں دیے تھے' واپس لے لو اور اسے جدا کر دو۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ انھوں نے اس عورت سے باغ واپس لے لیا اور وہ اپنے میکے جا بیٹھی۔ اور یہ دلیل ہے کہ جب خاوند عورت کی طرف سے علیحدگی کے لیے دیا ہوا مال قبول کر لے تو جدائی واقع ہو جائے گی اور بغیر طلاق دیے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اسی سے اختلاف واقع ہوا کہ خلع طلاق ہے یا فسخ؟ راجح اور درست بات یہ ہے کہ یہ فسخ ہے' اس لیے کہ نبی ﷺ نے خلع کرنے والی کو ایک حیض عدت گزارنے کا حکم فرمایا ہے جبکہ طلاق کی عدت ایک حیض قطعاً نہیں بلکہ اس کی عدت تین حیض ہے۔ اور رہا طلاق کا حکم فرمانا! تو اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ طلاق کے لیے مہر واپس کرنے پر باہمی اتفاق کر لینے سے یہ طلاق خلع بن جاتی ہے' اس لیے کہا جائے گا

کہ یہ لفظاً تو طلاق ہے مگر حقیقتاً فسخ ہے۔ واللہ أعلم.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر بیوی کا معقول عذر ہو تو وہ حق مہر خاوند کو واپس دے کر یا کوئی اور مال دے کر خلع کرا سکتی ہے۔ ② ہمارے فاضل محقق نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور حضرت سہل بن ابی حثمہ سے مروی روایات کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ قرار دیا ہے جو کہ محدثین کے نزدیک قابل عمل اور قابل حجت ہوتی ہے' نیز ان کی بابت بحث و تمحیص سے تحسین حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:۲۶/ ۱۸' ۱۹)

وضاحت: [حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ] انصار کے قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے' اسی لیے انصاری خزرجی کہلائے۔ اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے تھے۔ انصار اور رسول اللہ ﷺ کے خطیب تھے۔ اُحد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور نبی ﷺ نے انھیں جنت کی بشارت دی۔ ۱۲ ہجری میں یمامہ کی معرکہ آرائی میں شہید ہوئے۔

٧ - بَابُ الطَّلَاقِ

باب: 7- طلاق کا بیان

(٩١٥) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللهِ الطَّلَاقُ»**. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَرَجَّحَ أَبُوحَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

[915] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حلال چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز طلاق ہے۔'' (اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ابوحاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الطَّلَاقِ] طلاق کے ''طا'' پر فتحہ ہے۔ لغت میں طلاق کے معنی ''بندھن کو کھولنا'' ہیں اور یہ إِطْلَاق سے مشتق ہے جس کے معنی إرسال' یعنی چھوڑ دینے اور ترک کر دینے کے ہیں۔ شرعاً' نکاح کی گرہ کھول دینے کو طلاق کہتے ہیں۔ امام الحرمین کا قول ہے کہ جاہلیت میں بھی اسے طلاق کہا جاتا تھا اور شرع نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے۔ (فتح الباري)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام اشیاء عنداللہ پسندیدہ نہیں۔ بعض چیزیں باوجود حلال ہونے کے بھی ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ انھی میں سے ایک طلاق ہے۔ طلاق حلال ہے مگر اس لیے کہ بسا اوقات انسان مجبور ہوتا ہے اور مصلحت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ طلاق واقع ہو جائے۔ ② بری اور ناپسندیدہ اس وجہ سے ہے کہ اس کی

٩١٥- [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في كراهية الطلاق، حديث: ٢١٧٨، وابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠١٨، وانظر علل الحديث لابن أبي حاتم: ١/ ٤٣١.

وجہ سے باہمی نفرت اور بسا اوقات دیرینہ عداوت پیدا ہو جاتی ہے جو شیطان کی خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہے۔ چونکہ عموماً اس سے نہ ثواب ملتا ہے اور نہ قرب الٰہی ہی حاصل ہوتا ہے' اس لیے حتی الوسع اس سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔
③ احوال وظروف کی بنا پر اس کی مختلف قسمیں ہیں' کبھی مستحب و جائز اور کبھی مکروہ و حرام بھی ہوتی ہے۔ تفصیل شروح احادیث اور کتب فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(٩١٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، وَهِيَ حَائِضٌ، فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: «مُرْهُ، فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ تَحِيضَ، ثُمَّ تَطْهُرَ، ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ، وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَمَسَّ، فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[916] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے عہد نبوی میں اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی' چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''اس سے کہو کہ وہ رجوع کر لے اور اسے طہر شروع ہونے تک روک لے' پھر ایام آئیں' پھر طہر شروع ہو' پھر اگر چاہے تو اس کے بعد روک لے اور اگر چاہے تو صحبت و مجامعت کرنے سے پہلے طلاق دے دے۔ اور یہ وہ عدت (وقت) ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔'' (بخاری و مسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: «مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا، ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا».

اور مسلم کی روایت میں ہے: ''اسے کہو کہ اس سے رجوع کر لے' پھر اسے طلاق ایسی حالت میں دے کہ وہ حالت طہر میں ہو یا حاملہ ہو۔''

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرٰى لِلْبُخَارِيِّ: وَحُسِبَتْ تَطْلِيقَةً.

اور بخاری کی ایک دوسری روایت میں ہے: یہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ کی) ایک طلاق شمار کی گئی۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا وَاحِدَةً أَوِ اثْنَتَيْنِ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَمَرَنِي أَنْ أُرَاجِعَهَا، ثُمَّ أُمْسِكَهَا حَتّٰى تَحِيضَ حَيْضَةً أُخْرٰى، ثُمَّ أُمْهِلَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ، ثُمَّ أُطَلِّقَهَا قَبْلَ أَنْ أَمَسَّهَا، وَأَمَّا أَنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا، فَقَدْ عَصَيْتَ رَبَّكَ فِيمَا أَمَرَكَ بِهِ مِنْ

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (حالت حیض میں طلاق دینے کے بارے میں دریافت کرنے والے سے) کہا: اگر تو نے (حالت حیض میں) عورت کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم فرمایا تھا کہ میں اس سے رجوع کر لوں' پھر اسے دوسرے حیض تک اپنے پاس رکھوں' پھر اسے طہر تک مہلت

٩١٦ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب وقول الله تعالى: ﴿يا أيها النبي إذا طلقتم النساء.......﴾، حديث: ٥٢٥١، ومسلم، الطلاق، باب تحريم طلاق الحائض بغير رضاها........، حديث: ١٤٧١.

طَلَاقِ امْرَأَتِكَ.

دوں اور پھر اسے ہاتھ لگانے (مجامعت کرنے) سے پہلے طلاق دے دوں۔ اور اگر تو نے اسے تین طلاقیں دے ڈالیں تو تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بارے میں اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرٰى: قَالَ عَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَ: فَرَدَّهَا عَلَيَّ، وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا. وَقَالَ: «**إِذَا طَهُرَتْ فَلْيُطَلِّقْ، أَوْ لِيُمْسِكْ**».

اور ایک دوسری روایت میں ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ عورت مجھے واپس کر دی اور اس طلاق کو کچھ بھی شمار نہ کیا اور فرمایا: ''جب عورت ایام سے پاک ہو جائے تو اسے طلاق دے یا روک لے۔''

لغوی تشریح: [طَلَّقَ امْرَأَتَهُ] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ جس خاتون کو طلاق دی اس کا نام آمنہ بنت غفار یا آمنہ بنت عمار تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام نوار تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا نام آمنہ ہو اور نوار اس کا لقب ہو۔ [مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا] اس سے کہو کہ اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور (ایک روایت کے مطابق) امام احمد رحمہ اللہ نے حالت حیض میں دی جانے والی طلاق سے رجوع کو واجب قرار دیا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ رجوع مستحب ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور یہ ناراضی ایام حیض میں طلاق دینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ [ثُمَّ لْيُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ] پھر اسے اپنے پاس ٹھہرائے رکھے یہاں تک کہ وہ ان ایام سے پاک ہو جائے جن میں اس نے طلاق دی ہے۔ [ثُمَّ تَحِيضَ] پھر دوسرا حیض آئے۔ [ثُمَّ تَطْهُرَ] پھر دوسرے حیض سے پاک ہو جائے۔ [ثُمَّ إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ بَعْدُ] پھر اگر چاہے تو دوسرے حیض سے پاک ہونے کے بعد اسے ٹھہرا لے۔ [وَإِنْ شَاءَ طَلَّقَ قَبْلَ أَنْ يَّمَسَّ] اور اگر چاہے تو جماع کرنے سے پہلے دوسرے طہر میں طلاق دے دے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پہلے طہر میں نہیں بلکہ دوسرے طہر میں طلاق دے گا۔ فقہاء کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ پہلے طہر میں طلاق دینا حرام ہے۔ اور ایک گروہ کا قول ہے کہ دوسرے طہر تک مؤخر کرنا مندوب ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد [ثُمَّ لْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا أَوْ حَامِلًا] سے استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں اول اور ثانی کی قید کے بغیر مطلقاً حالت طہر میں طلاق کا جواز ہے، نیز طلاق کی ممانعت تو حیض کی وجہ سے ہے، لہٰذا جب عورت نے طہارت حاصل کر لی تو تحریم کا سبب زائل ہو گیا، چنانچہ اسی طہر میں طلاق دینا جائز ہوا۔ [فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللّٰهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ] یہ وہ عدت (وقت) ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اس کا ذکر ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ میں ہے۔ عدت کے ایک معنی یہ کیے گئے ہیں کہ اس سے مراد مدت اور وقت ہے۔ اور آپ کے فرمان میں لَهَا، فِيهَا کے معنی میں ہے۔ معنی یہ ہوں گے: وہ طہر جس میں جماع نہ کیا گیا ہو۔ یہ وہ وقت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس میں عورتوں کو طلاق دی جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عدت سے معروف عدت ہی مراد ہے، اور ''لام'' ابتدائیہ ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ عورتوں کو ان کی عدت (کے وقت) کے آغاز وابتدا میں طلاق دو۔ [وَحُسِبَتْ عَلَيْهِ تَطْلِيقَةً] یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک طلاق شمار کی گئی۔ فعل صیغۂ مجہول

ہے اور حاسب (شمار کرنے والے) نبی ﷺ تھے۔ اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ ایام حیض میں دی گئی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ممنوع قرار دیے جانے کے باوجود وہ شمار کی جائے گی۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا آخر میں مذکور قول اس کے معارض ہے کہ [فَرَدَّهَا عَلَيَّ وَ لَمْ يَرَهَا شَيْئًا] آپ نے وہ عورت مجھے واپس کر دی اور اس طلاق کو کچھ بھی شمار نہیں کیا۔ یہ قول حیض میں طلاق کے واقع نہ ہونے پر صریح و واضح دلیل ہے۔ اسی بنا پر اس طلاق کے حکم کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ طلاق واقع ہوگی اور انھوں نے کہا ہے کہ [لَمْ يَرَهَا شَيْئًا] کا جملہ ''منکر'' ہے کیونکہ اسے ابوزبیر کے سوا اور کسی نے بیان نہیں کیا۔ اور ابوزبیر تو اپنے جیسے راویوں کی مخالفت میں حجت نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اپنے سے ثقہ اور مضبوط راویوں کی مخالفت کرے یہ ابن عبدالبر کا قول ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ نافع رحمہ اللہ' ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرنے میں ابوزبیر کے مقابلے میں زیادہ پختہ ہے اور دونوں احادیث میں جو زیادہ پختہ ہے وہ زیادہ حقدار ہے کہ تعارض کی صورت میں اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اور امام ابوداود کا قول ہے کہ تمام حدیثیں ابوزبیر کے قول کے خلاف ہیں۔ اور امام خطابی نے کہا ہے کہ اہل حدیث کا قول ہے: ابوزبیر نے اس حدیث سے زیادہ منکر حدیث اور کوئی روایت نہیں کی۔ اور محدثین نے کہا ہے کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اسے کوئی مستقیم اور درست چیز نہیں سمجھا جو سنت میں جائز ہو اور پسندیدہ طریقے کے مطابق ہو، اگرچہ کراہت کے باوجود اس کا واقع ہونا لازمی امر ہے۔ یاد رہے کہ ابن حزم اور ابن قیم رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ جو کوئی ان دونوں کے دلائل سے واقفیت حاصل کرنا چاہے اسے المحلّٰی اور زاد المعاد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

(٩١٧) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ، قَالَ: كَانَ الطَّلَاقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ. فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[917] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اور دور خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سال تک تین طلاقیں' ایک طلاق ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگوں نے ایسے معاملے میں جلد بازی شروع کر دی ہے جس میں ان کے لیے مہلت تھی' اگر ہم اسے ان پر نافذ کر دیں (تو یہ ان کے لیے رکاوٹ کا ذریعہ بن سکتا ہے۔) لہٰذا آپ نے اسے ان پر جاری کر دیا۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنَاةٌ] رخصت اور مہلت' یعنی رجوع کے انتظار سے فائدہ اٹھانا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ لوگوں کے لیے گنجائش تھی کہ وہ یکے بعد دیگرے تین طہروں میں طلاقیں دیں مگر انھوں نے جلدی مچائی اور یک بارگی تین طلاقیں دینا شروع کر دیں۔ [فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ] اگر ہم ان کے جلدی کرنے کی بنا پر اسے نافذ اور لازم قرار دے دیں تو یہ

٩١٧_ أخرجه مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث، حديث: ١٤٧٢.

پے در پے تین طلاقیں دینے سے روک تھام کے لیے بہتر رہے گا اور لوگ تین طلاقوں کی طرف جلدی نہیں کریں گے۔

فائدہ: یہ روایت دلیل ہے کہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنہا اپنی رائے تھی جبکہ حدیث اس پر دلالت کر رہی ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں تو ایک ہی واقع ہوتی ہے۔ اس مسئلے میں علماء کے چار قول ہیں۔ جمہور جس میں ائمۂ اربعہ اور ان کے متبعین بھی شامل ہیں' کی رائے یہ ہے کہ اکٹھی دی گئی تین طلاقیں' تین ہی واقع ہوں گی اور خاوند کے لیے رجوع کا موقع اب باقی نہیں رہے گا۔ اور ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی وقت و مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دینے سے ایک رجعی طلاق واقع ہوگی۔ عہد نبوی اور خلافت صدیقی میں یہی حکم نافذ و جاری تھا تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر اجتہاد کر کے محض لوگوں کو سزا دینے کے لیے تین کو تین ہی نافذ کر دیا۔ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہونے کا فتویٰ ابن عباس' زبیر بن عوام' عبدالرحمٰن بن عوف' علی' ابن مسعود رضی اللہ عنہم' عکرمہ' طاؤس رحمہم اللہ وغیرہم سے بھی منقول ہے اور بعض مالکی علماء' کچھ حنفی علماء اور بعض حنبلی اصحاب نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے اور یہی مذہب امام محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ کا ہے۔ مشائخ قرطبہ میں سے محمد بن بقی بن مخلد اور محمد بن عبدالسلام الخشنی جیسے بہت سے حضرات کا یہی موقف ہے۔ فقہائے طلیطلہ کی ایک جماعت سے بھی یہی حکایت کیا گیا ہے اور اسی موقف کی تائید علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کی ہے' نیز صحیح اور راجح بھی یہی ہے' اس پر یہ حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور آگے آنے والی رُکانہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے۔ دور حاضر میں اکثر اسلامی ممالک اسی پر عمل پیرا ہیں۔ اس مسئلے میں تیسرا مذہب یہ بھی ہے کہ مطلقہ سے اگر صحبت ہو چکی ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اگر صحبت نہ ہوئی ہو تو ایک ہی واقع ہو گی۔ لیکن اس کے حق میں ایسی کوئی دلیل نہیں جس کی طرف التفات کیا جا سکے۔ اور چوتھا مذہب یہ ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے ایک بھی واقع نہیں ہوگی' اس لیے کہ یہ بدعت اور حرام ہے' لہٰذا اس کے ساتھ حکم شرعی کا کوئی تعلق ہی نہیں ہوگا' حالانکہ یہ تمام مذاہب سے کمزور ترین مذہب ہے اور باعتبار دلیل کے سب سے بے کار ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (ایک مجلس میں تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل از حافظ صلاح الدین یوسف ﷾' طبع دارالسلام)

(٩١٨) وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: أُخْبِرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا، فَقَامَ غَضْبَانَ، ثُمَّ قَالَ: «أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللهِ، وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟» حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! أَلَا أَقْتُلُهُ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَرُوَاتُهُ مُوَثَّقُونَ.

[918] حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں اطلاع دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے ڈالی ہیں' چنانچہ آپ غضبناک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''کیا اللہ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے جبکہ میں ابھی تمھارے درمیان موجود ہوں؟'' اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر ڈالوں؟ (نسائی نے اسے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

٩١٨ـ [إسناده صحيح] أخرجه النسائي، الطلاق، باب الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ، حديث: ٣٤٣٠.

فائدہ: یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ یک بارگی تین طلاقیں دینا حرام ہے۔ اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے اسے رجوع کی اجازت دی یا نہیں؟ لہٰذا اس حدیث سے طلاق کے بارے میں مختلف مذاہب میں سے کسی کی تائید نہیں ہوتی۔

راویٔ حدیث: [حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ] محمود بن لبید بن ابو رافع انصاری اشہلی۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں پیدا ہوئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ صحابی تھے۔ امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ ہم ان کی صحابیت کو نہیں جانتے۔ امام مسلم نے تابعین میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کا شمار بڑے بڑے علماء میں ہوتا ہے۔ ۹۶ ہجری میں وفات پائی۔

(٩١٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: طَلَّقَ أَبُورُكَانَةَ، أُمَّ رُكَانَةَ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**رَاجِعِ امْرَأَتَكَ**». فَقَالَ: إِنِّي طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا. قَالَ: «**قَدْ عَلِمْتُ، رَاجِعْهَا**». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ.

[919] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دے دی تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا: ''اپنی بیوی سے رجوع کر لو۔'' ابورکانہ نے کہا: میں نے اسے تین طلاقیں دے دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مجھے معلوم ہے۔ تم اس سے رجوع کر لو۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔)

وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ: طَلَّقَ أَبُو رُكَانَةَ امْرَأَتَهُ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ ثَلَاثًا. فَحَزِنَ عَلَيْهَا. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**فَإِنَّهَا وَاحِدَةٌ**». وَفِي سَنَدِهِمَا ابْنُ إِسْحَاقَ، وَفِيهِ مَقَالٌ.

اور مسند احمد کی ایک روایت میں ہے: ابورکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دی تھیں' پھر اس پر پشیمان ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''وہ (تینوں طلاقیں) ایک ہی ہے۔'' (ان دونوں روایتوں کی سند میں ابن اسحاق ہے جس میں کلام ہے۔)

وَقَدْ رَوَى أَبُو دَاوُدَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ أَحْسَنَ مِنْهُ، أَنَّ رُكَانَةَ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ، فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَرَدْتُ بِهَا إِلَّا وَاحِدَةً، فَرَدَّهَا إِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ.

اور ابوداود نے ایک دوسری سند سے' جو اس سے بہتر ہے' روایت کیا ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سُہَیْمَہ کو طلاق مغلظہ دے دی اور پھر کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ تو نبی ﷺ نے ان کی بیوی کو ان کے پاس واپس لوٹا دیا۔

لغوی تشریح: [أَبُورُكَانَةَ] راجح بلکہ صحیح یہ ہے کہ صاحب قصہ آدمی کا نام رکانہ تھا ابورکانہ نہیں اور ان کے باپ کا نام

٩١٩ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، باب نسخ المراجعة بعد التطليقات الثلاث، حديث: ٢١٩٦. * فيه بعض بني أبي رافع مجهول، وحديث "طلّق أبوركانة امرأته في مجلس واحد" أخرجه أحمد: ١/ ٢٦٥، وسنده ضعيف، داود بن حصين عن عكرمة منكر وضعيف، وحديث "أن ركانة طلق امرأته سهيمة البتة" أخرجه أبوداود، الطلاق، حديث: ٢٢٠٦ وسنده حسن.

عبد یزید تھا۔ مسند احمد میں بھی ''رکانہ ہے نہ کہ ابو رکانہ'' البتہ ابوداود میں یہ قصہ ابورکانہ کی طرف منسوب ہے۔ اور یہ محض وہم ہے جو مصنف (ابوداود) کو نقل میں ہو گیا ہے۔ [طَلَاقُ الْبَتَّة] یہ ہے کہ طلاق دینے والا کہے: أَنْتِ طَالِقٌ الْبَتَّةَ. اور یہ بَتٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے ہیں۔ گویا طلاق دینے والا اس طرح کہتا ہے کہ میں نے تجھے ایسی طلاق دی جس نے نکاح کو قطع کر دیا ہے اور اب اس نے رجوع کا موقع نہیں چھوڑا۔ یہ لفظ بول کر طلاق دینے والا کبھی تین طلاقیں مراد لیتا ہے اور کبھی ایک طلاق بائن۔

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر طلاق دینے والے کی نیت میں ایک ہی طلاق تھی تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی؟ بعض کا کہنا ہے کہ رکانہ رضی اللہ عنہ سے قسم لینے کا مقصد یہ تھا کہ اگر انھوں نے تین کی نیت کی ہوگی تو تین واقع ہو جائیں گی۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں اضطراب بھی پایا جاتا ہے۔ اور پھر یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی پہلی دونوں احادیث (۹۱۹، ۹۱۷) کے معارض بھی ہے لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ قصۂ رکانہ والی حدیث کی تین سندیں ہیں اور مصنف رحمہ اللہ نے تینوں بیان کر دی ہیں۔ ان میں سے پہلی اور تیسری سند' جنھیں ابوداود نے بیان کیا ہے' ضعیف ہیں۔ پہلی اس بنا پر کہ اسے ابن جریج کے واسطے سے روایت کیا گیا ہے' ابن جریج کہتے ہیں کہ مجھے بنو رافع میں سے کسی نے عکرمہ کے حوالے سے خبر دی ہے.... جبکہ بنو رافع میں سے خبر دینے والا شخص مجہول ہے' لہٰذا یہ سند ضعیف ہوئی۔ رہی تیسری روایت' جس میں طلاق مغلظہ کا ذکر ہے' اسے جریر بن حازم نے زبیر بن سعید عن عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے بیان کیا ہے اور اسی طرح یہ نافع بن عجیر عن رکانہ بن عبد یزید کی سند سے بھی مروی ہے' پہلی سند میں زبیر بن سعید ضعیف ہے۔ میزان الاعتدال میں ہے: لَيْسَ بِشَيْءٍ کہ اس کی کچھ حیثیت نہیں ہے۔ اور نسائی نے کہا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ اور تقریب میں ہے کہ یہ لَیِّن الحدیث ہے۔ اور عبداللہ بن علی بن یزید بھی ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں کہا ہے کہ یہ لَیِّن الحدیث ہے۔ اور میزان الاعتدال میں ہے کہ عقیلی نے کہا ہے: اس کی سند میں اضطراب ہے۔ اس کی حدیث کا کوئی متابع نہیں ہے۔ رہا اس کا باپ علی بن یزید! تو الخلاصۃ میں ہے کہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں۔ اور ترمذی نے امام بخاری رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اس میں اضطراب ہے۔ اور دوسری سند میں نافع بن عجیر ضعیف ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں کہا ہے کہ نافع بن عجیر مجہول ہے۔ اس کے حالات کا قطعاً کسی کو علم نہیں کہ وہ کون تھا اور کیسا تھا؟ اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ علل حدیث کے ماہر اور اس کے بارے میں سوجھ بوجھ رکھنے والے علماء' مثلاً: امام احمد بن حنبل' امام بخاری' ابوعبید اور ابومحمد بن حزم رحمہم اللہ وغیرہم نے طلاق بتہ والی حدیث کو قطعی ضعیف قرار دیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اس کے راوی ایسے مجہول لوگ ہیں جن کی عدالت اور ضبط معلوم نہیں ہیں۔ (فتاوی ابن تیمیۃ: ۳۳/ ۱۵) جب اس سند کا یہ حال ہے تو پھر اس کے ضعف میں کوئی شک و ریب باقی نہیں رہ جاتا۔ یہ تو بحث تھی پہلی اور تیسری سند کی' رہی دوسری سند جسے ابوداود نے بیان نہیں کیا بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اسے بیان کیا ہے تو اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل حجت ہیں۔ البتہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے متعلق ضرور کلام ہے۔ اور یہ معلوم ہی ہے کہ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ میں تدلیس کے ماسوا اور کوئی قابل ذکر کمزوری نہیں ہے۔ اس سند میں اس

نے سماع کی صراحت کر دی ہے' لہٰذا تدلیس کا شبہ بھی ختم ہوگیا۔ اب یہ روایت بالکل درست ثابت ہوگئی۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سب سے عمدہ اور صحیح ترین طریق وہی ہے جسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ لیکن ابوداود نے جب یہ طریق روایت نہیں کیا تو انھوں نے پہلے اور تیسرے طریق کا موازنہ کرتے ہوئے تیسرے کو ترجیح دی ہے اور اسے بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے: یہ ابن جریج کے طریق سے زیادہ صحیح ہے جس میں ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں' کیونکہ اس (تیسرے طریق) کے راوی خود رکانہ کے گھر والے ہیں۔ اور اہل خانہ کو زیادہ معلومات ہوتی ہیں۔ (أبو داود) اس کے یہ معنی نہیں کہ ابوداود کے نزدیک یہ صحیح ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ دو ضعیف احادیث میں سے قابل ترجیح ہے اور اس میں ضعف کم ہے۔ اور نافع بن عجیر کی روایت کا مسند احمد کی روایت سے امام ابوداود رحمہ اللہ کے ہاں راجح ہونا ان کے کلام سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ امام ابوداود نے اسے ذکر ہی نہیں کیا' اسی لیے ہم بھی اس پر بحث نہیں کرتے۔ اس ضروری وضاحت کو سمجھ لینے کے بعد اب یہ جان لیجیے کہ اس حدیث کے بارے میں مصنف (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) کی گفتگو دو وجہ سے مخدوش ہے۔ پہلی یہ کہ پہلے اور دوسرے طریق کو بیان کرنے کے بعد (مصنف رحمہ اللہ نے) کہا ہے کہ ان دونوں احادیث کی سند میں محمد بن اسحاق راوی ہے جس میں کلام ہے باوجودیکہ محمد بن اسحاق پہلے طریق میں سرے سے موجود ہی نہیں' وہ تو صرف دوسرے طریق میں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنف نے تیسری روایت ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ابوداود نے اسے ایک اور طریق سے بیان کیا ہے جو اس (پہلے) سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ یہ طریق' ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بہتر ہے یا دوسرے طریق سے بہتر ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے' اس لیے کہ قریب الذکر وہی ہے۔ بہرحال دونوں میں سے کوئی بھی ہو آپ یہ تو معلوم کر چکے ہیں کہ صحیح اور قوی ترین طریق دوسرا ہی ہے۔ اگر تو مؤلف کی مراد یہ ہے کہ امام ابوداود کے نزدیک یہ احسن ہے تو آپ جان چکے ہیں کہ امام ابوداود کے کلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ احسن ہے تو سابقہ تفصیل کی روشنی میں یہ بھی درست نہیں۔

راویٔ حدیث: [حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ] رکانہ میں ''را'' پر ضمہ ہے۔ یہ رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف مطّلبی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی تھی۔ اور یہی کشتی ان کے اسلام لانے کا باعث بنی۔ مدینہ چلے آئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے شروع میں یہیں فوت ہوئے۔ بعض کے نزدیک ۴۱ ہجری میں فوت ہوئے۔ ان کی بیوی سہیمہ بنت عمیر مزنیہ ہے۔

[محمد بن اسحاق] ان کی کنیت ابوبکر اور بعض نے ابوعبداللہ بیان کی ہے۔ پورا نام محمد بن اسحاق بن یسار مطلبی ہے۔ قیس بن مخرمہ مدنی کے غلام تھے۔ مغازی و سیر کے امام تھے۔ ۱۵۰ ہجری میں وفات پائی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے بعد وفات پائی۔

(٩٢٠) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ، وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ: اَلنِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالرَّجْعَةُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِّابْنِ عَدِيٍّ، مِنْ وَّجْهٍ آخَرَ ضَعِيفٍ: «اَلطَّلَاقُ، وَالْعَتَاقُ، وَالنِّكَاحُ».

وَلِلْحَارِثِ بْنِ أَبِي أُسَامَةَ، مِنْ حَدِيثِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، رَفَعَهُ: «لَا يَجُوزُ اللَّعِبُ فِي ثَلَاثٍ: اَلطَّلَاقِ، وَالنِّكَاحِ، وَالْعَتَاقِ، فَمَنْ قَالَهُنَّ فَقَدْ وَجَبْنَ». وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

[920] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین امور ایسے ہیں کہ ان کا قصداً کرنا بھی حقیقت ہے اور ہنسی مذاق سے کہنا بھی حقیقت ہے: نکاح، طلاق اور رجوع۔'' (اسے نسائی کے سوا چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

اور ابن عدی کی ایک دوسری ضعیف روایت میں ہے: ''طلاق، آزادی اور نکاح۔''

اور حارث بن ابو اسامہ کی روایت جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے، اس میں ہے: ''تین چیزوں میں مذاق کرنا جائز نہیں: طلاق، نکاح اور آزادی۔ جو آدمی ان امور کو (مذاق سے بھی) کہے گا تو یہ واجب ہو جائیں گے۔'' (اس کی سند ضعیف ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْهَزْلُ] کھیل، مذاق اور ہنسی کے طور پر کچھ کہنا یا کرنا۔ اس سے حقیقت مراد نہیں ہوتی۔ [اَلْجِدُّ] ''جیم'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ہزل کی ضد، یعنی سنجیدگی۔ [وَالرَّجْعَةُ] ''را'' کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ دونوں طرح درست ہے۔ طلاق دینے والے کا اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرنا۔

(٩٢١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى تَجَاوَزَ عَنْ أُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا، مَا لَمْ تَعْمَلْ، أَوْ تَكَلَّمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[921] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے ان کے دلوں کے وسوسوں (پر گرفت اور مؤاخذے) سے درگزر فرما دیا ہے۔ (اور یہ اس وقت تک ہے) جب تک وہ (ان وسوسوں پر) عمل نہ کریں یا زبان سے نہ کہیں۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [تَجَاوَزَ] درگزر کیا۔ [مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا] جو وسوسے اور خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

٩٢٠ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في الطلاق على الهزل، حديث: ٢١٩٤، والترمذي، الطلاق، حديث: ١١٨٤، وابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٣٩، والحاكم: ٢/ ١٩٨، وصححه الحاكم فتعقبه الذهبي بقوله: "عبدالرحمن بن حبيب بن أردك فيه لين" قلت: هو حسن الحديث على الراجح فالتعقب مردود، وحديث "الطلاق والعتاق والنكاح" أخرجه ابن عدي في الكامل: ٦/ ٢٠٣٣ وسنده ضعيف جدًا. غالب بن عبيدالله الجزري متروك. وحديث "لا يجوز اللعب في ثلاث" رواه الحارث بن أبي أسامة (بغية الباحث: ٥٠٣) وسنده ضعيف. ابن لهيعة ضعيف مدلس.

٩٢١ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق . . . ، حديث: ٥٢٦٩، ومسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس والخواطر بالقلب إذا لم تستقر، حديث: ١٢٧.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسے قابل مؤاخذہ نہیں، مثلاً: کسی کے دل میں عورت کو طلاق دینے کا خیال آیا یا کسی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا تو محض خیالات اور ارادے سے یہ باتیں واقع نہیں ہو جاتیں، البتہ اگر انسان دل میں پیدا ہونے والے وسوسوں کا عملاً اظہار کرے یا زبان سے اقرار کرے تو یہ قابلِ مؤاخذہ ہے۔

(٩٢٢) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه. وَالْحَاكِمُ. وَقَالَ أَبُوحَاتِمٍ: لَايَثْبُتُ.

[922] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت سے خطا، بھول چوک اور وہ گناہ معاف کر دیے ہیں جن پر انھیں مجبور کیا گیا ہو۔'' (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابوحاتم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔)

لغوی تشریح: [وَضَعَ] معاف فرما دیا، ساقط کر دیا۔ [اُسْتُكْرِهُوا] صیغۂ مجہول۔ اِسْتِكْرَاه سے ماخوذ ہے، یعنی کسی کام کے انجام دینے پر جبر وقہر کرنا۔

فائدہ: یہ اور سابقہ، دونوں احادیث اس لیے بیان کی گئی ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ ایسی صورت میں شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر یا کسی بھی اور طریقے سے مجبور کر کے اس سے طلاق لے لی جائے تو شریعت کی رو سے وہ طلاق قطعاً واقع نہیں ہوگی۔

(٩٢٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا حَرَّمَ امْرَأَتَهُ، لَيْسَ بِشَيْءٍ وَقَالَ: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[923] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی کو حرام قرار دے تو یہ کوئی چیز نہیں۔ اور فرمایا: یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

وَلِمُسْلِمٍ: إِذَا حَرَّمَ الرَّجُلُ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ، فَهُوَ يَمِينٌ، يُكَفِّرُهَا.

اور مسلم میں ہے: جب مرد نے اپنے اوپر اپنی بیوی کو حرام قرار دے لیا تو وہ قسم شمار ہوگی۔ اس کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔

لغوی تشریح: [لَيْسَ بِشَيْءٍ] یعنی حرام قرار دینے سے بیوی اس پر حرام نہیں ہو جاتی اور نہ یہ طلاق شمار ہوتی ہے۔ اس

٩٢٢ـ [صحيح] أخرجه ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث: ٢٠٤٥، والحاكم: ٢/ ١٩٨، وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، وسنده صحيح، وللحديث شواهد كثيرة.

٩٢٣ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب "لم تحرم ما أحل الله لك"، حديث: ٥٢٦٦، ومسلم، الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته ولم ينو الطلاق، حديث: ١٤٧٣.

کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اس تحریم کا بالکل کوئی حکم نہیں کیونکہ ابن عباس ؓ نے اس پر قرآن کریم سے استدلال کیا ہے۔ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب ٣٣:٢١) اس استدلال سے مقصود یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس پر قسم کا کفارہ ادا کیا تھا' اس لیے کفارہ ضرور دینا ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مرد کے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کو ''کچھ بھی نہیں'' سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ یہ رجعی طلاق ہے اور نہ بائن اور نہ ظہار' بلکہ یہ قسم ہے جس کا کفارہ دیا جائے گا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔ ② صحیح بخاری میں بھی ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ مرد پر قسم کا کفارہ ہوگا۔ ③ اس مسئلے کے بارے میں اہل علم کے تیرہ اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے راجح قول یہی ہے۔

(٩٢٤) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ ابْنَةَ الْجَوْنِ لَمَّا أُدْخِلَتْ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَدَنَا مِنْهَا: قَالَتْ: أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ، فَقَالَ: «لَقَدْ عُذْتِ بِعَظِيمٍ، الْحَقِي بِأَهْلِكِ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[924] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ جون کی بیٹی کو جب (نکاح کے بعد) رسول اللہ ﷺ کی خلوت گاہ میں بھیجا گیا اور آپ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا: میں آپ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''تو نے بڑی عظیم ذات کی پناہ طلب کی ہے' چنانچہ تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: اس حدیث کے ذکر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ [الْحَقِي بِأَهْلِكِ] کہہ کر اگر طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق شمار ہوگی۔ یہی حدیث پہلے حق مہر کے باب میں (٨٩١ کے تحت) گزر چکی ہے۔ اس کے الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں اور اس میں تصریح موجود ہے کہ آپ نے اسے طلاق دی۔ لیکن اس میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ طلاق کس طرح دی، مگر اس حدیث میں اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے بصراحت طلاق نہیں دی بلکہ کنائے کے ان الفاظ سے طلاق دی تھی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنائے کے الفاظ میں بھی طلاق ہو جاتی ہے۔ ② طلاق صریح تو یہ ہے کہ طلاق دینے والا صریح الفاظ میں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی۔ یہ طلاق واقع ہو جائے گی' خواہ طلاق دینے والے کی نیت طلاق کی نہ ہو کیونکہ اس میں لفظ طلاق بالکل واضح ہے۔ ③ اور طلاق بالکنایہ یہ ہے کہ طلاق دینے والا ایسے الفاظ کہے جن کا معنی و مفہوم طلاق بھی ہو سکتا ہے اور اس کا غیر بھی' مثلاً: شوہر نے کہہ دیا کہ تو آزاد ہے' یا اس طرح کہے کہ جا اپنے میکے چلی جا وغیرہ' ایسی صورت میں اس طرح کے الفاظ کہنے والے کی نیت پر منحصر ہوگا۔ اگر اس کا ارادہ طلاق کا ہوگا تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر ایسے الفاظ بول کر اس کا مقصود طلاق نہیں ہوگا تو پھر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(٩٢٥) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ،

[925] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے' وہ فرماتے

٩٢٤۔ أخرجه البخاري، الطلاق، باب من طلق وهل يواجه الرجل امرأته بالطلاق، حديث: ٥٢٥٤، وانظر، حديث: ٨٩١.

٩٢٥۔ [حسن] أخرجه أبويعلى: لم أجده، والحاكم: ٢/ ٤٢٠، وللحديث شواهد، وحديث المسور بن مخرمة: أخرجه ابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٤٨ وهو حديث حسن.

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا طَلَاقَ إِلَّا بَعْدَ نِكَاحٍ، وَلَا عِتْقَ إِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ**». رَوَاهُ أَبُويَعْلَى، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ مَعْلُولٌ. وَأَخْرَجَ ابْنُ مَاجَه عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ مِثْلَهُ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لٰكِنَّهُ مَعْلُولٌ أَيْضًا.

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''طلاق نکاح کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اور آزادی ملکیت کے بعد ہی ممکن ہے۔'' (اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے' حالانکہ یہ معلول ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت مسور بن مخرمہ کے واسطے سے اس جیسی روایت بیان کی ہے' اس کی سند (ظاہراً) حسن ہے لیکن وہ بھی معلول ہے۔)

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی نے جب طلاق اور آزادی کو معلق کیا' مثلاً: یوں کہا کہ وہ عورت جس سے میں نکاح کروں گا اسے طلاق ہے یا یوں کہے کہ ہر وہ غلام جسے میں خریدوں گا وہ آزاد ہے تو نکاح کر لینے اور غلام خرید لینے کے بعد اس پر عمل نہیں کیا جائے گا' یعنی نکاح کے بعد عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور خریدنے کے بعد غلام بھی آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس کا یہ قول لغو اور ضائع ہوگا۔ ② اس مسئلے کی بے شمار صورتیں ہیں' یہ حدیث مطلقاً تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اسے عام رکھا جائے گا اور مختلف احوال میں فرق نہیں کیا جائے گا۔ ③ یہ مسئلہ ان اختلافی مسائل میں سے ہے جو مشہور و معروف ہیں۔ جمہور تو کہتے ہیں کہ یہ طلاق اور آزادی قطعاً واقع نہیں ہوگی جبکہ احناف کہتے ہیں کہ بہر نوع یہ واقع ہو جائے گی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں تفصیل ہے اور مختلف احوال کے لحاظ سے فرق ہے' چنانچہ اگر کسی عورت کا نام لیا گیا ہو یا کسی گروہ' قبیلے' جگہ یا وقت کی تعیین کی جائے تو طلاق اور آزادی واقع ہو جائے گی۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر نہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ ایسی صورت میں طلاق ہرگز واقع نہیں ہوگی جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

(٩٢٦) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا عِتْقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ، وَلَا طَلَاقَ لَهُ فِيمَا لَا يَمْلِكُ**». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَنُقِلَ عَنِ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ أَصَحُّ مَا وَرَدَ فِيهِ.

[926] حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس چیز کی نذر درست نہیں جس کا انسان مالک نہیں' نہ انسان کی طرف سے اس غلام کی آزادی درست ہے جس کا وہ مالک نہیں اور نہ اس کا اس عورت کو طلاق دینا صحیح ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے۔'' (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام بخاری ؒ سے منقول ہے کہ اس سلسلے میں وارد تمام احادیث میں سے صحیح ترین یہی ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا نَذْرَ لِابْنِ آدَمَ ...... الخ] ابن آدم کی وہ نذر صحیح نہیں جس کا وہ مالک نہیں ہے' مثلاً: کوئی یوں کہے

٩٢٦ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في الطلاق قبل النكاح، حديث: ٢١٩٠، والترمذي، الطلاق واللعان، حديث: ١١٨١.

کہ میں نذر مانتا ہوں کہ اس غلام کو آزاد کروں گا' حالانکہ جب اس نے نذر مانی تھی اس وقت وہ غلام اس کی ملکیت میں نہیں تھا۔ اب اگر یہ اس کا مالک بن بھی جائے تب بھی وہ آزاد نہیں ہوگا۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان جس چیز کا مالک ہی نہیں اس میں مالکانہ اختیارات استعمال کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان اختیارات کا استعمال ناقابل تسلیم ہے۔ ② یہ حدیث دلیل ہے کہ اجنبی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوتی' مثلاً: ایک آدمی کسی دوسرے کی منکوحہ یا کسی غیر منکوحہ خاتون سے کہتا ہے کہ تو مطلقہ ہے اور وہی شخص بعد ازاں کسی وقت اسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ عورت مطلقہ تصور نہیں ہوگی، لیکن کسی عورت کو اس طرح کہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق، تو اس صورت میں علماء و فقہاء کے تین اقوال ہیں: ❀ امام شافعی' امام احمد' داود ظاہری رحمہم اللہ اور چند دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ ایسی عورت مطلقہ نہیں ہوگی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بائیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قول نقل کیا ہے اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہی حدیث ہے۔ ❀ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایسی عورت مطلقہ ہو جائے گی۔ ❀ تیسرا قول امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ کا ہے کہ اگر کسی خاص قبیلے یا شہر کی عورت سے کہے یا کسی دن یا مہینے کے ساتھ مخصوص کرے تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر عمومی طور پر کہے تو واقع نہیں ہوگی۔ غلام کو آزاد کرنے اور نذر ماننے کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ ان اقوال میں سے اقرب الی الصواب پہلا قول ہی ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔

(٩٢٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّغِيرِ حَتّٰى يَكْبُرَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَعْقِلَ، أَوْ يُفِيقَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[927] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین افراد سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: سوئے ہوئے سے حتی کہ وہ بیدار ہو جائے' بچے سے حتی کہ وہ بالغ ہو جائے۔ اور دیوانے سے حتی کہ وہ سمجھ دار ہو جائے یا اسے افاقہ ہو جائے۔'' (اسے احمد نے اور ترمذی کے سوا چاروں نے، نیز ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَوْ يُفِيقَ] إِفَاقَة سے ماخوذ ہے۔ مرض جنون سے افاقہ اور صحت یابی ہو جائے' بایں صورت کہ اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کی طرف سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

٩٢٧ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدًا، حديث:٤٣٩٨، والترمذي، الحدود، حديث:١٤٢٣، والنسائي، الطلاق، حديث:٣٤٦٢، وابن ماجه، الطلاق، حديث:٢٠٤١، وأحمد:١/ ١١٨، ١٤٠، ١٥٥، ١٥٨، والحاكم:٢/ ٥٩ وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي.

٨ - بَابُ الرَّجْعَةِ

باب:8-رجوع کرنے کا بیان

(٩٢٨) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يُطَلِّقُ، ثُمَّ يُرَاجِعُ، وَلَا يُشْهِدُ، فَقَالَ: أَشْهِدْ عَلٰى طَلَاقِهَا، وَعَلٰى رَجْعَتِهَا. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ هٰكَذَا مَوْقُوفًا، وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ. وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ بِلَفْظِ: أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا سُئِلَ عَمَّنْ رَاجَعَ امْرَأَتَهُ وَلَمْ يُشْهِدْ، فَقَالَ: «فِي غَيْرِ سُنَّةٍ، فَلْيُشْهِدِ الْآنَ».

[928] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ طلاق دیتا ہے' پھر رجوع کر لیتا ہے اور اس پر گواہ نہیں بناتا۔ تو انھوں نے فرمایا: عورت کو طلاق دیتے اور اس سے رجوع کرتے وقت گواہ مقرر کر۔ (اسے ابوداود نے اسی طرح موقوف روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔) امام بیہقی نے اس روایت کو ان الفاظ سے ذکر کیا ہے: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے اس شخص کے متعلق پوچھا گیا جو اپنی بیوی سے رجوع کرے مگر گواہ نہ بنائے تو انھوں نے فرمایا: یہ غیر مسنون ہے۔ اسے چاہیے کہ اب گواہ بنالے۔

وَزَادَ الطَّبَرَانِيُّ فِي رِوَايَةٍ: «وَيَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ».

طبرانی نے ایک روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: اسے اللہ سے معافی مانگنی چاہیے۔

لغوی تشریح: [بَابُ الرَّجْعَةِ] رَجعَة کے ''را'' کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ دونوں درست ہیں۔ اور رَجْعَة، مُرَاجَعَة اور اِرْتِجَاع سبھی کے ایک ہی معنی ہیں' یعنی مرد کا طلاق دینے کے بعد دوران عدت میں بغیر نکاح کے اپنی اہلیہ کی طرف زبانی طور پر یا عملی طور پر رجوع کرنا۔ [أَشْهِدْ عَلٰى طَلَاقِهَا وَ عَلٰى رَجْعَتِهَا] طلاق دیتے اور رجوع کرتے وقت گواہ بنا۔ اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ طلاق اور رجوع کے لیے گواہ بنانا مندوب و مستحب ہے۔

(٩٢٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّهُ لَمَّا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِعُمَرَ: «مُرْهُ، فَلْيُرَاجِعْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

٩٢٩- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب انھوں نے اپنی اہلیہ کو طلاق دی تو نبی ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اسے کہو اپنی اہلیہ سے رجوع کر لے۔'' (بخاری ومسلم)

٩٢٨- [صحيح] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب الرجل يراجع ولا يشهد، حديث: ٢١٨٦، وسنده حسن، والبيهقي: ٧/ ٣٧٣.

٩٢٩- متفق عليه، تقدم، حديث: ٩١٦.

٩ - بَابُ الْإِيلَاءِ وَالظِّهَارِ وَالْكَفَّارَةِ

باب:9- ایلاءُ ظہار اور کفارے کا بیان

(٩٣٠) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: آلٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ، وَحَرَّمَ، فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا، وَجَعَلَ لِلْيَمِينِ كَفَّارَةً. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ.

[930] حضرت عائشہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیویوں سے ایلا کیا اور (حلال کو) حرام ٹھہرا لیا' پھر اس حرام کو حلال کیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْإِيلَاءِ] إِيلَاء' أُلِيَّة سے مشتق ہے۔ أَلِيَّة میں ''یا'' پر تشدید ہے اور یہ فَعِيلَة کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی قسم کھانے کے ہیں' اس کی جمع أَلَايَا آتی ہے۔ اور شرعاً ایلا یہ ہے کہ شوہر قسم کھائے کہ وہ اپنی اہلیہ سے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک وطی (جماع) نہیں کرے گا۔ ائمۂ اربعہ اور دیگر محدثین وفقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر خاوند نے قسم کھائی کہ وہ اپنی اہلیہ سے چار ماہ سے کم مدت تک تعلق زن وشو قائم نہیں کرے گا تو اسے ایلا کرنے والا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [الظِّهَار] ''ظا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ظہار سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: [أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي] ''تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی مانند ہو۔'' اس میں پیٹھ کا بطور خاص ذکر ہے کیونکہ عموماً پیٹھ ہی پر سواری کی جاتی ہے۔ اور بیوی کو اس سے تشبیہ اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ مرد کی سواری ہوتی ہے۔ اگر پیٹھ کی بجائے پیٹ کی طرف نسبت ہو تو پھر بھی ظہار ہو جاتا ہے۔ اور اگر ماں کا تعین نہ بھی کیا جائے اور ایسے کہا جائے کہ ''تو مجھ پر میری بہن کی پیٹھ کی طرح ہے۔'' تو پھر بھی ظہار ہو جائے گا۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ (ملخص از فتح الباري) [الْكَفَّارَة] تکفیر سے ہے جس کے معنی ہیں: چھپانا۔ اور اس سے مراد وہ چیز ہے جو ظہار اور ایلا کے گناہوں اور اثر کو مٹا دیتی ہے۔

[آلٰى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهِ] رسول اللہ ﷺ نے قسم کھائی کہ وہ مہینہ بھر اپنی بیویوں کے قریب نہیں جائیں گے۔ اس کے کئی اسباب تھے۔ ایک سبب تو یہ تھا کہ آپ کی کسی اہلیہ نے آپ کے اہم راز کی بات کو فاش کر دیا جو کہ آپ نے خفیہ طور پر اس سے کی تھی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہ فرما دیا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ سب بیویاں متفق ہو کر آپ ﷺ سے نان ونفقے کا مطالبہ کرنے لگیں' بلکہ اظہار ناراضی کے لیے صبح سے شام تک آپ سے بات چیت منقطع کر لیتیں۔ تیسرا سبب یہ تھا کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ؓ نے آپ ﷺ کے خلاف ایکا کر لیا' پھر اسی کے نتیجے میں تحریم شہد کا واقعہ پیش آیا یہاں تک کہ ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ .... الخ﴾ (التحريم ٦٦:٤) ایک سبب یہ بھی تھا کہ انھی ایام میں آپ گھوڑے سے نیچے گر گئے تھے اور آپ کے دائیں پہلو میں خراشیں اور چوٹیں آئی تھیں۔ جب یہ تمام اسباب جمع ہو گئے اور آپ ان کی طرف سے کبیدہ خاطر ہو گئے تو آپ نے قسم

٩٣٠- [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، الطلاق، باب ما جاء في الإيلاء، حديث: ١٢٠١. * مسلمة بن علقمة روى عن داود أحاديث مناكير عند الجمهور، والمرسل أصح.

کھائی کہ ایک مہینہ اپنی بیویوں کے قریب نہیں جاؤں گا' چنانچہ آپ اپنے بالا خانے میں الگ ہو کر بیٹھ گئے، مگر جب انتیس دن پورے ہوئے تو آیت تَخْيِير نازل ہوئی۔ آپ بالا خانے سے اتر کر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے آئے اور انھیں اپنے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار دے دیا' مگر سب ازواج مطہرات نے آپ ﷺ کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ آپ نے اسے طلاق شمار نہیں کیا۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا ایلا چار ماہ یا اس سے زیادہ عرصے کا نہیں تھا' اس لیے یہ شرعی ایلا تھا نہ اس پر کفارہ واجب تھا۔ [وَحَرَّمَ، فَجَعَلَ الْحَرَامَ حَلَالًا] (حلال) کو حرام ٹھہرا لیا' پھر اس حرام کو حلال کیا۔ اس میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت کی طرف اشارہ ہے' وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیوی زینب بنت جحش ؓ کے ہاں شہد نوش فرماتے اور کافی دیر ان کے ہاں ٹھہرتے تھے' چنانچہ میں نے اور حضرت حفصہ ؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ تشریف لائیں تو وہ یہ کہے: کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ میں آپ سے مغافیر کی بو محسوس کر رہی ہوں۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا، تو) آپ نے فرمایا: ''نہیں' میں نے تو زینب کے ہاں شہد پیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں آئندہ اس کا اعادہ نہیں کروں گا اور میں نے قسم کھا لی ہے۔ کسی کو اس کی خبر نہ دینا۔'' (صحيح البخاري' التفسير' حديث: ٤٩١٢) اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ......الخ﴾ (التحريم ٦٦:١، ٢) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس تحریم کو قسم قرار دیا اور اس میں کفارے کی ادائیگی فرض کر دی' اس لیے آپ ﷺ نے پھر شہد بھی استعمال کیا اور قسم کا کفارہ بھی ادا فرمایا۔

(٩٣١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وُقِفَ الْمُولِي، حَتَّى يُطَلِّقَ، وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلِّقَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[931] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو ایلا کرنے والے کو (حاکم وقت کے سامنے) کھڑا کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دے دے۔ اور اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک وہ طلاق نہ دے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وُقِفَ الْمُولِي] صیغۂ مجہول ہے' یعنی اس سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یا تو وہ بیوی سے تعلق زن وشو استوار کر لے یا پھر طلاق دے دے۔

(٩٣٢) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: أَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، كُلُّهُمْ يَقِفُونَ الْمُولِيَ. رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ.

[932] حضرت سلیمان بن یسار ؒ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دس سے زائد صحابہ کو پایا ہے کہ وہ ایلا کرنے والے کو (عدالت میں) کھڑا کر کے پوچھتے تھے۔ (اسے شافعی نے روایت کیا ہے۔)

٩٣١ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب قول الله تعالى: ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ﴾، حديث: ٥٢٩١.

٩٣٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه الشافعي في الأم: ٥/ ٢٦٥، ٧/ ٢٤، رواية الشافعي عن سفيان بن عيينة محمولة على السماع، وانظر: النكت للزركشي، (ص: ١٨٩).

لغوی تشریح: [بِضْعَةَ عَشَرَ] بضعة، "با" کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ تین سے لے کر نو تک کی تعداد بضعة کہلاتی ہے۔ اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور فقہاء، مثلاً: ائمۂ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا اس اثر اور اس سے پہلے والے اثر کی طرف رجحان ہے کہ صرف چار ماہ کی مدت گزرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی تاوقتیکہ ایلا کرنے والا خود طلاق نہ دے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ صرف مدت ایلا گزرنے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح مروی ہے جبکہ آیت ایلا کے ظاہر سے وہی درست معلوم ہوتا ہے جس کی طرف جمہور کا رجحان ہے۔

(٩٣٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ إِيلَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ السَّنَةَ وَالسَّنَتَيْنِ، فَوَقَّتَ اللّٰهُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ، فَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَلَيْسَ بِإِيلَاءٍ. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

[933] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جاہلیت کا ایلا سال دو سال تک ہوتا تھا۔ اللہ عزوجل نے اس کی مدت چار ماہ مقرر فرما دی، لہٰذا اگر چار ماہ سے کم مدت ہو تو وہ ایلا شمار نہیں ہوگا۔ (اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَوَقَّتَ اللّٰهُ] تَوْقِيت سے ماخوذ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت مقرر کر دیا ہے۔

(٩٣٤) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا ظَاهَرَ مِنَ امْرَأَتِهِ، ثُمَّ وَقَعَ عَلَيْهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي وَقَعْتُ عَلَيْهَا قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ، قَالَ: «**فَلَا تَقْرَبْهَا، حَتّٰى تَفْعَلَ مَا أَمَرَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهِ**». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ إِرْسَالَهُ، وَرَوَاهُ الْبَزَّارُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَزَادَ فِيهِ: «**كَفِّرْ وَلَا تَعُدْ**».

[934] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، پھر اس سے جماع کر لیا۔ بعد ازاں وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے کفارے کی ادائیگی سے پہلے ہی اپنی بیوی سے مباشرت کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اب اس وقت تک اس کے پاس نہ جانا جب تک اللہ تعالیٰ کا ارشاد پورا نہ کر لو۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے، ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اور نسائی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔) اور بزار نے ایک اور سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ ''کفارہ ادا کر، اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔''

لغوی تشریح: [قَبْلَ أَنْ أُكَفِّرَ] تَكْفِير سے ماخوذ ہے، یعنی ظہار کا کفارہ ادا کرنے سے پہلے۔ [فَلَا تَقْرَبْهَا] اس سے جماع نہ کر۔ [كَفِّرْ وَلَا تَعُدْ] تکفیر سے امر کا صیغہ ہے، یعنی کفارہ ادا کر اور کفارہ ادا کرنے سے پہلے اب دوبارہ اس

٩٣٣۔ [إسناده ضعيف] أخرجه البيهقي: ٧/ ٣٨١، فيه الحارث بن عبيد ضعفه الجمهور، انظر: نيل المقصود: ١٤٠٣.

٩٣٤۔ [حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في الظهار، حديث: ٢٢٢٣، والترمذي، الطلاق واللعان، حديث: ١١٩٩، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٤٨٧، وابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٦٥، والبزار.

سے مباشرت نہ کرے۔ اکثر اہل علم اس حدیث کے ظاہری معنی سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں ایک ہی کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ ایسی صورت میں دو کفارے ہیں۔ لیکن یہ قول اس حدیث کی وجہ سے مردود ہے۔

(٩٣٥) وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ، فَخِفْتُ أَنْ أُصِيبَ امْرَأَتِي، فَظَاهَرْتُ مِنْهَا، فَانْكَشَفَ لِي شَيْءٌ مِّنْهَا لَيْلَةً، فَوَقَعْتُ عَلَيْهَا فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «حَرِّرْ رَقَبَةً». فَقُلْتُ: مَا أَمْلِكُ إِلَّا رَقَبَتِي. قَالَ: «فَصُمْ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ». قُلْتُ: وَهَلْ أَصَبْتُ الَّذِي أَصَبْتُ إِلَّا مِنَ الصِّيَامِ. قَالَ: «أَطْعِمْ عَرَقًا مِنْ تَمْرٍ سِتِّينَ مِسْكِينًا». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ.

[935] حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک شروع ہوا تو مجھے اندیشہ لاحق ہوا کہ میں اپنی بیوی سے مباشرت کر بیٹھوں گا' چنانچہ (اس اندیشے کے پیش نظر) میں نے بیوی سے ظہار کر لیا۔ ایک (چاندنی) رات اس کے بدن کا کچھ حصہ میرے سامنے کھل گیا تو میں اس سے مجامعت کر بیٹھا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''غلام آزاد کر۔'' میں نے عرض کیا: میں تو اپنی گردن کے سوا کسی کا مالک نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر پے در پے دو ماہ کے روزے رکھ۔'' میں نے عرض کیا: اس مشکل میں روزے ہی کی وجہ سے تو مبتلا ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اچھا! تو پھر کھجوروں کا ایک ٹوکرا ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔'' (اسے احمد نے اور نسائی کے سوا چاروں نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَرِّرْ رَقَبَةً] تحریر سے امر کا صیغہ ہے' یعنی غلام یا لونڈی آزاد کر۔ [أَطْعِمْ عَرَقًا مِّنْ تَمْرٍ] عرق کے ''عین'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے اور ''را'' پر سکون بھی جائز ہے' یعنی بڑا ٹوکرا جس میں پندرہ صاع اناج کی گنجائش ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسکین کے لیے ایک مد ہونا چاہیے۔ اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ ظہار کا کفارہ بالترتیب ہے۔ ایک کفارے سے دوسرے کی جانب عدول جائز نہیں تاوقتیکہ پہلا کفارہ ادا نہ کر سکتا ہو۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے اور انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم. بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف اور معناً صحیح ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٢٦/ ٣٤٧، ٣٥٠ وإرواء الغليل: ٧/ ١٧٦-١٧٩، رقم: ٢٠٩١)

راوی حدیث: [حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ] سلسلہ نسب سلمہ بن صخر بن سلیمان بن صمہ بیاضی ہے۔ بیاضی کے ''با'' پر

٩٣٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في الظهار، حديث: ٢٢١٣، والترمذي، الطلاق واللعان، حديث: ١٢٠٠، وابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٦٢، وأحمد: ٥/ ٤٣٦.

فتحہ ہے اور یہ بنو بیاضہ کی جانب نسبت ہے جو خزرج قبیلے کی شاخ تھی۔ یہ صحابی رسول ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو اللہ کے ڈر سے بہت رونے والے تھے۔

١٠ - بَابُ اللِّعَانِ

باب:10-لعان کا بیان

(٩٣٦) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: سَأَلَ فُلَانٌ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ أَنْ لَّوْ وَجَدَ أَحَدُنَا امْرَأَتَهُ عَلٰى فَاحِشَةٍ كَيْفَ يَصْنَعُ؟ إِنْ تَكَلَّمَ تَكَلَّمَ بِأَمْرٍ عَظِيمٍ، وَإِنْ سَكَتَ سَكَتَ عَلٰى مِثْلِ ذٰلِكَ. فَلَمْ يُجِبْهُ، فَلَمَّا كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَتَاهُ، فَقَالَ: «إِنَّ الَّذِي سَأَلْتُكَ عَنْهُ قَدِ ابْتُلِيتُ بِهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ الْآيَاتِ فِي سُورَةِ النُّورِ، فَتَلَاهُنَّ عَلَيْهِ وَوَعَظَهُ، وَذَكَّرَهُ، وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ»، قَالَ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، مَا كَذَبْتُ عَلَيْهَا، ثُمَّ دَعَاهَا فَوَعَظَهَا كَذٰلِكَ. قَالَتْ: لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، إِنَّهُ لَكَاذِبٌ. فَبَدَأَ بِالرَّجُلِ، فَشَهِدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللهِ، ثُمَّ ثَنّٰى بِالْمَرْأَةِ، ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[936] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ فلاں شخص نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! بتایئے اگر ہم میں سے کوئی اپنی اہلیہ کو برائی کی حالت میں پائے تو وہ کیا کرے؟ اگر وہ اسے دوسروں سے بیان کرتا ہے تو یہ نہایت قبیح فعل ہے اور اگر خاموش رہتا ہے تو یہ بھی نہایت مشکل کام ہے۔ آپ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جب بعد میں وہ آیا تو اس نے کہا کہ تحقیق جو کچھ میں نے آپ سے پوچھا ہے' میں خود ہی اس میں مبتلا ہوا ہوں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات نازل فرمائیں۔ آپ نے وہ آیات اس کے سامنے پڑھیں اور اسے نصیحت فرمائی اور اللہ کی سزا یاد کرائی اور اسے متنبہ کیا کہ دنیا کی سزا آخرت کے عذاب سے بہت ہلکی ہے۔ اس نے کہا: نہیں' اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! میں نے اس پر الزام نہیں لگایا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو بلوایا اور اسے بھی اسی طرح نصیحت فرمائی۔ اس نے بھی کہا: نہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! یقیناً یہ جھوٹا ہے۔ پھر آپ نے اس مرد سے آغاز فرمایا۔ اس نے اللہ کی چار قسمیں کھائیں' پھر آپ نے عورت سے بھی قسمیں لیں' پھر دونوں کے درمیان تفریق کردی۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ اللِّعَانِ] ''لام'' کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ لَاعَنَ' يُلَاعِنُ' مُلَاعَنَةً کا مصدر ہے۔ لعان کی

٩٣٦- أخرجه مسلم، اللعان، حديث: ١٤٩٣.

صورت اس طرح ہوتی ہے کہ شوہر بیوی پر زنا کا الزام لگاتا ہے اور بیوی اس سے انکار کرتی ہے۔ شوہر کے پاس نہ تو گواہ ہوتے ہیں اور نہ کوئی اور ثبوت' چنانچہ اس صورت حال میں شوہر چار مرتبہ اپنی بیوی کے خلاف اللہ کی قسم کھا کر شہادت دیتا ہے کہ اس نے بیوی کے زنا کے بارے میں جو بات کی ہے اس میں وہ بالکل سچا ہے' اور پانچویں مرتبہ کہتا ہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور عورت مرد کی شہادتوں کی تردید کرتے ہوئے چار مرتبہ اللہ کے نام کی قسم کھا کر اپنے بارے میں شہادت دیتی ہے کہ وہ یقیناً جھوٹا آدمی ہے۔ اور پانچویں مرتبہ یہ کہتی ہے کہ اگر وہ مجھ پر الزام لگانے میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب ٹوٹے۔ ملاحظہ ہو: (النور ۲۴:۶-۹) اگر عورت یہ شہادتیں دے دے تو اس پر زنا ثابت نہیں ہوتا اور اس کے شوہر پر حد قذف نہیں ہوتی اور ان کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدائی واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر عورت ان قسموں سے انکار کرے تو مرد کو سچا قرار دے کر عورت پر حد رجم جاری کی جاتی ہے۔ اس کا نام ''لعان'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ میاں بیوی دونوں اپنے آپ پر دوسرے کے سچا ہونے کی صورت میں لعنت کرتے ہیں۔ اور عورت کے لیے' لعنت کو مستلزم لفظ' غضب اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ عورت کا گناہ بہ نسبت مرد کے بڑا ہے کیونکہ عورت کی طرف زنا کی نسبت ہے جبکہ مرد کا گناہ تہمت زنا کا ہے۔ [سَأَلَ فُلَانٌ] اکثر روایات میں اس کی صراحت ہے کہ اس سے مراد عویمر عجلانی ہے اور سیاق کلام بھی اس کا مقتضی ہے کہ یہ آیات اسی کے حق میں نازل ہوئی ہیں لیکن بہت سی روایات میں ہے کہ یہ آیات ہلال بن اُمیہ ضمری کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے لعان کیا۔ [وَأَخْبَرَهُ أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا] دنیا کی سزا سے مراد حد قذف کے اسی کوڑے ہیں۔ [أَهْوَنُ] آسان اور سہل ترین۔ [ثُمَّ ثَنَّى بِالْمَرْأَةِ] تثنية سے ماخوذ و مشتق ہے۔ کسی فعل کو دوبارہ کرنا' یعنی پہلے مرد سے قسمیں لیں' پھر عورت سے قسمیں لیں۔ [ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا] پھر دونوں میں تفریق کر دی۔ بہت سے علماء نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق' حاکم وقت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس کے برعکس جمہور علمائے اسلام' مثلاً: امام مالک' شافعی اور احمد ؒ اور ان کے ہم خیال علماء نے کہا ہے کہ فقط لعان سے تفریق واقع ہو جائے گی۔ اور فَرَّقَ بَيْنَهُمَا کا مطلب یہ ہے کہ اس تفریق کو نمایاں اور ظاہر کیا اور حکم شرع بیان فرمایا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے تفریق و جدائی ڈالی۔ دلیل کے اعتبار سے جمہور کا قول ہی بہتر ہے۔

(٩٣٧) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ: «حِسَابُكُمَا عَلَى اللهِ، أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ، لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا». قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! مَالِي؟ فَقَالَ: «إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا، فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا، وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا، فَذَاكَ أَبْعَدُ

[937] حضرت ابن عمر ؓ ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو لعان کرنے والوں سے فرمایا: ''تم دونوں کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے' اب تیرا اس عورت پر کوئی حق نہیں۔'' اس (مرد) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا مال (مجھے دلوا دیجیے۔) آپ نے فرمایا: ''اگر تو نے اس پر سچ کہا ہے تو پھر وہ مال اس کا

٩٣٧ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب قول الإمام للمتلاعنين: إن أحدكما كاذب ......، حديث: ٥٣١٢، ومسلم، اللعان، حديث: ١٤٩٣.

لَكَ مِنْهَا» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

عوض ہے جو تو نے اس کی شرمگاہ کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ اور اگر تو نے اس پر الزام لگایا ہے تو اس مال کا تجھے ملنا اور بھی بعید ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا] یعنی اب تیرے لیے اس کے ساتھ رہنا حلال نہیں بلکہ وہ تجھ پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی ہے۔ اس سے جمہور نے استدلال کیا ہے کہ لعان فی نفسہ فرقت کا باعث ہے' تفریق کرانے کی ضرورت ہی نہیں۔ [مَالِي] اس سے مراد وہ مال ہے جو اس نے عورت کو مہر میں دیا تھا۔

(٩٣٨) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «أَبْصِرُوهَا، فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَبْيَضَ، سَبِطًا، فَهُوَ لِزَوْجِهَا، وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَكْحَلَ، جَعْدًا، فَهُوَ لِلَّذِي رَمَاهَا بِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[938] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''عورت پر نظر رکھو' اگر اس نے سفید رنگ کا' سیدھے بالوں والا بچہ جنم دیا تو وہ اس کے شوہر کا ہے۔ اور اگر اس نے ایسا بچہ جنم دیا جس کی آنکھیں سرمگیں اور بال گھنگھریالے ہوں تو پھر وہ بچہ اس کا ہوگا جس کے متعلق شوہر نے اس پر تہمت لگائی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [فَإِنْ جَاءَتْ بِهِ] بِهٖ میں ضمیر مجرور اس بچے کی جانب راجع ہے جو لعان کے موقع پر عورت کے رحم میں پرورش پا رہا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر اس عورت نے بچے کو جنم دیا تو اس پر نظر رکھنا۔ [أَبْيَضَ سَبِطًا] سَبِطًا کے ''سین'' پر فتحہ اور ''با'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''با'' کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ ایسا آدمی جس کے بال سیدھے ہوں' خمدار یا گھنگھریالے نہ ہوں۔ [فَهُوَ لِزَوْجِهَا] تو وہ اس کے خاوند کا ہے۔ یہ حکم آپ نے اس لیے لگایا کیونکہ اس کا خاوند اسی وصف کا تھا۔ [أَكْحَلَ] سرمگیں چشم۔ ایسا شخص جس کی آنکھیں سرمہ لگائے بغیر ہی سرمگیں نظر آئیں۔ [جَعْدًا] ''جیم'' پر فتحہ اور ''عین'' ساکن ہے۔ ایسا شخص جس کے بال گھنگھریالے ہوں۔ [فَهُوَ لِلَّذِي رَمَاهَا بِهٖ] پھر یہ بچہ اس مرد کا ہے جس کی شوہر نے عورت پر تہمت لگائی ہے' یعنی پھر وہ بچہ زانی کا ہوگا کیونکہ وہ زانی مرد سرمگیں آنکھوں والا' گھنگھریالے بالوں والا اور پتلی پنڈلیوں والا تھا جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے' نیز دیگر روایات میں یہ بھی صراحت ہے کہ اس عورت نے ناپسندیدہ اوصاف والا بچہ ہی جنا تھا۔ اس سے یہ دلیل معلوم ہوئی کہ قیافہ قابل اعتبار ہے اور اس پر عمل ہوسکتا ہے جبکہ اس پر عمل کرنے میں کوئی مانع نہ ہو۔ اور لعان بھی انھی موانع میں سے تھا' اس لیے کہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''اگر اس کے بارے میں کتاب اللہ کا فیصلہ نہ ہوتا تو میں اس کی خوب خبر لیتا۔'' (صحيح البخاري' التفسير' حديث:٤٧٤٧)

(٩٣٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَمَرَ رَجُلاً أَنْ يَضَعَ

[939] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچویں قسم کے وقت قسم

٩٣٨ـ أخرجه البخاري: لم أجده، ومسلم، اللعان، حديث: ١٤٩٦.

٩٣٩ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في اللعان، حديث: ٢٢٥٥، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥٠٢.

يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلٰى فِيهِ، وَقَالَ: «إِنَّهَا مُوجِبَةٌ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

کھانے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور آپ نے فرمایا: ''یہ (پانچویں قسم) واجب کر دینے والی ہے۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [عِنْدَ الْخَامِسَةِ] پانچویں شہادت کے وقت۔ [إِنَّهَا مُوجِبَةٌ] یعنی جدائی کو واجب کرنے والی ہے۔ اور اگر یہ قسم جھوٹی ہوئی تو جدائی کے ساتھ ساتھ عذاب کو بھی واجب کرنے والی ہوگی۔

(٩٤٠) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا - فِي قِصَّةِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ - قَالَ: فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاعُنِهِمَا، قَالَ: كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَارَسُولَ اللهِ! إِنْ أَمْسَكْتُهَا، فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[940] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے دو لعان کرنے والوں کے قصے میں مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو مرد نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر میں اب اسے اپنے پاس ٹھہرا لوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹا الزام لگایا ہے' چنانچہ (یہ کہہ کر) اس نے اس سے پہلے کہ رسول اللہ ﷺ اسے حکم فرماتے' اسے تین طلاقیں دے دیں۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس مرد نے اپنی لعان شدہ بیوی کو تین طلاقیں اس لیے دیں کہ اسے علم نہیں تھا کہ لعان بذات خود ہمیشہ کی جدائی کا موجب ہے' چنانچہ اس نے بیوی کو بذریعۂ طلاق ہی حرام کرنا چاہا' لہٰذا طلاق لغو ہوئی' کیونکہ طلاق اپنے مقام پر واقع ہی نہیں ہوئی۔ اگر ہم کہیں کہ جدائی محض لعان سے ہو جاتی ہے تو یہ ظاہر بات ہے، اور اگر کہیں کہ جدائی حاکم (اور عدالت) کے ذریعے سے واقع ہوتی ہے تو پھر یہ تو طے شدہ بات ہے کہ لعان کے بعد نکاح کے باقی رہنے کا کوئی امکان رہتا ہے نہ اس کے ہمیشہ رہنے کی کوئی سبیل ہی' بلکہ اس نکاح کو ختم کرنا اور عورت کو اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام قرار دینا واجب ہوتا ہے' پس اس سے ثابت ہوا کہ تین طلاقیں محض مقصد لعان کو مؤکد کرنے کے لیے تھیں' اس لیے ایسے نکاح' جسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنا مقصود ہوتا ہے' میں بیک وقت تین طلاقیں نافذ کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جس نکاح کی بقا اور دوام مطلوب ہے اس میں بھی ایسا کرنا درست اور جائز ہے' لہٰذا ان لوگوں کا استدلال باطل ہوا جو یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں بیک وقت تین طلاقیں دینے اور ان کے واقع ہو جانے کا جواز موجود ہے۔ اور جب یہ طلاق غیرت و حمیت کی بنا پر دی گئی جبکہ ایسے موقع پر اس کا اظہار مطلوب بھی ہے اور قابل ستائش و تعریف بھی' تو نبی اکرم ﷺ نے اس طلاق کے لغو ہونے کی اطلاع دینے کے لیے صرف لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا ''تیرا اس عورت پر کوئی حق نہیں'' کہنے پر اکتفا فرمایا جیسا کہ مسلم (۱۴۹۳) میں ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب تیرا اس عورت پر کوئی حق باقی نہیں رہا' لہٰذا تیری طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ لغو ٹھہرے گی' اسی لیے آپ اس پر ناراض و غضبناک نہیں ہوئے جس طرح اس شخص پر ہوئے تھے جس کا قصہ محمود بن لبید نے بیان کیا ہے جو کہ طلاق کے باب میں (حدیث: ۹۱۸ کے تحت) گزر چکا ہے۔

٩٤٠ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب اللعان، حديث: ٥٣٠٨، ومسلم، اللعان، حديث: ١٤٩٢.

(٩٤١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلاً جَآءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ. قَالَ: «**غَرِّبْهَا**». قَالَ: أَخَافُ أَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِي. قَالَ: «**فَاسْتَمْتِعْ بِهَا**». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، بِلَفْظٍ قَالَ: «**طَلِّقْهَا**». قَالَ: لَا أَصْبِرُ عَنْهَا. قَالَ: «**فَأَمْسِكْهَا**».

[941] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: (اے اللہ کے رسول!) میری بیوی کسی چھونے والے کا ہاتھ رد نہیں کرتی۔ آپ نے فرمایا: ''اسے دور کر دے۔'' اس نے کہا: مجھے اندیشہ ہے کہ میرا جی اس کے پیچھے رہے گا۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر اس سے فائدہ اٹھاتا رہ۔'' (اسے ابوداود اور بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔) اور امام نسائی نے ایک دوسری سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے طلاق دے دو۔'' اس نے کہا: میں تو اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر اسے اپنے پاس ٹھہرائے رکھو۔''

لغوی تشریح: | لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ | اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ یہ زنا سے کنایہ ہے اور دوسرے یہ معنی کیے گئے ہیں کہ اس سے تبذیر (مال کا ضیاع اور فضول خرچی) مراد ہے اور یہ دوسرے معنی الفاظ سے بہت بعید ہیں۔ مؤلف موصوف رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر میں کہا ہے: ایک قول یہ بھی ہے کہ بظاہر لَا تَرُدُّ يَدَ لَامِسٍ کے یہ معنی ہیں کہ جو اس سے چھیڑ چھاڑ سے تلذذ حاصل کرنا چاہتا' وہ خاتون اس کا ہاتھ نہیں روکتی تھی۔ اگر اس کے خاوند نے اس سے جماع مراد لیا ہوتا تو اسے قاذف (زنا کی تہمت لگانے والا) شمار کیا جاتا' یا پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ خاتون کے شوہر نے اس کے حال سے یہ سمجھ لیا کہ اگر کوئی اس سے زنا کا ارادہ رکھتا ہو تو یہ اسے منع نہیں کر سکتی۔ یہ نہیں کہ اس سے فی الواقع بدکاری سرزد ہوئی تھی۔ | غَرِّبْهَا | تغریب سے امر کا صیغہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اسے اپنے سے دور کر دے۔ اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اسے طلاق دے کر فارغ کر دے۔ | أَخَافُ أَنْ تَتْبَعَهَا نَفْسِي | مجھے خوف ہے کہ میرا دل اس کا اشتیاق رکھے گا اور میں صبر نہ کر سکوں گا۔ | فَاسْتَمْتِعْ بِهَا | پھر اس کی حفاظت کرتے ہوئے اس سے نباہ کر' مبادا کہ وہ فعل زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔

(٩٤٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ حِينَ نَزَلَتْ

[942] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب دو لعان کرنے والوں کے بارے میں آیت نازل ہوئی تو انھوں

٩٤١ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، حديث: ٢٠٤٩، والنسائي، النكاح، حديث: ٣٢٣١، والبزار.

٩٤٢ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب التغليظ في الانتفاء، حديث: ٢٢٦٣، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥١١، وابن ماجه، الفرائض، حديث: ٢٧٤٣، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ١٦٣، حديث: ٤٠٩٦.

آيَةُ الْمُتَلَاعِنَيْنِ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ عَلٰى قَوْمٍ مَنْ لَّيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ، وَلَنْ يُّدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهُ، وَأَيُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهُ، وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ، اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَفَضَحَهُ عَلٰى رُؤُوسِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو عورت کسی قوم میں ایسا بچہ شامل کرے جو اس قوم میں سے نہ ہو تو اس عورت کا اللہ تعالیٰ (کی رحمت اور دین) سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی عورت کو ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ اور جس مرد نے اپنے بچے کا انکار کیا جبکہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو' تو (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ اس سے پردے میں ہو جائے گا اور اسے پہلی اور پچھلی ساری مخلوق کے سامنے ذلیل و رسوا کرے گا۔'' (اسے ابوداود' نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَيُّمَا امْرَأَةٍ أَدْخَلَتْ ... الخ] یعنی جو عورت زنا سے حاملہ ہو جائے اور شوہر کو اس کا شعور ہی نہ ہو اور وہ یہ سمجھتا رہے کہ بچہ اس کے نطفے سے ہے۔ یہ حرمت زنا کی شدت پر دلیل ہے کیونکہ یہ سبب ہے بچے کو ایسی قوم میں لا گھسانے کا جو دراصل اس قوم کا نہیں ہے۔ [فَلَيْسَتْ مِنَ اللّٰهِ] اس کا اللہ کی رحمت اور اس کے دین سے کوئی تعلق نہیں۔ [جَحَدَ وَلَدَهُ] اپنے بچے کا انکار کرے اور اس کی نفی کرے۔ [وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ] جبکہ وہ آدمی اس کی طرف دیکھ رہا ہو یعنی اسے اس کا علم ہو کہ وہ اسی کا بچہ ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ بچہ اس مرد کی جانب دیکھ رہا ہو۔ یہ کنایہ ہے اس کی قلت شفقت اور سنگدلی سے۔ [اِحْتَجَبَ اللّٰهُ عَنْهُ] اللہ تعالیٰ اس سے پردے میں ہو جائے گا اور اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔ [وَفَضَحَهُ] اور اسے ذلیل وخوار کرے گا۔

(٩٤٣) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: مَنْ أَقَرَّ بِوَلَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَّنْفِيَهُ. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَهُوَ حَسَنٌ مَوْقُوفٌ.

[943] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے لمحہ بھر کے لیے بھی اپنے بچے کا اقرار کیا تو اسے اس کی نفی کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ (اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور یہ روایت حسن موقوف ہے۔)

لغوی تشریح: [طَرْفَةَ عَيْنٍ] ''طا'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے۔ پلکوں کو بند کر کے کھولنے تک کا وقت' یعنی آنکھ جھپکنے کے بقدر۔

(٩٤٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ امْرَأَتِي

[944] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بیوی نے

٩٤٣ـ [ضعيف] أخرجه البيهقي: ٧/ ٤١١، ٤١٢، وابن أبي شيبة، حديث: ١٧٥٦٢ وغيره، مجالد بن سعيد ضعيف.
٩٤٤ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب إذا عرّض بنفي الولد، حديث: ٥٣٠٥، ومسلم، اللعان، حديث: ١٥٠٠.

وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ، قَالَ: «هَلْ لَّكَ مِنْ إِبِلٍ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟» قَالَ: حُمْرٌ. قَالَ: «هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَأَنّٰى ذٰلِكَ؟» قَالَ: لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ. قَالَ: «فَلَعَلَّ ابْنَكَ هٰذَا نَزَعَهُ عِرْقٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ: وَهُوَ يُعَرِّضُ بِأَنْ يَّنْفِيَهُ، وَقَالَ فِي آخِرِهِ: وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الْانْتِفَاءِ مِنْهُ.

کالے رنگ کا بچہ جنا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا: ''کیا تمھارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''ان کے رنگ کیا ہیں؟'' اس نے کہا: سرخ۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''ان میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''وہ (رنگ) کہاں سے آ گیا؟'' اس نے کہا: کوئی رگ اسے کھینچ لائی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: ''پھر تیرے اس بیٹے کو بھی کوئی رگ کھینچ لائی ہوگی۔'' (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: وہ اس بچے کی نفی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اور اس روایت کے آخر میں ہے کہ آپ نے اسے بچے کی نفی کی رخصت و اجازت نہ دی۔

لغوی تشریح: [حُمْرٌ] ''حا'' پر ضمہ اور ''میم'' ساکن ہے۔ أَحْمَر کی جمع ہے۔ [أَوْرَق] جس میں سیاہی مائل سفیدی ہو یا جس میں سیاہی تو ہو مگر سخت سیاہی نہ ہو اس طرح کہ مائل بہ خاکستر ہو۔ [لَعَلَّهُ نَزَعَهُ] ممکن ہے اسے اس رنگ کی طرف کوئی رگ کھینچ لائی ہو۔ [عِرْقٌ] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''را'' ساکن ہے۔ اس سے مراد اس کی اصل ہے' یعنی اسکا یہ رنگ اس لیے ایسا ہے کہ اس کے اصول (آباء واجداد) میں کسی کا رنگ ایسا ہوگا۔ [يُعَرِّضُ بِأَنْ يَّنْفِيَهُ] تعریض سے ماخوذ ہے' یعنی وہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا تھا کہ یہ اس کا بچہ نہیں ہے۔

فوائد و مسائل: ① کالے رنگ نے صحابی کو مغالطے اور اشتباہ میں مبتلا کر دیا کہ ہم میاں بیوی میں سے تو کوئی بھی سیاہ رنگ کا نہیں' پھر یہ بچہ اس رنگ کا کہاں سے پیدا ہو گیا؟ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب اس نے عندیہ اور مافی الضمیر ظاہر کیا تو آپ نے اسے ڈانٹ پلائی نہ اس کی بیوی کی صریح الفاظ میں صفائی پیش فرمائی' بلکہ عربوں کی ذہنی سطح پر اتر کر آپ نے سمجھایا اور اس کے مغالطے کی تصحیح کر دی کہ سفید رنگ کے زوجین (میاں بیوی) کے ہاں سیاہ رنگ بچے کی پیدائش بچے کی ماں کی بدکاری و بدچلنی پر دلالت نہیں کرتی۔ یہ خاندانی اثرات ہوتے ہیں جو کبھی بہت دور نسل میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس سے بچے کے نسب پر درحقیقت کوئی عیب اور نقص واقع نہیں ہوتا۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ سائل کو جواب حکمت سے اور اس کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھ کر دینا چاہیے۔ فلسفیانہ جواب کی بجائے عام روزمرہ کی مثالوں سے جواب دینا تفہیم مدعا کے لیے زیادہ مفید اور کارگر ہے۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کی حقیقت کا علم نہ ہو اسے صاحب علم سے دریافت کر لینا انسان کو بہت بڑے فتنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

١١ - بَابُ الْعِدَّةِ وَالْإِحْدَادِ وَالْاسْتِبْرَاءِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ

باب:11- عدت' سوگ اور استبرائے رحم وغیرہ کا بیان

(٩٤٥) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ، فَجَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ، فَأَذِنَ لَهَا، فَنَكَحَتْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ. وَفِي لَفْظٍ: أَنَّهَا وَضَعَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِأَرْبَعِينَ لَيْلَةً.

[945] حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سُبَیعہ اسلَمِیّہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ جنا۔ بعد ازاں وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اسے نکاح کی اجازت دے دی اور اس نے نکاح کر لیا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہے۔) اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس روز بعد بچہ جنم دیا۔

وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلَا أَرَى بَأْسًا أَنْ تَزَوَّجَ وَهِيَ فِي دَمِهَا، غَيْرَ أَنَّهُ لَا يَقْرَبُهَا زَوْجُهَا حَتّٰى تَطْهُرَ.

اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں کہ زہری نے کہا: میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ عورت حالت نفاس ہی میں نکاح کر لے مگر اس کا شوہر اس وقت تک اس کے قریب نہ جائے جب تک کہ وہ (نفاس سے غسل کر کے) پاک صاف نہ ہو جائے۔

لغوی تشریح: [بَابُ الْعِدَّةِ] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''دال'' پر تشدید ہے۔ عدت' اس مدت کو کہتے ہیں جس میں عورت اپنے خاوند سے طلاق' فسخ نکاح یا اس کی وفات کی وجہ سے ہونے والی جدائی کے بعد انتظار کرتی ہے اور کسی شخص سے شادی نہیں کر سکتی۔ اور إِحْدَاد باب افعال سے مصدر ہے اور أَحَدَّتِ الْمَرْأَةُ تُحِدُّ فَهِيَ مُحِدَّةٌ اس وقت کہا جاتا ہے جب عورت خاوند کی وفات کی وجہ سے غم زدہ اور رنجیدہ ہوتی ہے اور حزن و ملال والا لباس پہن کر زیب و زینت اور آرائش ترک کر دیتی ہے۔ یہ حَدَّ يَحِدُّ سے بھی ہو سکتا ہے' چنانچہ کہا جاتا ہے: حَدَّتْ تَحِدُّ فَهِيَ حَادَّةٌ، اور حد کے معنی دراصل منع کرنے اور روکنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس خاتون کا شوہر وفات پا جائے وہ اپنے آپ کو زیب و آرائش سے روک لیتی ہے اور خوشبو وغیرہ کا استعمال ترک کر دیتی ہے۔ اور استبراء سے مراد استبرائے رحم ہے' یعنی عورت ایک حیض تک انتظار اور توقف کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا رحم' حمل سے صاف ہے۔ [نُفِسَتْ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی اس نے وضع حمل کیا اور نفاس والی بن گئی۔ [وَهِيَ فِي دَمِهَا] دَمِهَا سے مراد یہ ہے کہ وہ ہنوز نفاس کی حالت میں تھی۔ [لَا يَقْرَبُهَا

٩٤٥ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب: ﴿وأولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن﴾، حديث: ٥٣٢٠، ومسلم، الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها وغيرها بوضع الحمل، حديث: ١٤٨٥، وانظر، حديث: ١٤٨٤.

زَوْجُهَا] اس کا شوہر اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس حالت میں اس سے لطف اندوز نہ ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے، یعنی اس کی عدت بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے، خواہ وہ مدت چار ماہ دس دن سے کم ہو یا زیادہ، جیسا کہ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی وفات سے تقریباً چالیس روز بعد جب بچہ جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں نئے نکاح کی اجازت دے دی تھی۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ ان کی بنیادی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ ”حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔“ اس آیت میں جس طرح حاملہ مطلقہ کی عدت بیان ہوئی ہے اسی طرح بیوہ حاملہ عورت کی عدت بھی بیان ہوئی ہے جیسا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بھی صراحت ملتی ہے جسے امام عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور ضیاء نے المختارہ میں بیان کیا ہے۔

وضاحت: [حضرت سُبَیْعَہ رضی اللہ عنہا] (تصغیر کے ساتھ) بنت حارث اسلمیہ۔ بنو اسلم کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے اسلمیہ کہلاتی ہیں۔ مشہور و معروف صحابیہ ہیں۔ ابن سعد کے بقول یہ مہاجرات میں سے ہیں۔ یہ سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح میں تھیں، وہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں وفات پا گئے تھے، پھر انھوں نے اپنی قوم کے ایک نوجوان سے نکاح کر لیا۔ اور بعض نے ذکر کیا ہے کہ انھوں نے معروف صحابی ابوسنابل رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا تھا۔

[امام زہری رحمہ اللہ] محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب قریشی زہری۔ بہت بڑے امام تھے۔ حجاز و شام کے عالم تھے۔ چوتھے طبقے کے سرکردہ علمائے کرام میں سے تھے۔ ان کی جلالت شان اور اتقان پر سب متفق ہیں۔ امام لیث کا قول ہے: میں نے ابن شہاب جیسا جامع الصفات عالم کبھی نہیں دیکھا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ابن شہاب بہت سخی انسان تھے، انسانوں میں ان کی نظیر و مثال نہیں ملتی۔ ۱۲۴ ہجری میں وفات پائی۔

(۹۴۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: أُمِرَتْ بَرِيرَةُ أَنْ تَعْتَدَّ بِثَلَاثِ حِيَضٍ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ، لٰكِنَّهُ مَعْلُولٌ.

[946] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا گیا کہ وہ تین حیض عدت گزارے۔ (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، لیکن یہ روایت معلول ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے یہاں سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سنن ابن ماجہ میں حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: (سنن ابن ماجہ اردو طبع دارالسلام، حدیث: ۲۰۷۷) اور تحسین حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم۔ ② لونڈی کو آزاد ہونے سے نکاح فسخ کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اگر وہ اس اختیار کو استعمال کر کے الگ ہو جائے تو طلاق کی طرح تین حیض عدت گزارنی پڑے گی۔

(۹۴۷) وَعَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ

[947] شعبی نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے

۹۴۶۔ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن ماجه، الطلاق، باب خيار الأمة إذا أعتقت، حديث: ۲۰۷۷، الثوري عنعن.

۹۴۷۔ أخرجه مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: ۱۴۸۰.

قَيْسٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِي الْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا لَيْسَ لَهَا سُكْنٰى، وَلَا نَفَقَةٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

کہ نبی ﷺ نے مطلقۂ ثلاثہ کے متعلق فرمایا: ''اس کے لیے رہائش ہے نہ نان ونفقہ۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُطَلَّقَةِ ثَلَاثًا] اس سے مراد وہ عورت ہے جسے متفرق تین طلاقیں ہوئی ہوں کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس ؓ کو اسی طرح طلاق ہوئی تھی۔

فائدہ: یہ حدیث اس مسئلے کی بابت بالکل صریح ہے کہ مطلقۂ ثلاثہ کے لیے خاوند کے ذمے نفقہ ہے نہ رہائش۔ امام احمد ؒ کا یہی مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ ؒ کا قول ہے کہ اس کے لیے رہائش اور نفقہ دونوں ہیں۔ امام مالک ؒ اور امام شافعی ؒ دونوں کی رائے ہے کہ ایسی عورت رہائش کا استحقاق تو رکھتی ہے مگر نفقے کا نہیں۔ انھوں نے حضرت فاطمہ ؓ کی اس حدیث کی بہت سی تاویلات کی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی قابل اعتنا نہیں۔ امام احمد ؒ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ ؓ سے فرمایا: ''مرد پر عورت کا نان ونفقہ اور رہائش اس صورت میں ہے جب طلاق رجعی ہو اور جب طلاق رجعی نہ ہو تو پھر مرد کے ذمے نہ اس کا نان ونفقہ ہے اور نہ رہائش۔'' (مسند أحمد: ٦/ ٤١٦، ٤١٧) اور المعجم الکبیر کی ایک روایت میں ہے کہ ''جب عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح کیے بغیر پہلے کے لیے حلال نہ ہو سکتی ہو تو اس عورت کے لیے (پہلے خاوند کے ذمے) نان ونفقہ ہے نہ رہائش۔'' (المعجم الکبیر للطبراني: ٢٤/ ٣٨٢، ٣٨٣) سنن نسائی (٣٤٣٢) میں یہ روایت موجود ہے مگر مختصر ہے، اس لیے اس میں مذکورہ بالا الفاظ موجود نہیں۔ وہ صرف المعجم الکبیر ہی میں ہیں۔ یہ دونوں روایتیں اس معاملے میں بالکل واضح اور صریح ہیں کہ رہائش اور نفقے کے ساقط ہو جانے کا سبب محض طلاق بائنہ ہے کوئی اور نہیں، لہٰذا تمام تاویلات باطل ہو گئیں اور خالص حق روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

راویٔ حدیث: [امام شعبی ؒ] ابوعمرو عامر بن شراحیل بن عبداللہ شعبی ہمدانی کوفی۔ جلیل القدر تابعی اور بہت بڑے فقیہ ہیں۔ امام زہری ؒ کا قول ہے: علماء چار ہیں: مدینہ منورہ میں سعید بن مسیب، کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن بصری اور شام میں مکحول۔ خلافت عمر ؓ کے ساتویں برس ان کی ولادت ہوئی۔ ٩٠ برس کے لگ بھگ عمر پائی اور ١٠٤ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

(٩٤٨) وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ، إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا، إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ، وَلَا تَكْتَحِلُ، وَلَا

[948] حضرت ام عطیہ ؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت کسی میت پر تین روز سے زیادہ سوگ نہ منائے سوائے خاوند کے، اس پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ (سوگ کی مدت میں) رنگ دار لباس نہ پہنے لیکن

٩٤٨ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب القسط للحادة عند الطهر، حديث: ٥٣٤١، ومسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد في عدة الوفاة، حديث: ٩٣٨، بعد حديث: ١٤٩١، وأبوداود، الطلاق، حديث: ٢٣٠٢، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥٦٤.

تَمَسُّ طِيبًا، إِلَّا إِذَا طَهُرَتْ، نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ أَوْ أَظْفَارٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ. وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ مِنَ الزِّيَادَةِ: «وَلَا تَخْتَضِبُ». وَلِلنَّسَائِيِّ: «وَلَا تَمْتَشِطُ».

(رنگے ہوئے سوت کا) دھاری دار کپڑا پہن سکتی ہے۔ نہ سرمہ لگائے، نہ خوشبو کو چھوئے، مگر جب ایام حیض سے پاک ہو تو تھوڑی سی عود ہندی یا اظفار استعمال کر سکتی ہے۔'' (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔) اور ابوداود اور نسائی میں یہ اضافہ ہے: ''مہندی و خضاب بھی نہ لگائے۔'' اور نسائی میں ہے: ''کنگھی بھی نہ کرے۔''

لغوی تشریح: ﴿ثَوْبَ عَصْبٍ﴾ ''عین'' کے فتحہ اور ''صاد'' کے سکون کے ساتھ۔ یہ ترکیب اضافی ہے۔ اس سے مراد وہ یمنی چادریں ہیں جنھیں بننے سے پہلے ان کا سوت رنگ دیا جاتا تھا جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ سوت کو اکٹھا کر کے مختلف جگہوں سے مضبوطی سے باندھ دیا جاتا اور پھر رنگ میں ڈبو دیا جاتا تو اس طرح وہ بعض جگہوں سے سفید رہ جاتا اور بعض جگہوں سے رنگ دار ہو جاتا، پھر اس سوت سے چادریں بنی جاتیں تو وہ دھاری دار ہوتیں۔ ﴿نُبْذَةٍ﴾ ''نون'' پر ضمہ اور ''با'' ساکن ہے۔ کسی چیز کا ٹکڑا یہ معمولی سی چیز کے لیے بولا جاتا ہے۔ ﴿قُسْطٍ﴾ ''قاف'' پر ضمہ اور ''سین'' ساکن ہے۔ خوشبو دار لکڑی جس سے دھونی دی جاتی ہے۔ یہ بھارت سے عرب میں لے جائی جاتی تھی۔ ﴿أَظْفَارٍ﴾ ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے۔ خوشبو کی ایک قسم ہے۔ اس کا واحد نہیں آتا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کا واحد ظفر آتا ہے۔ یہ سیاہ رنگ کی خوشبو دار لکڑی ہوتی ہے۔ اس کے ٹکڑے ناخن کے مشابہ ہوتے ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایام حیض سے غسل کرنے والی کے لیے بدبو کے ازالے کی غرض سے خوشبو استعمال کرنے کی رخصت ہے مگر اس کا استعمال خون کے آثار ختم کرنے کے لیے ہو نہ کہ محض خوشبو مہکانے کے لیے۔

(٩٤٩) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: جَعَلْتُ عَلٰى عَيْنِي صَبِرًا، بَعْدَ أَنْ تُوُفِّيَ أَبُوسَلَمَةَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ، فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ، وَانْزِعِيهِ بِالنَّهَارِ، وَلَا تَمْتَشِطِي بِالطِّيبِ، وَلَا بِالْحِنَّاءِ فَإِنَّهُ خِضَابٌ». قُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَمْتَشِطُ؟ قَالَ: «بِالسِّدْرِ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

[949] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں نے اپنی آنکھوں پر ایلوا لگایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ چہرے کے حسن کو دوبالا کرتا ہے، اس لیے اسے صرف رات کے اوقات میں لگایا کرو اور دن کو اتار دیا کرو۔ اور کسی خوشبو والی چیز کے ساتھ اور مہندی کے ساتھ کنگھی نہ کرو (سر نہ دھوؤ) کیونکہ یہ خضاب ہے۔'' میں نے عرض کیا: تو پھر کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ آپ نے فرمایا: ''بیری کے پتوں (کو پانی میں جوش دے کر اس) کے ساتھ۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے

٩٤٩ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أبوداود، الطلاق، باب فيما تجتنبه المعتدة في عدتها، حديث: ٢٣٠٥، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥٦٧. * أم حكيم لا يعرف حالها (تقريب)، والمغيرة بن الضحاك مستور.

روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔)

لغوی تشریح: [صَبِرًا] ''صاد'' پر فتحہ اور ''با'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''با'' کو ساکن پڑھنا نادر ہے۔ یہ ایک درخت کا گودا ہوتا ہے جو انتہائی کڑوا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی کڑواہٹ زہر کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ بطور دوا آنکھوں کے اردگرد اس کا لیپ کیا جاتا ہے۔ اگر آنکھوں کے اندر چلا جائے تو نظر ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اردو میں اسے ''ایلوا'' کہا جاتا ہے۔ [إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ] یہ فعل باب ضَرَبَ اور نَصَرَ دونوں سے آتا ہے‘ یعنی ایلوا رنگت کو نکھارتا ہے اور چہرے پر رونق‘ جمال اور خوبصورتی اس طرح نمایاں کر دیتا ہے جس طرح نوجوان کا چہرہ حسین وجمیل اور مزین ہوتا ہے۔ سوگ کے ایام گزارنے والی عورت کے لیے یہ چیزیں مستحسن نہیں اور نہ اسے زیب ہی دیتی ہیں۔

(٩٥٠) وَعَنْهَا أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنَتِي مَاتَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا، أَفَنَكْحُلُهَا؟ قَالَ: «لَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[950] حضرت ام سلمہ ؓ ہی سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بیٹی کا شوہر وفات پا گیا ہے اور وہ آشوب چشم میں مبتلا ہو گئی ہے۔ کیا ہم اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دیں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا] عَيْنُهَا پر فاعل ہونے کی بنا پر رفع ہے اور بحیثیت مفعول اس پر نصب بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں ضمیر فاعل‘ بنت کی جانب راجع ہوگی۔ [أَفَنَكْحُلُهَا] باب نَصَرَ اور فَتَحَ دونوں سے مستعمل ہے۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ سوگ منانے والی عورت کے لیے سرمے کا استعمال حرام ہے جبکہ ام سلمہ ؓ سے ایک عورت نے فتویٰ پوچھا تو انھوں نے کہا: رات کے وقت لگا لو اور دن کے وقت اسے دھو ڈالو جیسا کہ موطا امام مالک وغیرہ میں ہے۔ (الموطأ للإمام مالك‘ الطلاق‘ باب ماجاء في الإحداد) اور ابوداود کے الفاظ ہیں: ''پس تو رات کو سرمہ لگا لے اور دن میں اسے دھو ڈال۔'' (سنن أبي داود‘ الطلاق‘ حديث: ٢٣٠٥) اس سے معلوم ہوا کہ رات کے وقت سرمہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت ہو‘ تاہم اس کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔ سرمے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ یہ خوبصورتی کا موجب ہے‘ لہٰذا اگر سرمہ سفید ہو جس میں زینت بھی نہ ہو تو دن کے اوقات میں بھی اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔

(٩٥١) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ،

[951] حضرت جابر ؓ سے روایت ہے‘ وہ فرماتے

٩٥٠ـ أخرجه البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفى عنها أربعة أشهر وعشرًا، حديث: ٥٣٣٦، ومسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد ... ، حديث: ١٤٨٨.

٩٥١ـ أخرجه مسلم، الطلاق، باب جواز خروج المعتدة البائن ... ، حديث: ١٤٨٣.

قَالَ: طُلِّقَتْ خَالَتِي، فَأَرَادَتْ أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا، فَزَجَرَهَا رَجُلٌ أَنْ تَخْرُجَ، فَأَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «بَلْ جُدِّي نَخْلَكِ، فَإِنَّكِ عَسٰى أَنْ تَصَدَّقِي، أَوْ تَفْعَلِي مَعْرُوفًا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی تو انھوں نے (دوران عدت میں) اپنی کھجور کا پھل اتارنے کے ارادے سے باہر جانا چاہا تو ایک آدمی نے انھیں گھر سے باہر نکلنے سے ڈانٹا۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں' تو آپ نے فرمایا: ''ہاں! تم اپنی کھجوروں کا پھل توڑ سکتی ہو۔ عین ممکن ہے کہ تم اس میں سے صدقہ کرو یا کوئی اور عمل خیر کرو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا] یہ کہ وہ اپنی کھجوروں کے پھل توڑ لے۔ [تَجُدُّ] باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے ہے۔ اس سے امر کا صیغۂ مخاطب مؤنث جُدِّي آتا ہے' یعنی ''جیم'' پر ضمہ اور ''دال'' پر تشدید۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو عورت ایام عدت میں ہو' وہ ضرورت کے لیے گھر سے باہر جائے اور کام کاج کر کے واپس گھر آ جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(٩٥٢) وَعَنْ فُرَيْعَةَ بِنْتِ مَالِكٍ، أَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ، فَقَتَلُوهُ، قَالَتْ: فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِي، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ، وَلَا نَفَقَةً، فَقَالَ: «نَعَمْ». فَلَمَّا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ نَادَانِي، فَقَالَ: «اُمْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ». قَالَتْ: فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا، قَالَتْ: فَقَضٰى بِهِ بَعْدَ ذٰلِكَ عُثْمَانُ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالذُّهْلِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ وَغَيْرُهُمْ.

[952] حضرت فُرَیعہ بنت مالک ﷞ سے مروی ہے کہ ان کا شوہر اپنے (بھاگے ہوئے) غلاموں کی تلاش میں نکلا تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔ فریعہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے میکے لوٹ جانے کے متعلق دریافت کیا کیونکہ میرے شوہر نے اپنی ملکیت میں میرے لیے کوئی گھر چھوڑا نہ نفقہ۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں! (تم اپنے میکے جا سکتی ہو۔'') جب میں حجرے میں پہنچی تو آپ نے مجھے آواز دی اور فرمایا: ''تم اس وقت تک اپنے گھر ہی میں ٹھہری رہو جب تک کہ تمھاری عدت پوری نہ ہو جائے۔'' فریعہ کا بیان ہے کہ پھر میں نے عدت' چار ماہ دس دن اسی مکان میں پوری کی۔ فرماتی ہیں کہ پھر حضرت عثمان ﷛ نے بھی اس کے بعد اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔ (اسے احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے۔ ترمذی' ذہلی' ابن حبان اور حاکم وغیرہم نے اسے صحیح

٩٥٢- [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في المتوفى عنها تنتقل، حديث: ٢٣٠٠، والترمذي، الطلاق واللعان، حديث: ١٢٠٤، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥٥٩، وابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٣١، وأحمد: ٦/ ٣٧٠، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ٢٤٨، حديث: ٤٢٧٩، والحاكم: ٢/ ٢٠٨.

قرار دیا ہے۔)

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ جس خاتون کا شوہر وفات پا جائے' وہ اسی مکان میں عدت پوری کرے گی جس میں وہ خاوند کے ساتھ رہائش پذیر تھی اور جہاں اسے خاوند کی وفات کی اطلاع موصول ہوئی ہے، وہاں سے کسی اور مکان میں منتقل نہیں ہوسکتی۔ محققین علماء کا یہی مذہب ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دوسری جگہ منتقل ہونا بھی اس کے لیے جائز ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت فُرَیعہ بنت مالک بن سنان خُدریہ رضی اللہ عنہا] مشہور صحابیٔ رسول حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ بیعت رضوان میں حاضر تھیں۔

(٩٥٣) وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ زَوْجِي طَلَّقَنِي ثَلَاثًا، وَأَخَافُ أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ، قَالَ: فَأَمَرَهَا فَتَحَوَّلَتْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[953] حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی میرے پاس زبردستی گھس نہ آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ آپ نے اسے حکم دیا تو وہ وہاں سے منتقل ہوگئی۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيَّ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ زبردستی بعض اجنبی شریر لوگ گھس آئیں اور اس سے کوئی حادثہ یا فتنہ برپا ہو جائے۔ [فَتَحَوَّلَتْ] منتقل ہوگئی' یعنی اپنے شوہر کے مکان سے اپنے چچازاد بھائی حضرت عمرو بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں چلی گئی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی خطرے اور اندیشے کے پیش نظر عورت دوسرے قریبی رشتہ دار کے ہاں عدت گزارنے کے لیے منتقل ہوسکتی ہے' مثلاً: مکان غیر محفوظ ہو' مکان کے گر جانے کا خوف ہو' ہمسائیوں سے اذیت رسانی کا اندیشہ ہو یا عورت تنہائی سے ڈرتی اور خوف کھاتی ہو وغیرہ۔

(٩٥٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: لَا تَلْبِسُوا عَلَيْنَا سُنَّةَ نَبِيِّنَا: عِدَّةُ أُمِّ الْوَلَدِ، إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا سَيِّدُهَا، أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَابْنُ

[954] حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہم پر خلط ملط نہ کرو۔ جب ام ولد کا مالک وفات پا جائے تو اس کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے۔ (اس روایت کو احمد' ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا

٩٥٣ـ أخرجه مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن لا نفقة لها، حديث: ١٤٨٢.

٩٥٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب في عدة أم الولد، حديث: ٢٣٠٨، وابن ماجه، الطلاق، حديث: ٢٠٨٣، وأحمد: ٤/ ٢٠٣، والحاكم: ٢/ ٢٠٩ وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، والدارقطني: ٣/ ٣٠٩ وقال: "هو مرسل لأن قبيصة لم يسمع من عمرو" وتبعه البيهقي: ٧/ ٤٤٨.

مَاجَه، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَعَلَّهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِالْإِنْقِطَاعِ.

ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دارقطنی نے اسے انقطاع کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس روایت میں ام ولد کی عدت کا بیان ہے مگر یہ روایت منقطع ہے کیونکہ اسے قبیصہ بن ذُؤیب، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان کا سماع حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔ ② امام اوزاعی اور اہل ظاہر ام ولد کی عدت چار ماہ دس دن کہتے ہیں، مگر امام شافعی، امام احمد اور مالک رحمہم اللہ کے نزدیک اس کی عدت ایک حیض ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عدت تین حیض ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہم کہتے ہیں کہ اس کی عدت صرف ایک حیض اس لیے ہے کہ نہ تو وہ زوجہ ہے اور نہ مطلقہ۔ اسے تو صرف استبرائے رحم کی ضرورت ہے اور وہ ایک ہی حیض سے ہو جاتا ہے۔ ③ اس حدیث کو بعض محققین نے صحیح بھی قرار دیا ہے۔

(٩٥٥) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: إِنَّمَا الْأَقْرَاءُ الْأَطْهَارُ. أَخْرَجَهُ مَالِكٌ فِي قِصَّةٍ، بِسَنَدٍ صَحِيحٍ.

[955] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ أَقْرَاء سے طہر ہی مراد ہیں۔ (اسے امام مالک نے ایک قصے کے تحت صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [إِنَّمَا الْأَقْرَاءُ الْأَطْهَارُ] قرآن حمید میں مذکور ہے: ﴿ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ﴾ (البقرۃ ٢:٢٢٨) "مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین قروء روکے رکھیں۔" اس میں لفظ قروء سے مراد طہر ہیں، یعنی مطلقہ عورت تین طہر عدت گزارے گی۔ یہ فتویٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے جو قابل استدلال نہیں کیونکہ دلائل اس کے خلاف ہیں۔ یاد رہے! قروء بمعنی حیض بھی آتا ہے اور طہر کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ فقہاء و محدثین کے مابین اس مسئلے میں شدید اختلاف ہے کہ مذکورہ آیت میں جو لفظ قرء ہے، اس سے مراد حیض ہے یا طہر؟ دلائل کے اعتبار سے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حیض مراد ہے طہر نہیں۔

(٩٥٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: طَلَاقُ الْأَمَةِ تَطْلِيقَتَانِ، وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَهُ مَرْفُوعًا، وَضَعَّفَهُ، وَأَخْرَجَهُ أَبُوداوُد وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ. وَخَالَفُوهُ، فَاتَّفَقُوا عَلٰى ضَعْفِهِ.

[956] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لونڈی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں۔ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور انھوں نے اسے مرفوع بھی بیان کیا ہے مگر اسے ضعیف کہا ہے، نیز اس روایت کو امام ابوداود، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر دوسرے محدثین نے ان کی

٩٥٥۔ [إسناده صحيح] أخرجه مالك في الموطأ: ٢/ ٥٧٦، ٥٧٧.

٩٥٦۔ [إسناده ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٤/ ٣٨ وقال: تفرد به عمر بن شبيب مرفوعًا وكان ضعيفًا، وعطية العوفي ضعيف مدلس وعنعن، وحديث عائشة: أخرجه أبوداود، الطلاق، حديث: ٢١٨٩، والترمذي، الطلاق واللعان، حديث: ١١٨٢ (مظاهر بن أسلم ضعيف).

مخالفت کی ہے' وہ اس کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔)

(٩٥٧) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِامْرِىءٍ يُّؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهِ». أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَحَسَّنَهُ الْبَزَّارُ.

[957] حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے پانی سے غیر کی کھیتی کو سیراب کرے۔'' (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور بزار نے اسے حسن کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنْ يَّسْقِيَ مَاءَهُ] یہ اَلسَّقْيُ سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اپنا نطفہ داخل کرے۔ [زَرْعَ غَيْرِهِ] غیر کی کھیتی کے محل میں۔ اور کھیتی سے مراد حمل ہے۔ اور بچے (حمل) کو کھیتی کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جب بچہ رحم مادر کے ساتھ معلق ہوتا ہے تو اس کی کیفیت اس بیج کی سی ہوتی ہے جو زمین میں نشوونما پا رہا ہوتا ہے اور اپنی جڑیں مضبوط کر رہا ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب عورت پہلے ایک مرد کے نطفے سے حاملہ ہو چکی ہو تو دوسرے مرد کے لیے اس سے وطی و جماع کرنا حلال نہیں۔ اور اس کی مثال اس لونڈی کی سی ہے جسے ایک آدمی نے کسی سے خریدا تو اس وقت وہ حاملہ تھی یا کوئی لونڈی کسی مرد کے پاس قید ہو کر آئی تو وہ حاملہ تھی' اب ایسی لونڈی کے خریدار یا مالک و آقا کے لیے اس کے ساتھ وطی و جماع کرنا حلال نہیں ہے جب تک کہ اس کا حمل وضع نہ ہو جائے۔

راوی حدیث: [حضرت رُوَیفع بن ثابت رضی اللہ عنہ] رویفع رافع سے تصغیر ہے۔ انصار کے قبیلہ بنو مالک بن نجار سے تھے۔ ان کا شمار مصریوں میں ہوتا ہے۔ ٤٦ ہجری میں وفات پائی۔

(٩٥٨) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فِي امْرَأَةِ الْمَفْقُودِ، تَرَبَّصُ أَرْبَعَ سِنِينَ، ثُمَّ تَعْتَدُّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. أَخْرَجَهُ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ.

[958] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے' گم شدہ مرد کی بیوی کے بارے میں' مروی ہے کہ وہ چار سال انتظار کرے گی' پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے گی۔ (اسے مالک و شافعی رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمَفْقُودِ] ایسا غائب شخص جس کے متعلق کچھ معلومات نہ ہوں کہ آیا وہ زندہ ہے یا نہیں؟ اس اثر کے مطابق اکثر فقہاء و محدثین کا فیصلہ ہے' مثلاً: امام مالک' ایک قول کے مطابق امام شافعی' امام احمد' اسحق رحمہم اللہ وغیرہم۔ مگر احناف اور شیعہ میں سے ہادویہ فرقے کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ ایسی عورت اس مرد کی زوجیت سے نہیں نکل سکتی جب

٩٥٧- [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في وطء السبايا، حديث: ٢١٥٨، والترمذي، النكاح، حديث: ١١٣١، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ١٦٩، ١٧٠، والبزار.

٩٥٨- [صحيح] أخرجه مالك في الموطأ: ٢/ ٥٧٥، وعنه الشافعي في الأم: ٧/ ٢٣٦.

تک کہ اس کی موت کی صحیح خبر یا اس کی طلاق کا ثبوت یا اس کے مرتد ہونے کا ثبوت نہ مل جائے۔ اور وہ موت کی تعیین اندازاً طبعی عمر کے ساتھ کرتے ہیں، پھر ان کا طبعی عمر میں بھی اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد ساٹھ سال ہے۔ اور ایک قول ہے کہ ستر سال۔ اور ایک قول کے مطابق نوے برس۔ اور ایک قول ۱۲۰ برس کا ہے۔ اور ۱۵۰ برس سے دوسو برس تک کا قول بھی ہے۔ اس مسئلے میں ایک تیسری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر غائب آدمی نے بیوی کے لیے نان ونفقہ اور دیگر حاجات وضروریات کا سامان چھوڑا ہے تو اسے حاضر ہی سمجھا جائے گا ورنہ حاکم اس کا نکاح (جب عورت عدم نان ونفقہ کی صورت میں فسخ نکاح کا مطالبہ کرے) فسخ کرائے گا۔ یہ بہترین، عمدہ اور لائق توجہ قول ہے۔ مگر محققین کے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے۔

(٩٥٩) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِمْرَأَةُ الْمَفْقُودِ امْرَأَتُهُ حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

[959] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مفقود الخبر کی بیوی، اس کی بیوی ہی رہتی ہے جب تک کہ اس (بیوی) کو واضح طور پر اطلاع موصول نہ ہو جائے۔'' (دارقطنی نے اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَتّٰى يَأْتِيَهَا الْبَيَانُ] یعنی جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے، ابھی مسلمان ہے یا مرتد ہو گیا ہے، تاہم یہ حدیث سخت ضعیف ہے، اس لیے محققین اس کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی سند میں صالح بن مالک اور محمد بن فضل دونوں مجہول الحال ہیں، نیز اس میں سوار بن مصعب، متروک ہے اور محمد بن شرحبیل بھی متروک ہے جو کہ مغیرہ بن شعبہ سے مناکیر اور اباطیل روایتیں بیان کرتا ہے۔

(٩٦٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَبِيتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ نَاكِحًا، أَوْ ذَا مَحْرَمٍ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[960] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص کسی عورت کے پاس رات بسر نہ کرے، الا یہ کہ وہ مرد اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث کی رو سے کسی اجنبی عورت کے پاس خلوت وتنہائی میں رہنا حرام ہے۔ محرم کے پاس رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ محرم اسے کہتے ہیں جس سے کسی صورت میں، کسی وقت نکاح درست اور جائز نہ ہو۔

(٩٦١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[961] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی ﷺ

٩٥٩ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٣١٢، وقال أبوحاتم: "هذا حديث منكر، ومحمد بن شرحبيل متروك الحديث، يروي عن المغيرة بن شعبة عن النبي ﷺ أحاديث مناكير أباطيل"، علل الحديث: ١/ ٤٣٢.

٩٦٠ـ أخرجه مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، حديث: ٢١٧١.

٩٦١ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم ....، حديث: ٥٢٣٣.

عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

نے فرمایا: ''کوئی بھی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی اور خلوت اختیار نہ کرے جب تک کہ اس کے ساتھ اس کا محرم نہ ہو۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

(٩٦٢) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي سَبَايَا أَوْطَاسٍ: «لَا تُوطَأُ حَامِلٌ حَتّٰى تَضَعَ، وَلَا غَيْرُ ذَاتِ حَمْلٍ، حَتّٰى تَحِيضَ حَيْضَةً». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَلَهُ شَاهِدٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي الدَّارَقُطْنِيِّ.

[962] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اوطاس کی قیدی عورتوں کے متعلق فرمایا: ''کسی حاملہ عورت سے مباشرت نہ کی جائے حتی کہ اس کے بچے کی ولادت ہو جائے' اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک مباشرت نہ کی جائے جب تک اسے ایک حیض نہ آ جائے۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دارقطنی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا شاہد مروی ہے۔)

لغوی تشریح: [سَبَايَا أَوْطَاسٍ] سَبَايَا' سَبْيٌ اور سَبِيَّةٌ کی جمع ہے۔ اس عورت کو کہتے ہیں جو جنگ میں قید کر لی جائے۔ اور ''اوطاس'' حنین کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ یہاں قبائل ثقیف و ہوازن کی عورتیں غزوۂ حنین کے موقع پر قید ہوئی تھیں۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے' نیز ہمارے فاضل محقق نے مذکورہ روایت کو سنن ابوداود (اردو' طبع دارالسلام) میں سنداً ضعیف قرار دیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ طیالسی کی حدیث اس سے کفایت کرتی ہے۔ ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ علاوہ ازیں دیگر محققین کی بحث سے بھی تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل:١/ ٢٠٠- ٢٠٢' رقم:١٨٧' وصحيح سنن أبي داود (مفصل) للألباني' رقم:١٨٧٣)

(٩٦٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ،

[963] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لیے پتھر

٩٦٢ـ [ضعيف] أخرجه أبوداود، النكاح، باب في وطء السبايا، حديث:٢١٥٧، والحاكم:٢/ ١٩٥ وصححه على شرط مسلم، وحديث ابن عباس: أخرجه الدارقطني:٣/ ٢٥٧ سنده ضعيف.

٩٦٣ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب للعاهر الحجر، حديث:٦٨١٨، ومسلم، الرضاع، باب الولد للفراش...، حديث:١٤٥٨، وحديث عائشة: أخرجه البخاري، الفرائض، حديث:٦٧٤٩، ٢٠٥٣، ومسلم، الرضاع، حديث:١٤٥٧، وحديث ابن مسعود: أخرجه النسائي، الطلاق، حديث:٣٥١٧ وهو صحيح، وحديث عثمان: أخرجه أبوداود، الطلاق، حديث:٢٢٧٥، وهو صحيح.

وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ مِنْ حَدِيثِهِ، وَمِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فِي قِصَّةٍ، وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ عِنْدَ النَّسَائِيِّ، وَعَنْ عُثْمَانَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ.

ہیں۔'' (بخاری و مسلم بروایت حضرت ابوہریرہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ایک قصہ بھی مروی ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نسائی نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ابوداود نے بھی روایت بیان کی ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ] فراش سے مراد صاحب فراش، یعنی فراش کا مالک ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے: [اَلْوَلَدُ لِصَاحِبِ الْفِرَاشِ] اور فراش سے مراد وہ عورت ہے جس سے وطی کی جائے، وہ بیوی ہو یا لونڈی جبکہ صاحب فراش اور فراش کے مالک سے مراد اس عورت کا خاوند یا آقا ہے کیونکہ خاوند کے لیے بیوی اور آقا کے لیے لونڈی فراش ہوتی ہے۔ [وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ] العاهر: زانی اور العهر: زنا کے معنی میں مستعمل ہے، یعنی زانی کے لیے ناکامی و نامرادی ہے۔ بچے میں اس کا کوئی حق نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے لیے پتھر ہیں اور اس کے منہ میں مٹی، تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے لیے سوائے ناکامی و نامرادی اور ذلت و رسوائی کے اور کچھ نہیں۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ الحجر سے مراد یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے گا۔ مگر یہ قول کمزور اور ضعیف ہے کیونکہ سنگسار تو صرف شادی شدہ کو کیا جاتا ہے۔

فوائد و مسائل: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ بیوی یا لونڈی جب بچے کو جنم دے تو اس بچے کا نسب اسی آدمی کے ساتھ ملحق کیا جائے گا جو خاوند یا آقا ہے اور وہ اس کا بچہ شمار کیا جائے گا۔ اور بوجہ ولادت ان دونوں کے مابین وراثت وغیرہ کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص اس عورت کے ساتھ ارتکاب زنا کا دعویٰ کرے اور یہ دعویٰ بھی کرے کہ یہ بچہ اس کے زنا سے پیدا ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس بچے کی مشابہت بھی ہو جبکہ صاحب فراش کے ساتھ نہ ہو تو اس ساری صورتحال کے باوجود بچے کو صاحب فراش کے ساتھ ملحق کیا جائے گا اور اس میں زانی کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اور یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جب صاحب فراش بچے کی نفی نہ کرے۔ اگر اس نے نفی کر دی تو پھر بچہ ماں کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اور اس کا نسب ماں کے ساتھ ہوگا، زانی کے ساتھ نہیں۔ یاد رہے! جمہور کا قول ہے کہ عورت صرف نکاح سے فراش بن جاتی ہے۔ اب اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچے کو جنم دیتی ہے اور خاوند کا اس کے ساتھ جماع کرنا بھی ممکن ہے تو بچہ خاوند کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا اور اگر جماع کا امکان نہ ہو تو پھر بچے کو اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ ② احناف کہتے ہیں کہ محض عقد کی وجہ سے بچے کو عورت کے خاوند کے ساتھ ملحق کر دیا جائے گا، خواہ جماع کا امکان ہو یا نہ ہو، حتی کہ اگر مغرب کے رہنے والے نے مشرق میں رہنے والی خاتون سے نکاح کیا اور دونوں میں سے کسی نے بھی اپنا وطن مالوف نہ چھوڑا یا کسی آدمی نے عقد نکاح کے بعد طلاق دے دی، پھر چھ ماہ بعد اس عورت نے بچہ جنم دیا تو اس صورت میں بچہ اسی مرد کے ساتھ ملحق کیا جائے گا۔ یہ قول ایسا ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں۔ ③ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ عورت سے دخول محقق کی معرفت ضروری ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ اور صاحب منار السبیل نے ان کی تائید کی ہے اور یہ بات لفظ فراش سے لغوی، عرفی اور عقلی طور پر سمجھی جا سکتی ہے۔

١٢ - بَابُ الرَّضَاعِ

باب:12-رضاعت کا بیان

(٩٦٤) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ**». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[964] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک' دو دفعہ (پستان) چوسنے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔'' (مسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ الرَّضَاعِ] رضاع اور رضاعة کے ''را'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ عورت کے پستان سے بچے کا مخصوص وقت میں دودھ چوسنا رضاعت کہلاتا ہے۔ اور یہی چیز دودھ پینے والے بچے اور پلانے والی عورت کے مابین حرمت کا سبب بنتی ہے' اس سے بچہ اس عورت کا بیٹا قرار پاتا ہے اور اس سے ہمیشہ کے لیے اس کا نکاح حرام ہو جاتا ہے' پھر یہ حرمت دودھ پلانے والی کے اور دودھ پینے والے کی اولاد کے مابین بھی واقع ہو جاتی ہے' اسی طرح دودھ پینے والے کے اور پلانے والی کی اولاد' شوہر اور آقا' جس نے اس سے جماع کیا ہو' کے درمیان بھی واقع ہو جاتی ہے۔ [لَا تُحَرِّمُ] یہ تَحْرِیم سے ماخوذ ہے۔ [اَلْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ] مَصّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی چوسنے کے ہیں' یعنی ایک دو مرتبہ چوسنے اور تھوڑا سا پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک رضعہ یا دو رضعے' یعنی ایک دفعہ پینے یا دو مرتبہ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ سبل السلام میں ہے: رَضْعَه یہ ہے کہ بچہ ماں کا پستان منہ میں لے کر چوسے' پھر بغیر کسی عارضے کے اپنی مرضی سے پستان کو چھوڑ دے۔ کسی عارضے کی بنا پر پستان کو چھوڑ دینا اسے رضعہ کے حکم سے خارج نہیں کرتا' مثلاً: بچے نے سانس لینے کے لیے یا معمولی سا آرام کرنے کے لیے پستان چھوڑا یا وہ کسی دوسری چیز کی طرف مشغول ہو گیا' پھر اس نے فوراً پستان منہ میں ڈال لیا تو ان تمام صورتوں میں رضعہ کا حکم باقی رہے گا۔ ایک رضعہ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور یہ لغت کے موافق ہے۔

فوائد و مسائل: رضاعت کا حکم کتنا دودھ پینے سے ثابت ہوتا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ دودھ تھوڑا یا زیادہ پینے سے' ہر دو صورت میں رضاعت کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ امام داود ظاہری' (ایک قول کے مطابق) امام احمد' امام اسحاق اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ وغیرہم نے اس حدیث کے مفہوم کے مطابق کہا ہے کہ رضاعت کا حکم تین مرتبہ پینے سے ثابت ہوتا ہے' دو دفعہ پینے سے نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پانچ مرتبہ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے اور انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے منطوق سے استدلال کیا ہے جو کہ آئندہ آ رہی ہے اور ظاہر ہے کہ منطوق مفہوم سے زیادہ قوی ہوتا ہے' نیز عرف عام میں لوگوں میں مروج ہے کہ جب وہ یہ بولتے ہیں کہ فلاں کام ایک یا دو سے ثابت نہیں ہوتا تو اس کا یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ تین مرتبہ سے ثابت ہو جائے گا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس سے مراد مطلق تعداد و کثرت ہے۔ رہا جمہور کا مذہب کہ رضاعت کا حکم قلیل و کثیر دونوں سے ثابت ہو جاتا ہے تو انھوں نے

٩٦٤ـ أخرجه مسلم، الرضاع، باب في المصة والمصتان، حديث: ١٤٥٠

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ ﴾ (النسآء ۴:۲۳) سے استدلال کیا ہے' حالانکہ اس میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ ماں کا لفظ اس کا تقاضا کر رہا ہے کہ دودھ پلانے والی کی حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اس نے اتنی مقدار میں دودھ پلایا ہو جس سے وہ ماں کہلانے کی مستحق بن جائے۔ اس وصف سے متصف وہی ہو سکتی ہے جس نے بچہ جنم دیا ہو یا جس کے بدن کا جز (دودھ) بچے کے بدن کا جز بن گیا ہو، اور یہ محض رضاعت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے ثبوت کے لیے اتنی مقدار ناگزیر ہے جس سے دودھ بچے کا جزو بدن بن جائے' اور یہ معلوم نہیں کہ کتنی مقدار کا دودھ جزو بدن بن سکتا ہے' اس لیے شارع علیہ السلام نے جو مقدار مقرر کی ہے اس کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ بنا بریں گہری اور عمیق نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رضاعت کے سلسلے کی تمام احادیث اسی علت وسبب کے گرد گردش کرتی ہیں' لہٰذا اس کے لیے بھوک کی شرط' آنتوں کو کھولنے کی شرط' ہڈیوں کی نشوونما کی شرط' گوشت بڑھانے' پیدا کرنے کی شرط اور اس رضاعت کے دو سال کے دوران میں ہونے کی شرط یہ تمام اسی علت وسبب کی وجہ سے ہیں' لہٰذا واضح ہو گیا کہ آیت قرآنی جمہور کے مذہب کی تائید نہیں کرتی بلکہ اس مسلک کی تائید کرتی ہے جسے امام شافعی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے، اور حدیث اور آیت قرآن میں باہم تعارض بھی نہیں ہے بلکہ دونوں میں کلی توافق اور مطابقت ہے۔ اگر مطلق رضاعت ہی مراد ہوتی تو پھر فرمان الٰہی یوں ہوتا: [اَلنِّسَاءُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ] "وہ عورتیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہے۔"

(٩٦٥) وَعَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اُنْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ، فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[965] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "غور کر لیا کرو کہ تمھارے بھائی کون ہیں؟ کیونکہ رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کی بنا پر ہو۔" (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [اُنْظُرْنَ مَنْ إِخْوَانُكُنَّ] اُنْظُرْنَ امر کا صیغہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رضاعت کے معاملے میں پوری تحقیق' پوری احتیاط اور بالغ نظری سے کام لیا جانا چاہیے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے: [فَإِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ] یعنی وہ رضاعت جس سے حرمت ثابت ہوتی ہے' وہ ہے جو بچپن میں ہو اور دودھ اس بچے کی بھوک ختم کر دے اور اس کے ذریعے سے گوشت پیدا ہو۔ اس طرح وہ بچہ اس عورت کی اولاد کے ساتھ حرمت میں شریک ہو جائے گا' چنانچہ یہ حدیث آنے والی ان دونوں احادیث کے ہم معنی ہوئی: [لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ] "رضاعت ہڈیوں کی نشوونما اور گوشت جسم پر پیدا کرنے کا نام ہے۔" (مسند أحمد: ۱/ ۴۳۲، وسنن أبي داود، النكاح، حديث: ۲۰۵۹، ۲۰۶۰) اور [لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ] "رضاعت سے حرمت اس وقت ثابت ہوتی ہے جبکہ وہ انتڑیوں کو کھول دے۔" (جامع الترمذي، الرضاع، حديث: ۱۱۵۲، وسنن ابن ماجه، النكاح، حديث: ۱۹۴۷) یہ امام ابوعبید کا قول ہے۔ (سبل السلام ملخصا)

٩٦٥ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب من قال لا رضاع بعد حولين . . .، حديث: ٥١٠٢، ٢٦٤٧، ومسلم، الرضاع، باب إنما الرضاعة من المجاعة، حديث: ١٤٥٥.

فائدہ: اس حدیث میں ایک قصے کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ اس وقت میرے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بات آپ کی طبع مبارک پر گراں گزری اور میں نے چہرۂ انور پر ناراضی کے آثار دیکھ کر کہا: اے اللہ کے رسول! یہ تو میرا رضاعی بھائی ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''غور سے دیکھ لیا کرو کہ تمھارے بھائی کون ہیں؟...... الخ۔''

(٩٦٦) وَعَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ سَهْلَةُ بِنْتُ سُهَيْلٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ مَعَنَا، فِي بَيْتِنَا، وَقَدْ بَلَغَ مَا يَبْلُغُ الرِّجَالُ، فَقَالَ: «أَرْضِعِيهِ، تَحْرُمِي عَلَيْهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[966] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا آئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوحذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ رہتا ہے' وہ مردوں کی طرح بالغ ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے اپنا دودھ پلا دو' تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَرْضِعِيهِ] قاضی عیاض بیان کرتے ہیں: ممکن ہے کہ سہلہ نے اپنا دودھ نکال کر پلایا ہو اور پستان کو چھونے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور دونوں کے جسم بھی باہم نہ ملے ہوں۔ یہ قول امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اور سنن ابی داود میں ہے: حضرت سہلہ نے اسے پانچ بار دودھ پلایا اور وہ اس طرح اس کے رضاعی بیٹے کی طرح ہو گیا۔ (سنن أبي داود' النكاح' حديث:٢٠٦١) یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کی تائید کرتی ہے کہ پانچ یقینی رضعات ہی رضاعت کے لیے معتبر ہیں' نیز یہ حدیث رضاعت کبیر کی حرمت کے ثبوت پر بھی دلالت کرتی ہے اور یہی رائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔ لیکن یہ پہلی حدیث کے معارض ہے' نیز ام سلمہ رضی اللہ عنہا' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی آنے والی احادیث کے بھی معارض ہے۔ اور یہ احادیث اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ رضاعت دو سال کے دوران ہی میں معتبر ہے۔ جمہور نے ان احادیث کو لیتے ہوئے سالم کے قصے کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حکم ان کے ساتھ مخصوص تھا' ان کے سوا دوسروں کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ رضاعت کے معاملے میں بچپن کا اعتبار کیا جائے گا الا یہ کہ جب کوئی حاجت و ضرورت اس کا تقاضا کرے' مثلاً: بڑی عمر کے آدمی کی رضاعت کا مسئلہ' جسے عورت کے پاس جانا ناگزیر ہو اور عورت کا اس سے پردہ کرنا بھی دشوار ہو جیسا کہ سالم کا حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیوی کے ساتھ مسئلہ تھا' چنانچہ اس طرح کے بڑی عمر کے آدمی کو جب ضرورت و حاجت کے لیے عورت دودھ پلا دے تو اس کی رضاعت مؤثر ہو گی' البتہ ایسی صورت کے سوا دودھ پینے کی مدت بچپن کی عمر ہی ہے۔ (سبل السلام)

وضاحت: [حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا] سہلہ بنت سہیل بن عمرو القرشیہ بنو عامر بن لؤی میں سے تھیں۔ قدیم الاسلام تھیں۔ اپنے شوہر ابوحذیفہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور وہاں ان کے ہاں محمد بن ابی حذیفہ پیدا ہوئے۔

[حضرت سالم رضی اللہ عنہ] سالم بن معقل' ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انھیں ایک انصاری خاتون نے خریدا تھا۔ اس

٩٦٦ـ أخرجه مسلم، الرضاع، باب رضاعة الكبير، حديث: ١٤٥٣.

کا نام لیلیٰ بتایا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ثبیتہ بنت یعار تھا۔ اس سے ابوحذیفہ نے نکاح کر لیا تھا اور سالم اس کے ساتھ ہی آئے تھے۔ ابوحذیفہ نے انھیں اپنا لے پالک بنا لیا تھا اور انھیں اپنا حلیف قرار دے لیا تھا۔ سالم معرکۂ بدر میں شریک ہوئے۔ نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا تھا سالم ان میں سے ایک تھے۔ نبی ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری سے پہلے قباء میں یہی مہاجرین کی امامت کے فرائض انجام دیتے تھے، حالانکہ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی ان مہاجرین میں شامل تھے۔

[حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ] ایک قول کے مطابق ان کا نام مہشم تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہاشم بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس تھا۔ یہ فضلاء صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ غزوات بدر و اُحد اور ان کے بعد والے تمام غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ جنگ یمامہ کے روز مرتبۂ شہادت پر فائز ہوئے، اس وقت ان کی عمر ۵۳ برس تھی۔

(٩٦٧) وَعَنْهَا أَنَّ أَفْلَحَ أَخَا أَبِي الْقُعَيْسِ جَاءَ يَسْتَأْذِنُ عَلَيْهَا بَعْدَ الْحِجَابِ، قَالَتْ: فَأَبَيْتُ أَنْ آذَنَ لَهُ، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَخْبَرْتُهُ الَّذِي صَنَعْتُهُ، فَأَمَرَنِي أَنْ آذَنَ لَهُ عَلَيَّ، وَقَالَ: «إِنَّهُ عَمُّكِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[967] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ ابوالقعیس کے بھائی افلح نے حجاب کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آنے کے لیے اجازت طلب کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اسے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، آپ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیا کروں اور فرمایا: ''وہ تو تمھارا چچا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عورت کا دودھ پی لیا جائے اس کا شوہر دودھ پینے والے کے لیے بمنزلہ باپ ہوگا۔ اب جو رشتے ماں، باپ کی جانب سے حرام ہوتے ہیں وہ دودھ سے بھی حرام ہو جائیں گے۔ ② افلح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی چچا اس لیے ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوالقعیس کی بیوی کا دودھ پیا تھا۔ ③ دودھ کی پیدائش میں مرد و عورت دونوں کے نطفے کا دخل ہوتا ہے، اس لیے رضاعت بھی دونوں کی جانب سے ہوئی اور اسی وجہ سے حرمت بھی ثابت ہوگئی۔

وضاحت: [**افلح**] ان کی کنیت ابوجعد اور نام افلح ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ان کے بھائی ابوالقعیس کا نام جعد تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وائل بن افلح اشعری ان کا نام تھا۔ اس طرح ان کے بھائی کا نام اور ان کے باپ کا نام ایک ہوا۔ معلوم رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچے دو تھے۔ ایک تو ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رضاعی بھائی تھا، جو نبی ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہو گیا تھا، دوسرا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دودھ پلانے والی کا دیور تھا۔ اس کا نام افلح تھا جو کہ ابوالقعیس کا بھائی تھا اور ابوالقعیس حضرت

٩٦٧ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب لبن الفحل، حديث: ٥١٠٣، ومسلم، الرضاع، باب تحريم الرضاعة من ماء الفحل، حديث: ١٤٤٥.

عائشہ رضی اللہ عنہا کا رضائی باپ تھا۔

(٩٦٨) وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[968] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ قرآن میں جو حکم نازل ہوا تھا وہ دس یقینی رضعات تھے جن سے حرمت ثابت ہوتی تھی' پھر وہ (دس رضعات) پانچ یقینی رضعات کے ساتھ منسوخ کر دیے گئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو قرآن میں ان کی قراءت کی جاتی تھی۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَعْلُومَاتٍ] محقق و ثابت شدہ اور یقینی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب رضاعت مشکوک ہو تو تحریم کا فائدہ نہیں دیتی۔ [وَ هِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ] يُقْرَأُ صیغۂ مجہول ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ پانچ کی تعداد کا نسخ اتنی تاخیر سے ہوا کہ نبی ﷺ کی وفات کا واقعہ پیش آ گیا اور بعض لوگ پھر بھی ان پانچ کی تعداد کو قرآن سمجھ کر تلاوت کرتے رہے کیونکہ آپ کی وفات کے بالکل قریب ہی ان کے منسوخ ہونے کا حکم نازل ہوا تھا اور لوگوں کو اس کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ آپ کی وفات کے بعد جب ان کو نسخ کا علم ہوا تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا اور سب متفق ہو گئے کہ اب اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نسخ کی تین قسمیں ہیں: ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ کسی آیت کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو جائیں' جیسے دس رضعات والی آیت' دوسری یہ کہ آیت کی تلاوت تو منسوخ ہو مگر اس کا حکم باقی رہے' جیسے پانچ رضعات والی آیت اور آیت رجم' اور تیسری یہ کہ آیت کا حکم تو منسوخ ہو چکا ہو مگر اس کی تلاوت باقی ہو اور ایسا تو اکثر ہے' جیسے آیت وصیت وغیرہ۔ (شرح نووي - ملخصًا)

(٩٦٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ، فَقَالَ: «إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي، إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَيَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[969] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے نکاح کرنے پر آمادہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''وہ میرے لیے حلال نہیں' اس لیے کہ وہ میرے رضائی بھائی کی بیٹی ہے۔ اور جو چیز نسب کی وجہ سے حرام ہو وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوتی ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ] یہاں فعل مجہول ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبی ﷺ سے کہا گیا کہ اس لڑکی سے نکاح کر لیں۔ نیل الاوطار میں ہے کہ وہ شخص جس نے اس لڑکی کا نبی ﷺ سے نکاح کے ارادے کا اظہار کیا تھا وہ

٩٦٨ـ أخرجه مسلم، الرضاع، باب التحريم بخمس رضعات، حديث: ١٤٥٢.

٩٦٩ـ أخرجه البخاري، النكاح، باب "وأمهاتكم اللاتي أرضعنكم"، حديث: ٥١٠٠، ومسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: ١٤٤٧.

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس بیٹی کے نام میں مختلف اقوال ہیں جو یہ ہیں: امامہ، سلمیٰ، فاطمہ، عائشہ، امۃ اللہ، عمارہ اور یعلیٰ۔ یہ لڑکی نبی ﷺ کے رضاعی بھائی کی بیٹی اس طرح بنتی تھی کہ نبی ﷺ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا، اس طرح آپ ﷺ اور حمزہ رضی اللہ عنہ چچا بھتیجا ہونے کے ساتھ ساتھ رضاعی بھائی بھی تھے۔

(٩٧٠) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ، وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ»**. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ هُوَ وَالْحَاكِمُ.

[970] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صرف وہ رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو انتڑیوں کو کھول دے اور دودھ چھڑانے کی مدت سے پہلے ہو۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی اور حاکم دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يُحَرِّمُ] ''را'' پر تشدید اور کسرہ ہے۔ [إِلَّا مَا فَتَقَ الْأَمْعَاءَ] اس جملے میں ''ما'' موصولہ (بوجہ فاعلیت) مرفوع ہے کیونکہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ اور أَمْعَاء مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رضاعت صرف اس دودھ سے ثابت ہوتی ہے جو بچے کی آنتوں میں داخل ہو کر انھیں کھول دے اور اس کی غذا کی جگہ جا پہنچے۔ یہ تبھی ہو سکتا ہے جب دودھ مدت رضاعت میں پلایا جائے۔ اور أَمْعَاء، مِعًى کی جمع ہے۔ (مِعًى کے ''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''عین'' پر تنوین ہے۔) پیٹ میں خوراک کی جگہ۔ [اَلْفِطَام] ''فا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ بچے کا دودھ چھڑانا۔

(٩٧١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: لَا رَضَاعَ إِلَّا فِي الْحَوْلَيْنِ. رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَابْنُ عَدِيٍّ مَرْفُوعًا وَمَوْقُوفًا، وَرَجَّحَا الْمَوْقُوفَ.

[971] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انھوں نے فرمایا: صرف دو سال کے دوران والی رضاعت معتبر ہے۔ (اسے دارقطنی اور ابن عدی نے مرفوع اور موقوف روایت کیا ہے اور دونوں نے موقوف کو ترجیح دی ہے۔)

(٩٧٢) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«لَا رَضَاعَ إِلَّا مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ، وَأَنْبَتَ اللَّحْمَ»**. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ.

[972] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رضاعت وہی معتبر ہے جو ہڈیوں کو مضبوط کرے اور گوشت پیدا کرے۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔)

٩٧٠ـ **[صحيح]** أخرجه الترمذي، الرضاع، باب ما جاء ما ذكر أن الرضاعة لا تحرم إلا في الصغر دون الحولين، حديث: ١١٥٢، والحاكم: لم أجده، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٢٥٠.

٩٧١ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه الدارقطني: ٤/ ١٧٣، ١٧٤، وابن عدي في الكامل: ٧/ ٢٥٦٢، والبيهقي: ٧/ ٤٦٢ . * سفيان بن عيينة عنعن.

٩٧٢ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أبوداود، النكاح، باب في رضاعة الكبير، حديث: ٢٠٥٩، أبو موسى الهلالي وأبوه مجهولان.

لغوی تشریح: [مَا أَنْشَزَ الْعَظْمَ] جو ہڈی کو مضبوط وقوی کرے' پختہ کرے اور اس کا حجم بڑھائے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے اور دلائل کی رو سے انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ١٨٦/٧-١٨٨) ② یہ حدیث دلیل ہے کہ وہی رضاعت حرمت ثابت کرتی ہے جو دو سال کی عمر کے دوران میں ہو' اس لیے کہ بچہ اسی دودھ سے نشوونما پاتا ہے' اس کی ہڈیاں اسی سے مضبوط اور قوی ہوتی ہیں اور اسی سے اس کا گوشت بنتا ہے۔

(٩٧٣) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ تَزَوَّجَ أُمَّ يَحْيٰى بِنْتَ أَبِي إِهَابٍ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ. فَقَالَتْ قَدْ أَرْضَعْتُكُمَا، فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «كَيْفَ؟ وَقَدْ قِيلَ». فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ، وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهُ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[973] حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ام یحیٰی بنت ابواہاب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''اب کس طرح (تم اسے اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو؟) جبکہ رضاعت کی اطلاع دے دی گئی ہے۔'' چنانچہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو جدا کر دیا اور اس خاتون نے کسی اور سے نکاح کر لیا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [كَيْفَ؟ وَقَدْ قِيلَ] مطلب یہ ہے کہ اب تو اس سے لطف صحبت کیسے اٹھا سکتا ہے اور اس کے قریب کیونکر جا سکتا ہے جبکہ یہ صورت حال بیان کی گئی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے عقبہ رضی اللہ عنہ کو اس عورت سے روک دیا۔ (صحيح البخاري، الشهادات، حديث: ٢٦٥٩، ٢٦٦٠) اس حدیث کی رو سے سلف کی ایک جماعت جس میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ہیں کہتے ہیں کہ رضاعت کے مسئلے میں صرف ایک عورت کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے مگر جمہور اس کے قائل نہیں۔ ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ دودھ پلانے والی کی گواہی مزید تین عورتوں کی شہادت کے ساتھ قبول کی جائے گی بشرطیکہ معاوضے کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔ علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تو مخفی نہیں ہے کہ یہاں نہی حقیقتاً حرمت پر دلالت کرتی ہے اور اسے حقیقی معنی سے اسی وقت خارج کیا جائے گا جب کوئی قرینہ صارفہ ہوگا۔ اور دودھ پلانے والی اکیلی عورت کی شہادت کو قبول نہ کرنے کی دلیل اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے لی گئی ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (البقرة ٢: ٢٨٢) لیکن یہ دلیل مفید نہیں کیونکہ عام کو خاص پر محمول کرنا واجب ہے۔ اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اس حدیث نے قرآن پاک کے عام حکم کو خاص کر دیا ہے۔ (نيل الأوطار)

راوئ حدیث: [حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ] ابوسروعہ (''سین'' کے نیچے کسرہ' ''را'' ساکن اور ''واو'' پر فتحہ

٩٧٣۔ أخرجه البخاري، النكاح، باب شهادة المرضعة، حديث: ٥١٠٤.

ہے۔) عقبہ بن حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف مکی۔ مشہور صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہونے والوں میں سے ہیں۔ پچاس ہجری کے بعد تک زندہ رہے۔

وضاحت: [ام یحییٰ] ان کا نام غُنِیَّہ ہے۔ (''غین'' پر فتحہ ''نون'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر تشدید ہے۔) غنیۃ بنت ابی اہاب بن عویز تمیمی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا نام زینب تھا۔

(٩٧٤) وَعَنْ زِيَادٍ السَّهْمِيِّ قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ تُسْتَرْضَعَ الْحُمْقَى. أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ. وَهُوَ مُرْسَلٌ، وَلَيْسَتْ لِزِيَادٍ صُحْبَةٌ.

[974] زیاد سہمی سے مروی ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے احمق عورت سے دودھ پلوانے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے ابوداود نے بیان کیا ہے اور یہ مرسل ہے کیونکہ زیاد کو صحابی ہونے کا شرف حاصل نہیں۔)

لغوی تشریح: [أَنْ تُسْتَرْضَعَ الْحُمْقَى] اس جملے میں تُسْتَرْضَعَ صیغۂ مجہول ہے' یعنی دودھ پلوانا۔ اور [حُمْقَى] میں ''حا'' پر ضمہ ہے اور یہ احمق سے فُعْلٰی کے وزن پر مؤنث کا صیغہ ہے۔

راویٔ حدیث: [زیاد سہمی] تقریب التہذیب میں ہے کہ یہ تیسرے طبقے کا آدمی ہے اور مجہول ہے۔ مرسل حدیث بیان کرتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام ہے۔ صاحب اسد الغابہ (ابن اثیر) اور صاحب استیعاب (ابن عبدالبر) نے اس کا ذکر صحابہ میں نہیں کیا۔

١٣ - بَابُ النَّفَقَاتِ

باب: 13- نفقات کا بیان

(٩٧٥) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: دَخَلَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ، امْرَأَةُ أَبِي سُفْيَانَ، عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ أَبَاسُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ، لَا يُعْطِينِي مِنَ النَّفَقَةِ مَايَكْفِينِي، وَيَكْفِي بَنِيَّ، إِلَّا مَا أَخَذْتُ مِنْ مَّالِهِ بِغَيْرِ عِلْمِهِ، فَهَلْ عَلَيَّ فِي ذٰلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ: «خُذِي مِنْ مَالِهِ بِالْمَعْرُوفِ مَا يَكْفِيكِ، وَيَكْفِي بَنِيكِ».

[975] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' انھوں نے فرمایا کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک کنجوس اور حریص آدمی ہے۔ وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتا جو میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو سوائے اس کے جو میں اسے بتائے بغیر اس کے مال میں سے کچھ لے لوں' تو ایسا کرنے میں مجھ پر کوئی گناہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بھلے طریقے سے تم اس کا اتنا مال

٩٧٤ـ [إسناده ضعيف، ومرسل] أخرجه أبوداود في المراسيل، حديث: ٢٠٧، وزاد: فإن العين يشبه. وفيه هشام بن إسماعيل المكي وهو مجهول.

٩٧٥ـ أخرجه البخاري، النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ بغير علمه ....، حديث: ٥٣٦٤، ومسلم، الأقضية، باب قضية هند، حديث: ١٧١٤.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لے سکتی ہو جو تمھارے لیے اور تمھارے بچوں کے لیے کافی ہو۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ النَّفَقَاتِ] نَفَقَة کی جمع ہے۔ ''نون' فا اور قاف'' تینوں پر فتحہ ہے۔ إِنْفَاق سے اسم ہے۔ انسان نقدی' طعام' لباس وغیرہ کی صورت میں جو کچھ خرچ کرتا ہے اسے انفاق کہتے ہیں۔ [شَحِيحٌ] شُحٌّ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ بخل کے ساتھ ساتھ لالچ اور حرص بھی ہو۔ [بِالْمَعْرُوفِ] اس سے مراد عرف کے اعتبار سے ہر کسی کا اپنی وسعت و طاقت کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر استطاعت کے باوجود اخراجات پورے ادا نہ کرے تو بیوی اسے بتائے بغیر اتنا خرچہ اس کے مال میں سے لے سکتی ہے جس سے اس کی جائز ضروریات پوری ہو سکتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنا جائز حق جس طرح وصول ہو سکتا ہو' کیا جا سکتا ہے۔ اور ناانصافی کے ازالے کی غرض سے شکوہ کرنا غیبت کے زمرے میں نہیں آتا۔ ② بیوی اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے عدالت میں اپنے شوہر کی شکایت لے جانے کی مجاز ہے۔ یہ شکایت بھی غیبت میں شمار نہیں' اگر یہ غیبت کی تعریف میں آتی تو رسول اللہ ﷺ ہند کو منع فرما دیتے۔

وضاحت: [حضرت ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہا] انھوں نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے شوہر ابوسفیان کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اسلام قبول کیا۔ ان کا والد عتبہ' چچا شیبہ اور بھائی ولید غزوۂ بدر کے روز قتل کیے گئے تھے۔ یہ واقعہ ان کی طبیعت پر بڑا شاق گزرا' چنانچہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو انھوں نے ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا' پھر اسے باہر پھینک دیا۔ محرم ۱۴ ہجری میں وفات پائی۔ سن وفات کے متعلق دیگر اقوال بھی ہیں۔

[حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ] صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس۔ نبی ﷺ کے ساتھ معرکہ آرائی میں کفار کے علمبردار' قائد اور سپہ سالار ہوتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام اس وقت قبول کیا جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ اپنی پناہ و حفاظت میں انھیں نبی ﷺ کی خدمت میں لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ دخول مکہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ان کا اسلام بہت عمدہ اور خوب رہا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

(٩٧٦) وَعَنْ طَارِقٍ الْمُحَارِبِيِّ، قَالَ: قَدِمْنَا الْمَدِينَةَ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَائِمٌ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَخْطُبُ النَّاسَ، وَيَقُولُ: «يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا، وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ، أُمَّكَ، وَأَبَاكَ، وَأُخْتَكَ، وَأَخَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ.

[976] حضرت طارق محاربی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ہم مدینہ میں آئے تو رسول اللہ ﷺ منبر پر کھڑے لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے۔ آپ فرما رہے تھے: ''دینے والے کا ہاتھ بالا و بلند ہوتا ہے۔ اور تو ان سے شروع کر جن کا تو کفیل ہے' یعنی تیری ماں' تیرا باپ' تیری بہن اور تیرا بھائی' پھر درجہ بدرجہ تیرے قریبی۔''

٩٧٦ـ [إسناده صحيح] أخرجه النسائي، الزكاة، باب أيتهما اليد العليا، حديث: ٢٥٣٣، وابن حبان(الإحسان): ٥/ ١٤٣، حديث: ٣٣٣٠.

(اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور دارقطنی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ] یعنی خرچ کا آغاز ان سے کرو جن کا خرچہ تم پر واجب ہے۔ عَالَ يَعُولُ کے معنی ہوتے ہیں: آدمی کا اپنے تعلق داروں اور رشتہ داروں میں سے ان کی کفالت کرنا جو غذا' لباس وغیرہ کے محتاج ہوں۔ [أُمَّكَ وَأَبَاكَ] اِلْزَمْ یا أَعْطِ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں' یعنی انھیں نان ونفقہ ضرور مہیا کرو اور اپنے مال میں سے انھیں دے۔ [أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ] درجہ بدرجہ قرابت دار' رشتہ دار اور تعلق دار۔

راویٔ حدیث: [حضرت طارق بن عبداللہ محاربی رضی اللہ عنہ] صحابی ہیں۔ محارب بن حفصہ، جو بنوغطفان کا قبیلہ ہے' کی طرف نسبت کی وجہ سے محاربی کہلائے۔ ان سے کچھ احادیث مروی ہیں۔

(٩٧٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَايُطِيقُ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[977] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غلام کا کھانا پینا اور لباس مہیا کرنا (مالک پر واجب) ہے۔ اور اسے صرف اس کام پر مامور کیا جائے جس کی وہ طاقت رکھتا ہو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(٩٧٨) وَعَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: «**أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ**». - اَلْحَدِيثَ - وَتَقَدَّمَ فِي عِشْرَةِ النِّسَاءِ.

[978] حضرت حکیم بن معاویہ قشیری' اپنے باپ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں' انھوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کسی پر اس کی اہلیہ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: ''(وہ حق) یہ ہے کہ جب خود کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ۔ جب خود پہنو تو اسے بھی پہناؤ اور اس کے منہ پر نہ مارو اور اسے برا بھلا نہ کہو۔'' (یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ اور باب عشرۃ النساء میں (٨٧٢ کے تحت) گزر چکی ہے۔)

(٩٧٩) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِي حَدِيثِ الْحَجِّ بِطُولِهِ، قَالَ فِي ذِكْرِ النِّسَاءِ: «**وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ**». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[979] حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے حج کے بارے میں لمبی حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ آپ نے عورتوں کے بارے میں فرمایا: ''ان کا نان ونفقہ اور ان کا لباس دستور کے مطابق مہیا کرنا ان کی طرف سے تم پر لازم ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

٩٧٧۔ أخرجه مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك ....، حديث: ١٦٦٢.

٩٧٨۔ [صحيح] تقدم، حديث: ٨٧٢.

٩٧٩۔ أخرجه مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: ١٢١٨.

(٩٨٠) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوتُ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَهُوَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ: «أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ».

[980] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ جن کے رزق و اخراجات کا وہ ذمہ دار اور کفیل ہو انھیں ضائع کر دے۔'' (اسے نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور یہی روایت مسلم میں ان الفاظ سے ہے: ''(آدمی کے لیے یہی گناہ کافی ہے کہ) وہ جن کی روزی کا مالک ہے ان کی روزی روک لے۔''

لغوی تشریح: [كَفَى بِالْمَرْءِ إِثْمًا] آدمی کے گناہ گار اور خطا کار ہونے کے لیے کافی ہے۔ یا یہ معنی ہیں کہ اس کے لیے یہی گناہ کافی ہے۔ [أَنْ يُضَيِّعَ] تَضْيِيع سے مضارع کا صیغہ ہے یعنی ان کا تعاون اور امداد چھوڑ دے کہ وہ ہلاک اور ضائع ہو جائیں۔ [مَنْ يَقُوتُ] جو اس کے عیال ہیں اور جن کے کھانے پینے کا بندوبست اور انتظام وہ کرتا ہے۔ مَنْ موصولہ اپنے صلے کے ساتھ مل کر يُضَيِّعُ کا مفعول واقع ہو رہا ہے۔

(٩٨١) وَعَنْ جَابِرٍ، يَرْفَعُهُ، فِي الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا، قَالَ: لَا نَفَقَةَ لَهَا. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، لٰكِنْ قَالَ: اَلْمَحْفُوظُ وَقْفُهُ، وَثَبَتَ نَفْيُ النَّفَقَةِ فِي حَدِيثِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ، كَمَا تَقَدَّمَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[981] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس حاملہ عورت کے بارے میں جس کا شوہر فوت ہو گیا ہو مرفوعاً روایت ہے کہ اس کے لیے نفقہ نہیں ہے۔ (اسے بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس کا موقوف ہونا محفوظ ہے۔ نفقہ کی نفی فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے جو (٩٤٧ کے تحت) گزر چکی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں دلیل ہے کہ جس حاملہ خاتون کا شوہر فوت ہو گیا ہو اس کے لیے نفقہ نہیں ہے تو جو غیر حاملہ ہو اس کے لیے بالاولیٰ نفقہ نہیں ہوگا کیونکہ شوہر کی میراث میں سے دیگر ورثاء کی طرح اسے بھی حصہ ملتا ہے۔

(٩٨٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى

[982] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ

٩٨٠ـ أخرجه مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك . . . ، حديث: ٩٩٦. والنسائي في الكبرى: ٥/ ٣٧٤، حديث: ٩١٧٧، وأبوداود، الزكاة، حديث: ١٦٩٢.

٩٨١ـ [إسناده ضعيف] أخرجه البيهقي: ٧/ ٤٣١. * أبوالزبير مدلس وعنعن وفيه علة أخرى، وحديث فاطمة بنت قيس: أخرجه مسلم، الطلاق، حديث: ١٤٨٠.

٩٨٢ـ [صحيح] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٢٩٦، ٢٩٧ واللفظ مركب، وفتح الباري: ٩/ ٥٠١، وأصله في صحيح البخاري، النفقات، حديث: ٥٣٥٥، وقوله: تقول المرأة: . . . ، مدرج من كلام أبي هريرة رضي الله عنه.

عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، وَيَبْدَأُ أَحَدُكُمْ بِمَنْ يَعُولُ، تَقُولُ الْمَرْأَةُ: أَطْعِمْنِي أَوْ طَلِّقْنِي». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ.

ﷺ نے فرمایا: ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ تم میں سے ہر کوئی ان سے (خرچ کی) ابتدا کرے جن کی وہ کفالت کرتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی کہنے لگے کہ مجھے نان و نفقہ دو یا طلاق دو۔'' (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر بیوی کا خرچہ دیدہ و دانستہ پورا نہ کرے تو بیوی شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہوگی۔

(٩٨٣) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، فِي الرَّجُلِ لَا يَجِدُ مَا يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ، قَالَ: يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا. أَخْرَجَهُ سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ لِسَعِيدٍ: سُنَّةٌ؟ فَقَالَ: سُنَّةٌ. وَهٰذَا مُرْسَلٌ قَوِيٌّ.

[983] حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے ایسے آدمی کے متعلق، جس کے پاس اپنی بیوی کو نان و نفقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو، مروی ہے کہ ان (میاں بیوی) کے درمیان علیحدگی کر دی جائے گی۔ (اس روایت کو سعید بن منصور نے سفیان سے اور انھوں نے ابوزناد سے روایت کیا ہے کہ میں نے سعید بن مسیّب سے پوچھا: کیا یہ سنت ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں سنت ہے۔ اور یہ روایت مرسل قوی ہے۔)

فائدہ: اگر شوہر عورت کا نان و نفقہ نہ دے سکتا ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ صحابہ میں سے حضرت علی، حضرت عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک جماعت اور فقہائے اربعہ میں سے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ فسخ نکاح کا اختیار عورت کو دیتے ہیں۔ اہل ظاہر کا بھی یہی قول ہے: [لَا ضَرَرَ وَ لَا ضِرَارَ] والی حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے۔ احناف کا قول ہے کہ شوہر کے پاس خرچے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ انھوں نے دلیل میں قرآن مجید کی آیت: ﴿وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾ (الطلاق ٦٥:٧) پیش کی ہے۔ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب عورت نے مرد سے نکاح کیا اس وقت مرد تنگ دست تھا اور مرد کی تنگ دستی کا عورت کو علم بھی تھا یا نکاح کے وقت مرد کی مالی حالت تسلی بخش تھی مگر بعد میں کسی وجہ سے تنگ دستی کا شکار ہو گیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں کیونکہ حالات بدلتے دیر نہیں لگتی۔ آج تنگ دستی ہے تو کل فراخ دستی بھی ہو سکتی ہے، بصورت دیگر عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا۔ جن علماء و فقہاء نے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے ان میں سے امام مالک رحمہ اللہ خاوند کو ایک ماہ کا وقت دیتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ صرف تین دن کا اور حماد رحمہ اللہ نے ایک سال کی میعاد دی ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت سفیان رحمہ اللہ] ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری کوفی۔ بڑے ائمۂ کرام میں سے

٩٨٣۔ [إسناده ضعيف] أخرجه سعيد بن منصور. ٭ سفيان بن عيينة عنعن، وهو في البيهقي أيضًا: ٧/ ٤٦٩.

ایک ہیں۔ مُسلَّم امام ہیں۔ اتقان' ضبط وحفظ' معرفت اور زہد وورع کے اوصاف سے متصف تھے۔ ۷۷ ہجری میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۱۶۱ ہجری میں فوت ہوئے۔

[حضرت ابوزناد رحمہ اللہ] عبداللہ بن ذکوان اُموی مدنی۔ نامور ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے: ثقہ اور امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ أبو الزناد عن الأعرج عن أبي هريرة حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صحیح ترین سند ہے۔ ۱۳۰ یا ۱۳۱ ہجری میں وفات پائی۔

(٩٨٤) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ كَتَبَ إِلٰى أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ، فِي رِجَالٍ غَابُوا عَنْ نِّسَائِهِمْ: أَنْ يَّأْخُذُوهُمْ بِأَنْ يُّنْفِقُوا، أَوْ يُطَلِّقُوا، فَإِنْ طَلَّقُوا بَعَثُوا بِنَفَقَةِ مَا حَبَسُوا. أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ ثُمَّ الْبَيْهَقِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[984] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے امرائے لشکر کے نام ایسے مردوں کے بارے میں تحریر فرمایا جو (فوج میں شریک رہنے کی وجہ سے) اپنی بیویوں سے غائب تھے کہ وہ اپنی بیویوں کو نفقہ روانہ کریں ورنہ طلاق دے دیں۔ اگر طلاق دیں تو جتنی مدت انھوں نے روکے رکھا ہے اس کا نفقہ روانہ کریں۔ (اسے امام شافعی رحمہ اللہ اور بیہقی نے حسن سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أُمَرَاءِ الْأَجْنَادِ] قائدین لشکر۔ أَجْنَاد، جُنْدٌ کی جمع ہے۔ لشکر کو کہتے ہیں۔ یہ روایت اور پہلی دونوں روایات سنداً ضعیف ہیں لیکن معناً صحیح ہیں۔ بنابریں مسئلے کی نوعیت یہ ہے کہ شوہر پر بیوی کا خرچہ واجب ہے۔ اور اگر شوہر تنگ دست ہو یا ٹال مٹول سے کام لے تو عورت کو اس سے علیحدگی اور فرقت کا مطالبہ کرنے کا اختیار ہے۔ جمہور اہل علم امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ اور اہل ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ یہ جدائی اور علیحدگی فسخ ہوگی یا طلاق؟ اس میں دو قول ہیں۔ جن ائمۂ کرام نے اسے طلاق قرار دیا ہے انھوں نے کہا ہے کہ یہ مقدمہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا تا کہ وہ شوہر پر لازم کرے کہ وہ نفقہ دے یا طلاق' چنانچہ اگر شوہر نفقہ اور طلاق دونوں سے انکار کر دے تو حاکم اس کی طرف سے عورت کو طلاق رجعی دے دے۔ پھر اگر اس نے بیوی سے رجوع کر لیا تو عدالت دوسری طلاق دے دے گی۔ اگر پھر اس نے رجوع کر لیا تو عدالت تیسری طلاق دے گی۔ اور جن ائمہ نے اسے فسخ قرار دیا ہے ان کا بھی یہی کہنا ہے کہ مقدمہ حاکم وقت کی عدالت میں لے جانا ضروری ہے تا کہ وہ اپنی تنگ دستی کا ثبوت پیش کر سکے۔ اس کے ثبوت پیش کرنے کے بعد عورت خود عدالت کے روبرو نکاح فسخ کر لے گی۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ عورت یہ مقدمہ حاکم کی عدالت میں لے جائے گی تا کہ حاکم شوہر کو طلاق پر مجبور کرے یا اس کی طرف سے نکاح فسخ کرے یا عورت کو فسخ کی اجازت دے۔ پھر اگر حاکم نے نکاح فسخ کیا یا فسخ کی اجازت دی تو اسے فسخ ہی قرار دیا جائے گا طلاق نہیں ہوگی اور اس صورت میں رجوع کا حق بھی نہیں ہوگا۔ (یہ بحث زاد المعاد اور سبل السلام سے ماخوذ ہے۔) اس مقام پر اور بھی بہت سے اقوال ہیں مگر اس تفصیل کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

٩٨٤۔ [سنده ضعيف] أخرجه البيهقي: ٧/ ٤٦٩، والشافعي في مسنده، فيه مسلم بن خالد وهو ضعيف من جهة حفظه.

فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس تحریری فرمان کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ گشت پر تھے۔ ایک ایسے خیمہ پر سے آپ کا گزر ہوا جس میں ایک خاتون شوہر کی جدائی کی طوالت پر دردناک اشعار پڑھ رہی تھی۔ وہ اشعار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سن لیے۔ اس کا شوہر فوج میں ملازم تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ ایک عورت خاوند کے بغیر کتنا عرصہ گزار سکتی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ چار ماہ یا چھ ماہ۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لشکر کے سپہ سالاروں کو حکم تحریر فرمایا کہ فوجیوں کو حکم دو کہ وہ چار ماہ بعد ضرور گھر آیا کریں ورنہ اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں اور ساتھ ہی ان کا سابقہ نان ونفقہ بھی بھیج دیں۔ (تفسیر ابن کثیر' موطأ امام مالک)

(٩٨٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! عِنْدِي دِينَارٌ. قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلٰى نَفْسِكَ». قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلٰى وَلَدِكَ». قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلٰى أَهْلِكَ». قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: «أَنْفِقْهُ عَلٰى خَادِمِكَ». قَالَ: عِنْدِي آخَرُ. قَالَ: «أَنْتَ أَعْلَمُ». أَخْرَجَهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُودَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ بِتَقْدِيمِ الزَّوْجَةِ عَلَى الْوَلَدِ.

[985] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے آپ پر خرچ کر۔'' اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا: ''اپنی اولاد پر خرچ کر۔'' وہ پھر بولا: میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا: ''اپنی بیوی پر خرچ کر۔'' اس نے عرض کیا: میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا: ''اپنے خادم پر خرچ کر۔'' وہ بولا: میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا: ''تو بہتر جانتا ہے (کہ اسے کہاں خرچ کیا جائے۔'') (شافعی اور ابوداود نے اسے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ ابوداود کے ہیں۔ اور نسائی اور حاکم نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ان کی روایت میں اولاد سے پہلے بیوی کا ذکر ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں اس بات کا ذکر ہے کہ مال خرچ کرنے کے مصارف کی ترتیب کیا ہونی چاہیے۔ چنانچہ فرمایا: انسان پر سب سے پہلا حق اس کی اپنی جان کا ہے۔ اس کے بعد اسی ترتیب کے مطابق خرچ کرے جیسے اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے اور آخر میں جو یہ فرمایا: [أَنْتَ أَعْلَمُ] اور ایک دوسری روایت میں [أَنْتَ أَبْصَرُ] بھی ہے' تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان مصارف میں خرچ کرنا تو شرعی ترتیب ہے' اس کے بعد تو بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ حق دار اور مستحق ہے۔

(٩٨٦) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ عَنْ

[986] بہز بن حکیم اپنے والد (حکیم) سے اور وہ ان

٩٨٥ـ [حسن] أخرجه أبوداود، باب في صلة الرحم، حديث: ١٦٩١، والشافعي في مسنده: ٢/ ٦٤، والنسائي، الزكاة، حديث: ٢٥٣٦، والحاكم: ١/ ٤١٥.

٩٨٦ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في بر الوالدين، حديث: ٥١٣٩، والترمذي، البر والصلة، حديث: ١٨٩٧.

جَدِّهِ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! مَنْ أَبَرُّ؟ قَالَ: «أُمَّكَ». قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمَّكَ». قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أُمَّكَ». قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: «أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

(بہز) کے دادا (معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حسن سلوک اور بھلائی کس سے کروں؟ آپ نے فرمایا: ''اپنی والدہ سے۔'' میں نے پھر عرض کیا: پھر کس سے؟ آپ نے فرمایا: ''اپنی والدہ سے۔'' میں نے پھر عرض کیا: پھر کس سے؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''اپنی والدہ سے۔'' میں نے پھر عرض کیا: پھر کس سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے والد سے۔ پھر درجہ بدرجہ قرابت داروں سے۔'' (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَبَرُّ] بِـرٌّ سے ماخوذ ہے۔ متکلم کا صیغہ ہے۔ اس کے معنی احسان اور نیکی و بھلائی کے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں کا درجہ والد سے زیادہ ہے۔ ② ماں بچے کی وجہ سے جو تکلیفیں اور دکھ برداشت کرتی ہے اس کی وجہ سے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے۔ عورت کمزور اور صنف نازک ہے۔ بچے بڑے ہو کر ماں کے قابو اور کنٹرول میں بہت کم رہتے ہیں۔ ماں کی بے قدری کی جاتی ہے۔ شریعت نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کی اتنی شدت سے تاکید کی ہے اور اولاد کو احساس دلایا ہے کہ ماں کو ہر ممکن طریقے سے زیادہ سے زیادہ آرام اور راحت پہنچانی چاہیے۔ اس کے حکم کو بے چون و چرا ماننا اور تسلیم کرنا چاہیے بشرطیکہ وہ خلاف شرع حکم نہ دے۔

١٤ - بَابُ الْحِضَانَةِ

باب: 14 - اولاد کی پرورش کا بیان

(٩٨٧) عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ ابْنِي هٰذَا، كَانَ بَطْنِي لَهُ وِعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِي، وَأَرَادَ أَنْ يَنْزِعَهُ مِنِّي، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنْتِ أَحَقُّ بِهِ، مَالَمْ تَنْكِحِي». رَوَاهُ

[987] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ جو میرا لخت جگر ہے میرا پیٹ اس کے لیے برتن تھا' میری چھاتی اس کے لیے مشکیزہ اور میری آغوش اس کے لیے ٹھکانا تھی۔ اس کے والد نے مجھے طلاق دے دی ہے اور وہ مجھ سے اس بچے کو چھین لینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جب تک تو

٩٨٧ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب من أحق بالولد، حديث: ٢٢٧٦، وأحمد: ٢/ ١٨٢، والحاكم: ٢/ ٢٠٧ وصححه، ووافقه الذهبي.

أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

(دوسرا) نکاح نہیں کرتی اس وقت تک تو ہی اس کی زیادہ حقدار ہے۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْحِضَانَةِ] حِضَانَة کی ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ حضانة کہتے ہیں بچے کی تربیت اور پرورش کرنا اور اسے نقصانات اور تکلیفوں سے محفوظ رکھنے کے لیے اس کی نگہداشت کرنا۔ اور یہ حَضَنَ الصَّبِيَّ يَحْضُنُهُ (باب نَصَرَ يَنْصُرُ) سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے بچے کو اپنے سینے سے لگایا اور اسے گود میں لیا اور اس کی تربیت کا انتظام واہتمام کیا۔ اور حِضْن (''حا'' کے نیچے کسرہ اور ''ضاد'' ساکن کے ساتھ) بغل سے نیچے پسلی تک کے حصے کو کہتے ہیں (جسے کوکھ کہتے ہیں۔) یا پھر سینے اور بازوؤں سمیت ان کے مابین حصے کو کہتے ہیں۔ [وِعَاءً] ''واؤ'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''الف'' پر مد ہے۔ مراد برتن ہے' یعنی بحالت حمل میرا پیٹ اس کے لیے برتن کی مانند تھا۔ [سِقَاءً] ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے اور اس میں بھی الف ممدودہ ہے۔ چمڑے سے ساختہ برتن' یعنی مشکیزہ جس میں پانی اور دودھ محفوظ رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مدتِ رضاعت میں میری چھاتی اس کے لیے مشکیزے کی طرح تھی۔ [حِجْرِي] ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ آغوش انسان' انسانی گود۔ [حِوَاءً] ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے اور الف ممدودہ ہے۔ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور اسے اپنے اندر جمع کر لے۔ یہ تین اوصاف وہ ہیں جو صرف ماں کے ساتھ مخصوص ہیں' باپ سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اس خاتون نے یہ اوصاف اس لیے ذکر کیے تھے تاکہ ان کے ذریعے سے بچے کی پرورش کا استحقاق اور اس کی برتری اور اولیت اسے حاصل ہو۔ نبی ﷺ نے اس خاتون کا استحقاق برقرار رکھا اور ان اوصاف کے پیش نظر مذکورہ بالا حکم صادر فرمایا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں کہا ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ احکام میں معانی اور علل کا اعتبار کیا جاتا ہے اور بہت سے احکام معانی اور علل کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ یہ چیز فطرت سلیمہ میں جاگزیں ہے حتیٰ کہ نسوانی فطرت و جبلت میں بھی پائی جاتی ہے۔ اور نیل الاوطار میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ والدہ باپ کی نسبت بچے کی زیادہ مستحق ہے' جب تک کہ کوئی مانع ماں کی طرف سے حاصل نہ ہو' جیسے نکاح۔ ابن منذر نے اس پر اجماع بیان کیا ہے۔ (نيل الأوطار ملخصا) امام ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کے دوسرے نکاح سے بچے کی تربیت و پرورش کا حق اس سے ساقط نہیں ہوتا' حالانکہ اس کا ساقط ہونا ہی درست اور صواب ہے اور جمہور کی یہی رائے ہے۔

(٩٨٨) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّ زَوْجِي يُرِيدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي، وَقَدْ نَفَعَنِي، وَسَقَانِي

[988] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا شوہر مجھ سے میرا بچہ چھیننا چاہتا ہے' حالانکہ وہ (بچہ) مجھے فائدہ دیتا ہے اور

٩٨٨۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب من أحق بالولد، حديث: ٢٢٧٧، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٥٧، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥٢٦، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣٥١، وأحمد: ٢/ ٢٤٦.

مِنْ بِئْرِ أَبِي عِنَبَة، فَجَاءَ زَوْجُهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «يَاغُلَامُ! هٰذَا أَبُوكَ، وَهٰذِهِ أُمُّكَ، فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ». فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ، فَانْطَلَقَتْ بِهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

ابوعنبہ کے کنویں سے مجھے پانی لا کر دیتا ہے۔ اسی اثنا میں اس کا شوہر بھی آ گیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ’’اے بچے! یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری والدہ۔ ان دونوں میں سے جس کا چاہے ہاتھ پکڑ لے۔‘‘ اس بچے نے ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اسے لے کر چل دی۔ (اسے احمد اور چاروں نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: بِئْرِ أَبِي عِنَبَةَ عِنَبَة کے ’’عین‘‘ کے نیچے کسرہ اور ’’نون‘‘ پر فتحہ ہے۔ ماں نے اس بات کا اظہار کیا کہ اسے بچے کی ضرورت ہے اور باپ کی بہ نسبت وہ بچے کی زیادہ حق دار ہے۔ اور سنن ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس بچے کے بارے میں تم دونوں قرعہ ڈالو۔‘‘ تو اس عورت کا خاوند بولا: میرے بچے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑتا ہے؟ نبی ﷺ نے بچے کو مخاطب کر کے فرمایا: ’’یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری...... الخ۔‘‘ اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بچہ صغرسنی میں ہو تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہے اور جب سن شعور کو پہنچ جائے اور تربیت و پرورش کی اسے چنداں ضرورت نہ رہے تو اس صورت میں والدین کے درمیان اس بچے کو اختیار دیا جائے گا (جس کے ساتھ چاہے چلا جائے۔) امام شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ اور اکثر اہلحدیث اسی طرف گئے ہیں اور انھوں نے استغنا (تربیت کی ضرورت نہ رہنے) کی عمر سات یا آٹھ سال مقرر کی ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ اور اہل الرائے اختیار دینے کی طرف نہیں گئے، بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ماں بچیوں کی زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ ان کا نکاح ہو جائے اور باپ لڑکوں کا زیادہ حق رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ جوان اور بالغ ہو جائیں۔ اور اہل الرائے کا قول ہے کہ جب بچے کو پرورش کی ضرورت نہ رہے تو باپ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے، حالانکہ یہ حدیث بچے کے اختیار کو واجب قرار دے رہی ہے جو ان کے خلاف حجت ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں بچے کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس کے پاس رہنا پسند کرے اس کے پاس رہے اور اس سے پہلی حدیث میں والدہ کو زیادہ حق دیا گیا ہے۔ تو اس کے بارے میں امام ابن قیم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس امر میں بچے کی مصلحت اور خیر خواہی ہو اسے اختیار کرنا چاہیے۔ اگر ماں، باپ کے مقابلے میں زیادہ صحیح تربیت و پرورش اور حفاظت کرنے والی ہو اور نہایت غیرت مند خاتون ہو تو ماں کو باپ پر مقدم کیا جائے گا۔ اس موقع پر قرعہ اندازی یا اختیار میں سے کسی کا لحاظ نہیں کیا جائے گا کیونکہ بچہ تو نادان، کم عقل، ناعاقبت اندیش ہوتا ہے۔ ماں باپ میں سے جو بچے کا زیادہ خیال رکھنے والا ہو، بچہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اگر باپ میں یہ اوصاف ماں کی نسبت زیادہ ہوں تو بچہ باپ کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ وہی اس کی پرورش و تربیت کا ذمہ دار ہوگا۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ لڑکا ہو یا لڑکی دونوں ماں کے پاس رہیں گے۔ اور احناف نے کہا کہ لڑکی ماں کے پاس اور لڑکا باپ کے پاس رہے گا۔ قرین انصاف بات امام ابن قیم رحمہ اللہ کی معلوم ہوتی ہے۔

(٩٨٩) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ أَنَّهُ أَسْلَمَ، وَأَبَتِ امْرَأَتُهُ أَنْ تُسْلِمَ، فَأَقْعَدَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْأُمَّ نَاحِيَةً، وَالْأَبَ نَاحِيَةً، وَأَقْعَدَ الصَّبِيَّ بَيْنَهُمَا، فَمَالَ إِلٰى أُمِّهِ، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ اهْدِهِ». فَمَالَ إِلٰى أَبِيهِ، فَأَخَذَهُ. أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[989] حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خود مسلمان ہو گئے اور ان کی بیوی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا' چنانچہ نبی ﷺ نے ماں کو ایک طرف اور باپ کو دوسرے گوشے میں بٹھا دیا اور بچے کو دونوں کے درمیان میں بٹھا دیا' بچہ ماں کی جانب مائل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: ''الٰہی! اس بچے کو ہدایت دے۔'' چنانچہ وہ بچہ باپ کی جانب مائل ہو گیا اور باپ نے اسے پکڑ لیا۔ (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① حدیث کا سیاق اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بچہ چھوٹا تھا، ابھی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ صَبِیٌّ کا لفظ اسی کا مقتضی ہے۔ ② ابوداود کی روایت میں ہے کہ یہ جھگڑا ایک بچی کے بارے میں تھا جو کہ دودھ چھوڑ چکی تھی یا چھوڑنے کے قریب تھی۔ (سنن أبي داود' الطلاق' حديث:٢٢٤٤) ③ جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ بچہ چھوٹا تھا اور تمیز کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا تھا تو پھر تنازع اور جھگڑا بچے کی پرورش کے بارے میں تھا' ولایت و سرپرستی میں نہیں۔ ④ یہ حدیث دلیل ہے کہ کافر ماں کے لیے پرورش کا حق ثابت ہے' لیکن اس میں یہ دلیل نہیں ہے کہ بچے کو تمیز کی اہلیت کے بعد والدین کے انتخاب میں اختیار دیا جائے گا جبکہ والدین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا کافر ہو۔

راویٔ حدیث: [حضرت رافع بن سنان رضی اللہ عنہ] ابوالحکم انصاری اَوْسی مدنی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ابوالقاسم بن سلام نے الأنساب میں ان کے بارے میں کہا ہے: یہ عطبون' یعنی عامر بن ثعلبہ کی اولاد میں سے ہیں۔

(٩٩٠) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى فِي ابْنَةِ حَمْزَةَ لِخَالَتِهَا، وَقَالَ: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[990] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں کیا اور فرمایا: ''خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔'' اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ مِنْ حَدِيثِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: وَالْجَارِيَةُ عِنْدَ خَالَتِهَا فَإِنَّ الْخَالَةَ وَالِدَةٌ.

اور احمد نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لڑکی اپنی خالہ کے پاس ہو گی کیونکہ خالہ ماں ہے۔''

٩٨٩۔ [حسن] أخرجه أبوداود، الطلاق، باب إذا أسلم أحد الأبوين لمن يكون الولد، حديث: ٢٢٤٤، والنسائي، الطلاق، حديث: ٣٥٢٥، والحاكم: ٢/ ٢٠٦.

٩٩٠۔ أخرجه البخاري، الصلح، باب كيف يكتب: هذا ما صالح فلان بن فلان ....، حديث: ٢٦٩٨، وحديث علي: أخرجه أحمد: لم أجده، وأبوداود، الطلاق، حديث: ٢٢٧٨.

لغوی تشریح: [فإنَّ الْخَالَةَ وَالِدَةٌ] یعنی خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ اس بچی کی خالہ کا نام اسماء بنت عمیس تھا اور بچی کا نام "عمارہ" تھا اور "امامہ" بھی کہا گیا ہے۔ اور اس کی کنیت ام الفضل تھی۔ آپ نے یہ فیصلہ اس موقع پر فرمایا تھا جب حضرت علی' حضرت جعفر اور حضرت زید رضی اللہ عنہم کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ اس کا زیادہ استحقاق میں رکھتا ہوں کیونکہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ یہ میری چچا زاد بہن بھی ہے اور اس کی خالہ بھی میرے نکاح میں ہے۔ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دعویٰ تھا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ساری روداد اور قصہ سماعت فرما کر آپ نے اس بچی کا فیصلہ خالہ کے حق میں دے دیا۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ خالہ تو شادی شدہ تھیں اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ نکاح کے بعد حق حضانت نہیں رہتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حق حضانت دوسرے نکاح کی صورت میں اس وقت ساقط ہوتا ہے جبکہ والدین کے مابین جھگڑا پیدا ہو کہ بچہ کس کے پاس رہے؟ کیونکہ مطلقہ کے دل میں پہلے شوہر کے بارے میں شدید بغض ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عورت پہلے شوہر کو غصہ دلانے کے لیے اور دوسرے شوہر کے ہاں محبوب بننے کے لیے عموماً بچے سے عمداً بے توجہی اور بے پروائی برتتی ہے' اس لیے شریعت نے خود بچے کو حق دیا ہے کہ وہ والدین میں سے جس کے پاس رہنا چاہے' رہے۔

(٩٩١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَتٰى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[991] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو اگر وہ اس خادم کو اپنے ساتھ (کھانے کے لیے) نہ بٹھائے تو اسے ایک یا دو لقمے ضرور دے دے۔" (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

(٩٩٢) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ، فَدَخَلَتِ النَّارَ فِيهَا، لَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا، وَسَقَتْهَا، إِذْ هِيَ حَبَسَتْهَا، وَلَا هِيَ تَرَكَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

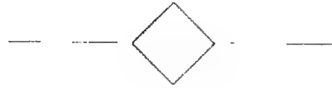
[992] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: "ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس نے بلی کو (اتنی دیر تک) قید رکھا کہ وہ مر گئی' چنانچہ وہ عورت اس بلی کی وجہ سے جہنم میں چلی گئی۔ اس (عورت) نے بلی کو کچھ کھلایا نہ پلایا بلکہ اسے باندھ رکھا اور نہ اسے آزاد چھوڑا کہ وہ زمین کے حشرات وغیرہ کھا لیتی۔" (بخاری و مسلم)

٩٩١۔ أخرجه البخاري، الأطعمة، باب الآكل مع الخادم، حديث: ٥٤٦٠، ومسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل ....، حديث: ١٦٦٣.

٩٩٢۔ أخرجه البخاري، المساقاة، باب فضل سقي الماء، حديث: ٢٣٦٥، ومسلم، السلام، باب تحريم قتل الهرة، حديث: ٢٢٤٢.

لغوی تشریح: [عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ] اس جملے میں فِي سببیہ ہے یعنی بلی کی وجہ سے۔ [سَجَنَتْهَا] اسے قید رکھا اور باندھے رکھا۔ [فَدَخَلَتِ النَّارَ فِيهَا] اسے باندھے رکھنے کی وجہ سے وہ دوزخ میں چلی گئی۔ [خَشَاش] "خا" کے نیچے کسرہ ہے جبکہ فتحہ اور ضمہ بھی جائز ہے یعنی حشرات الارض، زمین کے جانور، کیڑے مکوڑے وغیرہ۔

فوائد و مسائل: ① سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس عورت کو عذاب بلی کو کھانے پینے سے روکے رکھنے اور اسے بھوکا پیاسا مارنے کی وجہ سے دیا گیا۔ ② اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں کہ بلی کو قتل کرنا حرام ہے اور نہ اس کے جواز کی دلیل ہے بلکہ اس مسئلے میں سکوت ہے۔ بہترین قول یہ ہے کہ جب بلی دشمنی پر اتر آئے تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔ ③ مصنف رحمہ اللہ اس حدیث کو اور اس سے پہلی حدیث کو اس باب میں اس لیے لائے ہیں تاکہ ذمہ دار اور پرورش کرنے والے کو ان کی ذمہ داری کی عظمت اور گراں باری پر متنبہ کریں اور اس پر خبردار کریں کہ جس کی کفالت کی ذمہ داری اس پر ہے، اس کی ضروریات زندگی کا خیال اور لحاظ اور اس سے ملاطفت اور حسن سلوک اس کے واجبات اور اس کے آداب میں سے ہے۔ اسے اہمیت نہ دینا، معمولی سمجھنا اور اسے ضائع کرنا اللہ کے ہاں کبیرہ گناہ ہے جس کا اس کے ہاں مؤاخذہ ہوگا اور اس وجہ سے اسے عذاب دیا جائے گا۔



٩ - كِتَابُ الْجِنَايَاتِ

جرائم سے متعلق احکام و مسائل

(٩٩٣) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[993] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان آدمی اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد ﷺ) اللہ کا رسول ہوں' تو تین صورتوں کے علاوہ اسے قتل کرنا جائز اور حلال نہیں: شادی شدہ زانی' جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: کِتَابُ الْجِنَايَاتِ | جِنَايَاتِ کے ''جیم'' کے نیچے کسرہ ہے۔ جِنَايَةٌ کی جمع ہے۔ جنایہ کے معنی ہیں: جرم اور گناہ کا ارتکاب کرنا۔ اسے جمع اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ جرائم کی مختلف اقسام و انواع ہیں۔ بعض جرائم دیدہ دانستہ اور عمداً کیے جاتے ہیں جبکہ بعض بھول' خطا اور نادانستگی میں ہو جاتے ہیں۔ بعض جرائم کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے

٩٩٣ـ أخرجه البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿أن النفس بالنفس ...﴾، حديث: ٦٨٧٨، ومسلم، القسامة، باب ما يباح به دم المسلم، حديث: ١٦٧٦.

اور بعض کا نفس و جان سے۔ [اَلثَّيِّبُ] شادی شدہ' جس کی بیوی ہو۔ ایسا آدمی جب زنا کا مرتکب ہوگا تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ [اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ] ایسے آدمی کو بطور قصاص قتل کرنا جس نے دشمنی کے طور پر کسی کو قتل کیا ہو۔ اور اس قتل کا حق صرف مقتول کے ورثاء کو حاصل ہے۔ [اَلتَّارِكُ لِدِينِهِ] تارک دین سے مراد مرتد آدمی ہے جو قبول اسلام کے بعد پھر گیا ہو۔ [اَلْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ] مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہونے والا۔

(٩٩٤) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ قَتْلُ مُسْلِمٍ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثِ خِصَالٍ: زَانٍ مُحْصَنٌ فَيُرْجَمُ، وَرَجُلٌ يَقْتُلُ مُسْلِمًا مُتَعَمِّدًا فَيُقْتَلُ، وَرَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ، فَيُحَارِبُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَيُقْتَلُ، أَوْ يُصْلَبُ، أَوْ يُنْفٰى مِنَ الْأَرْضِ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[994] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین صورتوں میں سے کسی ایک کے سوا کسی مسلمان آدمی کا قتل حلال و جائز نہیں: شادی شدہ زانی' اسے سنگسار کیا جائے گا۔ (دوسرا) وہ آدمی جو عمداً کسی مسلمان کو قتل کرے' اسے قتل کیا جائے گا۔ اور (تیسرا) وہ آدمی جو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی شروع کر دے' اسے قتل کیا جائے گا یا سولی دی جائے گی یا جلا وطن کیا جائے گا۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَيُقْتَلُ...... يُصْلَبُ...... يُنْفٰى] تینوں افعال صیغۂ مجہول ہیں۔ اور نفي من الأرض سے مراد جلاوطنی ہے۔ یہ سزا ہر ایک مرتد کے لیے نہیں بلکہ اس مرتد کے لیے ہے جو مرتد ہونے کے بعد اہل اسلام کے خلاف لڑائی شروع کر دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوٓا أَوْ يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾ (المآئدة ٥:٣٣) ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اور زمین میں فساد کی سعی کرتے ہیں' ان کی سزا یہ ہے کہ انھیں قتل کیا جائے یا پھانسی دی جائے' یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔'' رہا وہ مرتد جو ارتداد کے بعد لڑائی وغیرہ نہیں کرتا' اسے صرف سزائے قتل ہی دی جائے گی۔

(٩٩٥) وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَوَّلُ مَا يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فِي الدِّمَاءِ».

[995] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے جن مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا وہ

٩٩٤ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الحدود، باب الحكم فيمن ارتد، حديث: ٤٣٥٣، والنسائي، تحريم الدم، حديث: ٤٠٢١، والحاكم: ٤/ ٣٦٧.

٩٩٥ـ أخرجه البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ومن يقتل مؤمنًا متعمدًا فجزاؤه جهنم﴾، حديث: ٦٨٦٤، ومسلم، القسامة، باب المجازاة بالدماء في الآخرة...، حديث: ١٦٧٨.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

خون کے مقدمات ہوں گے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [فِي الدِّمَاءِ] دِمَاء، دم کی جمع ہے اور جار مجرور اپنے متعلق سے مل کر أَوَّلُ کی خبر ہے۔ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: [أَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ صَلَاتُهُ] ''سب سے پہلے نماز کے بارے میں محاسبہ ہوگا۔'' کے معارض نہیں ہے' اس لیے کہ اُس کا تعلق حقوق اللہ کے ساتھ ہے۔ اور اس حدیث کا تعلق ان معاملات کے ساتھ ہے جو بندوں کے درمیان ہیں' نیز نماز کے متعلق سب سے پہلے محاسبہ ہوگا اور خون کے بارے میں سب سے پہلے فیصلہ ہوگا اور محاسبہ فیصلے سے پہلے ہوتا ہے' لہٰذا سب سے مقدم نماز ہی ہے۔

(٩٩٦) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَتَلَ عَبْدَهُ قَتَلْنَاهُ، وَمَنْ جَدَعَ عَبْدَهُ جَدَعْنَاهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَهُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ عَنْ سَمُرَةَ، وَقَدِ اخْتُلِفَ فِي سَمَاعِهِ مِنْهُ.

وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ: «وَمَنْ خَصٰى عَبْدَهُ خَصَيْنَاهُ». وَصَحَّحَ الْحَاكِمُ هٰذِهِ الزِّيَادَةَ.

[996] حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مالک نے اپنے غلام کو قتل کیا ہم اسے قتل کریں گے۔ اور جس نے اس کا کوئی عضو کاٹا ہم اس کا وہ عضو کاٹ دیں گے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ یہ سمرہ سے حسن بصری کی روایت ہے اور سمرہ سے حسن بصری کے سماع میں اختلاف ہے۔)

ابوداود اور نسائی کی روایت میں ہے: ''جس مالک نے اپنے غلام کو خصی کیا ہم اسے خصی کر دیں گے۔'' (اس اضافے کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [جَدَعَ عَبْدَهُ] جس مالک نے اپنے غلام کے کان' ناک اور ہونٹ وغیرہ کاٹے۔ ''جَدَع'' بالخصوص ناک کاٹنے کو کہتے ہیں۔ [خَصٰى عَبْدَهُ] جس مالک نے اپنے غلام کے خصیے کھینچ کر نکال دیے یا کاٹ دیے یا انھیں کچل دیا اور اسے خصی کر دیا۔

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے کہ مالک و آقا سے غلام کی جان اور اعضاء کا قصاص لیا جائے گا۔ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے آزاد کو غلام کے بدلے میں بہر صورت قتل کیا جائے۔ وہ غلام اس کا اپنا ہو یا کسی اور کا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں قتل کیا جائے گا جبکہ غلام دوسرے کا ہو' اگر اپنا غلام ہو تو اس صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ آزاد کو غلام کے عوض کسی صورت میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ یہ آخری قول امام احمد' امام مالک' امام شافعی اور حسن بصری رحمہم اللہ وغیرہم کا ہے۔ ان کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

٩٩٦ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الديات، باب من قتل عبده أو مثل به أيقاد منه؟ حديث: ٤٥١٥، والترمذي، الديات، حديث: ١٤١٤، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٧٤٠، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٦٣، وأحمد: ٥/ ١٠، ١١، ١٢، ١٨، ١٩، والحاكم: ٤/ ٣٦٧. ※ الحسن البصري عن سمرة كتاب والرواية عن كتاب صحيحة كما في أصول الحديث، بحث الوجادة والمناولة.

ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ﴾ (البقرة۲:۱۷۸) ''تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض ہے' آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام (قتل کیا جائے۔'') ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں حسن بصری اور سمرہ کے درمیان انقطاع ہے' نیز آپ کے ارشاد [قَتَلْنَاهُ] کا مفہوم یہ ہے کہ ہم اس سے بدلہ لیں گے اور اس کے اس برے فعل کی اسے سزا دیں گے۔ اس میں لفظ قتل بطور مشاکلت کے استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا﴾ (الشورى ۴۲:۴۰) ''برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی کے ساتھ ہوتا ہے۔'' اس جگہ سَیِّئَةٌ کا دوبارہ لانا بطور مشاکلت کے ہے۔ اسی طرح کلام رسول ﷺ میں بھی لفظ قتل بطور مشاکلت کے ہے۔ اس سے مقصود زجر وتوبیخ اور ڈرانا دھمکانا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ آزاد مرد کا عضو غلام کے عضو کاٹنے کے بدلے میں کاٹا جائے گا یا نہیں' تو اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے کہ آزاد کا عضو غلام کے عضو کے بدلے میں نہیں کاٹا جائے گا۔ ان کی اس رائے کی بنیاد یہ ہے کہ اس حدیث کو انھوں نے زجر وتوبیخ پر محمول کیا ہے۔

(٩٩٧) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «**لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَالْبَيْهَقِيُّ، وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ: إِنَّهُ مُضْطَرِبٌ.

[997] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''باپ سے بیٹے کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔'' (اسے احمد' ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے' ابن جارود اور بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يُقَادُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ] يُقَادُ، قَوَدٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی قصاص کے ہیں' یعنی مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کرنا۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے شواہد کی وجہ سے حسن اور صحیح قرار دیا ہے اور انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل حجت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۱/۱۶' ۲۲' ۴۹' والإرواء: ۷/۲۷۱' رقم: ۲۲۱۴) ② مذکورہ حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آدمی نے جب اپنے بیٹے کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا' البتہ دوسری مناسب سزا ضروری ہے، جیسا کہ موطا امام مالک (۲/۸۶۷) اور سنن ابن ماجہ (حدیث: ۲۶۴۶) کی روایات میں دیت لینے کا ذکر ہے۔ اکثر سلف کی بھی یہی رائے ہے کہ قصاص کے بدلے میں باپ سے دیت وصول کی جائے گی۔

(٩٩٨) وَعَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ:

[998] حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

٩٩٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، الديات، باب ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا، حديث: ١٤٠٠، وأحمد: ١/ ١٦، ٢٢، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٦٢، والبيهقي: ٨/ ٨٢، وانظر، التلخيص الحبير: (٤/ ١٧).

٩٩٨ـ أخرجه البخاري، الديات، باب لايقتل المسلم بالكافر، حديث: ٦٩١٥، وحديث: "المؤمنون تتكافأ دماؤهم" أخرجه أبوداود، الديات، حديث: ٤٥٣٠، والنسائي، السنة، حديث: ٤٧٣٨، وأحمد: ١/ ١١٩، والحاكم، وهو حديث صحيح.

هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ مِنَ الْوَحْيِ، غَيْرَ الْقُرْآنِ؟ قَالَ: لَا، وَالَّذِي فَلَقَ الْحَبَّةَ، وَبَرَأَ النَّسَمَةَ، إِلَّا فَهْمٌ يُعْطِيهِ اللّٰهُ تَعَالٰى رَجُلًا فِي الْقُرْآنِ، وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ، قُلْتُ: وَمَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: اَلْعَقْلُ، وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ، وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا: کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعے سے نازل شدہ کوئی اور چیز بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں' اس ذات کی قسم جس نے دانہ اگایا اور جان کو پیدا فرمایا! سوائے اس فہم کے جو اللہ تعالیٰ کسی انسان کو قرآن کے بارے میں عطا فرماتا ہے' اور جو کچھ اس صحیفے میں تحریر ہے۔ میں نے سوال کیا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ دیت کے احکام' قیدی کو آزاد کرنے کا حکم اور یہ کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

وَأَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَلِيٍّ، وَقَالَ فِيهِ: **«اَلْمُؤْمِنُونَ تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ، وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ، وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ، وَلَا يُقْتَلُ مُؤْمِنٌ بِكَافِرٍ، وَلَا ذُوعَهْدٍ فِي عَهْدِهِ»**. صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

اس روایت کو احمد' ابوداود اور نسائی نے ایک دوسری سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا ہے اور اس میں یہ قول ہے: ''سب مومنوں کے خون برابر ہیں۔ اور ان میں سے ادنیٰ آدمی بھی ان کی طرف سے امان دے سکتا ہے۔ اور وہ غیروں کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں۔ اور کوئی مومن کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی معاہد (ذمی) کو اس کے زمانۂ عہد میں قتل کیا جا سکتا ہے۔'' (اس روایت کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ ...... الخ] اس جملے میں جمع کی ضمیر تعظیم کے طور پر لائی گئی ہے' یا پھر اس سے مراد سارے اہل بیت ہیں جن کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ سوال اس لیے کیا تھا کہ شیعہ کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ اہل بیت' بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجی ہوئی ایسی اشیاء ہیں جن کی خبر نبی ﷺ نے صرف اہل بیت کو دی ہے' ان کے سوا کسی دوسرے کو ان کا علم نہیں ہے جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے۔ [وَالَّذِي] اس میں ''واؤ'' قسم کے لیے ہے۔ [فَلَقَ الْحَبَّةَ] جس نے دانہ پھاڑا اور اس میں سے کونپل اور ٹہنیاں نکالیں۔ [وَبَرَأَ النَّسَمَةَ] جس نے جان کو پیدا فرمایا۔ نَسَمَة میں ''نون'' اور ''سین'' دونوں پر فتحہ ہے۔ ہر ذی روح چوپایہ نَسَمَة ہے۔ [إِلَّا فَهْمٌ] لفظ شَيْءٌ جو کہ ''لا'' کے بعد مقدر ہے' سے استثناء ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی چیز نہیں بجز اس فہم کے جو اللہ نے ہمیں قرآن کے متعلق عطا فرمایا ہے۔ لفظ فَهْمٌ، شَيْءٌ سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ [وَ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ] اس میں ''ما'' موصولہ ہے اور لفظ فَهْم پر اس کا عطف ہے۔ اور ''صحیفہ'' کے معنی تحریر شدہ ورق کے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب کا ماحصل یہ ہے کہ نبی

ﷺ نے انھیں علم دین کے سلسلے میں دیگر لوگوں سے ہٹ کر کوئی خاص چیز نہیں دی بلکہ ان کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان اتنا بڑا علمی تفاوت اور فرق جو وقوع پذیر ہوا ہے وہ صرف معانی قرآن کے اس فہم و تدبر کی وجہ سے ہوا جو انھیں عطا ہوا ہے' نیز استنباط کا جو ملکہ انھیں عطا ہوا ہے وہ کسی اور کو نہیں مل سکا۔ صحیفے کو اس احتیاط کے پیش نظر مستثنیٰ کیا ہے کہ شاید اس میں ایسی کوئی چیز ہو جو دوسرے لوگوں کے علم میں نہیں' یا یہ وضاحت کرنے کے لیے استثنا کیا گیا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی چیز بالخصوص ہوتی تو اس صحیفے میں ہوتی مگر اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو لوگوں کے پاس نہ ہو اور بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ہو۔ یہ نفی تخصیص کا بلیغ ترین انداز بیان ہے۔ [اَلْعَقْلُ] دیت۔ مطلب یہ ہے کہ اس صحیفہ میں دیت کے احکام اور ان کی تفصیلات ہیں۔ [وَفِكَاكُ الْأَسِيرِ] ''فا'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ اس صحیفے میں غلام کو آزاد کرنے کا بیان اور اس کی ترغیب کا ذکر ہے۔ [وَأَنْ لَا يُقْتَلَ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ] کافر خواہ حربی ہو یا ذمی' اس کے بدلے میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اکثر اہل علم کی رائے یہی ہے جس میں امام مالک' امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں۔ مگر احناف کہتے ہیں کہ کافر اگر ذمی ہوگا تو اس کے قتل کے بدلے میں مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔ لیکن اس دعویٰ پر کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں' اس لیے پہلا مذہب ہی درست ہے۔ [تَتَكَافَأُ دِمَاؤُهُمْ] دیت اور قصاص کے سلسلے میں ان کے خون مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اعلیٰ سے ادنیٰ کا' بڑے سے چھوٹے کا' عالم سے جاہل کا اور عورت سے مرد کا قصاص لیا جائے گا اور اس کے برعکس صورتوں میں بھی قصاص لیا جائے گا۔ یہ حکم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان دونوں کے خون برابر اور مساوی نہیں ہیں۔ [وَيَسْعٰى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ] ذمہ کے معنی امان کے ہیں۔ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی کافر کو امان دے دے تو اس کافر کا خون بہانا تمام مسلمانوں پر حرام ہے' خواہ پناہ دینے والا آدمی مسلمانوں میں ادنیٰ حیثیت کا حامل ہی کیوں نہ ہو' مثلاً: غلام ہو' ملازم ہو یا عورت ہو۔ [وَهُمْ يَدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ] مسلمان غیروں کے مقابلے میں ایک ہاتھ ہیں' یعنی وہ دشمن کے مقابلے میں سب اکٹھے اور متحد ہوتے ہیں' لہٰذا مسلمانوں کے لیے درست نہیں کہ وہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑیں اور نظر انداز کریں اور اپنے کسی مسلمان بھائی کو دشمن کے سپرد کریں اور اسے دشمن کے چنگل سے چھڑانے کی کوشش نہ کریں' بلکہ تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ دنیا کی تمام اقوام و ملل اور ادیان کے مقابلے میں باہمی تعاون اور یکجہتی کا اظہار کریں اور جہاں کہیں ہوں سیسہ پلائی دیوار کی مانند ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلامی ریاست میں کسی عہدے پر کافر کو مقرر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ سربراہ کا اپنی رعایا پر تسلط ہوتا ہے۔ [وَلَا ذُو عَهْدٍ فِي عَهْدِهِ] ذمی جب تک اپنے عہد پر قائم رہے اور اسے نہ توڑے' اس کا قتل حلال نہیں۔

(۹۹۹) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ جَارِيَةً وُجِدَ رَأْسُهَا قَدْ رُضَّ بَيْنَ حَجَرَيْنِ، فَسَأَلُوهَا، مَنْ صَنَعَ بِكِ هٰذَا؟

[999] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک لونڈی ایسی حالت میں پائی گئی کہ اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا تھا۔ لوگوں نے اس

۹۹۹۔ أخرجه البخاري، الديات، باب من أقاد بالحجر، حديث: ٦٨٧٩، ومسلم، القسامة، باب ثبوت القصاص في القتل بالحجر ...، حديث: ١٦٧٢.

فُلَانٌ؟ فُلَانٌ؟ حَتّٰى ذَكَرُوا يَهُودِيًّا فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا. فَأُخِذَ الْيَهُودِيُّ، فَأَقَرَّ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُرَضَّ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

دریافت کیا کہ تمھارے ساتھ ایسا کس نے کیا ہے؟ فلاں نے؟ فلاں نے؟ یہاں تک کہ انھوں نے ایک یہودی کا ذکر کیا تو اس نے سر سے اشارہ کیا: (ہاں۔) چنانچہ یہودی گرفتار کر لیا گیا' پھر اس نے اقرار بھی کر لیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دینے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [رُضَّ] رَضٌّ سے صیغۂ مجہول ہے اور اس کے معنی کچلنے' کوٹنے اور توڑنے کے ہیں۔ [فَأَوْمَأَتْ] تو اس نے اشارہ کیا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں دلیل ہے کہ مقتول کا قصاص بھاری چیزوں' پتھروں وغیرہ سے لینا درست ہے' صرف لوہے کی چیزوں کے ساتھ قصاص لینا مخصوص نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے سوا باقی ائمۂ متبوعین کا یہی مذہب ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا اور قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے گا جس طرح اس نے مقتول کو قتل کیا۔

(١٠٠٠) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ غُلَامًا لِأُنَاسٍ فُقَرَاءَ قَطَعَ أُذُنَ غُلَامٍ لِأُنَاسٍ أَغْنِيَاءَ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ ﷺ فَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُمْ شَيْئًا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ.

[1000] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقیر لوگوں کے ایک لڑکے نے مال دار لوگوں کے لڑکے کا کان کاٹ دیا تو یہ (امیر) لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ نے ان کے لیے کوئی چیز مقرر نہ فرمائی۔ (اسے احمد اور تینوں نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دلائل کی رو سے انھی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٣٣/ ١٥٧' ١٥٨ و صحيح سنن أبي داود للألباني' رقم: ٤٥٩٠) ② اس حدیث کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے سُقُوطُ الْقَوَدِ بَيْنَ الْمَمَالِيكِ فِيمَا دُونَ النَّفْسِ کا عنوان قائم کیا ہے کہ غلاموں کے مابین قتل کے سوا کسی جرم کا قصاص نہیں' گویا کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے حدیث میں موجود لفظ غلام سے غلام اور مملوک مراد لیا ہے جبکہ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے غلام کے معنی لڑکا لیتے ہوئے کہا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ جرم کا مرتکب لڑکا آزاد تھا اور اس سے یہ جرم خطأً سرزد ہوا تھا اور اس کے ورثاء فقیر لوگ تھے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ورثاء اپنی وسعت و حیثیت کے مطابق دیت ادا کریں۔ اگر وہ فقیر اور نادار ہوں تو ان کے ذمے کچھ نہیں۔ رہا غلام لڑکا! تو وہ اگر کسی جرم کا

١٠٠٠۔ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الديات، باب جناية العبد يكون للفقراء، حديث: ٤٥٩٠، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٧٥٥، وأحمد: ٤/ ٤٣٨، والترمذي: لم أجده.

مرتکب ہوتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔ (ملخصًا) منتقی الأخبار میں امام مجد الدین ابن تیمیہ کا قول ہے: مذکورہ بالا حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ قاتل کے ورثاء پر دیت کی ادائیگی کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے' وہ ان کے فقر کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی اور قاتل بھی اس سے بری ہوگا۔ (منتقی الأخبار)

(١٠٠١) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ رَجُلًا طَعَنَ رَجُلًا بِقَرْنٍ، فِي رُكْبَتِهِ، فَجَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: أَقِدْنِي، فَقَالَ: «حَتّٰى تَبْرَأَ»، ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: أَقِدْنِي، فَأَقَادَهُ، ثُمَّ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! عَرَجْتُ، فَقَالَ: «قَدْ نَهَيْتُكَ فَعَصَيْتَنِي، فَأَبْعَدَكَ اللّٰهُ، وَبَطَلَ عَرَجُكَ». ثُمَّ نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُقْتَصَّ مِنْ جُرْحٍ حَتّٰى يَبْرَأَ صَاحِبُهُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأُعِلَّ بِالْإِرْسَالِ.

[1001] حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں سینگ چبھو دیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا: مجھے اس سے قصاص دلوائیں۔ آپ نے فرمایا: ''(نہیں!) حتیٰ کہ تو شفایاب ہو جائے۔'' وہ پھر آپ کے پاس آیا اور بولا: مجھے قصاص دلوائیں۔ آپ نے اسے قصاص دلوا دیا۔ اس کے بعد وہ پھر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں لنگڑا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نے میری نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ تجھے دور کرے اور تیرا لنگڑا پن باطل ہو گیا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے زخمی کے شفایاب ہونے سے پہلے زخم کا قصاص لینے سے منع فرما دیا۔ (اس روایت کو احمد اور دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے مرسل ہونے کی وجہ سے معلول کہا گیا ہے۔)

لغوی تشریح: [طَعَنَ] ماضی کا صیغہ ہے جس کے معنی نیزہ وغیرہ مارنے کے ہیں۔ [أَقِدْنِي] إِقَادَة سے امر کا صیغہ ہے' یعنی مجھے قصاص دلوایئے یا قصاص لینے کی اجازت دیجیے۔ [حَتّٰى تَبْرَأَ] یہاں تک کہ تو اس بیماری سے صحت یاب ہو جائے۔ [عَرَجْتُ] ''را'' پر فتحہ ہے۔ میں لنگڑا ہو گیا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے زخموں کی دیت اس وقت لی جانی چاہیے جب زخم مندمل ہو جائیں اور زخمی صحت یاب ہو جائے۔ جمہور ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ انتظار کرنا واجب ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اسے مستحب کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عین ممکن ہے زخم خراب صورت اختیار کر لے اور اسی بنا پر وہ عضو ضائع ہو جائے جبکہ ان دونوں صورتوں میں دیت الگ الگ ہے۔ ② مذکورہ بالا واقعہ میں اس آدمی نے بے صبری اور عجلت سے کام لیا اور نبی ﷺ کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو اسے صرف پانچ اونٹ ملے' حالانکہ جب وہ زخم کی خرابی کی وجہ سے لنگڑا ہو گیا تھا تو اس وقت وہ پچاس اونٹوں کا مستحق تھا۔ بے صبری' عجلت پسندی اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان پر عدم توجہ کے نتیجے میں اسے صرف پانچ

١٠٠١ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أحمد: ٢/ ٢١٧، والدارقطني: ٣/ ٨٨، ابن جريج مدلس وعنعن.

اونٹوں پر اکتفا کرنا پڑا۔ ③ مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم معناً صحیح ہے کیونکہ دیگر روایات سے بھی مسئلۂ مذکورہ کی تائید ہوتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: (١١/ ٦٠٧، ٦٠٨)

(١٠٠٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: اِقْتَتَلَتِ امْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ، فَرَمَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى بِحَجَرٍ، فَقَتَلَتْهَا وَمَا فِي بَطْنِهَا، فَاخْتَصَمُوا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَقَضٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ دِيَةَ جَنِينِهَا غُرَّةٌ: عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ، وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا، وَوَرَّثَهَا وَلَدَهَا وَمَنْ مَّعَهُمْ، فَقَالَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ الْهُذَلِيُّ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! كَيْفَ نَغْرَمُ مَنْ لَّا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ؟ وَلَا نَطَقَ وَلَا اسْتَهَلَّ؟ فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**إِنَّمَا هٰذَا مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ، مِنْ أَجْلِ سَجْعِهِ الَّذِي سَجَعَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1002] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہُذَیل قبیلے کی دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ایک نے دوسری کو پتھر دے مارا اور اس عورت کو اور جو اس کے پیٹ میں (حمل) تھا، اسے قتل کر ڈالا۔ تو وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جھگڑا لائے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ جنین کی دیت غُرّہ، یعنی ایک غلام یا لونڈی ہے۔ اور (قاتلہ) عورت کی (طرف سے) دیت اس کے ورثاء کے ذمے قرار دی۔ اور اس (دیت) کا وارث مقتولہ کی اولاد اور ان کے ساتھ دیگر وارث بننے والوں کو ٹھہرایا۔ حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایسے بچے کا تاوان کیسے دیں جس نے نہ پیا، نہ کھایا، نہ وہ بولا اور نہ چیخا؟ ایسا تو رائیگاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ اس قافیہ دار کلام کی وجہ سے، جو اس نے کہا ہے، یہ کاہنوں کے بھائیوں میں سے لگتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، سَأَلَ مَنْ شَهِدَ قَضَاءَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي الْجَنِينِ؟ قَالَ: فَقَامَ حَمَلُ بْنُ النَّابِغَةِ، فَقَالَ: كُنْتُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ، فَضَرَبَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرٰى، فَذَكَرَهُ مُخْتَصَرًا وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اسے ابوداود اور نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: جنین کے بارے میں نبی ﷺ کے فیصلے کے موقع پر کون حاضر تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حمل بن نابغہ کھڑا ہوا اور اس نے بیان کیا کہ میں دو عورتوں کے درمیان تھا کہ ایک نے دوسری کو مارا۔ (انھوں نے اسے اختصار سے بیان کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: اِمْرَأَتَانِ مِنْ هُذَيْلٍ ، یہ دونوں عورتیں سوکنیں تھیں اور حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی کے نکاح میں

١٠٠٢ـ أخرجه البخاري، الطب، باب الكهانة، حديث: ٥٧٥٨، ومسلم، القسامة، باب دية الجنين، حديث: ١٦٨١، وحديث ابن عباس: أخرجه أبوداود، الديات، حديث: ٤٥٧٢، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٢٢، ٤٨٣٢، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٦٠٥، حديث: ٥٩٨٩، والحاكم

تھیں۔[جَنِين] بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہو اسے جنین کہا جاتا ہے۔[غُـرَّةٌ] ''غین'' پر ضمہ ''را'' پر تشدید اور آخر میں تنوین ہے۔[عَبْدٌ أَوْ وَلِيدَةٌ] یہ غُـرَّة کی توضیح ہے۔غُـرَّة دراصل اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے چہرے پر ہوتی ہے۔اور وَلِيدَة کے معنی لونڈی کے ہیں۔[أَوْ] تقسیم کے لیے ہے شک کے لیے نہیں۔[وَقَضٰى بِدِيَةِ الْمَرْأَةِ عَلٰى عَاقِلَتِهَا] یعنی قاتل عورت کی دیت اس کے وارثوں پر ڈال دی۔اس کے شوہر پر نہیں ڈالی۔[وَوَرَّثَهَا] تَوْرِيث سے ماخوذ ہے' یعنی دیت کا وارث بنایا۔[وَلَدَهَا] مقتولہ کی اولاد کو۔[وَمَنْ مَّعَهُ] ان ورثاء کو جو بیٹے کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ دیت کو مقتولہ کے بچوں اور اس کے شوہر کی میراث قرار دیا' عاقلہ (عصبہ) کی نہیں۔اور ابوداود میں اس کی صراحت موجود ہے۔اس میں ہے کہ مقتولہ کے عاقلہ (عصبہ) نے عرض کیا: اس کی میراث کے حق دار تو ہم ہیں۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں' اس کی میراث اس کے شوہر اور اس کی اولاد کا حق ہے۔'' (سنن أبي داود' الديات' حديث:٤٥٧٥) [كَيْفَ نَغْرَمُ؟] ''را'' پر فتحہ ہے۔ہم کیسے ضمان اور چٹی ادا کریں؟ یعنی ہم دیت کیوں دیں؟ [مَنْ لَا شَرِبَ......الخ] یہ نَغْرَمُ کا مفعول ہے۔مقصود اس سے یہ تھا کہ وہ زندہ پیدا نہیں ہوا اور نہ اس میں زندگی کے آثار پائے گئے ہیں۔[اِسْتَهَلَّ] چیخ مارنا اور آواز بلند کرنا۔مراد یہ تھا کہ وہ پیدائش کے وقت رویا بھی نہیں' حالانکہ پیدائش کے وقت ہر بچہ روتا ہے۔[فَمِثْلُ ذٰلِكَ يُطَلُّ] يُطَلُّ' طَلٌّ سے فعل مضارع صیغۂ مجہول ہے۔مطلب یہ ہے کہ وہ بے فائدہ اور رائیگاں گیا' اس میں کچھ تاوان نہیں کیونکہ تاوان تو کسی زندہ کو ہلاک کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔[إِنَّمَا هٰذَا] یہ گفتگو کرنے والا۔[مِنْ إِخْوَانِ الْكُهَّانِ] كُهَّان کے ''کاف'' پر ضمہ اور ''ھا'' پر تشدید ہے اور یہ کاہن کی جمع ہے۔کاہن لوگ اپنی بے اصل اور مزین باتوں کو قافیہ بندی کے ذریعے سے ترویج دیتے تھے' ان لوگوں کے ساتھ اس شخص کو تشبیہ دینے سے اس کی تردید مقصود تھی کیونکہ وہ مسجع کلام کے ذریعے سے اس حق کا مقابلہ و معارضہ کرنا چاہتا تھا جسے نبی ﷺ نے ثابت کیا تھا۔اور سجع' قافیہ دار گفتگو کو کہتے ہیں۔[كُنْتُ بَيْنَ امْرَأَتَيْنِ] اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ وہ ان دونوں کا شوہر تھا۔

وضاحت: [حضرت حمل بن نابغہ ؓ] (''حا'' اور ''میم'' دونوں پر فتحہ ہے) حمل بن مالک بن نابغہ ہذلی صحابی ہیں۔أبو نَضْلہ ان کی کنیت تھی اور بصرہ کے رہائشی تھے۔

(١٠٠٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ الرُّبَيِّعَ بِنْتَ النَّضْرِ - عَمَّتَهُ - كَسَرَتْ ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ، فَطَلَبُوا إِلَيْهَا الْعَفْوَ، فَأَبَوْا، فَعَرَضُوا الْأَرْشَ، فَأَبَوْا، فَأَتَوْا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، فَأَبَوْا، إِلَّا الْقِصَاصَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

[1003] حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ ان کی پھوپھی رُبَيِّع بنت نضر نے ایک لڑکی کا سامنے والا دانت توڑ دیا۔رُبَيِّع کے رشتہ داروں نے اس سے معافی طلب کی تو لڑکی والوں نے انکار کر دیا۔پھر انھوں نے دیت دینے کی پیش کش کی تو اسے بھی انھوں نے رد کر دیا' چنانچہ وہ رسول

١٠٠٣ـ أخرجه البخاري، الصلح، باب الصلح في الدية، حديث:٢٧٠٣، ومسلم، القسامة، باب إثبات القصاص في الأسنان وما في معناها، حديث:١٦٧٥

بِالْقِصَاصِ، فَقَالَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ: يَارَسُولَ اللهِ، أَتُكْسَرُ ثَنِيَّةُ الرُّبَيِّعِ؟ لَا، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا تُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَاأَنَسُ! كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ»، فَرَضِيَ الْقَوْمُ، فَعَفَوْا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

اللہ ﷺ کے پاس آئے اور قصاص کے سوا کسی بھی چیز کو لینے سے انکار کر دیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے قصاص کا حکم فرما دیا۔ یہ سن کر حضرت انس بن نضر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا رُبَیِّع کا دانت توڑا جائے گا؟ نہیں' اس ذات اقدس کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! اس کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے انس! اللہ کا فیصلہ تو قصاص ہی ہے۔'' اتنے میں وہ لوگ رضامند ہو گئے اور انھوں نے معافی دے دی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا فرما دیتا ہے۔'' (بخاری ومسلم۔ اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [عَمَّتَهُ] یہ بدل یا بیان ہے' یعنی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی اور انس بن نضر کی بہن۔ [ثَنِيَّةَ جَارِيَةٍ] ثنیّہ، فَعِیلہ کے وزن پر ہے۔ اس کی جمع ثنایا آتی ہے' منہ کے سامنے والے چار دانتوں کو کہتے ہیں۔ دو دانت اوپر والے اور دو دانت نیچے والے۔ [اَلْأَرْشَ] دیت۔ [لَاتُكْسَرُ ثَنِيَّتُهَا] اس کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔ یہ بات حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے ارشاد گرامی کی تردید اور آپ کے فرمان سے اعراض کے لیے نہیں کہی تھی بلکہ یہ تو انھوں نے محض توقع اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی امید پر کہی کہ مخالف فریق کو اللہ تعالیٰ اس پر راضی فرما دے گا اور اس کے دل میں معافی کا جذبہ وداعیہ پیدا فرما دے گا' یا وہ دیت لے کر قصاص لینے سے دست بردار ہو جائے گا۔ [كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ] كِتَابُ اللهِ مبتدا اور اَلْقِصَاصُ اس کی خبر ہے' یعنی کتاب اللہ میں اس قسم کے مقدمات میں قصاص کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ (المآئدة ٥:٤٥) ''ہم نے تورات میں (یہودیوں پر) یہ بات فرض کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان' آنکھ کے بدلے آنکھ' ناک کے بدلے ناک' کان کے بدلے کان' دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا قصاص ہے۔'' اور چونکہ یہ اصول ہے کہ سابقہ شرائع اس وقت تک ہماری شرائع ہیں جب تک ان کے نسخ کا حکم وارد نہ ہو' اس لیے ہمارے لیے بھی یہی حکم ہے۔ یا اس ارشاد باری تعالیٰ سے استدلال کیا گیا: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ (النحل ١٦:١٢٦) ''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو۔'' [لَأَبَرَّهُ] اس میں 'لام' تاکید کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کی قسم ٹوٹنے نہیں دیتا بلکہ پوری فرما دیتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی فضیلت معلوم ہوئی کہ انھوں نے جو قسم کھائی' اللہ نے اسے پورا

فرما دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسے کی بنا پر قسم کھائی تھی جسے اللہ نے پورا کر دیا۔ نبی ﷺ کے ارشاد کی تردید اور اعراض مقصود نہ تھا۔ ایسا ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی کے نافرمان شمار ہوتے جو کہ ایک صحابی کی شان کے ہرگز لائق نہیں۔ نبی ﷺ کا ان کی تعریف فرمانا ان کی فضیلت و منقبت کا کھلا ثبوت ہے۔

راوی حدیث: [حضرت رُبَیِّع بنت نضر رضی اللہ عنہا] ''را'' پر ضمہ ''با'' پر فتحہ اور ''یا'' کے نیچے کسرہ اور تشدید ہے۔ یہ نضر بن ضمضم بن زید بن حرام کی بیٹی، رسول اللہ ﷺ کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی اور حارثہ بن سراقہ، جو غزوۂ بدر میں جام شہادت نوش فرما کر خلد بریں کے مکین بن گئے، کی والدہ تھیں۔

[حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ] یہ حضرت رُبَیِّع کے بھائی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔ یہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ اس کا انھیں بڑا افسوس تھا۔ جنگ احد کے روز مسلمانوں کے رویے پر اللہ تعالیٰ سے معذرت کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے مشرکین کی صف کی جانب بڑھے کہ میں تو اُحد کے ورے جنت کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد خوب لڑے اور شہید ہو گئے۔

(١٠٠٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيًّا، أَوْ رِمِّيًّا بِحَجَرٍ أَوْ سَوْطٍ أَوْ عَصًا، فَعَقْلُهُ عَقْلُ الْخَطَإِ، وَمَنْ قُتِلَ عَمْداً، فَهُوَ قَوَدٌ، وَمَنْ حَالَ دُونَهُ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه بِإِسْنَادٍ قَوِيٍّ.

[1004] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی بلوے میں مارا گیا ہو (کہ اس کے قاتل کے بارے میں پتہ نہ چلے) یا پتھر، کوڑے یا لاٹھی سے اس طرح مارا گیا ہو کہ مارنے والے کا علم نہ ہو تو اس کی دیت، قتل خطا کی دیت ہوگی۔ اور جو شخص عمداً قتل کیا جائے گا تو اس کا قصاص ہے۔ جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے۔'' (اس حدیث کو ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے قوی سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [عِمِّيًّا] ''عین'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''میم'' مکسور مع التشدید ہے اور پھر ''یا'' پر بھی تشدید ہے، یعنی جو شخص ایسی صورت حال میں قتل کیا گیا کہ اس کے قتل کا معاملہ صاف اور واضح نہیں ہے اور اس کے قاتل کی نشان دہی بھی نہیں ہو سکتی۔ [أَوْ رِمِّيًّا] رمي سے ماخوذ ہے۔ عِمِّيًّا کے وزن پر ہے اور تَرَامِي کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی جو شخص ایسی صورت حال میں مارا گیا کہ لوگ ایک دوسرے پر پتھر، کوڑے یا لاٹھیاں برسا رہے تھے۔ اور اس کے قاتل کی نشان دہی بھی نہ ہو سکی تو ایسا قتل، قتل خطا کے زمرے میں آتا ہے۔ اور ابوداود میں الفاظ اس طرح ہیں: [مَنْ قُتِلَ فِي عِمِّيًّا فِي رَمْيٍ] اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ دوسرا جملہ پہلے کی تفسیر ہے۔ [عَصًا] اور بعض نسخوں میں [عِصِيّ] کے الفاظ ہیں، یعنی ''عین'' اور ''صاد'' دونوں پر کسرہ اور ''یا'' پر تشدید ہے۔ اس صورت میں یہ عصا کی جمع ہوگی۔ [عَقْلُ

١٠٠٤ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، الديات، باب من قتل في عميا بين قوم، حديث: ٤٥٣٩، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٧٩٣، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٣٥.

[الْخَطَأُ] یعنی قتل خطا کی دیت ہے اور وہ سو اونٹ ہے۔ [قَوَدٌ] ''قاف'' اور ''واو'' دونوں پر فتحہ ہے۔ قصاص۔ [وَ مَنْ حَالَ دُونَهُ] جو شخص قصاص لینے میں حائل ہوا اور مانع بن کر کھڑا ہوا۔

(١٠٠٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «**إِذَا أَمْسَكَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ، وَقَتَلَهُ الْآخَرُ، يُقْتَلُ الَّذِي قَتَلَهُ، وَيُحْبَسُ الَّذِي أَمْسَكَ**». رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مَوْصُولًا وَمُرْسَلًا، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّ الْبَيْهَقِيَّ رَجَّحَ الْمُرْسَلَ.

[1005] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک آدمی کسی آدمی کو پکڑے رکھے اور کوئی دوسرا پکڑے ہوئے آدمی کو قتل کر ڈالے تو قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کیا جائے گا۔'' (اسے دارقطنی نے موصولاً اور مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن قطان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر بیہقی نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر ایک آدمی کو دو آدمی اس طرح قتل کریں کہ ایک نے پکڑے رکھا اور دوسرے نے اسے قتل کر دیا تو اس صورت میں قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کی سزا دی جائے گی' اور یہ سزا عمر قید کی ہوگی یا عدالت کی صوابدید پر ہوگی۔ احناف اور شوافع کا یہی مسلک ہے مگر امام مالک' نخعی اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ دونوں کو قتل کیا جائے گا کیونکہ دونوں اس کے قتل میں شریک ہیں۔ اگر پکڑنے والا اسے نہ پکڑتا تو ممکن ہے کہ وہ قاتل کے وار سے بچ کر بھاگ جاتا اور قتل نہ ہوتا۔ چونکہ اس کے قتل میں دونوں برابر کے شریک ہیں' لہٰذا سزا بھی دونوں کی برابر ہونی چاہیے۔ ② دیگر دلائل کی رو سے یہی' یعنی دوسرا موقف راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١٠٠٦) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْبَيْلَمَانِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَتَلَ مُسْلِمًا بِمُعَاهِدٍ، وَقَالَ: «**أَنَا أَوْلٰى مَنْ وَفّٰى بِذِمَّتِهِ**». أَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ هٰكَذَا مُرْسَلًا، وَوَصَلَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ بِذِكْرِ ابْنِ عُمَرَ فِيهِ، وَ إِسْنَادُ الْمَوصُولِ وَاهٍ.

[1006] حضرت عبدالرحمٰن بن بیلمانی سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک معاہد (ذمی) کے بدلے میں ایک مسلمان کو قتل کیا اور فرمایا: ''میں اس شخص کے زیادہ قریب ہوں جو اپنے عہد کو پورا کرتا ہے۔'' (اسے عبدالرزاق نے اسی طرح مرسل روایت کیا ہے اور دارقطنی نے اس میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کر کے

١٠٠٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٣/ ١٤٠، والبيهقي: ٨/ ٥٠، سفيان الثوري عنعن، وفيه علة أخرى.

١٠٠٦ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه عبدالرزاق في المصنف: ١٠/ ١٠١، حديث: ١٨٥١٤، وابن أبي شيبة، والطحاوي، والدارقطني، والبيهقي: ٨/ ٢٠، ٢١ . * عبدالرحمن بن البيلماني ضعيف، والسند مرسل، وصله الدارقطني: ٣/ ١٣٤، ١٣٥، وفي سنده إبراهيم بن أبي يحيىٰ وهو متروك، وله شاهد مرسل عند الطحاوي فيه محمد بن أبي حميد ضعيف جدًا، قال البخاري: منكر الحديث، وشاهد مرسل عند أبي داود في المراسيل، وفيه عبدالله بن يعقوب وعبدالله بن عبدالعزيز بن صالح الحضرمي مجهولان. فائدة: ولم يثبت عن عمر أنه قتل رجلاً مسلمًا في قتل الكافر، رواه إبراهيم النخعي وهو ولد بعد شهادة عمر رضي الله عنه، وأما أثر عبيدالله بن عمر بن الخطاب، فإنه قتل مسلمين: الهرمزان وابنة أبي لؤلؤة ولم يريدوا أن يقتلوه في قتل الكافر، وأثر علي فيه قيس بن الربيع وحسين بن ميمون ضعيفان.

اسے موصول بیان کیا ہے لیکن موصول کی سند کمزور ہے۔)

فائدہ: اس حدیث کے شدت ضعف اور حدیث [لَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ] کے معارض ہونے کی وجہ سے جمہور نے اسے ناقابل استدلال قرار دیا ہے' البتہ احناف اسی طرف گئے ہیں۔ احناف اکثر اوقات صحیح حدیث پر ضعیف کو ترجیح دے دیتے ہیں' لہٰذا اس مسئلے میں بھی جو کچھ انھوں نے کیا ہے اس پر کوئی تعجب نہیں۔

راویٔ حدیث: [حضرت عبدالرحمٰن بن بیلمانی رحمہ اللہ] عبدالرحمٰن بن ابوزید' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مدنی تھے۔ حران میں جا کر فروکش ہوئے۔ تابعی ہیں اور طبقۂ سادسہ سے ہیں۔ امام ابوحاتم کا قول ہے کہ یہ کمزور راوی ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور امام دارقطنی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔ جبکہ ازدی نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ بیلمان کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے بیلمانی کہلائے۔ بیلمان کے ''با'' پر فتحہ اور ''یا'' ساکن اور ''لام'' پر فتحہ ہے۔

(١٠٠٧) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قُتِلَ غُلَامٌ غِيلَةً، فَقَالَ عُمَرُ: لَوِ اشْتَرَكَ فِيهِ أَهْلُ صَنْعَاءَ لَقَتَلْتُهُمْ بِهِ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1007] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک غلام دھوکے سے قتل کر دیا گیا تو (اس پر) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر اس کے قتل میں سارے اہل صنعاء شریک ہوتے تو میں اس کے بدلے میں ان سب کو قتل کر ڈالتا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [غِيلَةً] ''غین'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' ساکن ہے۔ اس کے معنی دھوکے اور فریب کے ہیں' یعنی کسی کو دھوکا دے کر ایسے خفیہ مقام پر لے جا کر اسے قتل کرنا جہاں اسے کوئی نہ دیکھتا ہو۔ [صَنْعَاءَ] مد کے ساتھ ہے۔ یہ یمن کا دارالسلطنت ہے جو قدیم زمانوں سے چلا آ رہا ہے۔

فوائد و مسائل: ① جمہور علماء کی رائے اسی اثر کے مطابق ہے اور ان کا کہنا ہے کہ ایک آدمی کے بدلے میں پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا جبکہ یہ سارے لوگ ایک کے قتل کرنے میں شریک ہوں لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سابقہ مرفوع روایت اس اثر کے معارض و مخالف ہے کہ جب ایک آدمی کسی کو مضبوطی سے پکڑ لے اور دوسرا آدمی اس گرفتار شدہ آدمی کو قتل کر دے تو حقیقی و اصلی قاتل کو قتل کیا جائے گا اور پکڑنے والے کو قید کر دیا جائے گا۔ اس اثر اور سابقہ روایت کے مابین تطبیق کے لیے عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اشتراک سے مراد اجتماعی طور پر براہ راست قتل کرنے میں مشارکت ہے اور پکڑ کر روکے رکھنا قتل میں اشتراک نہیں بلکہ یہ تو تعاون و معاونت ہے' لہٰذا حدیث اور اثر کے مابین کوئی تعارض نہیں۔ تاہم اس قول کی تردید بعض طرق میں وارد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اگر تمام اہل صنعاء اس قتل میں ایک دوسرے کے معاون ہوتے تو میں ان سب کو قتل کر ڈالتا۔ ② صاحب سبل السلام نے اس موقف کی تائید کی ہے کہ پوری کی پوری جماعت ایک آدمی کے قتل کے بدلے میں قتل نہیں کی جائے گی بلکہ ایسی صورت میں دیت واجب ہوگی۔ پھر فرماتے ہیں

١٠٠٧ـ أخرجه البخاري، الديات، باب إذا أصاب قوم من رجل هل يعاقب أو يقتص .....، حديث: ٦٨٩٦.

کہ ہم نے یہاں اس موقف کی تائید تو کی ہے لیکن بعد میں ہمیں یہ موقف قوی معلوم ہوا کہ ایک شخص کے قتل کے بدلے میں اس قتل میں شریک پوری جماعت کو قتل کیا جائے گا اور ہم نے اس کی دلیل ضوء النهار کے حواشی اور الأبحاث المسددة کی تعلیق میں بیان کی ہے۔

(١٠٠٨) وَعَنْ أَبِي شُرَيْحٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «فَمَنْ قُتِلَ لَهُ قَتِيلٌ، بَعْدَ مَقَالَتِي هٰذِهِ، فَأَهْلُهُ بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ، إِمَّا أَنْ يَأْخُذُوا الْعَقْلَ، أَوْ يَقْتُلُوا». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ بِمَعْنَاهُ.

[1008] حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے اس خطبے کے بعد اگر کسی کا کوئی آدمی مارا جائے تو اس کے ورثاء کو دو اختیار ہیں: یا تو دیت لے لیں یا قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کر دیں۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور اس روایت کی اصل صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم میں مروی ہے۔)

لغوی تشریح: مذکورہ حدیث فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے خطاب کا ایک ٹکڑا ہے۔ دوران گفتگو میں جب آپ نے جاہلیت کے خون کو باطل قرار دیا تو فرمایا: ''اے گروہ خزاعہ! تم نے ہذیل کا یہ آدمی قتل کیا ہے اور میں اس کی دیت ادا کروں گا...... الحدیث۔'' [بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ] خیر تین کے ''خا'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر فتحہ ہے' یعنی دیت اور قصاص دونوں میں اسے اختیار ہے جس کا چاہے انتخاب کرے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابوشریح خزاعی رضی اللہ عنہ] عمرو بن خویلد اور بعض کے نزدیک خویلد بن عمرو کعبی عدوی خزاعی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ مدینہ میں ۶۸ ہجری میں وفات پائی۔

١ - بَابُ الدِّيَاتِ

باب: 1- دیتوں سے متعلق احکام ومسائل

(١٠٠٩) عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَتَبَ إِلَى أَهْلِ الْيَمَنِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ. وَفِيهِ: «أَنَّ مَنِ اعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا عَنْ بَيِّنَةٍ، فَإِنَّهُ قَوَدٌ، إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ. وَ إِنَّ فِي النَّفْسِ

[1009] ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے باپ (محمد) سے اور وہ ان (ابوبکر) کے دادا (عمرو بن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اہل یمن کو لکھا۔ پھر لمبی حدیث بیان کی۔ اس میں یہ بھی ہے: ''جو شخص کسی بے گناہ مسلمان کو قتل کر ڈالے اور اس قتل کا ثبوت بھی ہو تو اس پر قصاص

١٠٠٨ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الديات، باب ولي العمد يأخذ الدية، حديث: ٤٥٠٤، والترمذي، الديات، حديث: ١٤٠٦، وأصله متفق عليه، البخاري، الديات، حديث: ٦٨٨٠، ومسلم، الحج، حديث: ١٣٥٥.

١٠٠٩ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود في المراسيل، حديث: ٢٢٥، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٥٧، وابن حبان (الإحسان): ٨/ ١٨٠، ١٨١، حديث: ٦٥٢٥، وأحمد: ٢/ ٢١٧، وابن خزيمة: لم أجده.

الدِّيَةَ: مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْأَنْفِ إِذَا أُوعِبَ جَدْعُهُ الدِّيَةُ، وَفِي الْعَيْنَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ، وَفِي الشَّفَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الذَّكَرِ الدِّيَةُ، وَفِي الْبَيْضَتَيْنِ الدِّيَةُ، وَفِي الصُّلْبِ الدِّيَةُ، وَفِي الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمَأْمُومَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّيَةِ، وَفِي الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي كُلِّ إِصْبَعٍ، مِنْ أَصَابِعِ الْيَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَفِي الْمُوضِحَةِ خَمْسٌ مِنَ الْإِبِلِ، وَإِنَّ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ، وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَابْنُ حِبَّانَ وَأَحْمَدُ، وَاخْتَلَفُوا فِي صِحَّتِهِ.

لازم ہے' الاّ یہ کہ مقتول کے ورثاء (دیت پر) راضی ہو جائیں۔ اور ایک جان کے قتل کی دیت سو اونٹ ہے۔ اور ناک میں بھی پوری دیت ہے جبکہ اسے جڑ سے کاٹ دیا جائے۔ اور دونوں آنکھوں' زبان اور دونوں ہونٹوں کے عوض بھی پوری دیت ہے۔ (اسی طرح) عضو مخصوص میں پوری دیت ہے۔ اور دو خصیوں میں پوری دیت ہے۔ اور پشت میں بھی پوری دیت ہے۔ اور ایک پاؤں میں آدھی دیت ہے۔ اور دماغ اور پیٹ کے گہرے زخم میں تہائی دیت ہے۔ اور وہ زخم جس سے ہڈی ٹوٹ جائے اور اپنی جگہ سے ہٹ جائے اس میں پندرہ اونٹ دیت ہے۔ اور ہاتھ اور پاؤں کی ہر ایک انگلی میں دس دس اونٹ دیت ہے۔ اور ایک دانت کی دیت پانچ اونٹ ہے۔ اور ایسے زخم میں جس سے ہڈی نظر آنے لگے' پانچ اونٹ دیت ہے۔ اور مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ اور جن کے پاس (اونٹ نہ ہوں اور) سونا ہو تو ان سے ایک ہزار دینار وصول کیے جائیں گے۔" (ابوداود نے اسے مراسیل میں ذکر کیا ہے اور نسائی' ابن خزیمہ' ابن جارود' ابن حبان اور احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے میں انھوں نے اختلاف کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الدِّيَاتِ] یہ دِيَةٌ کی جمع ہے۔ واحد اور جمع دونوں میں "یا" مخفف (بغیر تشدید کے) ہے۔ اس کا اصل وَدْيٌ ہے۔ واؤ کو حذف کر کے اس کے عوض "تا" لگا دی گئی ہے۔ جس طرح عِدَةٌ میں ہے۔ دیت اس مال کو کہتے ہیں جو مقتول کی جان کے عوض دیا جاتا ہے۔ یا زخمی کے اعضائے بدن کے بدلے میں دیا جاتا ہے۔ [اِعْتَبَطَ] "عین" کے ساتھ ہے۔ بغیر کسی وجہ و سبب کے قتل کرنا۔ یہ عَبَطَ الْإِبِلَ و اعْتَبَطَهُ سے ماخوذ ہے' یعنی اونٹ کو بغیر کسی مرض اور علت کے ذبح کر دینا۔ [قَتْلاً] یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ [عَنْ بَيِّنَةٍ] یعنی قاتل کے خلاف ثبوت مل جائے بایں صورت کہ دو گواہ ہوں' یا خود قاتل اقرار کر لے۔ [فَإِنَّهُ قَوَدٌ] قَوَدٌ میں "قاف" اور "واؤ" دونوں پر فتحہ ہے' یعنی اس کا حکم قصاص ہے۔ قاتل کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ [إِلَّا أَنْ يَرْضَى أَوْلِيَاءُ الْمَقْتُولِ] الا یہ کہ مقتول کے اولیاء و ورثاء راضی ہو جائیں کہ ہم دیت لے لیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ دیت قبول کرنے کا اختیار مقتول کے اولیاء کو ہے نہ کہ قاتل کو۔ جمہور علماء کی رائے تو یہی ہے' البتہ احناف کہتے ہیں کہ مقتول کے اولیاء کو دیت لینے کا اختیار اس وقت تک نہیں ہے جب تک قاتل راضی نہ ہو جائے' حالانکہ یہ حدیث اور اس جیسی دیگر احادیث ان کے

خلاف حجت ہیں۔[مِائَةٌ مِّنَ الْإِبِلِ] یہ اَلدِّیَة کا بیان ہے اور بدل ہونے کی وجہ سے منصوب ہے' یا پھر مرفوع ہے' اس صورت میں اس کا مبتدا محذوف ہوگا۔[أُوعِبَ جَدْعُهُ] فعل صیغۂ مجہول ہے۔ معنی یہ ہیں کہ پوری ناک جڑ سے کاٹ دی جائے۔[اَلدِّيَةُ] یعنی پوری دیت ہے۔[وَ فِي اللِّسَانِ الدِّيَةُ] زبان میں پوری دیت اس صورت میں ہے جبکہ زبان کو جڑ سے کاٹ دیا جائے' یا اتنی زبان کاٹ دی جائے کہ بات چیت اور گفتگو نہ ہو سکے۔[اَلْبَيْضَتَيْنِ] خصیتین۔ [اَلْمَأْمُومَة] ایسا زخم جو ام الدماغ تک پہنچ جائے۔ اور أُمُّ الدِّمَاغ دماغ کے اوپر جھلی کو کہتے ہیں۔[اَلْجَائِفَةِ] نیزے وغیرہ کا وہ زخم جو پیٹ یا سر کے اندر تک پہنچ جائے۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر زخم ایک جانب سے دوسری جانب نفوذ کر کے نکل جائے تو اس صورت میں دو تہائی دیت ہے' اس لیے کہ اس طرح یہ دو زخم شمار ہوں گے۔[اَلْمُنَقِّلَةِ] ''قاف'' کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ۔ ایسا زخم جو ہڈی کو توڑ دے اور اسے اپنی جگہ سے سرکا دے۔[اَلْمُوضِحَةِ] إِيضَاح سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ ایسا زخم جو ہڈی کو گوشت سے ننگا کر کے اسے نمایاں اور واضح کر دے۔[وَعَلَى أَهْلِ الذَّهَبِ أَلْفُ دِينَارٍ] یعنی دیت میں سو اونٹوں کے بدلے ہزار دینار دے دیے جائیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ کیا یہ شرعی معین مقدار ہے اور اصول دیت میں سے ایک مستقل اصل ہے کہ سونے کے مالکوں پر بغیر کسی کمی بیشی کے ہزار دینار متعین کیے گئے ہیں' خواہ اونٹ کی قیمت ارزانی اور گرانی کی وجہ سے کہیں پہنچ جائے' یا یہ دیت کی قیمت کا اندازہ اور تخمینہ ہے اور دیت میں اصل اونٹ ہی ہیں کہ اونٹ کی قیمت میں ارزانی اور گرانی کے مطابق سونے کی مقدار میں کمی بیشی کی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر محققین نے دوسری رائے کو اختیار کیا ہے اور دلیل کے اعتبار سے انھی کی رائے قابل ترجیح ہے۔ تفصیل ''مطولات'' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ اس میں مذکور دیات دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہیں' نیز بعض محققین نے دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر اسے حسن قرار دیا ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۱۱/۴۰۲-۴۰۶)

راویٔ حدیث: [حضرت ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ] بن عمرو بن حزم انصاری نجاری مدنی قاضی۔ ان کا نام اور کنیت ایک ہی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی کنیت ابومحمد ہے' ثقہ ہیں' عبادت گزار ہیں' کتب ستہ کے راوی ہیں اور پانچویں طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی اہلیہ نے کہا تھا کہ عرصۂ چالیس سال سے رات کو بستر پر نہیں لیٹے۔ ابن معین نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابن سعد کے قول کے مطابق ۱۲۰ ہجری میں وفات پائی۔

(۱۰۱۰) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى [1010] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ

۱۰۱۰۔ [إسناده ضعيف] أخرجه الدارقطني: ۳/ ۱۷۲، وأبوداود، الديات، حديث: ٤٥٤٥، والترمذي، الديات، حديث: ١٣٨٦، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٠٦، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٣١، وابن أبي شيبة: ٩/ ١٣٤. * حجاج بن أرطاة ضعيف ومدلس وعنعن، وحديث: "الدية ثلاثون حقة" أخرجه أبوداود، الديات، حديث: ٤٥٤١، والترمذي، الديات، حديث: ١٣٨٧، وقال: "حسن غريب" وسنده حسن.

عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ. قَالَ: «دِيَةُ الْخَطَإِ أَخْمَاسًا: عِشْرُونَ حِقَّةً، وَعِشْرُونَ جَذَعَةً، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ مَخَاضٍ، وَعِشْرُونَ بَنَاتِ لَبُونٍ، وَعِشْرُونَ بَنِي لَبُونٍ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ. وَأَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ بِلَفْظِ: «وَعِشْرُونَ بَنِي مَخَاضٍ» بَدَلَ «بَنِي لَبُونٍ»، وَإِسْنَادُ الْأَوَّلِ أَقْوَى، وَأَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ مَوْقُوفًا، وَهُوَ أَصَحُّ مِنَ الْمَرْفُوعِ.

سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ’’قتل خطا کی دیت پانچ حصوں میں ہوگی: بیس حقے‘ بیس جذعے‘ بیس بنات مخاض‘ بیس بنات لبون اور بیس بنی لبون۔‘‘ (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔) اور چاروں نے ’’بنی لبون‘‘ کی بجائے ’’بیس بنی مخاض‘‘ کے الفاظ سے اسے ذکر کیا ہے‘ جبکہ پہلی سند زیادہ قوی ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے ایک اور طریق سے اسے موقوفاً روایت کیا ہے اور وہ مرفوع کی نسبت زیادہ صحیح ہے۔

وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ مِنْ طَرِيقِ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ: «اَلدِّيَةُ ثَلَاثُونَ حِقَّةً، وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً، وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً، فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا».

اور ابوداود اور ترمذی نے اسے عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے: ’’دیت میں تیس حقے‘ تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں‘ جن کے پیٹوں میں بچے ہوں‘ (وصول کیے جائیں گے۔)‘‘

لغوی تشریح: [دِيَةُ الْخَطَأ أَخْمَاسًا] یعنی قتل خطا کی دیت پانچ حصوں میں واجب ہے‘ یا یہ معنی ہیں کہ پانچ حصوں میں وصول کی جائے گی۔ أَخْمَاس، خُمُس کی جمع ہے۔ خُمُس کے ’’خا‘‘ اور ’’میم‘‘ دونوں پر ضمہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیت کی وصولی کو پانچ اجزاء پر تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر جز ایک خاص نوعیت کے اونٹوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اس کی تفصیل یوں ہے۔ [عِشْرُونَ حِقَّةً ..... الخ] حقة کے ’’حا‘‘ کے نیچے کسرہ اور ’’قاف‘‘ مشدد ہے۔ اس سے مراد وہ اونٹ ہے جو عمر کے چوتھے سال میں قدم رکھ چکا ہو۔ اور [جَذَعَة] ’’جیم‘‘ اور ’’ذال‘‘ دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ ایسے اونٹ کو کہتے ہیں جو عمر کے پانچویں سال میں داخل ہو چکا ہو۔ اور بِنْتِ مَخَاض وہ اونٹنی ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ اور بِنْتِ لَبُون وہ اونٹنی ہے جو تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ [وَإِسْنَادُ الْأَوَّلِ] سے سنن دارقطنی کی سند مراد ہے۔ [أَقْوٰی] اس سند سے زیادہ قوی ہے جسے چاروں نے نقل کیا ہے کیونکہ ان کی بیان کردہ سند میں خشف بن مالک ایسا راوی ہے جو مجہول ہے‘ نیز اس میں حجاج بن ارطاۃ مدلس اور ناقابل حجت راوی ہے۔ اور عمرو بن شعیب کی حدیث کے آخر میں رسول اللہ ﷺ کا جو ارشاد گرامی [أَرْبَعُونَ خَلِفَةً] ’’خا‘‘ کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ تو اس سے مراد حاملہ اونٹنی ہے۔ یہ معلوم رہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دیت میں ادا کیے جانے والے اونٹوں کی عمر کے تعین میں اصل ہے۔ ائمۂ اربعہ نے اسی کو لیا ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ قتل خطا کی دیت پانچ حصوں میں وصول کی جائے گی‘ البتہ انھوں نے پانچویں حصے کے تعین میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پانچویں حصے میں بنو مخاض لیے جائیں گے جبکہ باقی ائمہ نے کہا ہے کہ ’’بنولبون‘‘ وصول کیے جائیں گے اور جیسا کہ آپ جان چکے ہیں کہ دارقطنی کی سند قوی تر ہے اور اس میں بنولبون کا ذکر ہے‘ لہٰذا وہی قابل ترجیح ہے۔ رہی عمرو بن شعیب کی وہ حدیث جو اس بات پر

دلالت کرتی ہے کہ دیت کی وصولی تین حصوں میں کی جائے گی تو وہ دراصل قتل عمد کی دیت کے متعلق ہے جبکہ مقتول کا ولی قصاص کی بجائے دیت وصول کرنے پر رضامند ہو جائے۔ معلوم رہنا چاہیے کہ قتل کی تین انواع ہیں: قتل عمد، قتل خطا اور قتل شبہ عمد۔ شبہ عمد سے مراد یہ ہے کہ ایسے آلے سے قتل کیا جائے کہ جس سے عموماً قتل کا امکان نہ ہو، جیسے لاٹھی، کوڑا وغیرہ اور قتل کرنے والے کا ارادہ محض مارنے پیٹنے کا ہو قتل کا نہیں، چنانچہ قتل عمد میں قصاص واجب ہے اور قتل خطا میں یہی دیت ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر کی گئی ہے اور قتل شبہ عمد میں دیت مغلظ ہے۔

(١٠١١) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ أَعْتَى النَّاسِ عَلَى اللهِ ثَلَاثَةٌ: مَنْ قَتَلَ فِي حَرَمِ اللهِ، أَوْ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ، أَوْ قَتَلَ لِذَحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي حَدِيثٍ صَحَّحَهُ.

[1011] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ سرکشی کرنے والے لوگ تین قسم کے ہیں: (ایک وہ) جو اللہ کے حرم میں قتل کرے، (دوسرا وہ) جو اپنے غیر قاتل کو قتل کرے اور (تیسرا وہ) جو جاہلیت کی عداوت کی بنا پر قتل کرے۔“ (ابن حبان نے اسے ایک (طویل) حدیث کے ضمن میں بیان کیا ہے جسے انھوں نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَعْتَى النَّاسِ] أَعْتٰی، عُتُوٌّ سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی تکبر اور سرکشی کے ہیں، چنانچہ [أَعْتَى النَّاسِ] کے معنی یہ ہوئے کہ وہ آدمی جو سب سے زیادہ سرکش اور طغیانی و تمرد میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔ [لِذَحْلِ الْجَاهِلِيَّةِ] یعنی دور جاہلیت میں کیے گئے جرم کا انتقام اور بدلہ لینا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی سرکشی کرنے والے تین قسم کے آدمیوں کا ذکر ہے۔ ان میں ایک وہ بدنصیب ہے جو بلد امین، یعنی مکہ مکرمہ میں قتل ناحق کرتا ہے۔ قتل کرنا ویسے ہی بہت بڑا جرم ہے مگر حرمین شریفین میں قتل کرنا سنگین ترین جرم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقام اور جگہ کے لحاظ سے جرم کی سنگینی میں فرق واقع ہو جاتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: جو شخص حرم میں قتل خطا کا مرتکب ہو اس پر دیت سخت رکھی جائے۔ ② دوسرا وہ شخص ہے جو اصل قاتل کے سوا بدلے میں کسی اور کو قتل کرتا ہے۔ قاتل سے بدلہ لینا حکومت کی ذمہ داری ہے مگر جو شخص جوش انتقام میں قاتل کے کسی رشتے دار کو قتل کرتا ہے، وہ دہرے جرم کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔ ③ اور تیسرا وہ شخص ہے جو زمانۂ جاہلیت کا بدلہ کسی مسلمان سے لیتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہائی سرکش ہے۔

(١٠١٢) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ

[1012] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے

١٠١١ـ [حسن] أخرجه ابن حبان (الموارد)، حديث: ١٦٩٩، وللحديث شواهد عند البخاري، الديات، حديث: ٦٨٨٢، (من حديث ابن عباس) وغيره.

١٠١٢ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، الديات، باب في دية الخطأ شبه العمد، حديث: ٤٥٤٧، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٧٩٥، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٢٧، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٦٠١، ٦٠٢، حديث: ٥٩٧٩.

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَلَا إِنَّ دِيَةَ الْخَطَإِ وَشِبْهِ الْعَمْدِ، مَا كَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا، مِائَةٌ مِنَ الْإِبِلِ، مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قتل خطا، یعنی شبہ عمد، جو کوڑے اور لاٹھی سے ہو، کی دیت سو اونٹ ہے۔ ان میں چالیس اونٹنیاں ایسی ہوں گی جن کے پیٹوں میں ان کے بچے ہوں۔'' (اسے ابوداود، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا ہے، نیز ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [مِنْهَا أَرْبَعُونَ فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا] ان میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی اور باقی ساٹھ میں سے تیس حِقّے، یعنی تیس تین سالہ اونٹ یا اونٹنیاں اور تیس جذعے، یعنی چار سالہ اونٹ یا اونٹنیاں جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔

(١٠١٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: «هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ، يَعْنِي الْخِنْصَرَ وَالْإِبْهَامَ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1013] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ اور یہ، یعنی چھنگلی اور انگوٹھا برابر ہیں۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

وَلِأَبِي دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ: «[دِيَةُ] الْأَصَابِعِ سَوَاءٌ، وَالْأَسْنَانُ سَوَاءٌ، اَلثَّنِيَّةُ وَالضِّرْسُ سَوَاءٌ».

ابوداود اور ترمذی کی روایت میں ہے: ''سب انگلیوں کی دیت برابر ہے، سارے دانت برابر ہیں اور ثنیہ (سامنے والا دانت) اور ڈاڑھ برابر ہیں۔''

وَلِابْنِ حِبَّانَ: «دِيَةُ أَصَابِعِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ سَوَاءٌ، عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ لِكُلِّ إِصْبَعٍ».

اور ابن حبان کی روایت میں ہے: ''ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کی دیت برابر ہے، یعنی ہر انگلی کے بدلے میں دس اونٹ۔''

لغوی تشریح: [هٰذِهِ وَهٰذِهِ سَوَاءٌ] یہ اور یہ برابر ہیں، یعنی دیت میں چھوٹی بڑی سب انگلیاں برابر ہیں۔ [اَلضِّرْسُ] ضِرس کے ''ضاد'' کے نیچے کسرہ اور ''را'' ساکن ہے۔ اس کی جمع ''أَضْرَاس'' ہے۔ یہ پانچ یا چار ڈاڑھیں ہوتی ہیں جو منہ کے دونوں اطراف میں اوپر نیچے جبڑے کے آخری حصے میں ہوتی ہیں جن سے کھانا چبایا جاتا ہے۔

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دیت نفع کی مقدار کے حساب سے نہیں ہوتی۔ انگوٹھا چھنگلی سے زیادہ سودمند اور نفع بخش ہوتا ہے بلکہ وہ تو تمام انگلیوں سے زیادہ نفع بخش ہوتا ہے اور اسی طرح ڈاڑھیں دوسرے دانتوں کے مقابلے میں زیادہ سودمند اور نفع بخش ہوتی ہیں اس کے باوجود دیت میں یہ سب برابر ہیں اور ہر ایک کی دیت دس اونٹ ہے۔

١٠١٣ـ أخرجه البخاري، الديات، باب دية الأصابع، حديث:٦٨٩٥، وأبوداود، الديات، حديث:٤٥٥٩، والترمذي، الديات، حديث:١٣٩٢، وابن حبان (الإحسان):٧/٦٠٢، حديث:٥٩٨٠.

(١٠١٤) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، رَفَعَهُ، قَالَ: «مَنْ تَطَبَّبَ، وَلَمْ يَكُنْ بِالطِّبِّ مَعْرُوفًا، فَأَصَابَ نَفْسًا فَمَا دُونَهَا، فَهُوَ ضَامِنٌ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ وَغَيْرِهِمَا، إِلَّا أَنَّ مَنْ أَرْسَلَهُ أَقْوَى مِمَّنْ وَصَلَهُ.

[1014] حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما) سے روایت کیا ہے' وہ مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے علاج کیا' حالانکہ وہ طب میں معروف نہیں ہے' پس کسی جان کو ہلاک کر ڈالا یا کوئی اور نقصان کر دیا تو وہ ذمہ دار ٹھہرے گا۔'' (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابوداود اور نسائی وغیرہ کے ہاں بھی یہ روایت منقول ہے مگر جس نے اس روایت کو مرسل بیان کیا ہے وہ ان راویوں سے زیادہ قوی ہے جنھوں نے اسے موصول بیان کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ تَطَبَّبَ] جس نے طب کا استعمال کیا اور مریض کا علاج کیا۔ [فَأَصَابَ نَفْسًا فَمَا دُونَهَا] غلط علاج سے مریض کی جان ضائع کر دی یا جسم کا کوئی حصہ تلف کر دیا۔ [فَهُوَ ضَامِنٌ] تو وہ اس کا ذمہ دار ہے اور اس پر دیت واجب ہے جو اس کے عاقلہ یعنی عصبہ کے ذمے واجب الادا ہوگی۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے شواہد کی بنا پر اسے حسن قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اس کی بابت لکھتے ہیں کہ مذکورہ روایت مجموعی طرق سے حسن درجے کی بن جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم:٦٣٥) ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص صحیح معنوں میں طبیب نہیں مگر وہ کسی کو دوائی دیتا ہے اور اس سے جانی نقصان ہو جاتا ہے یا اعضائے بدن میں سے کوئی عضو ناکارہ ہو جاتا ہے تو اس پر اس کی دیت واجب ہوگی اور ادائیگی دیت کا بار اس کے عصبہ پر پڑے گا۔ ③ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے (زاد المعاد میں) طبیب حاذق کے لیے بیس باتوں کا خیال ولحاظ رکھنا ضروری قرار دیا ہے' پھر ان کو ایک ایک کر کے بیان کیا ہے۔ ④ ناتجربہ کار اور اناڑی طبیب سے نقصان کی صورت میں اس پر دیت کے واجب ہونے پر تمام ائمہ کا اجماع ہے۔

(١٠١٥) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «فِي الْمَوَاضِحِ خَمْسٌ خَمْسٌ

[1015] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جن زخموں میں ہڈی سے گوشت

١٠١٤ـ [ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٣/ ١٩٦، والحاكم: ٤/ ٢١٢ وصححه، ووافقه الذهبي [وسنده ضعيف] وأبوداود، الديات، حديث: ٤٥٨٦، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٣٤.

١٠١٥ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الديات، باب ديات الأعضاء، حديث: ٤٥٦٦، والترمذي، الديات، حديث: ١٣٩٠، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٥٦، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٥٥، وأحمد: ٢/ ١٧٩، ١٨٩، ٢٠٧، ٢١٥.

مِّنَ الْإِبِلِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ. وَزَادَ أَحْمَدُ: «وَالْأَصَابِعُ سَوَاءٌ كُلُّهُنَّ، عَشْرٌ عَشْرٌ مِنَ الْإِبِلِ». وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ.

ہٹ جائے ان میں پانچ پانچ اونٹ (دیت) ہے۔" (اسے امام احمد رحمہ اللہ اور چاروں نے روایت کیا ہے) اور امام احمد رحمہ اللہ نے یہ اضافہ نقل کیا ہے: "تمام انگلیاں برابر ہیں، یعنی ان کی دیت دس دس اونٹ ہے۔" (اس روایت کو ابن خزیمہ اور ابن جارود نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمَوَاضِحِ] "میم" پر فتحہ ہے اور یہ مُوضِحَةٌ کی جمع ہے، یعنی ایسا زخم جس میں گوشت ہڈی سے علیحدہ ہو جائے۔

فائدہ: لڑائی کے دوران میں چوٹ اور زخم کی صورت میں ہڈی سے گوشت الگ ہو جائے اور ہڈی واضح طور پر کھل جائے مگر ٹوٹنے سے بچ جائے تو ایسی صورت میں شوافع، احناف اور صحابہ کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہی ہے کہ پانچ اونٹ دیت ادا کرنا لازمی ہوگا جبکہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں کوئی ایک انگلی ضائع کر دی جائے تو دیت دس اونٹ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(١٠١٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «عَقْلُ أَهْلِ الذِّمَّةِ نِصْفُ عَقْلِ الْمُسْلِمِينَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ. وَلَفْظُ أَبِي دَاوُدَ: «دِيَةُ الْمُعَاهِدِ نِصْفُ دِيَةِ الْحُرِّ». وَلِلنَّسَائِيِّ: «عَقْلُ الْمَرْأَةِ مِثْلُ عَقْلِ الرَّجُلِ، حَتّٰى يَبْلُغَ الثُّلُثَ مِنْ دِيَتِهَا». وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ.

[1016] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ذمیوں کی دیت مسلمانوں کی دیت سے آدھی ہے۔" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔) اور ابوداود کے الفاظ ہیں: "ذمی کی دیت آزاد کی دیت سے آدھی ہے" اور نسائی کی روایت میں ہے: "عورت کی دیت مرد کی دیت کی مانند ہے یہاں تک کہ وہ اس کی دیت کے تہائی تک پہنچے۔" (اسے ابن خزیمہ نے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [عَقْلُ الْمَرْأَةِ...... الخ] سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کے زخموں کی دیت مرد کے زخموں کی دیت کے برابر ہے تا آنکہ تہائی تک پہنچ جائے، یعنی عورت کی دیت ایک تہائی تک مرد کی دیت کے برابر ہے۔ اور اگر زخم اس سے زیادہ ہو تو عورت کے زخم کا حکم مرد کے زخم کے حکم کے برعکس ہوگا اور اس صورت میں مرد کے زخم کی دیت سے عورت کے زخم کی دیت نصف ہوگی۔ یہ اس لیے کہ عورت کی دیت مرد کے مقابلے میں آدھی ہے۔ اس پر اجماع ہے، اس لیے عورت کے زخم کی دیت کو مرد (کے زخم) کی کامل دیت سے نصف پر محمول کیا جائے گا۔ جمہور فقہاء، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی رائے یہی ہے۔ اور فقہائے مدینہ اور جمہور اہل مدینہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ (سبل السلام۔ ملخصًا)

١٠١٦ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الديات، باب في دية الذمي، حديث: ٤٥٨٣، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٠٩، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٤٤، والترمذي، الديات، حديث: ١٤١٣، وأحمد: ٢/ ١٨٠، ٢١٥، وابن خزيمة.

 **فوائد ومسائل:** ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے آدھی ہے۔ ذمی اس کافر کو کہتے ہیں جو کسی معاہدے کی بنا پر یا جزیہ دے کر اسلامی ریاست میں بطور رعایا سکونت پذیر ہو۔ ② عورت کی دیت زخموں میں مرد کی دیت کے برابر ہے بشرطیکہ اس زخم کی دیت مرد کی پوری دیت کے ثلث (تہائی) سے اوپر نہ ہو اگر ثلث سے اوپر ہوگی تو مرد کی دیت سے نصف رہ جائے گی۔ اسے ایک مثال سے سمجھیے کہ ایک خاتون کی تین انگلیاں کٹ گئیں' ان کی دیت دس اونٹ فی انگلی کے حساب سے تیس اونٹ ہوگی اور یہاں تک وہ دیت میں مرد کے برابر ہوگی لیکن جب اس خاتون کی چار انگلیاں کٹ جائیں اور مرد کی بھی چار کٹ جائیں تو مرد کی دیت چالیس اونٹ ہوگی اور عورت کی دیت بیس اونٹ کیونکہ چالیس' سو کے ثلث (تہائی) سے اوپر ہے' اس لیے عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رہ جائے گی۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے مگر احناف اور شوافع قتل اور زخم ہر دو صورتوں میں عورت کی آدھی دیت ہی کے قائل ہیں۔

(١٠١٧) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «عَقْلُ شِبْهِ الْعَمْدِ مُغَلَّظٌ، مِثْلُ عَقْلِ الْعَمْدِ، وَلَا يُقْتَلُ صَاحِبُهُ، وَذٰلِكَ أَنْ يَنْزُوَ الشَّيْطَانُ فَتَكُونَ دِمَاءٌ بَيْنَ النَّاسِ فِي غَيْرِ ضَغِينَةٍ، وَلَا حَمْلِ سِلَاحٍ». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَضَعَّفَهُ.

[1017] انھی (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قتل شبہ عمد کی دیت قتل عمد کی طرح مغلظ ہے۔ لیکن (شبہ عمد کے) قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ وہ (شبہ عمد) یوں ہے کہ (لوگوں میں) شیطان کود پڑتا ہے (اور انھیں قتل و قتال پر آمادہ اور برانگیختہ کرتا ہے) جس کے نتیجے میں بغیر کسی عداوت اور ہتھیار اٹھانے کے خون خرابا ہو جاتا ہے۔" (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مُغَلَّظٌ] دیت مغلظ' یعنی پوری دیت سو اونٹ، جن میں سے چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ [يَنْزُوَ الشَّيْطَانُ] يَنْزُو نَزْو سے ماخوذ ہے اور یہ باب نَصَرَ يَنْصُرُ ہے' یعنی شیطان لوگوں کے درمیان کود پڑتا ہے اور انھیں لڑائی اور قتل و قتال پر آمادہ اور برانگیختہ کرتا ہے۔ [ضَغِينَةٍ] کینہ' بغض' عداوت۔

(١٠١٨) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَتَلَ رَجُلٌ رَجُلًا عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ دِيَتَهُ اثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا. رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَرَجَّحَ النَّسَائِيُّ وَأَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ.

[1018] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو قتل کر دیا تو نبی ﷺ نے اس کی دیت بارہ ہزار (درہم) مقرر فرمائی۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔ اور نسائی اور ابوحاتم نے اس روایت کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

١٠١٧_ [حسن] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٩٥، وأبوداود، الديات، حديث: ٤٥٦٥، ومسند أحمد: ٢/ ٢١٧.

١٠١٨_ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الديات، باب الدية كم هي، حديث: ٤٥٤٦، والترمذي، الديات، حديث: ١٣٨٨، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٠٧، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٢٩.

لغوی تشریح: [اِثْنَيْ عَشَرَ أَلْفًا] بارہ ہزار سے مراد بارہ ہزار درہم ہیں جن کا وزن تقریباً چوالیس (۴۴) کلوگرام بنتا ہے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ دیت میں اصل تو اونٹ ہی ہیں' سونا یا چاندی اس کے متبادل ہے'اس لیے اونٹوں کے نرخ میں کمی بیشی کی وجہ سے سونے اور چاندی کے وزن میں بھی کمی وبیشی ہوگی۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کے پاس اونٹ نہ ہوں تو دیت نقدی کی صورت میں بھی دی جا سکتی ہے' وہ مروج سکہ خواہ دینار ہو یا درہم ہو یا نوٹ وغیرہ۔ اور نقدی اونٹوں کی قیمت کے بقدر ہوگی۔

(١٠١٩) وَعَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، وَمَعِي ابْنِي، فَقَالَ: «مَنْ هٰذَا؟» فَقُلْتُ: ابْنِي، وَأَشْهَدُ بِهِ. فَقَالَ: «أَمَا إِنَّهُ لَا يَجْنِي عَلَيْكَ. وَلَا تَجْنِي عَلَيْهِ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَأَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ.

[1019] حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرا بیٹا ہے۔ میں (کھلم کھلا) اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''بے شک تو اس کے جرم کا ذمہ دار نہیں اور نہ یہ تیرے جرم کا ذمہ دار ہے۔'' (اسے نسائی اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور ابن جارود نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَأَشْهَدُ بِهِ] أَشْهَدُ میں احتمال ہے کہ یہ صیغۂ امر ہو جس کے معنی یوں ہوں گے: آپ گواہ رہیں کہ یہ میرا حقیقی بیٹا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ متکلم کا صیغہ ہو اور ابورمثہ رضی اللہ عنہ بالیقین یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اور اس سے ان کا مقصود یہ ہو کہ میرا بیٹا میرے جرائم کا ذمہ دار ہے کیونکہ دور جاہلیت میں باپ کی جگہ بیٹے کو اور بیٹے کی جگہ باپ کو جرم کا ذمہ دار اور قابل مؤاخذہ سمجھا جاتا تھا' اس لیے نبی ﷺ نے ان کے اس نظریے اور خیال کی تردید میں فرمایا: ''وہ تیرے جرائم کا ذمہ دار نہیں اور تو اس کے جرائم کا جواب دہ نہیں۔'' یعنی اگر جرم کا ارتکاب وصدور اس سے ہوگا تو اس کی پاداش میں تیرا مؤاخذہ نہیں ہوگا' اور اس کی ذمہ داری تیرے سر نہیں ہوگی۔ اور اسی طرح اس کے برعکس ہے کہ اگر تو مرتکب جرم ہوگا تو اس ارتکاب جرم کا بار تجھ ہی پر پڑے گا۔ تیرے جرم کی باز پرس اس سے نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ کا یہ حکم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مفہوم ادا کرتا ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (بني إسرآئيل ١٧:١٥) یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا ہوگا۔ جو کرے گا سو بھرے گا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قصاص اور عتاب میں مجرم کے بدلے میں کسی اور کو نہیں پکڑا جائے گا حتیٰ کہ باپ کے بدلے میں بیٹے سے اور بیٹے کے بدلے میں باپ سے مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ اگر کہا جائے کہ شریعت نے قتل خطا اور قسامت کی صورت میں دیت کا بار عصبہ پر کیوں ڈالا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بوجھ نہیں بلکہ یہ باہمی تعاون وامداد

١٠١٩ـ [صحيح] أخرجه النسائي، القسامة، باب هل يؤخذ أحد بجريرة غيره، حديث: ٤٨٣٦، وأبوداود، الديات، حديث: ٤٤٩٥، وابن خزيمة، وابن الجارود.

ہے جو بھائی چارے اور برادری کی بنیاد پر بہ تقاضائے طبیعت بوقت ضرورت کی جاتی ہے اور برادری کے افراد بخوشی ادا کرتے ہیں کیونکہ ہر ایک اپنے قریبی عزیز کی غمگساری میں برضا و رغبت شریک ہونا فخر سمجھتا ہے اور انسانی تمدن اور معاشرت اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ آج اگر کسی پر افتاد پڑ گئی ہے تو اس کا سہارا بنے' کل وہ بھی اس میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابو رِمثہ رضی اللہ عنہ] ایک قول کے مطابق ان کا نام حبیب بن حیان ہے۔ اور ایک دوسرے قول کے مطابق رفاعہ بن یثربی یا عمارہ بن یثربی ہے۔ بلوی تھے یا بنوتیم الرباب سے ہونے کی وجہ سے تیمی معروف تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ امرئ القیس بن زید مناۃ بن تمیم کی اولاد سے ہونے کی وجہ سے تمیمی ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان کا شمار اہل کوفہ میں ہوتا ہے۔ اور لفظ رِمثہ میں ''را'' کے نیچے کسرہ اور ''میم'' ساکن ہے۔

٢ - بَابُ دَعْوَى الدَّمِ وَالْقَسَامَةِ

(١٠٢٠) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ، عَنْ رِجَالٍ مِّنْ كُبَرَاءِ قَوْمِهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةَ بْنَ مَسْعُودٍ خَرَجَا إِلٰى خَيْبَرَ، مِنْ جَهْدٍ أَصَابَهُمْ، فَأُتِيَ مُحَيِّصَةُ، فَأُخْبِرَ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَهْلٍ قَدْ قُتِلَ، وَطُرِحَ فِي عَيْنٍ، فَأَتٰى يَهُودَ، فَقَالَ: أَنْتُمْ وَاللهِ قَتَلْتُمُوهُ، قَالُوا: وَاللهِ مَاقَتَلْنَاهُ، فَأَقْبَلَ هُوَ وَأَخُوهُ حُوَيِّصَةُ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ سَهْلٍ، فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَبِّرْ كَبِّرْ». يُرِيدُ السِّنَّ. فَتَكَلَّمَ حُوَيِّصَةُ، ثُمَّ تَكَلَّمَ مُحَيِّصَةُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**إِمَّا أَنْ يَدُوا صَاحِبَكُمْ، وَإِمَّا أَنْ يَأْذَنُوا بِحَرْبٍ**». فَكَتَبَ إِلَيْهِمْ فِي ذٰلِكَ كِتَابًا، فَكَتَبُوا: إِنَّا وَاللهِ مَا قَتَلْنَاهُ، فَقَالَ لِحُوَيِّصَةَ، وَمُحَيِّصَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَهْلٍ: «**أَتَحْلِفُونَ، وَتَسْتَحِقُّونَ دَمَ صَاحِبِكُمْ؟**»

باب: 2- دعوائے خون اور قسامت کا بیان

[1020] حضرت سہل بن ابو حثمہ اپنی قوم کے بعض بزرگوں سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سہل اور حضرت مُحَیِّصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اپنی تنگ دستی کی وجہ سے خیبر کی طرف نکلے' چنانچہ حضرت مُحَیِّصہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی گئی کہ عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا ہے اور اسے ایک چشمے میں پھینک دیا گیا ہے۔ مُحَیِّصہ رضی اللہ عنہ یہودیوں کے پاس آئے اور کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اسے قتل کیا ہے۔ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ پھر محیصہ اور ان کا بھائی حُوَیِّصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہم تینوں (رسول اللہ ﷺ کے پاس) آئے اور مُحَیِّصہ نے گفتگو کرنی چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بڑے کو بات کرنے دو اور اس کے حق کا لحاظ کرو۔'' آپ کی مراد تھی کہ جو تم میں عمر میں بڑا ہے وہ بات کرے' چنانچہ حویصہ رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی' پھر محیصہ نے بات کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوگ یا تو تمھارے صاحب اور ساتھی کی دیت ادا کریں گے یا اعلانِ جنگ کریں گے۔'' پھر اس سلسلے میں آپ نے

١٠٢٠ـ أخرجه البخاري، الأحكام، باب كتاب الحاكم إلى عماله والقاضي إلى أمنائه، حديث: ٧١٩٢، ومسلم، القسامة والمحاربين ......، باب القسامة، حديث: ١٦٦٩.

قَالُوا: لَا، قَالَ: «فَيَحْلِفُ لَكُمْ يَهُودُ». قَالُوا: لَيْسُوا مُسْلِمِينَ، فَوَدَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ، فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مِائَةَ نَاقَةٍ، قَالَ سَهْلٌ: فَلَقَدْ رَكَضَتْنِي مِنْهَا نَاقَةٌ حَمْرَاءُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ان کے نام ایک خط تحریر فرمایا جس کے جواب میں انھوں نے لکھا: اللہ کی قسم! ہم نے اسے قتل نہیں کیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے حُوَیِّصہ' مُحَیِّصہ اور عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''کیا تم لوگ قسم کھا کر اپنے صاحب کے خون کے حق دار ہو گے؟'' انھوں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: ''تو پھر تم کو یہودی قسم دیں؟'' انھوں نے کہا کہ وہ تو مسلمان نہیں ہیں (اس لیے ان کی قسم کا کوئی اعتبار نہیں۔) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس (عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ) کی دیت اپنے پاس (بیت المال) سے دی اور ان کی طرف سو اونٹنیاں بھیج دیں۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان میں سے ایک سرخ رنگ کی اونٹنی نے مجھے لات ماری تھی۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ دَعْوَى الدَّمِ وَالْقَسَامَةِ] قَسَامَة کے ''قاف'' پر فتحہ ہے اور ''سین'' بغیر تشدید کے ہے۔ اور یہ أَقْسَمَ کا مصدر ہے اور قَسَامَه سے مراد یہاں قسمیں ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک تو اس سے مراد ''قسمیں'' ہیں لیکن اہل لغت کے نزدیک اس سے مراد ''قسمیں اٹھانے والے'' ہیں۔ اور ''قَسَامَه'' کی صورت یوں ہوتی ہے کہ کوئی مقتول آدمی کسی بستی یا شہر میں پایا جائے اور اس کے قاتل کا علم نہ ہو اور اس کے قتل کا کوئی واضح ثبوت بھی نہ مل سکے۔ لیکن مقتول کے ورثاء اس کے قتل کا الزام کسی آدمی یا جماعت پر لگائیں جبکہ ملزمان کے خلاف کچھ ایسے شواہد ملتے ہوں جن سے غالب گمان کے مطابق مدعی کی سچائی ظاہر ہوتی ہو' مثلاً: مقتول ملزمان کے محلے میں پایا جائے اور مقتول اور ملزمان کے مابین دشمنی وغیرہ بھی ہو تو ایسی صورت میں مقتول کے اولیاء سے ملزمان کے خلاف پچاس قسمیں لی جائیں گی۔ چنانچہ اگر ان لوگوں نے قسمیں کھا لیں تو دیت کے مستحق قرار پائیں گے۔ اگر یہ قتل خطا یا قتل شبہ عمد ہو گا۔ اور اگر قتل عمد ہوا تو امام مالک' قدیم قول کے مطابق امام شافعی' امام احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کے نزدیک وہ قصاص کے مستحق ہوں گے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے صحیح ترین قول کے مطابق قتل عمد میں بھی وہ دیت لینے کے مستحق ہوں گے اور اگر مقتول کے اولیاء اعراض کریں اور قسم کھانے سے گریز کریں تو پھر جن پر انھوں نے دعویٰ دائر کیا ہے انھیں قسمیں کھانے کا حکم دیا جائے کہ وہ اس بات کی قسمیں کھائیں کہ انھوں نے قتل نہیں کیا اور نہ انھیں علم ہے کہ اس کا قاتل کون ہے؟ چنانچہ اگر انھوں نے قسمیں کھا لیں تو وہ بری قرار پائیں گے' ان پر کوئی چیز واجب نہیں ہو گی۔ اور اگر انھوں نے قسمیں کھانے سے گریز کر لیا اور منہ پھیر لیا تو ان پر دیت لازم کر دی جائے گی۔ [مِنْ جَهْدٍ] جَهْد کے ''جیم'' پر فتحہ اور ضمہ دونوں درست ہیں' یعنی مشقت کی بنا پر اور تنگ دستی' گزران کی وجہ سے۔ [فَأُتِيَ مُحَيِّصَةُ فَأُخْبِرَ] اس جملے میں أُتِيَ اور أُخْبِرَ دونوں فعل صیغۂ مجہول ہیں۔ [قَدْ قُتِلَ وَطُرِحَ] دونوں صیغۂ مجہول ہیں۔ طُرِحَ کے معنی ڈال دیا گیا' پھینک دیا گیا۔ [فَأَقْبَلَ] یعنی وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ [فَذَهَبَ مُحَيِّصَةُ لِيَتَكَلَّمَ] محیصہ نے گفتگو کرنی چاہی۔ انھوں نے جلدی سے

گفتگو صرف اس لیے کرنے کا ارادہ کیا کہ وہ اس واقعۂ قتل میں حاضر تھے لیکن اپنے بھائی حویصہ سے عمر میں چھوٹے تھے۔ [کَبِّرْ کَبِّرْ] تکبیر سے صیغۂ امر ہے یعنی بڑے کو آگے بڑھاؤ اور بڑے کے حق کا لحاظ رکھو کہ وہ تم سے پہلے بات کرے۔ [یُرِیدُ السِّنَّ] یہ کلام مدرج ہے اور کَبِّر کی تفسیر ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو عمر میں بڑا ہے اسے بات کرنی چاہیے۔ [إِمَّا أَنْ یَدُوا صَاحِبَکُمْ] یعنی تمھارے مقتول بھائی کی دیت دیں گے۔ یَدُوا میں فاعل کی ضمیر یہود کی جانب راجع ہے اور اس میں ''یا'' پر فتحہ اور ''دال'' پر ضمہ ہے۔ اور وَدٰی یَدِي دِیَةً، باب ضَرَبَ یَضْرِبُ سے مضارع کا صیغہ ہے۔ [وَ إِمَّا أَنْ یُّؤْذَنُوا] یا پھر وہ اعلان کر دیں گے۔ [بِحَرْبٍ] اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا۔ [فَکَتَبَ إِلَیْهِمْ] رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف نوشتہ تحریر فرمایا۔ [فَیَحْلِفُ لَکُمْ یَھُودُ] چنانچہ یہود اپنے خلاف تمھارے دعوے کو قسم کھا کر باطل کر دیں گے۔ [لَیْسُوا مُسْلِمِینَ] وہ تو مسلمان ہی نہیں' لہٰذا ہم ان کی قسموں پر راضی نہیں ہوں گے۔ [فَوَدَاهُ] چنانچہ آپ نے خود اس کی دیت ادا فرما دی۔ [رَکَضَتْنِي] اونٹنی نے مجھے لات ماری۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے قسامت کا ثبوت ملتا ہے۔ ② قسامت یہ ہے کہ قاتل کا کسی طرح پتہ نہ چلنے کی وجہ سے مشتبہ اشخاص سے قسم لی جائے کہ انھوں نے قتل نہیں کیا اور انھیں اس کے قاتل کا علم بھی نہیں۔ ③ یہ طریقہ دور جاہلیت میں بھی تھا' اسلام نے اسے جائز رکھا۔ ④ اس میں پچاس آدمیوں کی قسمیہ شہادت ہوتی ہے کہ ہم نے یا ہمارے قبیلے نے یا ہمارے گاؤں کے لوگوں نے اسے قتل نہیں کیا۔ ⑤ معلوم رہے کہ یہ قسم صرف خون کے مقدمے میں ہوتی ہے' باقی حدود کے مقدمات میں ایسی قسمیہ شہادت قبول نہیں ہوتی۔ ⑥ قسامت میں اگر مقتول کے اولیاء و ورثاء ثبوت پیش کر دیں یا عدم ثبوت کی صورت میں قسم دے دیں کہ ہمارے مقتول کے قاتل یہی ہیں تو مدعا علیہ پر دیت لازم ہو جاتی ہے۔ اگر مدعی ان دونوں باتوں سے قاصر ہوں اور مدعا علیہ یا مدعا علیہم پچاس قسمیں دے دیں تو وہ بری ہو جاتے ہیں۔ ⑦ قسمیں ان حضرات کی تسلیم ہوں گی جن کو مدعی منتخب کرے۔ ⑧ اس حدیث سے یہ اہم مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اجتماعی معاملات کی بابت عمر رسیدہ کو بات پہلے کرنی چاہیے۔ ⑨ قسامت والے معاملے میں پہلے قسم مقتول کے اولیاء کے ذمے ہوگی' اگر وہ گریز اور اعراض کریں تو پھر جن پر دعویٰ دائر کیا گیا ہے وہ قسم کھا لیں گے اور بری ہو جائیں گے اور ان پر کسی قسم کی کوئی چیز عائد نہیں ہوگی اور اگر قسمیں نہیں کھائیں گے تو ان پر دیت لازم ہوگی۔

راویٔ حدیث: [حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ] عبداللہ بن سہل بن زید بن کعب بن عامر انصاری حارثی۔ خیبر میں قتل کیے گئے اور ایک چشمہ میں پائے گئے کہ ان کی گردن توڑ دی گئی تھی۔

[حضرت مُحَیِّصہ رضی اللہ عنہ] ابوسعید محیصہ بن مسعود بن کعب حارثی انصاری مدنی۔ عبداللہ بن سہل مقتول کے چچا زاد بھائی تھے۔ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ احد و خندق کے علاوہ وہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فدک کی طرف بھیجا تھا تاکہ اہل فدک کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں۔

[حضرت حُوَیِّصہ رضی اللہ عنہ] محیصہ کے سگے بڑے بھائی ہیں۔ ۳ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ اُحد اور خندق سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔

[حضرت عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہ] یہ عبداللہ بن سہل کے بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت نافع بن عامر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ بدر و احد اور باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ یہ وہ صاحب تھے جنھیں سانپ نے ڈس لیا تھا۔ حضرت عمارہ بن حزم نے نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق انھیں جھاڑ پھونک کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اصابہ میں اس کی بابت تردد کا اظہار کیا ہے اور اسے بعید تصور کیا ہے۔

(١٠٢١) وَعَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَقَرَّ الْقَسَامَةَ عَلٰى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَقَضٰى بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ نَاسٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فِي قَتِيلٍ ادَّعَوْهُ عَلَى الْيَهُودِ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1021] ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے طریقۂ قسامت کو برقرار رکھا۔ اور آپ نے اسی کے مطابق انصار کے کچھ لوگوں کے درمیان ایک مقتول کے بارے میں فیصلہ کیا جس کا انھوں نے یہودیوں کے خلاف دعویٰ کیا تھا۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمانۂ جاہلیت میں طریقۂ قسامت معتبر تھا' پھر اسی قسامت کو رسول اللہ ﷺ نے برقرار رکھا۔ ② قسامت کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک شخص نے دوسرے کو قتل کر دیا' جب معاملہ سنگین صورت حال اختیار کر گیا تو قاتل نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں نے قتل نہیں کیا۔ اس موقع پر ابوطالب نے کھڑے ہو کر تین باتیں ان کے سامنے رکھیں کہ تینوں میں سے کوئی ایک منتخب کر لو: یا تو ہمیں دیت ادا کر دو' یا پچاس آدمیوں کی قسمیں دے دو' یا ہم تجھے قتل کریں گے۔ ہمارا قاتل تو ہی ہے۔ اس روز سے قتل کے بارے میں قسامت کا رواج جاری ہوا اور آج تک جوں کا توں چلا آ رہا ہے۔ ③ اگر مدعا علیہم قسمیں دے دیں تو بالاتفاق ان پر کوئی دیت نہیں۔ ④ اس معاملے میں شریعت نے کافر کی قسم کو بھی تسلیم کیا ہے۔ ⑤ یہ معلوم رہے کہ صرف مدعی کے کہنے پر قسموں کا آغاز نہیں ہوگا تاوقتیکہ دیگر شبہات اس کی تائید نہ کریں۔ ⑥ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دور جاہلیت کی اچھی چیزوں کو اسلام نے برقرار رکھا ہے۔

٣ - بَابُ قِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ

باب:3- باغی لوگوں سے قتال کرنے کا بیان

(١٠٢٢) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1022] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہمارے خلاف ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ قِتَالِ أَهْلِ الْبَغْيِ] بَغْي کی ''با'' پر فتحہ اور ''غین'' ساکن ہے۔ اس کے معنی ہیں: ظلم' حق

١٠٢١ـ أخرجه مسلم، القسامة، حديث: ١٦٧٠.

١٠٢٢ـ أخرجه البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: "ومن أحياها"، حديث: ٦٨٧٤، ومسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: من حمل علينا السلاح فليس منا، حديث: ٩٨.

وصداقت سے اعراض کرنا۔ اور یہاں اس سے مراد مسلمان امراء اور ان کے خلفاء کے خلاف رعایا کا خروج ہے۔

فوائد ومسائل: ① اسلام مسلمانوں کو باہمی اخوت' محبت اور بھائی چارے سے رہنے کا درس دیتا ہے' ایک دوسرے سے خیر خواہی اور ہمدردی کی تعلیم دیتا ہے اور ایک دوسرے سے تعاون وتناصر کا سبق پڑھاتا ہے۔ ② اس حدیث کی رو سے مسلمان کا مسلمان کے خلاف اسلحہ استعمال کرنا اسلام کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے' اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو آدمی ہم پر ہتھیار اٹھائے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔'' ③ مسلمان کا کام تو امداد باہمی ہے نہ کہ لڑائی کرنا۔ یہ معاملہ مسلمانوں کی باغی جماعت سے ہے۔ ④ جو لوگ معاشرے کا امن وامان غارت کرنے کی سعی کریں' قرآن کی رو سے ان کے ساتھ لڑائی کرنی چاہیے تاوقتیکہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ ''باغی گروہ سے اس وقت تک لڑو جب تک کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے امر الٰہی کی طرف پلٹ نہ آئے۔'' احادیث بھی بکثرت اس کی تائید میں ہیں۔

(١٠٢٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ خَرَجَ عَنِ الطَّاعَةِ، وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ، وَمَاتَ، فَمِيتَتُهُ مِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1023] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس نے (امام کی) اطاعت سے خروج کیا اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو گیا اور اسی حالت میں اس پر موت واقع ہو گئی تو اس کی یہ موت جاہلیت کی موت ہو گی۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ خَرَجَ عَنِ الطَّاعَةِ] یعنی جس نے کسی بھی مملکت یا علاقے کے امیر کی اطاعت یا اس خلیفہ کی اطاعت سے' جس کی خلافت پر سب کا اتفاق ہو' خروج کیا۔ [وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ] اور ان مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دیا جو اس امیر کی اطاعت پر مجتمع اور متفق ہیں۔

فوائد ومسائل: ① اگر کوئی آدمی مسلمانوں کی جماعت سے بعض اختلافات کی وجہ سے الگ ہو جائے' صرف علیحدگی اختیار کی ہو' باغیانہ روش اختیار نہ کی ہو تو اس حدیث کی رو سے اس سے لڑائی نہیں کی جائے گی۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ باغیانہ طرز زندگی پر نکل کھڑا ہو۔ جب وہ ایسی روش پر چلے گا تو اس سے لڑائی کی جائے گی۔ ② امیر کی اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک وہ کسی صریح اور بالکل واضح حکم شریعت کے خلاف حکم نہ دے۔ اور اس کی بیعت توڑنے کی اس وقت تک اجازت نہیں جب تک کہ صریح کفر والحاد کے اختیار کرنے کا حکم نہ دے۔ ③ پابند شرع امیر وخلیفہ کی نافرمانی بغاوت ہے' لہٰذا جو شخص ایسے امیر کی اطاعت سے نکل کر مسلمانوں سے الگ ہو جائے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ ایسی موت کو گمراہی کی موت تو کہہ سکتے ہیں کفر کی موت نہیں۔ ④ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باغی مسلمانوں سے لڑنا جائز ہے۔ مگر یہ لڑنا حکومت کا کام ہے انفرادی طور پر لڑنا تو معاشرے کے امن وامان کو تہ وبالا کرنا ہے جس کی اسلامی حکومت اجازت نہیں دے سکتی۔

١٠٢٣۔ أخرجه مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن .....، حديث: ١٨٤٨.

(١٠٢٤) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «تَقْتُلُ عَمَّارًا الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1024] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [عَمَّارًا] یہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ہیں جو مشہور و معروف صحابی ہیں۔ [اَلْفِئَةُ] ''فا'' کے نیچے کسرہ اور ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں۔

فائدہ: جمہور علماء کی رائے ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو جنگ صفین کے روز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے قتل کیا ہے اور یوں وہ اصحاب معاویہ کو الفئة الباغية کا مصداق قرار دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا برسرِ حق ہونا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی کا صادر ہونا تسلیم کرتے ہیں' یعنی ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ قتال خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا جو عنداللہ مؤاخذے کی بجائے اجر ہی کا مستحق ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو آپس میں لڑانے والا وہی باغیوں کا گروہ تھا جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں باغیوں کا وہ گروہ موجود تھا اور حضرت عمار بن یاسر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے۔ دوران جنگ میں اسی باغی گروہ نے' جو مسلمانوں کو آپس میں الجھا کر ہی رکھنا چاہتا تھا' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو بھی قتل کر دیا' تاہم دلائل کے اعتبار سے جمہور علماء ہی کی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. (تفصیل کے لیے دیکھیے: مجموعة الفتاوی' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ: ۴/۵۲۶-۵۳۷۔ فتح الباری: ۱/۷۰۱' مطبوعہ دارالسلام' تحت حدیث: ۴۴۷)

(١٠٢٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «هَلْ تَدْرِي يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ! كَيْفَ حُكْمُ اللّٰهِ فِيمَنْ بَغٰى مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟» قَالَ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «لَا يُجْهَزُ عَلٰى جَرِيحِهَا، وَلَا يُقْتَلُ أَسِيرُهَا، وَلَا يُطْلَبُ هَارِبُهَا، وَلَا يُقْسَمُ فَيْئُهَا». رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَالْحَاكِمُ، وَصَحَّحَهُ، فَوَهِمَ، لِأَنَّ فِي إِسْنَادِهِ كَوْثَرَ بْنَ حَكِيمٍ، وَهُوَ مَتْرُوكٌ.

[1025] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ام عبد کے بیٹے! کیا تجھے معلوم ہے کہ اس امت کے باغیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہے؟'' انھوں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اس کے زخمیوں پر تشدد نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کے قیدیوں کو قتل کیا جائے گا' اور نہ بھاگنے والے کا پیچھا کیا جائے گا' اور نہ اس کے مال کو غنیمت جان کر تقسیم کیا جائے گا۔'' (اس روایت کو بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے' مگر یہ حاکم کا وہم

١٠٢٤ـ أخرجه مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل . . .، حديث: ٢٩١٦.

١٠٢٥ـ [إسناده ضعيف جدًا] أخرجه البزار (كشف الأستار): ٢/ ٣٥٩، والحاكم: ٢/ ١٥٥، وقال الذهبي: "كوثر بن حكيم متروك" وأثر علي أخرجه ابن أبي شيبة: ١٥/ ٢٨٠، ٢٨١، حديث: ٣٧٨٠٥، وغيره. والبيهقي: ٨/ ١٨١، ١٨٢، والحاكم وهو صحيح.

ہے' اس لیے کہ اس کی سند میں کوثر بن حکیم متروک راوی ہے۔)

وَصَحَّ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مِنْ طُرُقٍ نَحْوُهُ مَوْقُوفًا. أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالْحَاكِمُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اس جیسی روایت کئی طرق سے صحیح ثابت ہے۔ (اسے ابن ابی شیبہ اور حاکم نے بیان کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [يَا ابْنَ أُمِّ عَبْدٍ] ابن ام عبد سے مراد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہ اسی نام سے مشہور تھے۔ گویا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ روایت یا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے یا نبی ﷺ کو یہ حدیث بیان فرماتے سنا ہے۔ (سبل السلام)

[لَا يُجْهَزُ] یہ اور اس کے بعد کے افعال' صیغۂ مجہول ہیں' یعنی زخمی پر تشدد نہیں کیا جائے گا اور نہ اسے قتل کیا جائے گا۔

[وَلَا يُقْسَمُ فَيْئُهَا] باغیوں کے اموال کو غنیمت جانتے ہوئے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔

راویٔ حدیث: [کوثر بن حکیم] عطاء اور مکحول سے روایت کرتا ہے۔ کوفی تھا اور حلب میں رہتا تھا۔ ابن معین کہتے ہیں کہ اس کی کچھ حیثیت نہیں۔ اور امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی روایات باطل ہیں۔ (میزان الاعتدال)

(١٠٢٦) وَعَنْ عَرْفَجَةَ بْنِ شُرَيْحٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ أَتَاكُمْ، وَأَمْرُكُمْ جَمِيعٌ، يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ جَمَاعَتَكُمْ، فَاقْتُلُوهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1026] حضرت عرفجہ بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو شخص تمھارے پاس آئے جبکہ تم سب متفق و متحد ہو اور وہ تمھاری جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتا ہو تو اسے قتل کر دو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب سب مسلمان ایک شخص کو اپنا خلیفہ و حاکم مقرر کر لیں' پھر جو مسلمانوں کے مابین تفریق و تشتت کے لیے سرگرمی دکھلائے اور ان کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کرے' وہ واجب القتل ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عرفجہ بن شُرَیح رضی اللہ عنہ] ''عین'' پر فتحہ' ''فا'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے۔ (اور شُرَیح تصغیر کے ساتھ ہے) بعض نے ان کے باپ کا نام صریح' طریح' شریک یا ذریح وغیرہ بھی ذکر کیا ہے۔ اشجع قبیلے سے ہونے کی وجہ سے اشجعی کہلائے۔ مشہور صحابی ہیں۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔

٤ - بَابُ قِتَالِ الْجَانِي وَقَتْلِ الْمُرْتَدِّ

باب:4- مجرم سے لڑنے اور مرتد کو قتل کرنے کا بیان

(١٠٢٧) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ

[1027] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اپنے مال کی حفاظت کرتا

١٠٢٦ـ أخرجه مسلم، الإمارة، باب حكم من فرق أمر المسلمين وهو مجتمع، حديث: ١٨٥٢.

١٠٢٧ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، السنة، باب في قتال اللصوص، حديث: ٤٧٧٢، والترمذي، الديات، حديث: ١٤١٨، ١٤٢١، والنسائي، تحريم الدم، حديث: ٤٠٩٤، ٤٠٩٥، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٨٠.

قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ». رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔'' (اسے ابوداود' نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ قِتَالِ الْجَانِي ...... الخ] جَانِي' جِنَايَة سے ماخوذ ہے' یعنی جرم۔ اور جَانِي مجرم کو کہتے ہیں۔ [اَلْمُرْتَدّ] مرتد' اسلام سے پھر جانے والے کو کہتے ہیں۔ [دُونَ مَالِهٖ] اس کا مطلب ہے کہ اپنے مال کی حفاظت اور دفاع کرتے ہوئے مارا جائے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو آدمی دوسرے کا مال و متاع سلب کرنے اور چھیننے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے لڑنا جائز ہے۔ ② مال کا مالک اگر اس دفاعی لڑائی میں مارا جائے تو وہ شہید ہے۔ ③ اگر مال کے مالک سے حملہ آور قتل ہو جائے تو اس پر قصاص ہے نہ دیت اور نہ کسی قسم کا گناہ۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر اس سے لڑنے کی اجازت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ ④ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتایئے اگر کوئی آدمی میرا مال حاصل کرنے کے ارادے سے آتا ہے تو......؟ آپ نے فرمایا: ''تم اسے مت دو۔'' اس نے پھر پوچھا: اگر وہ میرے ساتھ لڑائی کرے تو؟ آپ نے فرمایا: ''تم بھی اس سے لڑو۔'' اس نے پھر عرض کیا: اگر وہ مجھے قتل کر دے تو؟ آپ نے فرمایا: ''تم شہید ہو۔'' اس نے پوچھا: اگر میں اسے قتل کر دوں تو؟ آپ نے فرمایا: ''وہ آگ میں داخل ہوگا۔'' (صحیح مسلم' الإیمان' حدیث:١٤٠) یہ روایت تو مالی معاملات کے بارے میں ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے معاملات میں بھی احادیث وارد ہیں۔ ⑤ ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے اہل و عیال' مال و متاع' جان اور اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کر دیا جائے وہ شہید ہے۔

(١٠٢٨) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: قَاتَلَ يَعْلَى بْنُ أُمَيَّةَ رَجُلًا، فَعَضَّ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ، فَانْتَزَعَ يَدَهُ مِنْ فَمِهِ، فَنَزَعَ ثَنِيَّتَهُ، فَاخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «أَيَعَضُّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، كَمَا يَعَضُّ الْفَحْلُ؟ لَا دِيَةَ لَهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[1028] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کی ایک شخص سے لڑائی ہوگئی۔ ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کو دانتوں سے کاٹا تو اس نے اپنا ہاتھ اس کے منہ سے کھینچ کر باہر نکالا' چنانچہ اس کا سامنے کا دانت ٹوٹ کر گر گیا۔ پھر دونوں اپنا جھگڑا نبی ﷺ کی عدالت میں لے گئے تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس طرح کاٹ کھاتا ہے جس طرح اونٹ؟ اس کے لیے کوئی دیت نہیں۔'' (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [فَعَضَّ] عَضَّ يَعَضُّ باب سَمِعَ سے ہے۔ اس نے اپنے دانتوں سے اسے کاٹا۔ [فَنَزَعَ] زور سے

١٠٢٨ـ أخرجه البخاري، الديات، باب إذا عض رجلاً فوقعت ثناياه، حديث: ٦٨٩٢، ومسلم، القسامة، باب الصائل على نفس الإنسان وعضوه، إذا دفعه...، حديث: ١٦٧٣.

ہاتھ کھینچنے کی وجہ سے اس کا سامنے کا دانت جڑ سے اکھڑ گیا۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی شخص کی طرف سے پہنچنے والے نقصان اور ضرر کو دور کرنے کے لیے اگر انسان سے کوئی جرم ہو جائے تو وہ جرم قابل مؤاخذہ نہیں۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

(١٠٢٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ ﷺ: «**لَوْأَنَّ امْرَءًا اطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ إِذْنٍ، فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ، فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ، لَمْ يَكُنْ عَلَيْكَ جُنَاحٌ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِأَحْمَدَ وَالنَّسَائِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ: «**فَلَا دِيَةَ لَهُ وَلَا قِصَاصَ**».

[1029] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی مرد بغیر اجازت کے تیرے گھر جھانکے (نظر ڈالے) اور تو کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔'' (بخاری ومسلم) احمد اور نسائی کی روایت میں یوں ہے' جسے ابن حبان نے صحیح کہا ہے: ''نہ اس کی دیت ہے اور نہ قصاص۔''

لغوی تشریح: [فَحَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ] تو اسے کنکری مارے۔ [فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ] اس کی آنکھ پھوڑ کر تو اسے کانا بنا دے۔

فائدہ: مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اس غلطی کا ارتکاب کرے اور صاحب مکان کنکری مار کر اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اس پر قصاص ہے نہ دیت۔ کیونکہ اس شخص نے دوسرے کی پردہ داری کو نقصان پہنچایا اور صاحب مکان کی خلوت وتنہائی میں دخل اندازی کی ہے۔ ائمۂ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے' البتہ امام مالک رحمہ اللہ اس کی دیت دینے کے قائل ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔

(١٠٣٠) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَضٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّ حِفْظَ الْحَوَائِطِ بِالنَّهَارِ عَلٰى أَهْلِهَا، وَأَنَّ حِفْظَ الْمَاشِيَةِ بِاللَّيْلِ عَلٰى أَهْلِهَا، وَأَنَّ عَلٰى أَهْلِ الْمَاشِيَةِ مَا أَصَابَتْ مَاشِيَتُهُمْ بِاللَّيْلِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، إِلَّا التِّرْمِذِيَّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَفِي إِسْنَادِهِ اخْتِلَافٌ.

[1030] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ دن کے وقت باغوں کی حفاظت ونگرانی مالکان باغ کے ذمے ہے۔ اور رات کے وقت مویشیوں کی حفاظت ونگرانی مالکان مویشی کے ذمے ہے۔ اور رات کے اوقات میں مویشی جس قدر کسی کا نقصان کریں اس کا تاوان مویشیوں کے مالکان پر ہے۔ (اس حدیث کو احمد نے' اور ترمذی کے سوا چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے تاہم اس کی سند میں اختلاف ہے۔)

١٠٢٩ـ أخرجه البخاري، الديات، باب من اطلع في بيت قوم ففقؤوا عينه فلا دية له، حديث: ٦٩٠٢، ومسلم، الأداب، باب تحريم النظر في بيت غيره، حديث: ٢١٥٨، وأحمد: ٢/ ٢٤٣، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨٦٤، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٥٩٧.

١٠٣٠ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، البيوع، باب المواشي تفسد زرع قوم، حديث: ٣٥٧٠، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣٣٢، والنسائي في الكبرٰى، حديث: ٥٧٨٤، وأحمد: ٤/ ٢٩٥، ٥/ ٤٣٦، وابن حبان، الزهري عنعن.

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے شواہد کی بنا پر اسے مرسل صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٣٩/ ٩٧- ٩٩' والصحيحة للألباني' رقم:٢٣٨) ② امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جانور دن کے اوقات میں جو نقصان کریں اس کا کوئی تاوان نہیں' البتہ اگر جانور کے ساتھ سوار ہو یا اسے چلانے والا یا ہانکنے والا کوئی آدمی ہو تو اس صورت میں جمہور علماء بقدر نقصان تاوان بھرنے کے قائل ہیں۔ اور اگر نقصان رات کو کیا ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق بقدر نقصان' تاوان جانوروں کے مالک کے ذمے ادا کرنا ہوگا۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ تاوان اس صورت میں ہوگا جب مویشیوں کے مالک نے ان کی حفاظت میں کوتاہی اور کمی کی ہوگی' بصورت دیگر نہیں۔ (نووی) ③ دن اور رات کے تاوان میں اس لیے فرق کیا گیا ہے کہ بالعموم باغوں کے مالک دن کے اوقات میں خود حفاظت کرتے ہیں اور مویشیوں کے مالک ان کی حفاظت رات کے اوقات میں کرتے ہیں' دن کے وقت زیادہ پروا نہیں کی جاتی' لہٰذا جو شخص اس عمومی اور عرفی عادت کے الٹ کرے تو وہ حفاظت کی راہ ورسم سے خارج ہوگا۔ ④ سبل السلام میں ہے کہ مالکیہ یہ قید لگاتے ہیں کہ جب مویشیوں کو ان کی مقررہ چراگاہوں میں چرنے کے لیے چھوڑا جائے، پھر وہ کوئی نقصان کر دیں تو مالک پر تاوان نہیں اور اگر انھیں کاشت شدہ زمین میں چھوڑا جائے جہاں چراگاہ نہ ہو تو پھر ایسی صورت میں دن ہو یا رات مالکان' نقصان کے ذمہ دار ہوں گے۔

(١٠٣١) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ - فِي رَجُلٍ أَسْلَمَ، ثُمَّ تَهَوَّدَ -: لَا أَجْلِسُ حَتّٰى يُقْتَلَ، قَضَاءُ اللهِ وَرَسُولِهِ، فَأُمِرَ بِهِ فَقُتِلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ: وَكَانَ قَدِ اسْتُتِيبَ قَبْلَ ذٰلِكَ.

[1031] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایسے شخص کے متعلق' جو پہلے اسلام لایا تھا پھر یہودی ہو گیا' مروی ہے کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا فیصلہ ہے۔ پھر اس کے قتل کا حکم دیا اور اسے قتل کر دیا گیا۔ (بخاری ومسلم) اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے: اسے قتل سے پہلے توبہ کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔

لغوی تشریح: [ثُمَّ تَهَوَّدَ] باب تَفَعُّل سے ماضی کا صیغہ ہے' یعنی اسلام سے مرتد ہو کر یہودی بن گیا۔ [لَا أَجْلِسُ] اس حدیث میں دراصل ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کیوں کیا تھا؟ وہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یمن پر عامل (گورنر) بنا کر بھیجا۔ ان کے پیچھے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا۔ جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سواری سے نیچے اترنے کے لیے کہا اور ان کے لیے تکیہ لگایا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کے پاس ایک

١٠٣١- أخرجه البخاري، استتابة المرتدين، باب حكم المرتد والمرتدة واستتابتهم، حديث:٦٩٢٣، ومسلم، الإمارة، باب النهي عن طلب الإمارة والحرص عليها، حديث:١٧٣٣، وأبوداود، الحدود، حديث:٤٣٥٥.

آدمی بندھا ہوا ہے۔ دریافت کیا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ شخص پہلے یہودی تھا' پھر مسلمان ہوا' اب پھر یہودی ہوگیا ہے اور برے دین کی طرف پلٹ گیا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا جب تک اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ اور ابوداود میں ہے کہ میں اپنی سواری سے اس وقت تک نیچے نہیں اتروں گا جب تک اسے قتل نہیں کر دیا جائے گا' پھر اسے قتل کر دیا گیا۔ [قَضَاءُ اللّٰهِ وَ رَسُولِهٖ] کو مرفوع پڑھا جائے تو یہ خبر ہوگی اور اس کا مبتدا هٰذا محذوف ہوگا' یعنی یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے۔ دراصل یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد: [مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ] ''جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو'' کی جانب اشارہ تھا۔ اور نصب بھی جائز ہے۔ اس صورت میں یہ مفعول مطلق ہوگا اور اس کا فعل محذوف ہوگا جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ میں ہے۔ [أُسْتُتِيبَ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی اس سے اسلام کی جانب رجوع کرنے اور پلٹ آنے کا مطالبہ کیا گیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد کو سزائے ارتداد سے پہلے توبہ کا موقع دیا جائے گا اور اسے توبہ کے لیے باقاعدہ کہا جائے گا۔ جمہور علماء کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے مگر بعض دوسرے علماء اور ظاہریہ اسے واجب تسلیم نہیں کرتے۔ ② حدیث: مَنْ بَدَّلَ...... الخ میں لفظ مَنْ عام ہے' یعنی مرتد مرد ہو یا عورت دونوں کو اسلام کی طرف پلٹ آنے کی دعوت دینے کے بعد ان کے انکار پر مصر رہنے کی صورت میں قتل کر دیا جائے گا۔ ③ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی عورت کو اس کے ارتداد کی سزا میں قتل کیا گیا۔ اس وقت کثیر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے' کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مرتد کے قتل پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ ④ اس واقعہ سے درج ذیل مسائل بھی ثابت ہوتے ہیں: ✿ امیر ریاست کو عاملوں (گورنروں) کا تقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔ ✿ ایک وقت میں دو عاملوں کا تقرر بھی جائز ہے۔ ✿ گورنر کا فرض ہے کہ مرتد کو سزائے ارتداد دے اور شرعی حدود نافذ کرے۔ ✿ اپنی تقرری کی جگہ سواری پر جانا ثابت ہے۔ ✿ حاکم کی طرف سے مقرر کردہ گورنر اور وزیر کا احترام بھی کرنا چاہیے۔ ✿ شرعی سزا کے نفاذ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے جبکہ تحقیق و تفتیش کی کارروائی مکمل ہو چکی ہو۔ ✿ مجرم کو جکڑنا جائز ہے۔ ✿ سزا کا اجرا و نفاذ لوگوں کی موجودگی میں کرنا چاہیے تاکہ عبرت حاصل ہو۔

(١٠٣٢) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1032] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر دو۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: یہ حدیث بھی صریح اور واضح دلیل ہے کہ شرعاً مرتد کی سزا قتل ہے' خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ اب اگر کوئی علی الاعلان مرتد ہو جائے تو عدالت اس کے ثبوت کے بعد قتل کی سزا دے گی اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔ البتہ اگر وہ ظاہری نہیں بلکہ اندرونی طور پر مرتد ہے اور اس کے ارتداد کا علم نہیں تو اسے قتل کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کو جبراً کلمۂ کفر کہنے پر مجبور کیا جائے تو ایسی صورت میں بھی وہ مستوجب سزا نہیں۔

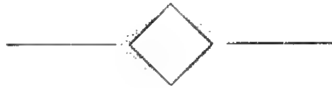
١٠٣٢ـ أخرجه البخاري، استتابة المرتدين......، باب حكم المرتد والمرتدة......، حديث: ٦٩٢٢.

(١٠٣٣) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ أَعْمٰى كَانَتْ لَهُ أُمُّ وَلَدٍ، تَشْتِمُ النَّبِيَّ ﷺ، وَتَقَعُ فِيهِ، فَيَنْهَاهَا، فَلَا تَنْتَهِي، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ أَخَذَ الْمِعْوَلَ، فَجَعَلَهُ فِي بَطْنِهَا، وَاتَّكَأَ عَلَيْهَا، فَقَتَلَهَا، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «أَلَا اشْهَدُوا أَنَّ دَمَهَا هَدَرٌ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَرُوَاتُهُ ثِقَاتٌ.

[1033] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ ایک نابینے شخص کی ایک ام ولد (لونڈی) تھی جو کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دیتی اور برا بھلا کہتی تھی۔ وہ نابینا صحابی اسے منع کرتے مگر وہ باز نہ آتی۔ ایک رات انھوں نے کدال لے کر اس کے پیٹ پر رکھ کر اس پر اپنا بوجھ ڈال کر دبایا اور اسے قتل کر دیا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''خبردار! تم گواہ رہو! اس کا خون رائیگاں اور بیکار گیا۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [وَتَقَعُ فِيهِ] وَقَعَ فِيهِ کے معنی میں ہے: کسی پر عیب لگانا اور اس کی مذمت کرنا۔ [اَلْمِعْوَلَ] ''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''عین'' ساکن اور ''واؤ'' پر فتحہ ہے۔ کدال' جس سے زمین کھودی جاتی ہے۔ اور صاحب عون المعبود نے اس کا ضبط ''غین'' کے ساتھ دیا ہے' یعنی مِغْوَل۔ یہ چھوٹی سی تلوار ہوتی ہے جسے آدمی اپنے کپڑوں کے نیچے چھپا سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوہے کا تیز دھار چھوٹا سا ہتھیار رہتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایسا کوڑا ہوتا ہے جس کے درمیان میں چھوٹی سی' یعنی پتلی تلوار ہوتی ہے۔ حملہ آور اسے اپنی کمر کے ساتھ مضبوطی سے باندھتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کے ذریعے سے دھوکے سے مار ڈالے۔ (عون المعبود:۴/ ۲۲۶) [اِتَّكَأَ عَلَيْهَا] اس پر اپنا بوجھ ڈال دیا اور اس پر جھول گیا۔ [هَدَرٌ] رائیگاں ہے۔ اس کی کوئی دیت ہے نہ قصاص۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو گالی دینے والے کی سزا قتل ہے اور اس کا خون رائیگاں ہے۔ ② اسی طرح ذمی غیر مسلم بھی اگر یہ جرم کرے تو اس کی سزا بھی یہی ہے' اس کے عہد کی پاسداری نہیں کی جائے گی۔



١٠٣٣۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ، حديث: ٤٣٦١.

۱۰ - كِتَابُ الْحُدُودِ

حدود سے متعلق احکام ومسائل

١ - بَابُ حَدِّ الزَّانِي

باب:1-زانی کی حد کا بیان

(١٠٣٤) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَزَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَعْرَابِ أَتٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! أَنْشُدُكَ اللهَ إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللهِ! فَقَالَ الْآخَرُ - وَهُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ -: نَعَمْ، فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللهِ، وَائْذَنْ لِي، فَقَالَ: «قُلْ». قَالَ: إِنَّ ابْنِي كَانَ عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا، فَزَنٰى بِامْرَأَتِهِ، وَإِنِّي أُخْبِرْتُ أَنَّ عَلَى ابْنِي

[1034] حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق ہی میرا فیصلہ فرمائیں۔ اور دوسرا جو اس کے مقابلے میں زیادہ سمجھدار اور دانا تھا اس نے بھی کہا کہ جی ہاں! آپ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت دیں۔ آپ نے

١٠٣٤ـ أخرجه البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، حديث: ٢٦٩٥، ومسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: ١٦٩٧، ١٦٩٨.

الرَّجْمَ. فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ شَاةٍ وَوَلِيدَةٍ، فَسَأَلْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّمَا عَلَى ابْنِي جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَأَنَّ عَلَى امْرَأَةِ هٰذَا الرَّجْمَ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا بِكِتَابِ اللهِ، اَلْوَلِيدَةُ وَالْغَنَمُ رَدٌّ عَلَيْكَ، وَعَلَى ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ، وَاغْدُ يَا أُنَيْسُ! إِلَى امْرَأَةِ هٰذَا، فَإِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا اللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

فرمایا: ''بیان کرو۔'' وہ بولا: میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری پر کام کرتا تھا' اس نے اس کی بیوی سے زنا کا ارتکاب کر لیا اور مجھے خبر دی گئی کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا لازم آتی ہے' چنانچہ میں نے اس کے فدیے میں ایک سو بکریاں اور ایک لونڈی دے کر اس کی جان چھڑائی۔ اس کے بعد میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس شخص کی بیوی کی سزا رجم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے درمیان کتاب اللہ کے عین مطابق فیصلہ کروں گا۔ لونڈی اور بکریاں تمھیں واپس لوٹائی جائیں گی اور تیرے بیٹے کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی ہے۔ اور اے اُنَیس! تم اس آدمی کی اہلیہ کے پاس جاؤ' اگر وہ (زنا کاری کا) اعتراف کر لے تو اسے سنگسار کر دو۔'' (بخاری ومسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [كِتَابُ الْحُدُودِ] حُدُود، حَدّ کی جمع ہے۔ حد کے معنی ہیں: دو چیزوں کے درمیان حائل چیز جو ایک کو دوسری کے ساتھ ملنے سے مانع ہو۔ اور لفظ حد تعیین کرنے اور حد بندی کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور کسی چیز کی انتہا کو بھی حد کہا جاتا ہے۔ اور شرعاً اس کا اطلاق ان احکام پر ہوتا ہے جن میں کوئی چیز مقرر و متعین ہو۔ اور ان عقوبات (سزاؤں) پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جو مخصوص گناہوں پر مقرر و متعین ہیں اور یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ ان سزاؤں کو حدود اس لیے کہا گیا ہے کہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کو یہ سزائیں دوبارہ جرم کرنے سے روکنے کا سبب بنتی ہیں' دوسرے لوگ بھی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور جرم کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ [أَنْشُدُكَ اللّٰهَ] باب نَصَرَ يَنْصُرُ سے صیغۂ متکلم ہے۔ مؤلف نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ میں آپ سے اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ اور أَنْشُدُكَ میں دراصل ضمناً أُذَكِّرُكَ کے معنی ہیں' اس لیے لفظ ''اللہ'' سے ''با'' کو حذف کر دیا گیا ہے' معنی یہ ہوئے کہ أُذَكِّرُكَ رَافِعًا نَشِيدَتِي ''میں بآواز بلند آپ سے گزارش کرتا ہوں۔'' یہ تو اس کے بنیادی اور حقیقی معنی ہوئے' پھر یہ لفظ ہر اس کام کے لیے بولا جانے لگا جس میں تاکید مقصود ہو' خواہ اس کے لیے آواز بلند کی جائے یا نہ کی جائے۔ (فتح الباري:١٢/١٦٩) [إِلَّا قَضَيْتَ لِي بِكِتَابِ اللّٰهِ] اس میں حرف استثنا کے بعد فعل کا استعمال مصدری معنی میں کیا گیا ہے۔ اور اس عبارت میں کچھ مقدر ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا سوال آپ سے صرف یہ ہے کہ آپ

فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق فرما دیں' یا یہ معنی ہیں کہ میں اللہ کا نام لے کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ صرف فیصلہ فرما دیں۔ اور کتاب اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حکم اور فیصلہ ہے۔ [وَائْذَنْ لِي] مجھے بیان کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ [عَسِيفًا عَلٰى هٰذَا] اس کے ہاں مزدور تھا' اس کا کام کرتا تھا اور گھریلو ضروریات میں خدمت انجام دیتا تھا۔ [فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ] میں نے اپنے بیٹے کا فدیہ یا رجم کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دے دی ہیں۔ [بِمِائَةِ شَاةٍ وَّ وَلِيدَةٍ] یعنی اپنے بچے کی سزائے رجم کے عوض میں نے سو بکریاں اور لونڈی اس عورت کے شوہر کو دے دی ہیں۔ [جَلْدُ مِائَةٍ] جلد کے ''جیم'' پر فتحہ ہے' یعنی سو کوڑوں کی مار۔ اس کی یہ سزا اس لیے تھی کہ وہ شادی شدہ نہیں تھا۔ [وَتَغْرِيبُ عَامٍ] سال بھر کی جلا وطنی و شہر بدری۔ [رَدٌّ عَلَيْكَ] تجھے لوٹا دی جائیں گی۔ [وَاغْدُ] ''دال'' پر ضمہ ہے اور یہ غدو سے ماخوذ ہے۔ امر کا صیغہ ہے۔ دراصل یہ لفظ صبح سویرے جانے کے لیے مستعمل ہے مگر مطلق جانے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ [يَا أُنَيْسُ] تصغیر ہے۔ ان کا اصل نام انیس بن ضحاک اسلمی تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے اور غیر شادی شدہ کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے' نیز زنا کی حد کے عوض رقم دے کر راضی کرنا بہر نوع غلط ہے کیونکہ عزت و مصلحت کا تحفظ روپے سے نہیں بلکہ حدود سے ہوتا ہے۔

(۱۰۳۵) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي، فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا، اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَنَفْيُ سَنَةٍ، وَالثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَالرَّجْمُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1035] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(احکام شریعت) مجھ سے حاصل کر لو۔ (احکام شریعت) مجھ سے حاصل کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بابت راستہ واضح کر دیا ہے۔ کنوارا لڑکا کنواری لڑکی سے زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے۔ اور اگر شادی شدہ عورت کے ساتھ شادی شدہ زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے اور رجم ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [خُذُوا عَنِّي، خُذُوا عَنِّي] یعنی مجھ سے زنا کے بارے میں احکام حاصل کر لو۔ [فَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا] اللہ نے ان کی بابت راستہ واضح کر دیا ہے۔ یہ آپ نے اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو زانیوں کے بارے میں امر الٰہی کا انتظار کرنے کا حکم دیا تھا' چنانچہ فرمایا: ﴿وَالّٰتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ (النسآء ۴:۱۵) ''اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں تو تم ان پر اپنے میں سے چار مرد گواہ ٹھہرالو' پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو انھیں گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ انھیں موت آ جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی راستہ پیدا فرما دے۔'' اس آیت کے بعد زانیوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے راستہ نکال دیا اور وہ ہے حد زنا کا

۱۰۳۵۔ أخرجه مسلم، الحدود، باب حد الزنى، حديث: ۱۶۹۰

راستہ، یعنی زانی یا زانیہ کو قید کرنے کی بجائے ان پر حد نافذ کی جائے اور وہ حد اس حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ [اَلْبِكْرُ بِالْبِكْرِ...... الخ] یعنی جب کنوارا کنواری سے زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کی سزا سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی ہے [نَفْيُ سَنَةٍ] کے معنی سال بھر کی جلا وطنی اور شہر بدری ہے۔ [اَلثَّيِّبُ بِالثَّيِّبِ...... الخ] کے معنی ہیں کہ شادی شدہ مرد جب شوہر دیدہ عورت سے زنا کرے تو ان میں سے ہر ایک کے لیے سو کوڑوں کی سزا اور حد رجم ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنوارا مرد جب شوہر دیدہ سے زنا کرے تو کنوارے کی سزا سو کوڑے ہے اور شوہر دیدہ عورت کی سزا رجم ہے۔ ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شادی شدہ کی حد صرف رجم نہیں بلکہ پہلے کوڑے مارے جائیں گے پھر رجم کیا جائے گا۔ اہل علم کے ایک گروہ کی یہی رائے ہے لیکن جمہور کے نزدیک شادی شدہ کی سزا صرف رجم ہی ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے شادی شدہ زانی کو صرف رجم کرنے پر اکتفا کیا جیسا کہ ماعز اسلمی، غامدیہ اور یہودیہ کا واقعہ ہے۔ پہلی روایت بھی اسی کی مؤید ہے۔

(١٠٣٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: أَتٰى رَجُلٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، فَنَادَاهُ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ. فَتَنَحّٰى تِلْقَاءَ وَجْهِهِ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، حَتّٰى ثَنّٰى ذٰلِكَ عَلَيْهِ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهِ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ دَعَاهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «**أَبِكَ جُنُونٌ؟**» قَالَ: لَا. قَالَ: «**فَهَلْ أَحْصَنْتَ؟**» قَالَ: نَعَمْ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «**اِذْهَبُوا بِهِ، فَارْجُمُوهُ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1036] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ اس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ بلند آواز سے آپ کو پکار کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے اس سے منہ پھیر لیا۔ وہ دوسری طرف سے گھوم کر آپ کے سامنے آ گیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا حتی کہ اس شخص نے چار مرتبہ اپنی بات دہرائی، چنانچہ (اس طرح) جب اس نے اپنے خلاف چار مرتبہ گواہیاں دے دیں تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلایا اور پوچھا: ''کیا تو دیوانہ ہے؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پھر فرمایا: ''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ تو پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اسے لے جاؤ اور سنگسار کر دو۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [فَتَنَحّٰى تِلْقَاءَ وَجْهِهِ] جس طرف وہ تھا وہاں سے پھر کر اس جانب ہو گیا جدھر آپ نے رخ انور کیا تھا۔ (سبل السلام) یہ آدمی ماعز بن مالک اسلمی تھا۔ اس نے ہزال اسلمی کی گود میں پرورش پائی تھی۔ اپنے ہی قبیلے کی

١٠٣٦۔ أخرجه البخاري، الطلاق، باب الطلاق في الإغلاق ، حديث: ٥٢٧١، ٦٨٢٥، ومسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: ١٦٩١.

ایک لڑکی سے اس نے زنا کا ارتکاب کیا تو ہزال نے اسے نبی ﷺ کی خدمت میں اس امید پر بھیج دیا کہ آپ اس کے لیے اس گناہ سے نکلنے کا کوئی راستہ بتلائیں گے۔ [حَتّٰی ثَنّٰی ...... الخ] چار مرتبہ یکے بعد دیگرے آپ کے روبرو پیش ہوا اور یہ اقرار کرتا رہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ [أَحْصَنْتَ؟] یہاں ہمزہ استفہام محذوف ہے یعنی آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے؟

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے بہت سے مسائل اخذ ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شادی شدہ شخص کو بدکاری کرنے کے جرم میں رجم کی سزا خود رسول اللہ ﷺ ہی نے سنائی ہے۔ ② احادیث میں یہ تفصیل بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنائی ہوئی سزائے رجم پر عمل کرتے ہوئے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رجم کر کے اس شخص کو مار ڈالا تھا۔ دیکھیے: (صحیح البخاري، الطلاق، باب الطلاق......، حدیث: ۵۲۷۰) ③ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کی سزا دینے کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری شرط نہیں ہے بلکہ اگر وہ شخص خود زنا کا اقرار کرے تو بھی اسے رجم کر دیا جائے گا، اور سزا پر عمل درآمد کرانا اسلامی حکومت ہی کی ذمہ داری ہے۔ ④ بعض حضرات نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حد زنا کے نفاذ کے لیے جرم زنا کا چار مرتبہ اقرار کرنا شرط ہے، حالانکہ اس حدیث میں تو صرف اتنا ہے کہ اس نے چار مرتبہ اقرار جرم کیا تھا، یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ چار مرتبہ اقرار جرم شرط ہے؟ بلکہ سیاق تو اس پر دلالت کرتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس سے اعراض صرف اس اقرار میں شبہ کی وجہ سے فرمایا تھا یا اس لیے فرمایا تھا کہ وہ پلٹ جائے اور جو معاملہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کے اور اس کے درمیان ہے، اس سے توبہ کر لے، اسی لیے اس کے چار مرتبہ اقرار کو کافی نہیں سمجھا بلکہ بعد ازاں اس کے سامنے چند سوالات بھی رکھے جن کا تعلق مختلف پہلوؤں سے تھا اور کئی شبہات نمایاں کیے اور اسے کئی کلمات کی تلقین کی جو اسے رجوع کرنے میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتے تھے، یا پھر یہ اقرار اس لیے تھا کہ اس کا معاملہ بالکل متحقق ہو جائے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے، لہٰذا اس حدیث سے اقرار جرم میں چار مرتبہ کو شرط قرار دینا محل نظر ہے۔

(۱۰۳۷) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا أَتٰی مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَی النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لَهُ: «لَعَلَّكَ قَبَّلْتَ، أَوْ غَمَزْتَ، أَوْ نَظَرْتَ». قَالَ: لَا، يَارَسُولَ اللّٰهِ! رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1037] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ جب نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا: ''شاید تو نے بوس و کنار کیا ہو یا چھیڑ چھاڑ کی ہو یا نظر بد ڈالی ہو۔'' اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [قَبَّلْتَ] تقبیل سے ہے۔ تو نے بوسہ دیا ہوگا۔ [أَوْ غَمَزْتَ] باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے ہے۔ اور یہ آنکھ یا ابرو سے اشارہ کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چھونے اور ہاتھ سے ٹٹولنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے اور یہاں یہی مراد ہے کیونکہ بعض روایات میں اس قسم کے صریح الفاظ موجود ہیں۔

۱۰۳۷۔ أخرجه البخاري، الحدود، باب هل يقول الإمام للمقر: لعلك لمست أو غمزت، حديث: ٦٨٢٤

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک زانی صاف اور صریح الفاظ سے اقرار جرم اپنی آزادی اور مرضی سے نہ کرے اس وقت تک اسے سنگسار کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، نیز وہ بیرونی واندرونی کسی قسم کے دباؤ میں بھی نہ ہو۔

(١٠٣٨) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ خَطَبَ، فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ، قَرَأْنَاهَا، وَوَعَيْنَاهَا، وَعَقَلْنَاهَا، فَرَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ، فَأَخْشٰى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: مَانَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللّٰهُ، وَإِنَّ الرَّجْمَ حَقٌّ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى مَنْ زَنٰى، إِذَا أَحْصَنَ، مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْكَانَ الْحَبْلُ، أَوِ الْاِعْتِرَافُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1038] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے اپنے خطاب میں کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو حق دے کر مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو کچھ نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی۔ ہم نے (خود) اسے پڑھا اور اسے یاد بھی کیا اور اسے (خوب) سمجھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم (کی سزا) کا ذکر نہیں پاتے۔ اس طرح وہ لوگ ایسے فرض کے تارک ہو کر جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا، گمراہ ہو جائیں گے، حالانکہ رجم (کی سزا) ہر شادی شدہ مرد و عورت پر کتاب اللہ میں ثابت ہے جب گواہی مل جائے یا حمل ہو یا (زانی اور زانیہ کا) اقرار ہو۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [آيَةُ الرَّجْمِ] آية پر رفع ہے کیونکہ یہ کان کا اسم ہے اور اس کی خبر ظرف [فِيمَا أُنْزَلَ......الخ] ہے۔ وہ آیت رجم یہ تھی: اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنَيَا فَارْجُمُوهُمَا الْبَتَّةَ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ''شادی شدہ مرد و عورت جب زنا کریں تو انھیں ضرور رجم کرو، یہ اللہ کی طرف سے بطور سخت سزا کے ہے اور اللہ سب پر غالب خوب حکمت والا ہے۔'' [وَعَيْنَاهَا] ہم نے اسے حفظ کر لیا۔ [وَعَقَلْنَاهَا] ہم نے اسے (خوب) سمجھ لیا۔ [وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ] رسول اللہ ﷺ کی اتباع و پیروی میں ہم نے بھی رجم کیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے بعد اس پر اجماع ثابت ہے۔ [أُحْصَنَ] بالغ ہو، عاقل ہو اور کسی آزاد عورت سے صحیح طور پر شادی کی ہو اور اس سے لذت صحبت حاصل کر چکا ہو۔ [إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ] جب چار مردوں کی گواہیاں مل جائیں۔ [اَلْحَبَلُ] حمل کا پایا جانا۔ [أَوِ الْاِعْتِرَافُ] یا پھر زانی یا زانیہ کا خود اقرار کرنا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زنا کا ثبوت تین طرح سے ہو سکتا ہے: ⊙ چار عاقل بالغ مسلمان مردوں کی شہادتیں ہوں تو جرم زنا ثابت ہوگا۔ ⊙ یا زانی خود اقراری ہو کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ ⊙ یا عورت

١٠٣٨ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب رجم الحبلى في الزنى إذا أحصنت، حديث: ٦٨٣٠، ومسلم، الحدود، باب رجم الثيب في الزنى، حديث: ١٦٩١.

حاملہ ہو۔ ② اگر یہ صورت پیش آ جائے کہ ایک عورت شادی شدہ بھی نہیں اور لونڈی بھی نہیں مگر حاملہ ہے تو اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ امام مالک رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ اس پر حد زنا نافذ ہوگی' مگر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک محض حمل سے حد جاری نہیں کی جائے گی۔ امام مالک رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطاب فرمایا جس میں حد زنا کے جاری ہونے کے لیے گواہی اور زانی کے اقرار کے ساتھ ساتھ عورت کے حمل کو بھی معتبر دلیل قرار دیا اور مجلس میں موجود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے تردید نہیں کی تو گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات بمنزلہ اجماع کے ہے۔

(١٠٣٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا زَنَتْ أَمَةُ أَحَدِكُمْ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتْ فَلْيَجْلِدْهَا الْحَدَّ، وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا، ثُمَّ إِنْ زَنَتِ الثَّالِثَةَ، فَتَبَيَّنَ زِنَاهَا، فَلْيَبِعْهَا، وَلَوْبِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

[1039] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے: ''جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کی مرتکب ہو اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس لونڈی پر حد لگائے اور اسے ملامت نہ کرے۔ اگر وہ پھر زنا کا ارتکاب کرے تو اسے چاہیے کہ اس پر حد لگائے اور اسے ملامت نہ کرے۔ اگر وہ تیسری مرتبہ پھر زنا کرے اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے فروخت کر دے' خواہ بالوں سے بٹی ہوئی ایک رسی کے عوض ہی کیوں نہ ہو۔'' (بخاری ومسلم' اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [فَتَبَيَّنَ] ظاہر ہو جائے اور ثابت ہو جائے۔ [وَلَا يُثَرِّبْ عَلَيْهَا] تثریب سے ماخوذ ہے۔ ملامت کرنا' برا بھلا کہنا' ڈانٹ ڈپٹ کرنا' عار دلانا اور زجر و توبیخ کرنا۔ [فَلْيَبِعْهَا] تیسری مرتبہ حد قائم کرنے کے بعد اسے فروخت کر دینا چاہیے۔ [وَلَوْ بِحَبْلٍ مِّنْ شَعْرٍ] خواہ اس کی کتنی حقیر سی قیمت لگے' مثلاً: بالوں کی رسی' جس کی کوئی خاص قیمت نہیں ہوتی' کے عوض فروخت کر دے۔ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے بیچنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ لونڈی نئے خریدار کے پاس جا کر یا وہ خریدار آگے کسی کو فروخت کر دے تو اس کے پاس جا کر پاک دامن ہو جائے' یا کم از کم اس کے دل میں یہ خوف پیدا ہو جائے کہ اگر اس نے اب بھی زنا کا ارتکاب کیا تو اسے شہر بدر کر دیا جائے گا کیونکہ وطن مالوف سے نکالا جانا انسان پر بہت شاق گزرتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جگہ اور محل کی تبدیلی سے انسان کے رویے اور عادات میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے کیونکہ نیکی اور بدی میں ماحول اور سوسائٹی کا بہت اثر ہوتا ہے۔

(١٠٤٠) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ:

[1040] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ

١٠٣٩ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب لا يثرب على الأمة إذا زنت ولا تنفى، حديث: ٦٨٣٩، ومسلم، الحدود، باب رجم اليهود أهل الذمة في الزنى، حديث: ١٧٠٣.

١٠٤٠ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في إقامة الحد على المريض، حديث: ٤٤٧٣، وحديث مسلم، الحدود، حديث: ١٧٠٥، والترمذي، الحدود، حديث: ١٤٤١ وغيرهما يغني عنه.

قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**أَقِيمُوا الْحُدُودَ عَلٰى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم**». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ. وَهُوَ فِي مُسْلِمٍ مَوْقُوفٌ.

ﷺ نے فرمایا: ''اپنے غلاموں اور لونڈیوں پر حدیں قائم کرو۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور مسلم میں یہ روایت موقوف ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے اور اس کی بابت مزید لکھا ہے کہ صحیح مسلم اور جامع الترمذی کی روایات اس سے کفایت کرتی ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ روایت ہمارے فاضل محقق کے نزدیک بھی قابل عمل ہے۔ علاوہ ازیں دیگر محققین نے بھی اسے حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۲/ ۱۳۸) ② اس حدیث اور گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ لونڈی اور غلام پر اس کا مالک حد نافذ کر سکتا ہے اور آزاد کے مقابلے میں ان پر آدھی سزا نافذ کی جائے گی جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ ''ان پر پاک دامن آزاد عورت کی سزا سے نصف سزا ہے۔'' اگر لونڈی شادی شدہ ہو تو اس پر حد نافذ کرنے میں اختلاف ہے کہ اس پر حد حکومت لگائے گی یا مالک۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس پر اس صورت میں بھی مالک ہی حد لگائے گا۔ امام مالک ؒ کی رائے ہے کہ شادی شدہ لونڈی پر مالک حد لگانے کا مجاز نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ صرف مالک کی لونڈی ہی نہیں دوسرے کی بیوی بھی ہے، ہاں اگر لونڈی کا خاوند بھی اسی مالک کا غلام ہو تو پھر مالک اس پر حد لگا سکتا ہے۔ ③ لونڈی کے لیے ثبوت زنا کی وہی صورتیں ہیں جو ایک آزاد عورت کے لیے ہیں، البتہ بعض حضرات کی یہ رائے بھی ہے کہ اگر لونڈی کے زنا کی شہادتیں اور اقرار نہ ہو اور مالک کو یقین و وثوق ہو کہ لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو مالک محض اپنے یقین و وثوق کی بنیاد پر بھی حد نافذ کر سکتا ہے۔

(۱۰٤۱) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ امْرَأَةً مِنْ جُهَيْنَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ، وَهِيَ حُبْلٰى مِنَ الزِّنَا، فَقَالَتْ: يَانَبِيَّ اللهِ! أَصَبْتُ حَدًّا، فَأَقِمْهُ عَلَيَّ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَلِيَّهَا، فَقَالَ: «**أَحْسِنْ إِلَيْهَا، فَإِذَا وَضَعَتْ فَأْتِنِي بِهَا**». فَفَعَلَ، فَأَمَرَ بِهَا فَشُكَّتْ عَلَيْهَا ثِيَابُهَا، ثُمَّ أَمَرَ بِهَا فَرُجِمَتْ، ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا، فَقَالَ عُمَرُ: أَتُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللهِ! وَقَدْ زَنَتْ؟ فَقَالَ: «**لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً، لَوْقُسِمَتْ**

[1041] حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ جہینہ قبیلے کی ایک عورت نبی ﷺ کے پاس آئی اور وہ اس وقت زنا سے حاملہ تھی۔ اس نے کہا: اے اللہ کے نبی! میں حد کی مستحق ہوں، لہٰذا آپ مجھ پر حد نافذ فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور اسے تلقین فرمائی: ''اس کے ساتھ حسن سلوک کرو اور جب یہ بچہ جنم دے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔'' چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس (عورت) کے بارے میں حکم دیا تو اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیے گئے۔ پھر آپ نے اس کی بابت حکم فرمایا اور اسے سنگسار کر دیا گیا، پھر آپ نے اس

۱۰٤۱۔ أخرجه مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: ۱٦۹٦.

بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى؟» رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

کی نماز جنازہ پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! آپ اس کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں حالانکہ یہ تو زنا کی مرتکب ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے اہل مدینہ کے ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے تو ان سب کو گھیر لے۔ کیا تو نے اس سے بھی بہتر کسی کو پایا ہے جس نے اللہ کے لیے اپنی جان لٹا دی ہے؟'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنَّ امْرَأَةً مِّنْ جُهَيْنَةَ] یہ خاتون ''غامدیہ'' کی نسبت سے مشہور و معروف ہے۔ جهينة تصغیر ہے۔ یہ بہت بڑا قبیلہ تھا اور ''غـامد'' اس کی شاخ تھی۔ [فَشُكَّتْ] صیغۂ مجہول ہے۔ شُدَّتْ کے وزن پر ہے۔ مضبوطی سے اس کے جسم پر کپڑے باندھ دیے گئے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب اس پر پتھر پڑیں تو وہ برہنہ نہ ہو جائے یا جسم کا کوئی قابل ستر حصہ کھل نہ جائے۔ [ثُمَّ صَلّٰى عَلَيْهَا] صیغۂ معروف ہے۔ یہ نص صریح ہے کہ نبی ﷺ نے غامدیہ کی نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔ یہ اس موقف کی تائید ہے جس کے امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے اصحاب علم قائل ہیں کہ جسے رجم کی سزا دی گئی ہو امام وقت اور دوسرے اصحاب فضیلت اس کی نماز جنازہ پڑھیں، مگر امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے امام وقت اور اہل علم و فضل کے لیے ایسے شخص کا جنازہ پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، البتہ عام مسلمانوں کو اس کا جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ لیکن یہ حدیث ان کے موقف کے خلاف ہے۔ [جَادَتْ بِنَفْسِهَا] اس نے اپنی جان لٹا دی ہے، جس طرح انسان اپنا مال لٹاتا اور اس کی سخاوت کرتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ عورت پر زنا کی حد فوری طور پر نافذ نہیں کر دینی چاہیے۔ وضع حمل تک توقف کرنا چاہیے۔ وضع حمل کے بعد بھی اگر نومولود کی پرورش کا کوئی ذمہ لے اور اسے دودھ پلانے والی کا انتظام ہو تو پھر حد لگائی جائے گی۔ اگر ایسا بندوبست سردست نہ ہو سکے تو پھر دودھ چھڑانے تک نفاذ حد کا عمل مؤخر کیا جائے گا۔ ② حدیث میں ایسی عورت سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کی تاکید ہے، اس لیے کہ نادان رشتہ دار عورتیں اور بیوقوف مرد طعن و تشنیع سے اس کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں۔ شرعی سزا کے علاوہ اس قسم کا ناروا رویہ اور بے جا سلوک تو اسے جیتے جی مار ڈالنے کے مترادف ہے۔ ③ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شوہر دیدہ (بیوہ، مطلقہ اور خاوند والی) عورت اگر بدکاری کرے تو اسے بھی سنگسار کیا جائے گا، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کو رجم کرتے ہوئے اس کے ستر کا لحاظ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے امت نے مرد کو کھڑے اور عورت کو گڑھے میں بٹھا کر سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ④ رجم کے سزا یافتہ مرد و عورت کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیے۔ ⑤ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ عوام و خواص سبھی نماز جنازہ میں شریک ہوں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

(١٠٤٢) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: رَجَمَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِنْ أَسْلَمَ، وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُودِ، وَامْرَأَةً. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَقِصَّةُ رَجْمِ الْيَهُودِيَّيْنِ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ.

[1042] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اسلم قبیلے کے ایک مرد کو رجم کیا اور ایک یہودی مرد اور ایک عورت کو رجم کیا۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور یہودی مرد و عورت کے رجم کا واقعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے صحیحین میں منقول ہے۔)

لغوی تشریح: [رَجُلًا مِّنْ أَسْلَمَ] اسلم قبیلے کے مرد سے مراد ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ ہیں۔ [رَجُلًا مِّنَ الْيَهُودِ وَامْرَأَةً] ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو۔ [وَقِصَّةُ رَجْمِ الْيَهُودِيَّيْنِ] اس جملے میں "يَهُودِيَّيْنِ" تثنیہ کا صیغہ ہے۔ [فِي الصَّحِيحَيْنِ] یہ واقعہ بخاری و مسلم کے علاوہ دیگر مسانید اور سنن میں بھی منقول ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت میں ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو پیش کیا گیا جنھوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہود کے پاس گئے اور ان سے دریافت فرمایا کہ زانی کے متعلق تم لوگ تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم دونوں (مرد و عورت) کا منہ کالا کر کے گدھے پر سوار کرتے ہیں، ان کے منہ مخالف سمتوں میں کرتے ہیں اور اسی حالت میں انھیں چکر لگواتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو تورات لاؤ اور اسے پڑھو۔'' چنانچہ وہ تورات لے آئے اور اسے پڑھنا شروع کیا حتی کہ جب وہ رجم والی آیت پر پہنچے تو اس کی تلاوت کرنے والے نوجوان نے اس آیت پر اپنا ہاتھ رکھ لیا اور آگے پیچھے سے عبارت پڑھنے لگا۔ آپ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے۔ اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھایا تو اس کے نیچے آیت رجم موجود تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں (یہودی زانی مرد اور یہودی عورت) کو رجم کرنے کا فیصلہ فرمایا اور دونوں سنگسار کر دیے گئے۔ (صحيح البخاري، الحدود، باب الرجم في البلاط، حديث:٦٨١٩، وصحيح مسلم، الحدود، باب رجم اليهود، أهل الذمة في الزنى، حديث:١٦٩٩) علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ فیصلہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ذمہ جب اپنا فیصلہ کروانے کے لیے ہماری عدالت میں آئیں گے تو ہم اسلام کے حکم کے عین مطابق فیصلہ کریں گے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ذمہ کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول کی جائے گی۔ اور اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کریں تو انھیں صرف رجم کیا جائے گا۔ کوڑے مارنے کی سزا نہیں دی جائے گی۔ (زادالمعاد:٥/ ٣٦، ٣٧)

(١٠٤٣) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ فِي أَبْيَاتِنَا رُوَيْجِلٌ ضَعِيفٌ، فَخَبُثَ بِأَمَةٍ مِنْ إِمَائِهِمْ فَذَكَرَ

[1043] حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمارے محلے میں ایک چھوٹا سا کمزور (اپاہج) آدمی رہتا تھا۔ اس نے ہماری لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے

١٠٤٢ـ أخرجه مسلم، الحدود، باب رجم اليهود أهل الذمة في الزنى، حديث: ١٧٠١، وقصة اليهوديين أخرجها البخاري، الحدود، حديث: ٦٨٤١، ومسلم، الحدود، حديث: ١٦٩٩.

١٠٤٣ـ [صحيح] أخرجه ابن ماجه، الحدود، باب الكبير والمريض يجب عليه الحد، حديث: ٢٥٧٤، وأحمد: ٥/ ٢٢٢، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٣١٣، حديث: ٧٣٠٩.

ذٰلِكَ سَعْدٌ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَالَ: «اِضْرِبُوهُ حَدَّهُ». فَقَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! إِنَّهُ أَضْعَفُ مِنْ ذٰلِكَ. فَقَالَ: «خُذُوا عِثْكَالًا فِيهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ، ثُمَّ اضْرِبُوهُ بِهِ ضَرْبَةً وَاحِدَةً». فَفَعَلُوا. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجه، وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ، لٰكِنِ اخْتُلِفَ فِي وَصْلِه وَإِرْسَالِهِ.

ساتھ بدکاری کر لی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے حد لگاؤ۔'' تب وہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! وہ تو اس (حد لگنے) سے کہیں زیادہ کمزور اور لاغر ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کھجور کے درخت کی ایک ایسی بڑی ٹہنی لو جس میں سو شاخیں ہوں، پھر اسے ایک ہی دفعہ اس مرد پر مار دو۔'' چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ (اسے احمد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے لیکن اس کے موصول اور مرسل ہونے میں اختلاف ہے۔)

لغوی تشریح: [رُوَيجلٌ] رَجُلٌ کی تصغیر ہے۔ [فَخَبُثَ] باب کَرُمَ سے ہے جس کے معنی ہیں کہ اس نے زنا کیا اور گناہ کا مرتکب ہوا۔ [عِثْكَالًا] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''ثا'' ساکن ہے۔ بروزن قرطاس۔ گچھا، ٹہنی۔ [شِمْرَاخٍ] ''شین'' کے نیچے کسرہ اور ''میم'' ساکن ہے۔ عثکال کے وزن پر ہے۔ پتلی سی ٹہنی یا شاخ جو بڑی ٹہنی کے اوپر اگتی ہے۔ سبل السلام میں ہے کہ یہاں عثکال سے مراد وہ بڑی ٹہنی ہے جس پر چھوٹی چھوٹی شاخیں ہوتی ہیں۔ یہ کھجور کے درخت میں ایسی ہوتی ہے جیسے انگور کا گچھا ہوتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک شاخ کو شِمْرَاخ کہتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر شادی شدہ زانی کسی شدید بیماری کی وجہ سے یا فطری وجبلی طور پر اتنا ناتواں، کمزور اور نحیف ہو کہ کوڑوں کی پوری حد سے اس کے جاں بحق ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں حد میں نرمی کی جا سکتی ہے، البتہ تعداد میں کمی بیشی نہیں ہوگی۔ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ سو شاخوں والی ٹہنی کو اس طرح مارا جائے کہ ہر شاخ اس مجرم کو لگے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مارنا کافی ہے، ضروری نہیں کہ ہر شاخ مجرم کو لگے۔ اس سے سزا کا نفاذ ہو جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ شرعی سزائیں مجرم کو جان سے مار دینے کے لیے نہیں بلکہ عبرت دینے اور معاشرے میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے ہیں۔

راویٔ حدیث: [حضرت سعید بن سعد رضی اللہ عنہما] سعید بن سعد بن عبادہ انصاری ساعدی۔ صحابی تھے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ تابعی تھے۔ ثقہ تھے اور ان سے بہت تھوڑی احادیث مروی ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انھیں یمن کا والی مقرر کیا تھا۔

(١٠٤٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1044] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی

١٠٤٤ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب فيمن عمل عمل قوم لوط، حديث: ٤٤٦٢، والترمذي، الحدود، حديث: ١٤٥٦، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٦١، والنسائي في الكبرى: ٤/ ٣٢٢، حديث: ٧٣٤٠ مختصرًا، وأحمد: ١/ ٢٦٩، ٣٠٠.

عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ، فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ، وَمَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ، إِلَّا أَنَّ فِيهِ اخْتِلَافًا.

ﷺ نے فرمایا: ''تم جس شخص کو قوم لوط کے فعل کا مرتکب پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ اور جس شخص کو کسی چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرتے پاؤ تو اس مرد اور اس چوپائے دونوں کو مار ڈالو۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے مگر اس حدیث کے بارے میں اختلاف ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ وَجَدْتُمُوهُ] جس کے بارے میں تمھیں علم ہو جائے۔ [يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ] قوم لوط کا فعل کرتا ہے، یعنی ہم جنس پرستی (لونڈے بازی) کرتا ہے۔ [فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ] تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔ فاعل و مفعول خواہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ابن قصار اور ہمارے شیخ و استاد علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ ایسے شخص کو قتل کر دیا جائے، البتہ قتل کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ اونچے پہاڑ سے پھینک دیا جائے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ اس پر دیوار گرا دی جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان دونوں کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے۔ الغرض اسے قتل کرنے پر سب کا اتفاق ہے اگرچہ قتل کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ (زاد المعاد: ۵/۴۰) امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ کی رائے بھی اس کے قریب قریب ہے کہ لوطی خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ دونوں صورتوں میں اسے سنگسار کیا جائے گا۔ اس جگہ دو مذہب اور بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس فعل کے مرتکب (فاعل) کی سزا زنا کی حد ہے، یعنی اگر شادی شدہ ہو تو اسے رجم کیا جائے ورنہ سو کوڑے مارے جائیں۔ یہ امام شافعی، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کی رائے ہے۔ اور اس قول کی روشنی میں مفعول پر، بقول امام شافعی سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی ہے، خواہ مفعول مرد ہو یا عورت، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ دونوں پر کوئی حد نہیں، بس تعزیر پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے۔ مگر آپ معلوم کر چکے ہیں کہ حدیث کے موافق سب سے پہلا قول ہی ہے، اگرچہ اس حدیث میں کچھ کلام ہے لیکن یہ سند کے اعتبار سے قابل عمل ضرور ہے، لہٰذا ان تمام اقوال میں پہلا قول ہی راجح ہے اگرچہ اس پر فتویٰ دینے والے تعداد میں کم ہیں۔ [وَمَنْ وَجَدْتُمُوهُ وَقَعَ عَلَى بَهِيمَةٍ فَاقْتُلُوهُ] یعنی جو شخص کسی چوپائے سے بدفعلی کرے تو اسے قتل کر دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقوف اثر اس حدیث کے معارض ہے، چنانچہ انھوں نے فرمایا: جس نے جانور سے بدفعلی کی اس پر کوئی حد نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ موقوف قول ان کی مرفوع حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے اور یہی قول امام احمد اور اسحٰق رحمہما اللہ کا ہے۔ اور علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فقہاء کی اکثریت کا خیال ہے کہ اس پر تعزیر ہوگی۔ عطاء اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ نے بھی یہی کہا ہے اور امام مالک، ثوری، امام احمد رحمہم اللہ اور اصحاب الرائے کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی ایک قول اسی کی تائید میں ہے۔ (معالم السنن للخطابي: ۳/۲۸۸) اور امام شافعی رحمہ اللہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ایسے مجرم کی حد، زنا کی حد ہے۔ [وَاقْتُلُوا الْبَهِيمَةَ] یعنی چوپائے کو قتل کر دو۔ جامع ترمذی میں ہے کہ

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ جانور کو قتل کرنے کا کیا سبب ہے؟ (کیونکہ وہ تو غیر مکلف ہے) تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے تو اس بارے میں کچھ نہیں سنا لیکن میرا خیال ہے کہ اس کے ساتھ یہ بد فعلی کیے جانے کے بعد اس کا گوشت کھانا اور اس سے فائدہ اٹھانا' رسول اللہ ﷺ نے مکروہ اور ناپسند سمجھا ہے' اس لیے اس کے قتل کا حکم دیا ہے۔

(١٠٤٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ضَرَبَ وَغَرَّبَ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ ضَرَبَ وَغَرَّبَ وَأَنَّ عُمَرَ ضَرَبَ وَغَرَّبَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، إِلَّا أَنَّهُ اخْتُلِفَ فِي وَقْفِهِ وَرَفْعِهِ.

[1045] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (غیر شادی شدہ زانی کو) مارا اور جلا وطن بھی کیا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی مارا اور جلا وطن بھی کیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی مارا اور جلا وطن بھی کیا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں مگر اس کے موقوف اور مرفوع ہونے کی بابت اختلاف ہے۔)

لغوی تشریح: [ضَرَبَ] یعنی کنوارے زانی کو سو کوڑے لگائے۔ [وَغَرَّبَ] یہ تغریب سے ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زانی کو اس کی جائے سکونت سے سال بھر کے لیے نکال باہر کیا' جلا وطن کر دیا۔ ② علامہ صنعانی نے کہا ہے کہ لگتا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ روایت ان لوگوں کی تردید میں نقل کی ہے جن کا خیال ہے کہ جلا وطنی کی سزا منسوخ ہے۔ (سبل السلام) کیونکہ جب خلفائے راشدین کا اس پر عمل ہے تو یہ منسوخ کیسے اور کب ہوئی؟

(١٠٤٦) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْمُخَنَّثِينَ مِنَ الرِّجَالِ، وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَاءِ، وَقَالَ: «أَخْرِجُوهُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1046] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کا روپ دھاریں اور ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کی مشابہت کریں' نیز فرمایا: ''انھیں اپنے گھروں سے نکال (گھروں میں داخل نہ ہونے) دو۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُخَنَّثِينَ] ''نون'' کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ درست ہے۔ ایسے مرد جو عورتوں سے عادات و اخلاق' حرکات و سکنات' طرز گفتگو اور فیشن وغیرہ میں اور ان امور میں جو عورتوں کے لیے مخصوص ہیں مشابہت کریں۔ اگر یہ عادات اور خصلتیں پیدائشی' جبلی اور فطری ہوں تو اس میں کوئی ملامت نہیں مگر ایسی عادات بہ تکلف دور کرنے کی کوشش کرنا ضروری اور لازمی ہے اور اگر قصداً اور عمداً اختیار کی جائیں تو یہ مذموم عمل ہے۔ [اَلْمُتَرَجِّلَاتِ] ایسی عورتیں جو فیشن، شکل و صورت' چال ڈھال اور انداز گفتگو وغیرہ میں مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

١٠٤٥ـ [إسناده صحيح] أخرجه الترمذي، الحدود، باب ما جاء في النفي، حديث: ١٤٣٨، وقال: غريب.

١٠٤٦ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب نفي أهل المعاصي والمخنثين، حديث: ٦٨٣٤.

فوائد و مسائل: ① حدیث میں مذکور لعنت اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعل حرام ہے۔ یہ مرض دور حاضر میں وبا کی طرح عام ہو گیا ہے، نہ مشرق اس سے محفوظ ہے اور نہ مغرب اس سے بچا ہوا ہے، یہاں تک کہ یہ مرض نوجوان مسلمانوں کی صفوں میں چیونٹی کی چال داخل ہو گیا ہے اور ان میں سرایت کر گیا ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ. ② ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کو گھروں سے نکالنے کا حکم اس لیے فرمایا گیا ہے کہ کہیں یہ شریف گھرانوں میں فتنہ و فساد کا موجب نہ بن جائیں اور ان کی دیکھا دیکھی شریف گھرانوں میں بھی یہ مرض سرایت نہ کر جائے۔

(١٠٤٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**ادْفَعُوا الْحُدُودَ مَا وَجَدْتُمْ لَهَا مَدْفَعًا**». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَه، وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ.

[1047] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جہاں تک حد لگانے سے بچاؤ کی گنجائش ملے، حد رفع کرو۔“ (اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

وَأَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ، مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، بِلَفْظِ: «**إِدْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**». وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا.

اور اسے ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے ان الفاظ سے بیان کیا ہے: ”جہاں تک تمھارے بس میں ہو، مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ۔“ (یہ بھی ضعیف ہے۔)

وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ، عَنْ عَلِيٍّ، مِنْ قَوْلِهِ، بِلَفْظِ: اِدْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ.

اور بیہقی نے اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: شبہات کی وجہ سے حدود کو ہٹا دو۔

لغوی تشریح: [مَدْفَعًا] ہٹانے کی گنجائش، دور کرنے کا راستہ۔ [إِدْرَءُوا] یعنی ہٹاؤ اور دور کرو۔ شبہات سے مراد یہ ہے کہ کوئی عورت یہ دعویٰ کرے کہ زانی مرد نے اس پر جبر و اکراہ کیا ہے یا یہ بیان دے کہ مجھے سوتے میں اس نے آلیا، یا ایسی ہی دیگر صورتیں جن کا واقع ہونا ممکن ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم اگر حدیث کا مفہوم یہ لیا جائے کہ حد اس وقت نافذ کرنی چاہیے جب جرم اس انداز سے ثابت ہو جائے کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے جیسا کہ ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ کے واقعے سے اس کی تائید ہوتی ہے تو اس صورت میں حدیث معناً صحیح ہوگی، نیز بعض علماء نے بھی اس مفہوم کی تائید اور توثیق کی ہے۔ واللّٰه أعلم. ② حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجرموں کو حدیں لگایا ہی نہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ حدود کا نفاذ

١٠٤٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن ماجه، الحدود، باب الستر على المؤمن ودفع الحدود بالشبهات، حديث: ٢٥٤٥ . * فيه إبراهيم بن الفضل المخزومي وهو متروك (تقريب) وللحديث شواهد ضعيفة عند الترمذي، الحدود، حديث: ١٤٢٤ وغيره، وحديث عائشة: أخرجه الترمذي، الحدود، حديث: ١٤٢٤، والحاكم: ٤/ ٣٨٥، سنده ضعيف، يزيد بن زياد الدمشقي متروك، وأثر علي: لم أجده في البيهقي موقوفًا عليه، ولكن أخرجه البيهقي عن علي مرفوعًا: ٨/ ٢٣٨، وسنده ضعيف أيضًا.

اس وقت کرنا چاہیے جب جرم پوری طرح ثابت ہو جائے۔

(١٠٤٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِجْتَنِبُوا هٰذِهِ الْقَاذُورَاتِ الَّتِي نَهَى اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، فَمَنْ أَلَمَّ بِهَا فَلْيَسْتَتِرْ بِسِتْرِ اللهِ تَعَالٰى، وَلْيَتُبْ إِلَى اللهِ تَعَالٰى، فَإِنَّهُ مَنْ يُبْدِ لَنَا صَفْحَتَهُ نُقِمْ عَلَيْهِ كِتَابَ اللهِ تَعَالٰى». رَوَاهُ الْحَاكِمُ، وَهُوَ فِي الْمُوَطَّأِ مِنْ مَرَاسِيلِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ.

[1048] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان گندے کاموں سے بچو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور جو شخص ان میں مبتلا ہو جائے تو اسے اللہ کے ڈالے ہوئے پردے میں چھپے رہنا چاہیے اور اسے چاہیے کہ اللہ کی جناب میں (پوشیدہ طور پر) توبہ کر لے کیونکہ جو شخص اپنا معاملہ ہمارے سامنے ظاہر کرے گا ہم اس پر اللہ کا حکم نافذ کر کے چھوڑیں گے۔'' (اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور یہ روایت موطا امام مالک میں زید بن اسلم کی مرسل روایات میں مذکور ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْقَاذُورَاتِ] قَاذُورَةٌ کی جمع ہے۔ قول و فعل کی بدحرکتیں' مثلاً: زنا وغیرہ۔ [أَلَمَّ بِهَا] إِلْمَام سے ماخوذ ہے' یعنی جس نے ان میں سے کسی جرم کا ارتکاب کیا۔ [مَنْ يُبْدِلَنَا] إِبْدَاء سے مضارع مجزوم ہے' یعنی جو کوئی ہمارے سامنے ظاہر کرے گا۔ [صَفْحَتَهُ] اس کے معنی پہلو یا چہرے کے ہیں اور یہاں اس سے مراد حقیقت حال ہے۔ کہا جاتا ہے: أَبْدَى صَفْحَتَهُ ''اس نے اپنا معاملہ کھول دیا'' مطلب یہ ہوا کہ جو شخص اپنے جرائم کا ہمارے سامنے انکشاف کرے گا اور ہم اس کی حقیقت حال سے واقف ہو جائیں گے تو ہم اس پر حد قائم کر کے چھوڑیں گے اور ہرگز اسے معاف نہیں کریں گے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بشری کمزوری کی بنا پر گناہ کا سرزد ہو جانا خلاف توقع نہیں' مگر جب کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو انسان کو چاہیے کہ اپنا جرم اور فعل لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتا پھرے بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی ہے تو اسے پردے ہی میں رہنے دے اور پوشیدہ طور پر اللہ رب العزت کے حضور توبہ کرے اور اس سے معافی کا طلب گار ہو۔ لیکن اگر وہ اپنے گناہ کا برملا اظہار کرتا اور اعتراف جرم کرتا ہے تو پھر وہ کسی صورت میں شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا۔

راویٔ حدیث: [حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ] صحابی ہیں اور بَنُو بَلِيّ، یعنی بنو عجلان قبیلہ سے ہیں۔ یہ انصار کے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے حلیف تھے۔ بدر میں شریک ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیا۔ ہشام کلبی نے کہا ہے کہ انھیں طلیحہ بن خویلد اسدی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز' یعنی ۱۱ ہجری میں ''جنگ بزاخہ'' کے روز قتل کیا تھا۔

١٠٤٨ـ [حسن] أخرجه الحاكم: ٤/ ٢٤٤، ٣٨٣ وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، ومالك في الموطأ: ٢/ ٨٢٥، وللحديث شواهد في التمهيد: (٥/ ٣٢٤) وغيره.

٢ - بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

باب:2-تہمت زنا کی حد کا بیان

(١٠٤٩) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي، قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَذَكَرَ ذٰلِكَ، وَتَلَا الْقُرْآنَ، فَلَمَّا نَزَلَ أَمَرَ بِرَجُلَيْنِ وَامْرَأَةٍ فَضُرِبُوا الْحَدَّ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَأَشَارَ إِلَيْهِ الْبُخَارِيُّ

[1049] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید میں میری براءت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور اس کا ذکر فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی۔ جب منبر سے نیچے تشریف لائے تو دو مردوں اور ایک عورت کے متعلق فیصلہ فرمایا اور انھیں حد لگائی گئی۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ] ''قاف'' پر فتحہ اور ''ذال'' پر سکون ہے۔ تہمت زنا کو کہتے ہیں اور اس کی حد اسّی (٨٠) کوڑے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾ (النور٢٤:٤) ''جو لوگ پاک دامن خواتین پر تہمت زنا لگاتے ہیں' پھر وہ چار گواہ پیش نہیں کرتے تو تم انھیں اسّی (٨٠) کوڑے مارو۔'' [لَمَّا نَزَلَ عُذْرِي] عذر سے مراد وہ آیات ہیں جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا بیان ہے اور وہ سورۂ نور کی (١١ تا ٢٠) دس آیات ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان آیات کو عذر کا نام اس لیے دیا کہ ان آیات نے انھیں جھوٹی تہمت سے اس طرح بری کر دیا تھا جس طرح عذر معذور کو اس کے جرم سے بری کر دیتا ہے۔ اور ان کا واقعۂ افک مشہور و معروف ہے۔ ہوا یوں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۵ یا ٦ ہجری میں غزوۂ مریسیع (غزوۂ بنی مصطلق) سے واپس آ رہی تھیں کہ صبح کی تاریکی میں ایک جگہ اپنا ہار گم کر بیٹھیں' اسے تلاش کرنے میں مشغول ہو گئیں اور قافلے نے کوچ کر لیا۔ لوگوں نے ان کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر لاد دیا اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ اس میں موجود ہیں' پھر جب وہ ہار کی تلاش کے بعد واپس اپنی جگہ پر تشریف لائیں تو اتنے میں صفوان بن معطل سلمی کا ادھر سے گزر ہوا جو قافلے کی گری پڑی چیزیں اٹھانے کے لیے پیچھے چھوڑے گئے تھے۔ انھوں نے آپ کو اپنے اونٹ پر سوار ہونے کو کہا اور خود اونٹ کی مہار پکڑ کر پیدل چل پڑے۔ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے راستے میں کوئی بات نہیں کی تا آنکہ ظہر کے وقت انھیں نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا' چنانچہ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے جب انھیں دیکھا تو فوراً ان پر تہمت لگا دی۔ اس منافق نے اور اس کے ہم مشرب منافق لوگوں نے اس خبر کو خوب مشہور کیا اور اسے لوگوں میں پھیلایا یہاں تک کہ اس جرم کی اشاعت میں تین مخلص مومن بھی حصہ دار بن گئے اور وہ تھے: حضرت حسان بن ثابت' حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم۔ معاملہ بہت بڑھ گیا۔ قریب تھا کہ مہلک اضطرابات واقع ہو جاتے۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس

١٠٤٩- [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، باب في حد القاذف، حديث: ٤٤٧٤، والترمذي، تفسير القرآن، حديث: ٣١٨١، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٦٧، وأحمد: ٦/ ٣٥، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٣٢٥، حديث: ٧٣٥١

کے بارے میں کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ ایک مہینہ گزر جانے کے بعد جب انھیں خبر ہوئی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور اپنے والد کے گھر چلی گئیں اور وہاں جا کر اس خبر کی تحقیق کی۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ لوگ ان کے بارے میں یہ کچھ کہہ رہے ہیں تو زارو قطار رونے لگیں اور روتے روتے دو راتیں گزر گئیں اور وہ مسلسل روتی ہی رہیں، پھر نبی ﷺ حضرت عائشہ ؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور اس معاملے میں ان سے گفتگو فرمائی جو اس سے پہلے نہیں فرمائی تھی۔ اس موقع پر ان کی براءت میں آیات نازل ہوئیں۔ [أَمرَ بِرَجُلَيْن] دو مردوں اور ایک عورت کو حد قذف لگانے کا حکم فرمایا۔ یہ دو مرد حضرت حسان بن ثابت اور حضرت مسطح بن اثاثہ ؓ تھے اور عورت حضرت حمنہ بنت جحش ؓ تھیں۔ ان حضرات نے اس تہمت کو پھیلانے میں حصہ لیا تھا، اسی وجہ سے انھیں حد قذف لگائی گئی۔ [فضُرِبُوا الحدّ] فعل صیغۂ مجہول ہے۔

(١٠٥٠) وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: أَوَّلُ لِعَانٍ كَانَ فِي الْإِسْلَامِ أَنَّ شَرِيكَ بْنَ سَحْمَاءَ قَذَفَهُ هِلَالُ بْنُ أُمَيَّةَ بِامْرَأَتِهِ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**الْبَيِّنَةَ، وَإِلَّا فَحَدٌّ فِي ظَهْرِكَ**»، اَلْحَدِيثَ. أَخْرَجَهُ أَبُو يَعْلٰى. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ، وَفِي الْبُخَارِيِّ نَحْوُهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا

[1050] حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ اسلام میں لعان کا پہلا واقعہ شریک بن سحماء کا تھا۔ ان پر ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ”ثبوت لاؤ ورنہ تمھاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔“ (پھر) راوی نے پوری حدیث بیان کی۔ (اس حدیث کو ابویعلیٰ نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور بخاری میں اسی جیسی روایت حضرت ابن عباس ؓ کے حوالے سے منقول ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْبَيِّنَة] منصوب ہے، یعنی: هات البينة ”ثبوت پیش کرو“ اور ثبوت چار گواہ ہیں۔ [وَإِلَّا فَحدٌّ فِي ظَهْرِكَ] ورنہ تمھاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر اگر اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائے اور گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس پر حد واجب ہے مگر یہ حد لعان سے منسوخ ہو چکی ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب شوہر لعان سے بھی انکار کر دے تو اس پر بہرصورت حد واجب ہوگی۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔

وضاحت: [حضرت شریک بن سحماء ؓ] یہ انصار کے حلیف قبیلے بنو بَلِي سے تھے۔ ہلال بن امیہ نے ان پر اپنی بیوی کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی۔ ایک قول کے مطابق یہ اپنے والد کے ہمراہ غزوۂ احد میں حاضر تھے اور یہ براء بن مالک کے مادری بھائی تھے۔ ان کے والد کا نام عبدہ بن مُعَتِّب تھا اور سحماء ان کی والدہ کا نام تھا۔

[حضرت ہلال بن امیہ ؓ] ان کا تعلق انصار کے قبیلۂ اوس کی شاخ ”بنو واقف“ سے تھا۔ مشہور و معروف صحابۂ کرام ؓ میں سے تھے۔ قدیم الاسلام تھے۔ بنو واقف کے بتوں کو توڑا کرتے تھے۔ بدر و احد کے معرکوں میں شریک

١٠٥٠۔ [صحیح] أخرجه أبويعلى: ٥/ ٢٠٧، حديث: ٢٨٢٤، وحديث ابن عباس، أخرجه البخاري، التفسير، حديث: ٤٧٤٧.

ہوئے۔ فتح مکہ کے دن بنو واقف کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ان تین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک تھے جو معرکۂ تبوک کے موقع پر پیچھے رہ گئے' پھر پچاس روز کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

(١٠٥١) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: لَقَدْ أَدْرَكْتُ أَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، فَلَمْ أَرَهُمْ يَضْرِبُونَ الْمَمْلُوكَ فِي الْقَذْفِ إِلَّا أَرْبَعِينَ. رَوَاهُ مَالِكٌ وَالثَّوْرِيُّ فِي جَامِعِهِ.

[1051] حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر' عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والوں کا عہد پایا ہے۔ میں نے انھیں غلاموں کو سزائے قذف میں چالیس (کوڑوں) سے زیادہ مارتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (اسے مالک نے روایت کیا ہے اور ثوری نے اپنی جامع میں بیان کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث کی رو سے غلام اور لونڈی کی حد آزاد مرد و عورت سے آدھی ہے' مثلاً: زنا کی حد میں ان پر پچاس کوڑے ہیں۔ اسی طرح حد قذف کا نصف چالیس کوڑے ہیں۔ جمہور اہل علم کا یہی مسلک ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عبداللہ بن عامر] ابوعمران کی کنیت سے مشہور ہیں۔ سات قاریوں میں سے ایک مشہور و معروف قاری تھے۔ تابعین کے طبقۂ دوم میں سے تھے اور ثقہ و حافظ تھے۔

(١٠٥٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَذَفَ مَمْلُوكَهُ يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِلَّا أَنْ يَكُونَ كَمَا قَالَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1052] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے غلام (یا لونڈی) پر تہمت لگائے اس پر قیامت کے روز حد لگائی جائے گی الا یہ کہ وہ اسی طرح ہو جس طرح کہ اس نے کہا ہے یعنی (وہ تہمت سچی ہو۔'') (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] اس پر قیامت کے روز حد لگائی جائے گی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مالک اپنے غلام پر تہمت لگاتا ہے تو دنیا میں اس پر کوئی حد نہیں ہے' اسے قیامت کے روز اللہ رب العالمین ہی سزا دے گا۔ اور اگر تہمت سچی ہوگی تو پھر مالک بریٔ الذمہ ہوگا اور غلام کو جرم کی سزا دی جائے گی۔

٣ - بَابُ حَدِّ السَّرِقَةِ

باب:3- چوری کی حد کا بیان

(١٠٥٣) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا

[1053] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' رسول اللہ

١٠٥١ـ [صحيح] أخرجه مالك في الموطأ: ٢/ ٨٢٨، وسفيان الثوري في الجامع.

١٠٥٢ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب قذف العبيد، حديث: ٦٨٥٨، ومسلم، الأيمان، باب التغليظ على من قذف مملوكه بالزنى، حديث: ١٦٦٠.

١٠٥٣ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب قول الله تعالى: ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما﴾، حديث: ٦٧٨٩، ومسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: ١٦٨٤، وأحمد: ٦/ ٨٠.

قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تُقْطَعُ يَدُ سَارِقٍ إِلَّا فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَلَفْظُ الْبُخَارِيِّ: «تُقْطَعُ يَدُ السَّارِقِ فِي رُبْعِ دِينَارٍ فَصَاعِدًا».

ﷺ نے فرمایا: ''چور کا ہاتھ چوتھائی دینار یا اس سے زائد چوری کرنے پر ہی کاٹا جائے۔'' (بخاری ومسلم- یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔) اور بخاری کے الفاظ ہیں: ''چور کا ہاتھ چوتھائی دینار یا اس سے زائد پر کاٹا جائے گا۔''

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ: «اِقْطَعُوا فِي رُبْعِ دِينَارٍ، وَلَا تَقْطَعُوا فِيمَا هُوَ أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ».

اور احمد کی روایت میں ہے: ''چوتھائی دینار میں ہاتھ کاٹ دو اور اس سے کم قیمت کی چوری پر نہ کاٹو۔''

لغوی تشریح: [بَابُ حَدِّ السَّرِقَةِ] سرقة میں ''سین'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے۔ اور سرقہ کہتے ہیں: کسی محفوظ جگہ سے کسی ایسی چیز کو خفیہ طور سے لے لینا کہ جسے لینا جائز و درست نہ تھا۔ [فَصَاعِدًا] یہ حال مؤکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کا استعمال کبھی ''فا'' سے ہوتا ہے اور کبھی لفظ ''ثم'' سے، لیکن ''واؤ'' سے استعمال نہیں ہوتا اور اس کے معنی ہیں: خواہ اس سے زیادہ ہو۔ [أَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ] اس سے کم تر ہو۔

(١٠٥٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَطَعَ فِي مِجَنٍّ ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1054] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ڈھال کی چوری میں، جس کی قیمت تین درہم تھی، ہاتھ کاٹا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [قَطَعَ] چور کا دایاں ہاتھ گٹے (کلائی) تک کاٹا۔ [فِي مِجَنٍّ] ''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''نون'' مشدد ہے۔ ڈھال۔ ڈھال کو مِجَنّ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کے لیے پردہ اور حفاظت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ [ثَمَنُهُ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ] اس کی قیمت تین درہم تھی۔

فائدہ: مذکورہ روایت چوتھائی دینار والی سابقہ روایت کے معارض اور منافی نہیں کیونکہ اس دور میں چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا۔ جمہور ان دونوں حدیثوں پر عمل کرنے کے قائل ہیں مگر ان کے مابین عمل کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ امام مالک، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ چوتھائی دینار یا تین درہم یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے برابر قیمت کے عوض ہاتھ کاٹا جائے گا، اس سے کم کے عوض نہیں، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اصل نصاب چوتھائی دینار سونا یا اس کے بقدر قیمت ہی ہے۔ اب وہ قیمت، خواہ تین درہم ہو یا اس سے کم و بیش۔ ہمارے نزدیک امام شافعی رحمہ اللہ کا قول راجح ہے۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے چوتھائی دینار کے عوض قطع ید کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''اس سے کم کے عوض ہاتھ نہ کاٹو.....'' چنانچہ اگر تین درہم کی قیمت چوتھائی دینار سے کم ہو تو اس فرمان رسول کے پیش نظر اس کے عوض قطع ید کیسے درست ہو سکتا ہے؟ یاد رہے کہ اس مسئلے میں دو آراء اور بھی ہیں: ایک تو یہ کہ قطع ید کا سرے سے کوئی نصاب ہی نہیں۔ جس طرح کثیر مقدار کے مال کے عوض ہاتھ کاٹا جائے گا اسی طرح قلیل کے عوض بھی۔ یہ ظاہر یہ کی رائے

١٠٥٤ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب قول الله تعالى: ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما﴾، حديث: ٦٧٩٥، ومسلم، الحدود، باب حد السرقة و نصابها، حديث: ١٦٨٦.

ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ قطع ید کا نصاب دس (۱۰) درہم ہے' اس سے کم کے عوض قطع ید نہیں۔ یہ احناف کا قول ہے۔ اور یہ دونوں اقوال احادیث کے معارض ہونے کی وجہ سے مردود اور نا قابل حجت ہیں۔ و اللّٰہ أعلم.

(١٠٥٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَعَنَ اللّٰهُ السَّارِقَ، يَسْرِقُ الْبَيْضَةَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ، وَيَسْرِقُ الْحَبْلَ فَتُقْطَعُ يَدُهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ أَيْضًا.

[1055] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس چور پر جو انڈا چوری کر کے اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔ اور رسی چوری کرتا ہے اور اپنا ہاتھ کٹوا لیتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ظاہریہ نے استدلال کیا ہے کہ قطع ید کی سزا قلیل و کثیر مال دونوں میں ہے' اس کا کوئی متعین و مقرر نصاب نہیں' حالانکہ اس حدیث میں یہ دلیل نہیں ہے' اس لیے کہ حدیث کا مقصد یہ ہے کہ چوری کا عمل کس قدر گھٹیا اور قابل نفرت ہے کہ چور ان معمولی اشیاء کے عوض اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس میں یہ صراحت تو نہیں کہ جب وہ رسی یا انڈہ چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' خواہ ان کی قیمت ربع دینار کو نہ پہنچے۔ ② اس کلام سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اس حدیث کی یہ تاویل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ انڈا' رسی یا ایسی معمولی اشیاء چرانے پر چور کا ہاتھ اس لیے کاٹا جائے گا کہ جب وہ معمولی سی حقیر اشیاء اٹھانے لگے تو پھر چوری اس کی عادت بن جائے گی اور یہ عادت اسے اتنی بڑی چیزیں اٹھانے کی بھی جرأت دلا دے گی جن کی قیمت اس نصاب تک پہنچ جاتی ہے جس میں وہ ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے۔

(١٠٥٦) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ تَعَالٰى؟» ثُمَّ قَامَ، فَخَطَبَ، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ. وَلَهُ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتِ امْرَأَةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ، وَتَجْحَدُهُ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ

[1056] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ''لوگو! بے شک تم سے پہلے لوگوں کو اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کر لیتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور (کم حیثیت والا) آدمی چوری کرتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔'' (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔) اور مسلم میں ایک اور سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے منقول ہے کہ

١٠٥٥ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب قول الله تعالى: ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما﴾، حديث: ٦٧٩٩، ومسلم، الحدود، باب حد السرقة ونصابها، حديث: ١٦٨٧.

١٠٥٦ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب كراهية الشفاعة في الحد إذا رفع إلى السلطان، حديث: ٦٧٨٨، ومسلم، الحدود، باب قطع السارق الشريف وغيره ...، حديث: ١٦٨٨.

بِقَطْعِ يَدِهَا .

ایک عورت ادھار سامان لیا کرتی تھی' پھر انکار کر دیتی تھی تو نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا۔

لغوی تشریح: [أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ] رسول اللہ ﷺ نے یہ بات حضرت اسامہ بن زید ؓ سے مخاطب ہو کر فرمائی تھی جب انھوں نے بنو مخزوم قبیلے کی فاطمہ نامی ایک چور عورت سے سزا کو ساقط کرانے کے لیے سفارش کی تھی۔ یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ حدود میں کسی کی سفارش کرنا جائز نہیں۔ [كَانَتِ امْرَأَةٌ تَسْتَعِيرُ الْمَتَاعَ وَ تَجْحَدُهُ] ایک عورت سامان ادھار لے کر انکار کر دیتی تھی۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت سے امام احمد' امام اسحق ؒ اور ظاہریہ نے استدلال کیا ہے کہ جو عاریتاً چیز لے کر انکار کرے اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہے مگر جمہور کی رائے ہے کہ انکار پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ مخزومیہ خاتون کا قصہ کئی سندوں سے مروی ہے۔ اکثر روایات میں ہے کہ وہ چوری کرتی تھی اور بعض میں یہاں تک صراحت ہے کہ اس نے نبی ﷺ کے گھر سے چادر چوری کی تھی' چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم چوری کی وجہ سے تھا۔ ② رہا اس کے عاریتاً لے کر انکار کرنے کا ذکر تو وہ اس کی عادت تھی اور اپنی اسی عادت کی بنا پر وہ اس طرح معروف و مشہور تھی' جیسے وہ قبیلۂ مخزوم سے ہونے کی وجہ سے مخزومیہ مشہور تھی' اس لیے یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ اس کے لیے قطع ید کی سزا کا حکم عاریتاً لی ہوئی چیز کے انکار کرنے کی وجہ سے تھا۔

(١٠٥٧) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَيْسَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ وَلَا مُنْتَهِبٍ قَطْعٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

[1057] حضرت جابر ؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''خیانت کرنے والے' اچک کر لے جانے والے اور ڈاکا ڈالنے والے کے لیے قطع ید کی سزا نہیں ہے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [خَائِنٍ] خائن اسے کہتے ہیں جو خفیہ طور پر مال لے لے اور مالک کے روبرو خیر خواہی کا اظہار کرے۔ اور مرقاۃ شرح مشکاۃ میں ہے کہ خائن وہ ہے جسے کوئی چیز بطور ادھار یا امانت سپرد کی جائے اور وہ اس پر قبضہ خود کر کے کہے کہ وہ چیز ضائع ہوگئی ہے یا سرے سے اس امانت یا عاریہ کا انکار ہی کر دے۔ [مُخْتَلِسٍ] اچانک کسی سے چیز اچک کر لے جانے والا' جو مال کو بڑی پھرتی اور سرعت سے چھین کر رفو چکر ہو جائے۔ [مُنْتَهِبٍ] علی الاعلان جبراً اور زبردستی کسی سے مال چھین لینے والا۔

١٠٥٧_ [صحيح] أخرجه أبوداود، الحدود، باب القطع في الخلسة والخيانة، حديث: ٤٣٩١، والترمذي، الحدود، حديث: ١٤٤٨، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٩٧٨، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٩١، وأحمد: ٣/ ٣٨٠، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ٣١٦، حديث: ٤٤٤٠.

(١٠٥٨) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ، وَلَا فِي كَثَرٍ». رَوَاهُ الْمَذْكُورُونَ وَصَحَّحَهُ أَيْضًا التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

[1058] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''پھل اور درخت خرما کی گری (چرانے) میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اسے بھی صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [كَثَرٍ] ''کاف'' اور ''ثا'' دونوں پر فتحہ ہے۔ درخت خرما کی گری جو تنے کے وسط میں پائی جاتی ہے اور چربی کی طرح رنگت میں سفید ہوتی ہے اور اسے کھایا جاتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے ظاہری معنی و مفہوم سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جو پھل ابھی درخت پر ہوں اور تر ہوں، وہ محفوظ جگہ میں ہوں یا غیر محفوظ جگہ میں، ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ پھر اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ گوشت، دودھ، مشروبات، روٹیاں وغیرہ کھانے کی اشیاء میں بھی قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ لیکن جمہور نے یہ قید لگائی ہے کہ اگر یہ اشیاء غیر محفوظ ہوں تو ان کے لینے میں قطع ید نہیں ورنہ یہ چوری ہوگی اور قطع ید کی سزا بھی ہوگی۔ انھوں نے یہ قید اس حدیث اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی (دو احادیث کے بعد آنے والی) حدیث میں تطبیق پیدا کرنے کی غرض سے لگائی ہے۔ اور انھوں نے کہا کہ اس حدیث کا دراصل تعلق اہل مدینہ کی اس عمومی عادت کے ساتھ ہے کہ وہ اپنے باغات کو محفوظ و مامون نہیں رکھتے تھے۔

(١٠٥٩) وَعَنْ أَبِي أُمَيَّةَ الْمَخْزُومِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِلِصٍّ قَدِ اعْتَرَفَ اعْتِرَافًا، وَلَمْ يُوجَدْ مَعَهُ مَتَاعٌ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ»، قَالَ: بَلٰى، فَأَعَادَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَمَرَ بِهِ، فَقُطِعَ، وَجِيءَ بِهِ، فَقَالَ: «اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ، وَتُبْ إِلَيْهِ». فَقَالَ: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، وَأَتُوبُ إِلَيْهِ. فَقَالَ: «اللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ». ثَلَاثًا. أَخْرَجَهُ أَبُو

[1059] حضرت ابوامیہ مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ اس نے چوری کا اعتراف کیا مگر سامان اس کے پاس نہ پایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''میں خیال نہیں کرتا کہ تم نے چوری کی ہوگی۔'' اس نے کہا: کیوں نہیں! (میں نے چوری کی ہے۔) آپ نے دو یا تین مرتبہ اسی طرح دہرایا۔ پھر آپ نے حکم صادر فرمایا اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس کے بعد اسے آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اللہ

١٠٥٨ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، الحدود، باب ما لا قطع فيه، حديث: ٤٣٨٨، والترمذي، الحدود، حديث: ١٤٤٩، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٩٦٣، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٩٣، وأحمد: ٣/ ٤٦٣، ٤/ ١٤٠، ١٤٢، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ٣١٨، حديث: ٤٤٤٩.

١٠٥٩ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في التلقين في الحد، حديث: ٤٣٨٠، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٨٨١، وأحمد: ٥/ ٢٩٣، وحديث أبي هريرة: أخرجه الحاكم: ٤/ ٣٨١، وصححه على شرط مسلم، والبزار (كشف الأستار): ٢/ ٢٢٠.

دَاوُدَ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَأَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ. وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

سے اپنے گناہ کی بخشش مانگ اور اس سے توبہ کر۔'' اس نے کہا: میں اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں اور اس کے حضور توبہ کرتا ہوں، پھر آپ نے تین مرتبہ فرمایا: ''الٰہی! اس کی توبہ قبول فرما۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ الفاظ بھی اسی کے ہیں' نیز احمد اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

وَأَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فَسَاقَهُ بِمَعْنَاهُ، وَقَالَ فِيهِ: «اِذْهَبُوا بِهِ فَاقْطَعُوهُ، ثُمَّ احْسِمُوهُ». وَأَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ أَيْضًا، وَقَالَ: لَا بَأْسَ بِإِسْنَادِهِ.

اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ ؓ کے حوالے سے اسی مفہوم کے مطابق اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ''اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو' پھر اسے داغ دینا۔'' (اسے بزار نے بھی روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں ہے۔)

لغوی تشریح: [مَا إِخَالُكَ سَرَقْتَ] خلاف قیاس مضارع متکلم کے ہمزہ کے نیچے کسرہ ہے۔ معنی ہیں: میرا گمان نہیں ہے' میں نہیں سمجھتا کہ تو نے چوری کی ہوگی۔ [اِحْسِمُوهُ] حَسَم سے ماخوذ ہے۔ اور باب ضرب یضرب سے امر کا صیغہ ہے۔ قطع کی جگہ کو آگ سے داغنا تاکہ خون بہنے کی جگہیں اور راستے بند ہو جائیں۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ بعض محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح لغیرہ قرار دیا ہے جیسا کہ مصنف نے بھی مذکورہ روایت حضرت ابوہریرہ ؓ سے بیان کی ہے اور کہا ہے: [لَا بَأْسَ بِإِسْنَادِهِ] اس کی سند میں کوئی نقص نہیں' لہٰذا یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ روایت شواہد کی بنا پر قابل عمل ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۳۷/۱۸۴) ② اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس نے عدالت کے روبرو چوری کا اعتراف کر لیا ہو گو اس سے مال و متاع برآمد نہ ہوا ہو تو اس کی سزا قطع ید ہے۔ ③ قطع ید کے بعد کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جس سے خون بہنا بند ہو جائے۔ اگر بروقت اس کا یہ مداوا نہ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں خون بہہ کر وہ جاں بحق ہو جائے تو اس کی دیت بیت المال پر پڑ جائے گی۔ ④ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس چور کا ہاتھ کٹ جائے اسے یہ سزا ملنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور طلب استغفار اور توبہ کرنی چاہیے اور یہ عزم و عہد کرنا چاہیے کہ آئندہ اس فعل قبیح کا ارتکاب نہیں کرے گا۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابوامیہ مخزومی ؓ] ان کا تعلق حجاز سے ہے۔ صحابی ہیں۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔ حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ یہ مخزومی ہیں۔ اور ہمام بن یحییٰ نے کہا ہے کہ ان کا تعلق انصار سے تھا۔

(١٠٦٠) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «**لَا يُغَرَّمُ السَّارِقُ إِذَا أُقِيمَ عَلَيْهِ الْحَدُّ**». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَبَيَّنَ أَنَّهُ مُنْقَطِعٌ، وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: هُوَ مُنْكَرٌ.

[1060] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب چور پر حد قائم کر دی جائے تو پھر اس پر تاوان (جرمانہ) نہیں ڈالا جائے گا۔'' (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ منقطع ہے اور ابوحاتم نے اسے منکر کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا یُغَرَّمُ] تغریم سے ماخوذ صیغۂ مجہول ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے حکم میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر چور کے پاس چوری شدہ مال بعینہٖ موجود ہو تو اس سے لے لیا جائے گا ورنہ اس پر حد نافذ کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس پر کسی قسم کا تاوان اور جرمانہ نہیں ڈالا جائے گا۔ سبل السلام میں ہے کہ امام شافعی' امام احمد رحمہ اللہ اور دوسرے اہل علم کے نزدیک اس پر تاوان ڈالا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی منقول ہے۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''ہاتھ ضامن ہے اس چیز کا جسے اس نے لیا یہاں تک کہ اسے ادا کر دے۔'' (سنن أبي داود' البيوع' باب في تضمين العارية، حديث:٣٥٦١' وجامع الترمذي' البيوع' باب ماجاء في أن العارية مؤداة' حديث:١٢٦٦) جبکہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعف کی بنا پر قابل استدلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے: ''آپس میں باطل طریقے سے اپنے اموال نہ کھاؤ۔'' (البقرة ٢:١٨٨) اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''کسی مسلم شخص کا مال حلال نہیں اِلاّ یہ کہ وہ اپنی دلی خوشی سے کھانے کی اجازت دے۔'' (إرواء الغليل' ٥/٢٧٩' حديث:١٤٥٩) نیز اس لیے بھی کہ اس میں دو حق جمع ہو گئے۔ ایک اللہ کا حق اور دوسرا آدمی کا حق۔ ہر ایک حق اپنی ادائیگی کا تقاضا کرتا ہے' نیز جب اس بات پر اجماع ہے کہ اگر مال اپنی اصلی حالت میں موجود ہو تو وہ چور سے لے لیا جائے گا تو پھر دیگر اموال واجبہ پر قیاس کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اگر مال اپنی اصلی حالت میں چور سے نہ مل سکے تو اس پر تاوان عائد ہو گا اور وہ اس کی ادائیگی کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔ اس قول اور رائے کی مضبوطی اور پختگی مخفی نہیں ہے۔ (سبل السلام۔ ملخصًا)

(١٠٦١) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ التَّمْرِ الْمُعَلَّقِ، فَقَالَ: «**مَنْ أَصَابَ بِفِيهِ، مِنْ ذِي حَاجَةٍ، غَيْرَ مُتَّخِذٍ خُبْنَةً، فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ**

[1061] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے درختوں پر لٹکی ہوئی کھجوروں کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''جو ضرورت مند شخص اسے وہیں کھا لے اور دامن نہ بھرے تو اس پر کوئی سرزنش نہیں۔ اور جو شخص وہاں سے کچھ لے کر نکل

١٠٦٠ـ [إسناده ضعيف] أخرجه النسائي، قطع السارق، باب تعليق يد السارق في عنقه، حديث: ٤٩٨٧. * السند منقطع كما قال البيهقي: ٨/ ٢٧٧ وغيره.

١٠٦١ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب ما لا قطع فيه، حديث: ٤٣٩٠، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٩٦١، والحاكم.

فَعَلَيْهِ الْغَرَامَةُ وَالْعُقُوبَةُ، وَمَنْ خَرَجَ بِشَيْءٍ مِنْهُ بَعْدَ أَنْ يُؤْوِيَهُ الْجَرِينُ، فَبَلَغَ ثَمَنَ الْمِجَنِّ، فَعَلَيْهِ الْقَطْعُ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

جائے تو اس پر تاوان بھی ہے اور سزا بھی۔ اور جو شخص کھجور کے کھلیان میں پہنچنے کے بعد اس میں سے کچھ لے جائے اور وہ ڈھال کی قیمت کے مساوی ہو تو اس پر قطع ید کی سزا نافذ ہوگی۔" (اسے ابوداود اور نسائی نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلثَّمَرِ] "تا" پر فتحہ اور "میم" ساکن ہے یعنی کھجور۔ [اَلْمُعَلَّقِ] درختوں پر لگی اور لٹکی ہوئی۔ [بِفِيهِ] منہ سے کھالے۔ [خُبْنَةً] "خا" پر ضمہ ہے۔ کپڑے کا پلو' مطلب ہے کہ کپڑے میں باندھ کر نہ لے جائے۔ [اَلْغَرَامَةُ] جتنا اناج لیا ہے اسی کی مثل تاوان ہوگا۔ [وَالْعُقُوبَةُ] بطور سزا اور عبرت چند کوڑے۔ [يُؤْوِيَهُ] اکٹھا کر لے' جمع کر لے۔ [اَلْجَرِينُ] "جیم" پر فتحہ اور "را" کے نیچے کسرہ ہے۔ کھجوروں کو خشک کرنے کی جگہ' جیسے گندم کے لیے کھلیان ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں' مثلاً: پھل درخت کے اوپر ہی ہیں، ابھی تک توڑنے کی نوبت نہیں آئی' ایک بھوکا مسافر پھل توڑ کر کھا کر اپنی بھوک مٹا لیتا ہے تو اس پر بالاتفاق کوئی جرمانہ اور تاوان عائد ہوگا نہ اسے چوری کی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا، لیکن اگر پھلوں کو پہلے درختوں سے اتارے پھر شکم سیر بھی ہو جائے، مزید برآں گٹھڑی باندھ کر ساتھ لے جانے کی بھی تیاری کرے تو ایسی صورت میں اس پر جرمانہ اور تاوان بھی عائد ہوگا اور سزا بھی دی جائے گی۔ اور اگر مالک نے پھل درختوں سے اتار کر ڈھیر کر لیے ہوں اور اس ڈھیر کی نوعیت محفوظ سامان کی ہو، پھر اس میں سے چوری کی صورت میں قطع ید کی سزا ہوگی بشرطیکہ مسروقہ پھل یا اناج کی قیمت قطع ید کے نصاب کے مساوی ہو۔ ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مالی جرمانہ بھی جائز ہے۔ ③ جمہور اہل علم نے سزائے قطع ید میں مال کے محفوظ ہونے کی جو شرط لگائی ہے ان کا استدلال بھی اسی حدیث سے ہے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

(١٠٦٢) وَعَنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَهُ - لَمَّا أَمَرَ بِقَطْعِ الَّذِي سَرَقَ رِدَاءَهُ فَشَفَعَ فِيهِ -: «هَلَّا كَانَ ذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ تَأْتِيَنِي بِهِ؟» أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَالْحَاكِمُ.

[1062] حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا' جبکہ آپ نے اس آدمی کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تھا جس نے ان (صفوان) کی چادر چرائی تھی اور انھوں نے اس کے حق میں سفارش کی تھی: "اسے میرے پاس لانے سے پہلے تم سے ایسا کیوں نہ ہوا (کہ اسے معاف کر دیتے؟)" (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن جارود اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

١٠٦٢- [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في من سرق من حرز، حديث: ٤٣٩٤، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٨٨٢، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٩٥، والحاكم: ٤/ ٣٨٠، والترمذي: لم أجده.

فوائد و مسائل: ① یہ چوری کا واقعہ یوں ہے کہ صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ بطحاء یا مسجد حرام میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک آدمی آیا اور ان کے سر کے نیچے سے چادر کھینچ لی۔ اسے گرفتار کر کے نبی ﷺ کی عدالت میں پیش کیا گیا اور آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا تو صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اسے معاف کیا اور درگزر کیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ تو نے میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں کیا؟'' پھر آپ نے اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا۔ ② اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ جب مقدمہ عدالت و حاکم کے پاس چلا جائے تو پھر معافی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

(١٠٦٣) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: جِيءَ بِسَارِقٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «اُقْتُلُوهُ»، فَقَالُوا: إِنَّمَا سَرَقَ يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «اِقْطَعُوهُ»، فَقُطِعَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّانِيَةَ، فَقَالَ: «اُقْتُلُوهُ»، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الثَّالِثَةَ، فَذَكَرَ مِثْلَهُ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الرَّابِعَةَ كَذٰلِكَ، ثُمَّ جِيءَ بِهِ الْخَامِسَةَ فَقَالَ: «اُقْتُلُوهُ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَاسْتَنْكَرَهُ، وَأَخْرَجَ مِنْ حَدِيثِ الْحَارِثِ بْنِ حَاطِبٍ نَحْوَهُ، وَذَكَرَ الشَّافِعِيُّ أَنَّ الْقَتْلَ فِي الْخَامِسَةِ مَنْسُوخٌ.

[1063] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے قتل کر دو۔'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس نے تو چوری کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس کا ہاتھ کاٹ دو۔'' چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ پھر اسے دوبارہ پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے مار ڈالو۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پہلے کی طرح ذکر کیا۔ پھر اسے تیسری بار لایا گیا تو پھر اسی طرح ذکر کیا۔ پھر اسی طرح چوتھی مرتبہ گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ پھر پانچویں مرتبہ گرفتار کر کے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''اسے قتل کر دو۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور نسائی نے اسے منکر قرار دیا ہے اور حارث بن حاطب کے حوالے سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ پانچویں مرتبہ مار ڈالنا منسوخ ہے۔)

فائدہ: علمائے کرام اس سزا کی (یہ) توجیہ بیان کرتے ہیں کہ شاید رسول اللہ ﷺ کو اس کی حقیقت سے مطلع کر دیا گیا تھا اسی لیے آپ شروع ہی سے اسے قتل کرنے کا کہتے رہے کہ یہ زمین میں فساد پھیلانے والا ہے اور ایسے آدمیوں کی یہی سزا ہوتی ہے۔ قرآن مقدس میں ارشاد باری ہے: ﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ﴾ (المآئدة٥:٣٣) ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلا وطن کر دیا جائے۔'' اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی قاضی یا حاکم دو تین چوریوں پر اس قدر شدید حکم نہیں لگا سکتا۔ یہ رسول اللہ ﷺ ہی کا معجزہ

١٠٦٣ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في السارق يسرق مرارًا، حديث: ٤٤١٠، والنسائي، قطع السارق، حديث: ٤٩٨١، وحديث الحارث بن حاطب: أخرجه النسائي، قطع السارق، حديث: ٤٩٨٠، وسنده صحيح.

تھا کہ آپ نے ابتدا ہی سے اس کی سرشت اور عاقبت کے بارے میں خبر دے دی۔ واللہ أعلم.

راویٔ حدیث: [حضرت حارث بن حاطب جمحی قرشی رضی اللہ عنہ] حبشہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے مکہ میں ٦٦ ہجری میں والی مقرر ہوئے اور چھ سال ان کی امارت کے تحت کام کیا۔ مروان کی امارت مدینہ کے دوران میں ان کے ساتھ بھی کافی تعاون کیا۔

٤ - بَابُ حَدِّ الشَّارِبِ وَبَيَانِ الْمُسْكِرِ

باب: 4- شراب پینے والے کی حد اور نشہ آور چیزوں کا بیان

(١٠٦٤) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ شَرِبَ الْخَمْرَ، فَجَلَدَهُ بِجَرِيدَتَيْنِ نَحْوَ أَرْبَعِينَ. قَالَ: وَفَعَلَهُ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، اسْتَشَارَ النَّاسَ، فَقَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ: أَخَفُّ الْحُدُودِ ثَمَانُونَ، فَأَمَرَ بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1064] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی ہوئی تھی۔ آپ نے اسے دو چھڑیوں سے چالیس (٤٠) کے لگ بھگ کوڑے لگوائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ سزا دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا تو انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہلکی ترین سزا اسی (٨٠) کوڑے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کا حکم صادر فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

وَلِمُسْلِمٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ فِي قِصَّةِ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ: جَلَدَ النَّبِيُّ ﷺ أَرْبَعِينَ، وَأَبُو بَكْرٍ أَرْبَعِينَ، وَعُمَرُ ثَمَانِينَ، وَكُلٌّ سُنَّةٌ، وَهٰذَا أَحَبُّ إِلَيَّ. وَفِي الْحَدِيثِ: أَنَّ رَجُلًا شَهِدَ عَلَيْهِ: أَنَّهُ رَآهُ يَتَقَيَّأُ الْخَمْرَ، فَقَالَ عُثْمَانُ إِنَّهُ لَمْ يَتَقَيَّأْهَا حَتّٰى شَرِبَهَا.

اور مسلم میں ولید بن عقبہ کے واقعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے (شرابی کو) چالیس (٤٠) اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چالیس (٤٠) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی (٨٠) کوڑے سزا دی اور ان میں سے ہر ایک سنت ہے اور یہ مجھے زیادہ محبوب ہے۔ اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک آدمی نے ولید کے خلاف شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے شراب پی تھی تو قے کی ہے۔

١٠٦٤ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب ما جاء في ضرب شارب الخمر، حديث:٦٧٧٣، ومسلم، الحدود، باب حد الخمر، حديث:١٧٠٦، وحديث علي رضي الله عنه: أخرجه مسلم، الحدود، حديث:١٧٠٧.

لغوی تشریح: [بَابُ حَدِّ الشَّارِبِ] شراب پینے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے۔ [بِجَرِيدَتَيْنِ] شاخ خرما۔ کھجور کی چھڑی۔ اسے جریدہ اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر سے پتے جھڑ چکے ہوتے ہیں اور یہ صاف ہوتی ہے۔ [نَحْوَ أَرْبَعِينَ] اس کی تفسیر میں ایک قول تو یہ ہے کہ ہر ایک چھڑی سے بیس مرتبہ مارا گیا، اور دونوں کی مجموعی تعداد چالیس ہوگئی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ دونوں چھڑیوں کو اکٹھا کر کے چالیس مرتبہ مارا گیا اس طرح یہ اسی (۸۰) کی تعداد ہوئی۔ بظاہر پہلا معنی ہی درست اور راجح معلوم ہوتا ہے بلکہ دیگر روایات بھی اسی کی مؤید ہیں۔ [أَخَفُّ الْحُدُودِ ثَمَانُونَ] حدود میں ہلکی اور خفیف ترین سزا اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور یہ قذف (تہمت زنا) کی سزا ہے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مسعود میں شراب نوشی کی حد متعین نہیں تھی جیسا کہ دیگر حدود مقرر و متعین تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا اور ایک مقررہ حد یعنی اسی (۸۰) کوڑے متعین کر دیے کیونکہ بعض اطراف و نواحی میں لوگ شراب نوشی میں کچھ زیادہ منہمک ہو گئے تھے اور اس کی سزا کو بے وزن و حقیر سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جانب ارسال شدہ تحریر سے ثابت ہے۔ فقہاء کے درمیان اس کی حد کے بارے میں اختلاف رہا ہے کہ وہ چالیس کوڑے ہیں یا اسی؟ مگر نبی ﷺ کے فعل کو اخذ کرنا زیادہ مناسب اور اولیٰ ہے۔ ② حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان پر شراب نوشی کا الزام لگا۔ حمران اور ایک دوسرے آدمی نے ان کے خلاف گواہی دی۔ ان میں سے ایک نے تو یہ گواہی دی کہ میں نے انھیں شراب پیتے دیکھا ہے اور دوسرے نے یہ گواہی دی کہ میں نے انھیں شراب کی قے کرتے دیکھا ہے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب تک شراب پی نہ ہو اس وقت تک قے کیسے کر سکتا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بحیثیت خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان پر حد لگائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس پر حد لگاؤ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا جو اس کی سردی کا والی ہوا وہی اس کی گرمی کا بھی والی بنے، یعنی جو آدمی خلافت کی نرمی اور لذت سے لطف اندوز ہوا ہے وہی اس کی شدت اور کڑوی صورت کو بھی اختیار کرے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے اعزاء و اقرباء میری نسبت زیادہ ولایت و اختصاص رکھتے ہیں تو پھر انھیں ہی خلافت کی بری بھلی اور تلخ و شیریں باتوں اور حالات سے نپٹنا چاہیے اور جلاد کی ذمہ داری نبھانی چاہیے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم انھیں حد لگاؤ۔ انھوں نے کوڑا پکڑا اور مارنا شروع کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ شمار کرتے جاتے تھے۔ جب وہ چالیس پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس! کافی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے چالیس (کوڑے) ہی لگائے تھے......الخ۔ ③ صاحب سبل السلام فرماتے ہیں: مصنف (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) نے صرف شراب کی قے کرنے کی گواہی دینے والے کا ذکر کیا ہے (حمران کی گواہی کا ذکر نہیں کیا۔) یہ مصنف کی کوتاہی ہے کیونکہ اس سے یہ وہم پڑتا ہے کہ شاید ولید بن عقبہ کو صرف ایک گواہی کی بنا پر کوڑے لگائے گئے تھے، حالانکہ حمران کی گواہی بھی تھی کہ اس نے انھیں شراب پیتے دیکھا ہے۔

وضاحت: [حضرت ولید بن عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہ] قریشی تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مادری بھائی تھے۔ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوئے۔ قریش کے ظریف، حلیم، بہادر اور ادیب لوگوں میں سے تھے۔ فطری شعراء میں سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ پھر شراب نوشی کے الزام پر انھیں اس منصب سے معزول کر دیا۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ

کے بعد فتنے سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے۔ رقہ میں مقیم ہوئے اور وہیں وفات پائی اور بلیخ میں دفن ہوئے۔

(١٠٦٥) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ قَالَ فِي شَارِبِ الْخَمْرِ: «إِذَا شَرِبَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ [الثَّانِيَةَ] فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الثَّالِثَةَ فَاجْلِدُوهُ، ثُمَّ إِذَا شَرِبَ الرَّابِعَةَ فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَهٰذَا لَفْظُهُ، وَالْأَرْبَعَةُ، وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ مَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ مَنْسُوخٌ، وَأَخْرَجَ ذٰلِكَ أَبُودَاوُدَ صَرِيحًا عَنِ الزُّهْرِيِّ.

[1065] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے شرابی کے متعلق فرمایا: ''جب وہ شراب پیے تو اسے کوڑے مارو۔ پھر جب دوبارہ شراب نوشی کرے تو پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر جب تیسری مرتبہ شراب پیے تو پھر کوڑے لگاؤ۔ پھر جب چوتھی دفعہ شراب نوشی کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔'' (اسے احمد نے بیان کیا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں' نیز اسے چاروں نے بھی روایت کیا ہے۔ اور ترمذی کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا قتل کرنا منسوخ ہے۔ اور ابوداود نے زہری کے حوالے سے صراحتاً اس کے نسخ کا ذکر کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① چند ایک اہل ظاہر کے سوا تمام فقہاء اس حدیث کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔ ② خون بہانے کی بہ نسبت خون کی حفاظت کرنے میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا و اتباع بہتر اور اولیٰ ہے۔ ③ دیگر احادیث میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اس حکم کے بعد چوتھی بار شراب نوشی پر قتل نہیں کیا تھا صرف کوڑوں کی سزا پر اکتفا فرمایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فَاقْتُلُوهُ یا فَاضْرِبُوا عُنُقَهُ کا حکم یا تو منسوخ ہے یا زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ ④ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بالاتفاق شراب پینے والے شخص کے لیے کسی صورت بھی موت کی سزا نہیں ہے۔

(١٠٦٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا ضَرَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَّقِ الْوَجْهَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1066] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص مارے تو چہرے (پر مارنے) سے احتراز کرے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ سزا دیتے وقت چہرے پر مارنا ناجائز اور غلط ہے۔ ② اگر کسی وجہ سے بچوں' زیر دستوں یا کسی بھی انسان یا حیوان کو مارنے کی نوبت آ جائے تو چہرے پر مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ③ چہرہ شرف انسانی کا ترجمان ہے۔ ④ مذکورہ حدیث کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حدود کے اجرا میں چہرے اور دیگر نازک اعضاء پر مارنے سے احتراز کرنا چاہیے۔

١٠٦٥ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب إذا تتابع في شرب الخمر، حديث: ٤٤٨٢، والترمذي، الحدود، حديث: ١٤٤٤، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٧٣، والنسائي في الكبرٰى: ٣/ ٢٥٦، حديث: ٥٢٩٩، وأحمد: ٤/ ٩٦، ١٠١، ٣٨٩.

١٠٦٦ـ أخرجه البخاري، العتق، باب إذا ضرب العبد فليجتنب الوجه، حديث: ٢٥٥٩، ومسلم، البر والصلة، باب النهي عن ضرب الوجه، حديث: ٢٦١٢.

(١٠٦٧) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي الْمَسَاجِدِ**». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْحَاكِمُ.

[1067] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسجدوں میں حدود نہ لگائی جائیں۔'' (اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے دیگر شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے۔ تفصیلی بحث سے انھی کی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل: ٧/ ٢٧٢، ٢٧٤، ٢٦٣، ٣٦٣' والموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٢٤/ ٣٤٤، ٣٤٦) ② اس حدیث کی رو سے مساجد میں حدود قائم نہیں کرنی چاہئیں کیونکہ مساجد صرف اللہ کی عبادت و بندگی کے لیے ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کی جگہیں ہیں۔ ایسی پاکیزہ اور رحمت کی جگہوں پر اگر حدود کا اجراء کیا جائے تو اندیشہ ہے کہ خون بہہ نکلنے یا پیشاب پاخانہ نکل جانے کی وجہ سے ان کی بے حرمتی ہو۔

(١٠٦٨) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: لَقَدْ أَنْزَلَ اللّٰهُ تَحْرِيمَ الْخَمْرِ، وَمَا بِالْمَدِينَةِ شَرَابٌ يُشْرَبُ إِلَّا مِنْ تَمْرٍ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1068] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شراب کی حرمت نازل فرمائی تو مدینہ میں اس وقت صرف کھجور سے تیار کردہ شراب پی جاتی تھی۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث کے بیان کرنے کا مقصد و مدعا یہ ہے کہ محض انگور سے کشید کردہ شراب ہی حرام نہیں بلکہ کسی بھی چیز سے تیار کردہ شراب حرام ہے جو نشہ آور ہو' انسان کی عقل کو ڈھانپ لے اور انسان اپنے حواس کھو بیٹھے۔ گویا ہر نشہ آور چیز شراب ہے۔ ہم اسے لغوی حقیقت کہیں یا شرعی' شارع علیہ السلام کے نزدیک یہ حرام ہی ہے۔ اس کی تائید آئندہ احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(١٠٦٩) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَزَلَ تَحْرِيمُ الْخَمْرِ وَهِيَ مِنْ خَمْسَةٍ: مِنَ الْعِنَبِ، وَالتَّمْرِ، وَالْعَسَلِ، وَالْحِنْطَةِ، وَالشَّعِيرِ، وَالْخَمْرُ مَا خَامَرَ الْعَقْلَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1069] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحریم شراب کا حکم نازل ہوا تو اس وقت وہ پانچ چیزوں سے تیار کی جاتی تھی: انگور' کھجور' شہد' گندم اور جو سے۔ اور خمر (شراب) ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔ (بخاری و مسلم)

١٠٦٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، الديات، باب ما جاء في الرجل يقتل ابنه يقاد منه أم لا، حديث: ١٤٠١، والحاكم: ٤/ ٣٦٩.

١٠٦٨ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب تحريم الخمر ...، حديث: ١٩٨٢.

١٠٦٩ـ أخرجه البخاري، الأشربة، باب الخمر من العنب وغيره، حديث: ٥٥٨١، ومسلم، التفسير، باب في نزول تحريم الخمر، حديث: ٣٠٣٢.

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث میں پانچ چیزوں سے شراب تیار کرنے کا ذکر ہے کیونکہ اس دور میں عموماً انھی سے شراب تیار کی جاتی تھی۔ ② خمر، یعنی شراب اسے کہتے ہیں جو عقل کو ڈھانپ لے اور حواس پر غالب آ جائے، اس لیے یہ اثر جس چیز میں بھی پایا جائے وہ حرام ہے، خواہ وہ کھجور، انگور یا کسی اور چیز سے تیار کردہ شراب ہو یا کوئی اور نشہ آور شے۔

(١٠٧٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1070] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔'' (مسلم)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے، وہ عصیر کی شکل میں ہو یا نبیذ کی صورت میں، یا کسی اور شکل وصورت میں ہو۔

(١٠٧١) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1071] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو، اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ آور ہو اس کی قلیل مقدار بھی استعمال کرنا حرام ہے۔ احناف کی رائے یہ ہے کہ جس گھونٹ سے نشہ آئے وہ تو حرام ہے لیکن اس سے پہلے جتنی بھی مقدار میں شراب پی لی جائے، اگر وہ نشہ آور نہیں تو حلال ہی ہے، حالانکہ یہ حدیث صراحتاً ان حضرات کے اس قول کی تردید کرتی ہے۔

(١٠٧٢) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنْبَذُ لَهُ الزَّبِيبُ فِي السِّقَاءِ، فَيَشْرَبُهُ يَوْمَهُ، وَالْغَدَ، وَبَعْدَ الْغَدِ، فَإِذَا كَانَ مَسَاءُ الثَّالِثَةِ شَرِبَهُ، وَسَقَاهُ، فَإِنْ فَضَلَ شَيْءٌ أَهْرَاقَهُ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1072] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے مشکیزے میں، منقی کی نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ آپ اسے اس روز، دوسرے روز اور تیسرے روز بھی نوش فرماتے تھے۔ پھر جب تیسرے روز کی شام ہوتی تو اسے خود نوش فرماتے، دوسرے کو پلا دیتے اور اگر کچھ بچ جاتی تو اسے گرا دیتے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [يُنْبَذُ لَهُ الزَّبِيبُ] صیغۂ مجہول ہے، یعنی منقی کی نبیذ تیار کی جاتی تھی۔ زَبِیب، خشک کشمش کو کہتے ہیں۔

١٠٧٠ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر خمر، حديث: ٢٠٠٣.

١٠٧١ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الأشربة، باب ما جاء في السكر، حديث: ٣٦٨١، والترمذي، الأشربة، حديث: ١٨٦٥، وابن ماجه، الأشربة، حديث: ٣٣٩٣، وأحمد: ٢/١٦٧، ١٧٨، ٣/١١٢، ٣٤٣، والنسائي، الأشربة، حديث: ٥٦١٠، وابن حبان.

١٠٧٢ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب إباحة النبيذ الذي لم يشتد . . . ، حديث: ٢٠٠٤.

اور [سقاء] چمڑے کے مشکیزے کو کہتے ہیں۔ [فإن فضل] تیسرے روز شام کو پینے کے بعد بھی اگر بچ جاتی تو اسے گرا دیتے کہ کہیں اس میں نشہ نہ پیدا ہو جائے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نبیذ استعمال کرتے تھے مگر جب اس میں نشے کی کیفیت کا اندیشہ ہوتا تو اسے گرا دیتے' خود استعمال کرتے نہ کسی دوسرے کو تحفہ دیتے۔ ② مذکورہ حدیث کا قطعاً یہ مفہوم نہیں کہ نبیذ کا استعمال تین دن تک بہر نوع جائز ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نشہ آور ہونے سے پہلے تو اس کا استعمال جائز ہے بعد میں نہیں' خواہ وہ موسم کے لحاظ سے دوسرے روز ہی پیدا ہو جائے۔

(١٠٧٣) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَجْعَلْ شِفَاءَكُمْ فِيمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ**». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ. وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1073] حضرت ام سلمہ ؓ نبی ﷺ سے بیان کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے تمھارے لیے اس چیز میں شفا نہیں رکھی جسے اس نے تم پر حرام قرار دیا ہے۔'' (اسے بیہقی نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی حرام چیز میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی شفا نہیں رکھی۔ اور ہر نشہ آور چیز چونکہ حرام ہے' اس لیے اس کا برائے علاج استعمال بھی ناجائز ہے۔

(١٠٧٤) وَعَنْ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ، أَنَّ طَارِقَ ابْنَ سُوَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ عَنِ الْخَمْرِ يَصْنَعُهَا لِلدَّوَاءِ، فَقَالَ: «**إِنَّهَا لَيْسَتْ بِدَوَاءٍ، وَلٰكِنَّهَا دَاءٌ**». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَغَيْرُهُمَا.

[1074] حضرت وائل حضرمی سے روایت ہے کہ طارق بن سوید ؓ نے نبی ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا کہ وہ اسے دوا کے لیے بناتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''یہ دوا نہیں بلکہ بیماری ہے۔'' (اسے مسلم' ابوداود اور دیگر ائمہ نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① شراب' نقصان دہ اور مضر صحت اشیاء سے علاج حرام ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ غیر مسلم معالجین نے حرام اور مکروہ اشیاء سے مرکب ادویہ کو اس قدر عام کیا ہے اور ان کی شہرت کر دی ہے کہ عوام و خواص ان کے استعمال میں کوئی کراہت محسوس نہیں کرتے۔ مسلمان حکام' اداروں اور تنظیموں کا شرعی فریضہ ہے کہ اس میدان میں خالص حلال اور پاکیزہ ادویات متعارف کروائیں۔ اور عام مسلمانوں کو بھی صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے حرام اور مشکوک ادویہ کے استعمال سے بچنا چاہیے۔ ان کی بجائے پاکیزہ اور غیر مشکوک ادویہ استعمال کرنی چاہییں' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا ﴾ (الطلاق ٦٥:٢) ''اور جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا' اللہ اس کے لیے (تنگی سے نکلنے کی) کوئی راہ پیدا فرما دے گا۔'' اور اگر کوئی مخلص طبیب کسی مرض میں اپنے عجز کا اظہار کرے اور شراب وغیرہ ہی کو علاج سمجھے تو جان

١٠٧٣ـ [حسن] أخرجه البيهقي: ١٠/٥، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٣٩٧، والحديث الآتي شاهد له.

١٠٧٤ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب تحريم التداوي بالخمر.....، حديث: ١٩٨٤، وأبوداود، الطب، حديث: ٣٨٧٣، والترمذي، الطب، حديث: ٢٠٤٦، وابن ماجه، الطب، حديث: ٣٥٠٠.

بچانے کے لیے، بشرطیکہ جان کا بچ جانا یقینی ہو اس کا استعمال مباح ہوگا' جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ (البقرۃ ۲:۱۷۳) ''پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ وہ سرکشی کرنے والا اور حد سے گزرنے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔'' ② آج کل انگریزی ادویہ میں الکحل وغیرہ شامل کی جاتی ہے تاکہ وہ زیادہ عرصے تک درست حالت میں رہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس مقصد کے لیے کوئی حلال چیز (شہد یا سرکہ وغیرہ) استعمال کریں۔

راویٔ حدیث: [حضرت طارق بن سوید حضرمی رضی اللہ عنہ] بعض اہل علم نے (ان کا نام) سوید بن طارق بیان کیا ہے۔ صحابی ہیں۔ انھیں جعفی بھی کہا جاتا تھا۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اہل کوفہ نے ان سے روایت کیا ہے۔

٥ - بَابُ التَّعْزِيرِ وَحُكْمِ الصَّائِلِ

باب:5-تعزیر کا بیان اور حملہ آور (ڈاکو) کا حکم

(١٠٧٥) عَنْ أَبِي بُرْدَةَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ إِلَّا فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ تَعَالٰى». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1075] حضرت ابوبردہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''حدود اللہ کے علاوہ کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ التَّعْزِيرِ] تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں جو حد سے کم ہوتی ہے' اور یہ حسب حال قول وفعل دونوں طرح سے ہوسکتی ہے۔ یہ دراصل عـزر سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: منع کرنا اور روکنا۔ اور سزا کو تعزیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کے دوبارہ قبیح فعل کے ارتکاب سے باز رہنے کا باعث بنتی ہے۔ [الصَّائِلِ] صَالَ يَصُولُ صَوْلًا سے اسم فاعل ہے جس کے معنی ہیں: قتل کرنے یا مارنے کے لیے حملہ آور ہونا۔ [لَا يُجْلَدُ] مجہول ہے اور صیغۂ نفی ہے۔ اور صیغۂ نہی بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ مجزوم ہوگا۔ [فَوْقَ عَشَرَةِ أَسْوَاطٍ] ایک روایت میں [فَوْقَ عَشْرِ جَلَدَاتٍ] اور ایک دوسری روایت میں [فَوْقَ عَشْرِ ضَرَبَاتٍ] کے الفاظ ہیں۔ تینوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ دس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے جائیں۔

فائدہ: حنفی' مالکی اور شافعی حضرات نے اس حدیث کی مخالفت کی ہے' اس لیے کہ ان حضرات نے دس کوڑوں سے زیادہ سزا دینا جائز قرار دیا ہے۔ اس مسئلے میں لمبی تفصیل ہے جسے اس مقام پر بیان کرنے کا موقع نہیں۔ بہر حال راجح بات وہی ہے جس پر یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ مقررہ حدود کے سوا دس کوڑوں سے زائد کی سزا جائز نہیں۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابوبُردہ رضی اللہ عنہ] انصار کے حلیف قبیلۂ بَنُو بَلِيّ سے تھے۔ شرف صحابیت سے سرفراز تھے۔ ان کا نام ہانی بن نیار تھا۔ بدر کے علاوہ دیگر غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ ۴۱' ۴۲ یا ۴۵ ہجری میں فوت ہوئے۔

١٠٧٥ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب كم التعزير والأدب، حديث: ٦٨٤٨، ومسلم، الحدود، باب قدر أسواط التعزير، حديث: ١٧٠٨.

(١٠٧٦) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ إِلَّا الْحُدُودَ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ.

[1076] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اصحاب عز و شرف کی لغزشوں سے درگزر کیا کرو' سوائے اس کے کہ شرعی حدود ہوں۔'' (اسے احمد' ابوداود' نسائی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَقِيلُوا ذَوِي الْهَيْئَاتِ عَثَرَاتِهِمْ] أَقِيلُوا' إقالة سے ماخوذ ہے۔ اور عَثْرَةٌ کے معنی لغزش کے ہیں' یعنی شرف و صلاح اور مروت والے حضرات کو ان کی لغزشیں معاف کر دیا کرو۔ ان کی لغزشوں اور کوتاہیوں پر گرفت نہ کرو۔

(١٠٧٧) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: مَا كُنْتُ لِأُقِيمَ عَلٰى أَحَدٍ حَدًّا فَيَمُوتَ، فَأَجِدَ فِي نَفْسِي، إِلَّا شَارِبَ الْخَمْرِ، فَإِنَّهُ لَوْ مَاتَ وَدَيْتُهُ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1077] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انھوں نے فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ میں اس پر حد قائم کروں اور وہ مر جائے تو مجھے اس کا افسوس ہو' سوائے شرابی کے۔ چنانچہ اگر وہ مر جائے تو میں اس کی دیت ادا کروں گا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لِأُقِيمَ] لام مکسورہ کے بعد أَنْ ناصبہ کے مقدر ہونے کی وجہ سے صیغۂ مضارع منصوب ہے۔ اس لام کو لام جحود کہتے ہیں۔ [فَيَمُوتَ] اور وہ سزا کی وجہ سے مر جائے۔ یہ بھی مضارع منصوب ہے۔ [فَأَجِدَ] نفی کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ معنی ہیں: مجھے افسوس اور غم ہوگا۔ [وَدَيْتُهُ] میں اس کی دیت ادا کروں گا۔

فوائد و مسائل: ① حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شرابی کے سزا میں مر جانے کی صورت میں دیت کا جو فرمایا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شرابی کی سزا مقرر نہیں فرمائی' اس لیے شرابی کا سزا سے مر جانا قتل خطا کے زمرے میں آ جاتا ہے اور قتل خطا میں دیت دینا لازم ہے۔ ② جمہور علماء کا بھی یہی خیال ہے کہ تعزیر کی صورت میں وہ شخص مر جائے تو سربراہ مملکت پر اس کی دیت ادا کرنا ضروری ہے۔

(١٠٧٨) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**مَنْ قُتِلَ**

[1078] حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مال و متاع کی

١٠٧٦ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الحدود، باب في الحد يشفع فيه، حديث: ٤٣٧٥، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٣١٠، ٣١١، حديث: ٧٢٩٣ـ٧٢٩٨.

١٠٧٧ـ أخرجه البخاري، الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال، حديث: ٦٧٧٨، واللفظ له، ومسلم، الحدود، باب حد الخمر، حديث: ١٧٠٧.

١٠٧٨ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، السنة، باب في قتال اللصوص، حديث: ٤٧٧٢، والترمذي، الديات، حديث: ١٤٢١، والنسائي، تحريم الدم، حديث: ٤١٠٠، وابن ماجه، الحدود، حديث: ٢٥٨٠.

دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مال لوٹنے والے کو ہر طرح اور ہر ممکن طریقے سے دفع کرنا اور اس کا مقابلہ کرنا جائز ہے بلکہ بعض نے تو اپنا دفاع کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اس دفاعی کشمکش میں اگر مالک ڈاکو کو قتل کر دیتا ہے تو اس پر قصاص ہے نہ دیت' اس کا قتل رائیگاں ہوگا۔ ② اور جو کوئی اپنے دین و ایمان کے تحفظ اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں قتل ہو جائے تو وہ مرتبۂ شہادت پائے گا۔ اس سے اندازہ لگالیں کہ اسلام نے جان' مال اور عزت کی حفاظت کو کتنی اہمیت دی ہے۔

(١٠٧٩) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «تَكُونُ فِتَنٌ، فَكُنْ فِيهَا عَبْدَ اللهِ الْمَقْتُولَ، وَلَا تَكُنِ الْقَاتِلَ». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي خَيْثَمَةَ وَالدَّارَقُطْنِيُّ، وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ نَحْوَهُ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُرْفُطَةَ.

[1079] حضرت عبداللہ بن خباب سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد کو بیان کرتے سنا' وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: (''میرے بعد) فتنے رونما ہوں گے۔ اے اللہ کے بندے! تو ان (فتنوں کے دور) میں مقتول بن جانا' قاتل نہ بننا۔'' (اسے ابن أبي خیثمہ اور دارقطنی نے بیان کیا ہے اور احمد نے اسی جیسی روایت خالد بن عرفطہ سے بیان کی ہے۔)

لغوی تشریح: اِفِتَنٌ ا فتنۃٌ کی جمع ہے اور یہاں اس سے مراد قتل نفوس اور خونریزیاں ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں ارشاد ہے کہ فتنوں کے دور میں الگ ہو کر بیٹھ جانا اور اس میں حصہ نہ لینا دین و ایمان کی سلامتی کا باعث ہے' مگر یہ اس وقت ہے جب دو گروہ ناجائز اور بغیر حق کے باہم لڑ پڑیں' یا پھر یہ کہ اس لڑائی میں آدمی کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کون سا گروہ حق پر ہے؟ جب اسے معلوم ہو جائے کہ حق فلاں کے ساتھ ہے تو پھر حق کی مدد اور باطل کے دفع کرنے میں تگ و دو اور دوڑ دھوپ اس پر واجب ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ﴾ (الحجرات ٤٩:٩) ''جو گروہ زیادتی کرے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف پلٹ آئے۔'' مگر جب کسی شخص پر کوئی حملہ آور ہو اور اسے قتل کرنا چاہے یا اس کا مال و متاع لوٹنا چاہے یا ایسی ہی کوئی اور صورت رونما ہو جائے تو اس حدیث کی رو سے اسے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اس سے لڑنا چاہیے اور اس دفاعی و حفاظتی لڑائی میں اگر وہ مارا جائے گا تو رتبۂ شہادت پا لے گا۔ بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں امور میں سے جو مصالح کے موافق ہو اسے اختیار کر لے۔ واللہ أعلم.

راوی حدیث: [عبداللہ بن خباب ؒ] مدنی ہیں اور ثقہ ہیں' کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ٣٧ ہجری کو

١٠٧٩- [حسن] أخرجه الدارقطني (التعليق المغني): ٣/ ١٣٢، وابن أبي خيثمة، فيه رجل من بني عبدالقيس مجهول، وللحديث شواهد، منها الآتي، وحديث خالد بن عرفطة، أخرجه أحمد: ٥/ ٢٩٢، وفيه علي بن زيد بن جدعان [وهو ضعيف].

نہروان کے راستے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کے بعد خارجیوں نے انھیں قتل کیا۔ اور ان کے قتل کے بعد وہ ان کے گھر گئے اور ان کی ام ولد کا پیٹ پھاڑا اور ان کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ یہی واقعہ مشہور جنگ' جنگ نہروان کا باعث بن گیا' جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں سارے خارجی قتل ہو گئے۔ صرف نو افراد بچے' جو بعد میں اٹھنے والے بڑے فتنے کے لیے جراثیم ثابت ہوئے۔

وضاحت: [حضرت خباب رضی اللہ عنہ] خباب میں ''با'' پر تشدید ہے۔ خباب بن ارت بن جندلہ تمیمی۔ اللہ کے راستے میں سخت اذیتیں جھیلنے والوں میں سے ایک تھے۔ بدری صحابی ہیں۔ جنگ صفین سے واپسی پر کوفہ میں ۳۷ ہجری کو ۷۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

وضاحت: [حضرت خالد بن عرفطہ رضی اللہ عنہ] بنو قضاعہ کی بڑی شاخ بنو عذرہ سے تھے۔ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ پر حاکم تھے۔ ۶۱ ہجری میں وفات پائی۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھیں مختار بن ابوعبید نے یزید کی موت' یعنی ۶۴ ہجری کے بعد انھیں قتل کیا تھا۔

ملحوظہ: بلوغ المرام کے نسخہ صدیقیہ' جو ۱۲۹۹ ہجری میں شاہ بھوپال نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کی زیر نگرانی' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے معروف شاگرد شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری رحمہ اللہ کے مخطوطہ سے طبع ہوا' میں اس باب کے تحت دو احادیث اور بھی ہیں جو کہ عام متداول نسخوں میں نہیں ہیں۔

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**لَوِ اطَّلَعَ فِي بَيْتِكَ أَحَدٌ وَلَمْ تَأْذَنْ لَهُ، فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا كَانَ عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ، وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ: «**فَلَا دِيَةَ وَلَا قِصَاصَ**».

[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اگر کوئی شخص تیری اجازت کے بغیر تیرے گھر میں جھانکے اور تو اسے کنکری مار (کر اس کی آنکھ پھوڑ) دے تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں۔'' (بخاری ومسلم- یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔) اور نسائی کی روایت میں ہے:'' (ایسی صورت میں) دیت ہے نہ قصاص۔''

(۲) وَعَنْ حَرَامِ بْنِ مُحَيِّصَةَ، عَنْ أَبِيهِ: أَنَّ نَاقَةً لِلْبَرَاءِ دَخَلَتْ حَائِطَ رَجُلٍ فَأَفْسَدَتْ، فَقَضَى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى أَهْلِ الْأَمْوَالِ حِفْظَهَا بِالنَّهَارِ وَعَلَى أَهْلِ الْمَوَاشِي حِفْظَهَا

[2] حرام بن محیصہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کسی شخص کے باغ میں چلی گئی اور اس کا نقصان کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ فرمایا: ''مال والوں پر ان (اموال) کی حفاظت دن کے وقت

۱۔ صحيح البخاري' الديات' باب من أخذحقه.....' حديث: ٦٨٨٨' وسنن النسائي' القسامة' باب من اقتص وأخذحقه.....' حديث: ٤٨٦٤.

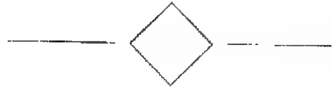
۲۔ [إسناده ضعيف] سنن أبي داود' البيوع' باب المواشي تفسد زرع قوم' حديث: ٣٥٦٩.

بِاللَّيْلِ - أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَفِي إِسْنَادِهِ اخْتِلَافٌ.

ضروری ہے اور مویشیوں والوں پر ان (مویشیوں) کی حفاظت ونگرانی رات کے وقت ضروری ہے۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کی سند میں اختلاف ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے شواہد کی بنا پر اسے مرسل صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے' لہٰذا مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۳۹/ ۹۷-۹۹' والصحيحة للألباني' رقم: ۲۳۸) بنابریں باغ یا کھیت میں دن کے وقت عام طور پر کام کاج ہوتا ہے اور مالک اپنے باغ اور کھیت وغیرہ میں موجود ہوتے ہیں' اس لیے اگر کسی کا جانور آ جائے تو وہ اسے آسانی سے روک سکتے ہیں' لہٰذا وہی اپنے مال کے ذمے دار ہیں۔ رات آرام کے لیے ہے اور جانور بھی باڑوں وغیرہ میں بند ہوتے ہیں' اس لیے رات کے وقت کوئی جانور کسی کھیت یا باغ میں جا گھسے تو یہ جانور کے مالک کی بے پروائی اور غلطی ہے' اس لیے اسے چاہیے کہ نقصان پورا کرے' اس کے برعکس دن میں نقصان ہو جانا باغ اور کھیت والے کی کوتاہی ہے' جانور کا مالک ذمے دار نہیں۔ واللہ أعلم.

راویٔ حدیث: [حضرت حَرام بن مُحَیِّصہ رحمہ اللہ] یہ ابوسعد حرام بن سعد بن محیصہ بن مسعود انصاری مدنی ہیں۔ اپنے دادا محیصہ سے روایت کرتے ہیں۔ ثقہ تھے۔ ان سے بہت کم روایات منقول ہیں۔ مدینہ منورہ میں ۱۱۳ ہجری میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۷۰ برس تھی۔ ان کے دادا محیصہ مشہور صحابی ہیں۔ خیبر میں قتل ہونے والے حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ان کا ذکر بھی آتا ہے۔ یہ واقعہ حدیث ۱۰۲۰ کے تحت گزر چکا ہے۔ ان کے مختصر حالات بھی وہاں بیان کر دیے گئے ہیں۔



١١ - كِتَابُ الْجِهَادِ

جہاد سے متعلق احکام و مسائل

(١٠٨٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ مَاتَ، وَلَمْ يَغْزُ، وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ، مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِنْ نِفَاقٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1080] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص ایسی حالت میں فوت ہوا کہ اس نے کبھی جہاد کیا نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا خیال آیا تو اس کی موت نفاق کی ایک قسم پر ہوئی۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [کِتَابُ الْجِهَادِ] ''جہاد'' لغت میں سخت مشقت اٹھانے اور کوشش کرنے کو کہتے ہیں۔ اور شرعاً دین اسلام کی حفاظت و حمایت اور کلمۃ اللہ کو بلند و بالا کرنے کی غرض سے قتال اور باغیوں سے لڑنے میں پوری جدوجہد اور سعی و کوشش کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ [وَ لَمْ یَغْزُ] یَغْزُ، غَزْوٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے دشمنان دین سے کبھی لڑائی نہیں کی۔ [وَ لَمْ یُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِهِ] اس نے کبھی ارادہ کیا نہ اس کے دل میں اس کی نیت تھی کہ وقت آنے پر اور قتال کے ممکن ہونے پر وہ لڑے گا۔

١٠٨٠ـ أخرجه مسلم، الإمارة، باب ذم من مات ولم يغز .... ، حديث: ١٩١٠.

فوائد و مسائل: ① بلوغ المرام کے تمام نسخوں اور شروحات میں بِـهٖ کو نَفْسَهُ کے بعد ذکر کیا گیا ہے جبکہ صحیح مسلم میں بِـهٖ پہلے ہے اور نَفْسَهُ بعد میں ہے۔ ② اس حدیث کی رو سے کم از کم جہاد فی سبیل اللہ کی پختہ نیت رکھنا واجب ہے۔ اگر جہاد فی سبیل اللہ میں عملاً شریک ہونے کا موقع میسر آ جائے تو اس میں شریک ہونے سے گریز نہ کرے بلکہ ایسے موقع کو سعادت سمجھے اور اگر موقع میسر نہ آئے تو پھر موقع کے انتظار میں رہے، گویا کہ حسب موقع ہر وقت مومن پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے اور اسلامی زندگی اسی جذبۂ قربانی سے وابستہ ہے۔ اگر مومن اپنا نصب العین ہی فراموش کر دے تو پھر مومن اور کافر میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ مومن کا تو فرض منصبی ہی کلمۃ اللہ کی سربلندی ہے۔ اگر وہ اپنے حقیقی فرض سے تغافل برتے گا تو اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔

(١٠٨١) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَأَنْفُسِكُمْ، وَأَلْسِنَتِكُمْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1081] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین سے اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں سے جہاد کرو۔'' (اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① زبان سے جہاد یہ ہے کہ کافروں پر حجت قائم کر دی جائے اور انھیں توحید الٰہی کی جانب دعوت دی جائے، پھر اگر وہ انکار کریں تو ان کی ہجو اور مذمت کی جائے اور اس طرح انھیں رسوا اور ذلیل کیا جائے کہ ان کی ہمتیں ماند پڑ جائیں اور لڑائی سے بزدلی دکھائیں اور میدان میں نہ آئیں۔ ② مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ اللہ کے باغیوں، سرکشوں، ملحدوں اور بے دین لوگوں کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خود کو ہر لحہ مستعد رکھیں۔ اس سلسلے میں مال خرچ کریں، زبان سے جہاد کریں اور کافروں پر توحید و رسالت اور آخرت پر ایمان کی فرضیت کے دلائل پیش کریں۔ ③ آج کے دور میں میڈیا ایسا مؤثر اور عالم گیر ہتھیار ہے کہ لڑنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی اذہان و خیالات اور نظریات کو یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا جاتا ہے۔ شعر و شاعری اور اچھے مضامین کے ذریعے سے اس جہاد میں حصہ لینا اس دور کی اہم ترین ضرورت ہے۔

(١٠٨٢) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! عَلَى النِّسَاءِ جِهَادٌ؟ قَالَ: «نَعَمْ، جِهَادٌ لَاقِتَالَ فِيهِ، هُوَ الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه، وَأَصْلُهُ فِي

[1082] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا خواتین پر بھی جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! جہاد ہے (لیکن) اس میں لڑائی نہیں۔ وہ حج اور عمرہ ہے۔'' (اسے ابن ماجہ نے

١٠٨١ـ [حسن] أخرجه النسائي، الجهاد، باب وجوب الجهاد، حديث:٣٠٩٨، والحاكم:٢/ ٨١، وأحمد:٣/ ١٢٤، ١٥٣، ٢٥١، وأبوداود، الجهاد، حديث:٢٥٠٤، وأيضًا في المختارة:(٥/ ٣٦ رقم:١٦٤٢).

١٠٨٢ـ [صحيح] أخرجه ابن ماجه، المناسك، باب الحج جهاد النساء، حديث:٢٩٠١، والبخاري، الجهاد، حديث:٢٨٧٥.

الْبُخَارِيِّ.

روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مذکور ہے کہ خواتین کا جہاد، قتال کرنا نہیں بلکہ ان کے لیے حج اور عمرہ جہاد ہے۔ ② جہاد میں انسان کو سفری صعوبتیں، مشقتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ حج وعمرہ میں بھی ان مشقتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس لیے خواتین کو حج وعمرہ کا ثواب جہاد کے برابر ملتا ہے، اسی بنا پر حج وعمرہ کو خواتین کے لیے جہاد قرار دیا گیا ہے، گویا خواتین پر جہاد بالسیف فرض نہیں، اس کا ثواب انھیں حج اور عمرہ ادا کرنے سے مل جاتا ہے۔

(١٠٨٣) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَسْتَأْذِنُهُ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: «أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟» فَقَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1083] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جہاد میں شرکت کی اجازت طلب کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟'' وہ بولا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ''پھر ان دونوں کی خدمت میں جدوجہد کرو۔'' (بخاری ومسلم)

وَلِأَحْمَدَ وَأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوُهُ، وَزَادَ: «اِرْجِعْ، فَاسْتَأْذِنْهُمَا، فَإِنْ أَذِنَا لَكَ، وَإِلَّا فَبِرَّهُمَا».

احمد اور ابوداود کے ہاں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی طرح کی روایت ہے۔ اس میں اضافہ ہے کہ آپ نے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ، ان سے اجازت طلب کرو، اگر وہ دونوں تجھے اجازت دے دیں تو درست ورنہ ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کرو۔''

لغوی تشریح: فَبِرَّهُمَا بَرَّ يَبَرُّ باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے امر کا صیغہ ہے، اس کے معنی احسان اور نیکی کرنے کے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے والدین کی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ اسلام کی نظر میں جہاد جیسا فریضہ بھی والدین کی رضامندی کے بغیر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ② آج کا نوجوان والدین کو خاطر میں لانے کے لیے تیار ہی نہیں۔ اپنی من مانی کرتا ہے اور والدین کو اپنی رائے کا پابند کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ③ والدین کی رضامندی کو اتنی اہمیت اس لیے دی گئی ہے کہ جہاد تو فرض کفایہ ہے جبکہ والدین کی اطاعت فرض عین ہے۔ ظاہر ہے کہ فرض عین کو فرض کفایہ پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

(١٠٨٤) وَعَنْ جَرِيرٍ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ

[1084] حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

١٠٨٣ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب الجهاد بإذن الأبوين، حديث: ٣٠٠٤، ومسلم، البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به، حديث: ٢٥٤٩، وحديث أبي سعيد: أخرجه أبوداود، الجهاد، حديث: ٢٥٣٠، وأحمد: ٣/ ٧٥.

١٠٨٤ـ [ضعيف] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب النهي عن قتل من اعتصم بالسجود، حديث: ٢٦٤٥، والترمذي، السير، حديث: ١٦٠٤، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٧٨٤ من حديث قيس بن أبي حازم مرسلا. ❊ أبومعاوية الضرير عنعن وله طرق ضعيفة كلها.

تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِينَ». رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ، وَرَجَّحَ الْبُخَارِيُّ إِرْسَالَهُ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ہر اس مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین میں قیام پذیر ہو۔'' (اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور بخاری نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ بعض محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے' شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس پر ارواء الغلیل میں تفصیلاً بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغلیل: ۵/ ۲۹-۳۳' رقم: ۱۲۰۷) ② مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب مسلمان کفار کے درمیان مقیم ہوں اور مجاہدین کے ہاتھوں ان کا قتل ہو جائے تو مجاہدین پر اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اس فعل پر انھیں مجرم قرار نہیں دیا جائے گا۔ ③ جب حالات کشیدہ ہوں تو مشرکین کے علاقوں سے ہجرت کرنا واجب ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت جریر بَجَلی رضی اللہ عنہ] ان کی کنیت ابوعمرو ہے۔ سلسلۂ نسب یوں ہے: جریر بن عبداللہ بن جابر بجلی. بجلی کے ''با'' اور ''جیم'' دونوں پر فتحہ ہے۔ ۱۰ ہجری میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے' نبی ﷺ نے ان کی آمد پر ان کے اعزاز کے لیے کپڑا بچھایا تھا۔ انھیں ذوالخلصہ بت کو منہدم کرنے کے لیے بھیجا تو انھوں نے اسے گرا دیا۔ آپ کے زمانے میں انھیں یمن پر عامل مقرر کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا اس روز سے نبی ﷺ نے مجھے اپنے دیدار سے کبھی محروم نہیں رکھا اور مجھے ہمیشہ مسکرا کر دیکھا۔ ان کی جوتی کا سائز ایک ہاتھ کے برابر تھا۔ مدائن کی فتح کے موقع پر حاضر تھے۔ اور جنگ قادسیہ میں انھیں فوج کے میمنہ پر متعین کیا گیا۔ انھیں اس امت کے یوسف کا لقب دیا گیا۔ ۵۲ یا ۵۴ ہجری میں وفات پائی۔

(۱۰۸۵) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ، وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1085] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ] ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں ہے' اس لیے کہ جب مکہ دارالاسلام بن گیا تو اب دارالاسلام میں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف ہجرت بے فائدہ ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مکہ سے خروج جائز نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے کے بعد اب یہاں سے ہجرت کرنے کا وجوب اور ثواب ختم ہو گیا' البتہ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت قیامت تک باقی رہے گی جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ [وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ] امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ

۱۰۸۵ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب وجوب النفير .....، حديث: ۲۸۲۵، ومسلم، الإمارة، باب المبايعة بعد فتح مكة .....، حديث: ۱۳۵۳.

وہ بھلائی اور خیر جو ہجرت کے انقطاع پر منقطع ہو چکی ہے اس کا حصول جہاد اور صالح نیت کے ذریعے سے ممکن ہے۔

(١٠٨٦) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1086] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس نیت سے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو وہ اللہ کی راہ میں (لڑنے والا) ہے۔'' (بخاری و مسلم)

(١٠٨٧) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّعْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ مَا قُوتِلَ الْعَدُوُّ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1087] حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک دشمنوں سے جنگ جاری رہے گی ہجرت ختم نہیں ہوگی۔'' (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① گزشتہ احادیث کا مطلب یہ ہے کہ آغاز اسلام کے وقت چونکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور مرکز مدینہ منورہ کو مضبوط اور طاقتور کرنا تھا' اس لیے یہ مقصد ہجرت کے بغیر حاصل ہونا نہایت ہی دشوار اور مشکل تھا' اس لیے ہجرت ہر مسلمان کے لیے فرض تھی۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے' پھر ایک وقت آیا کہ مکہ فتح ہو گیا تو اس کے بعد مختلف قبائل پے در پے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے اور اسلامی ریاست کی توسیع ہوگئی تو مدینہ میں ہجرت کر کے آنے کا حکم ختم ہو گیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ ② اب مسئلے کی نوعیت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دارالکفر میں اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے میں دشواری محسوس کرتا ہو تو اس کے لیے دارالاسلام کی جانب ہجرت کرنا اب بھی فرض ہے۔ ③ حضرت ابن سعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ اگرچہ فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے لیکن دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کا حکم اب بھی باقی ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عبداللہ بن سعدی رضی اللہ عنہ] صحابی ہیں۔ قریشی اور عامری تھے۔ واقدی نے کہا ہے کہ ان کی وفات ۵۷ ہجری میں ہوئی اور سعدی کا نام عمرو' یا قدامہ' یا عبداللہ بن وقدان تھا۔

(١٠٨٨) وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ: أَغَارَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ، وَهُمْ غَارُّونَ، فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ، وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ. حَدَّثَنِي بِذٰلِكَ

[1088] حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر شب خون مارا تو اس وقت وہ لوگ بے خبر اور غافل تھے۔ چنانچہ آپ نے ان

١٠٨٦ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، حديث: ٢٨١٠، ومسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا ....، حديث: ١٩٠٤.

١٠٨٧ـ [صحيح] أخرجه النسائي، البيعة، باب ذكر الاختلاف في انقطاع الهجرة، حديث: ٤١٧٧، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ١٧٩، حديث: ٤٨٤٦.

١٠٨٨ـ أخرجه البخاري، العتق، باب من ملك من العرب رقيقا فوهب وباع ....، حديث: ٢٥٤١، ومسلم، الجهاد والسير، باب جواز الإغارة على الكفار ....، حديث: ١٧٣٠.

عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيهِ: [وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ جُوَيْرِيَةَ].

کے لڑائی کرنے والوں کو قتل کیا اور ان کے بال بچوں کو قیدی بنا لیا۔ یہ مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا۔ (بخاری و مسلم) اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت جویریہ اسی روز قید ہوئیں۔

لغوی تشریح: [أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ] بنی المصطلق پر ٹوٹ پڑے' شب خون مارا۔ یہ مشہور قبیلۂ بنوخزاعہ کی شاخ تھی۔ مصطلق صیغۂ اسم فاعل ہے۔ [غَارُّونَ] ''را'' پر تشدید ہے۔ بے خبر اور غافل لوگ۔ [مُقَاتِلَتَهُمْ] یعنی وہ لوگ جو جنگ لڑ سکتے تھے۔ ان میں بچے' بوڑھے اور عورتیں شامل نہیں۔ اور مُقَاتِلَة طائفہ اور جماعت کے معنی کے اعتبار سے مؤنث بولا گیا ہے۔ [وَ سَبٰى ذَرَارِيَّهُمْ] ان کے بال بچوں کو قیدی بنا لیا۔ یہ معرکہ ۶ ہجری شعبان میں واقع ہوا۔ یہ غزوۂ مُرَیسیع کے نام سے بھی مشہور ہے۔ مریسیع کے ''میم'' پر ضمہ اور ''را'' پر فتحہ ہے۔ مریسیع' قدید کے اطراف میں جدہ اور رابغ کے درمیان ساحل سمندر کے قریب بنوالمصطلق کے چشمے کا نام تھا۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کو اطلاع موصول ہوئی کہ یہ لوگ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے انھیں راتوں رات جا لیا اور ایسا شب خون مارا کہ ان کے دس آدمی قتل کر دیے اور باقی سب مردوں اور عورتوں کو قید کر لیا' ان میں سے کوئی ایک بھی پیچھے نہ چھوڑا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کا صرف ایک آدمی شہید ہوا۔ اسی معرکہ میں حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا قید ہوئیں۔ یہ دراصل حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی تھیں۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے مکاتبت کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے جویریہ کی مکاتبت خود ادا فرما کر ان سے شادی کر لی۔ جب لوگوں نے سنا کہ آپ نے جویریہ کو اپنے حرم میں داخل فرما لیا ہے تو لوگوں نے ان کے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ ان کی شادی کی وجہ سے ان کے اہل خانہ کے سو افراد آزاد ہوئے کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سسرال بن گئے تھے۔ چنانچہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی قوم کے لیے بہت بابرکت ثابت ہوئیں۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں واقعۂ افک رونما ہوا۔ اس واقعے کی کچھ تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

(١٠٨٩) وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَمَّرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ، أَوْصَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا، ثُمَّ قَالَ: «**اُغْزُوا بِاسْمِ اللهِ، فِي سَبِيلِ اللهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللهِ، اُغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا، وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ - أَوْ**

[1089] حضرت سلیمان بن بُرَیدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو اسے خود اپنے بارے میں اللہ کے تقویٰ اور اپنے مسلمان ساتھیوں کے بارے میں بھلائی اور خیر کی نصیحت فرماتے۔ اس کے بعد فرماتے: ''اللہ کے نام کے ساتھ' اس کے راستے میں جہاد کرو۔ ان لوگوں سے جو اللہ کے منکر و کافر ہیں' لڑائی کرو۔ جہاد کرو لیکن خیانت نہ کرنا' عہد شکنی نہ کرنا' مثلہ نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ اور جب

١٠٨٩ـ أخرجه مسلم، الجهاد و السير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ...، حديث: ١٧٣١.

خِلَالٍ -، فَأَيَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى دَارِ الْمُهَاجِرِينَ، وَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ، إِنْ فَعَلُوا ذٰلِكَ، فَلَهُمْ مَا لِلْمُهَاجِرِينَ، وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُهَاجِرِينَ، فَإِنْ أَبَوْا أَنْ يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ الْمُسْلِمِينَ، يَجْرِي عَلَيْهِمْ حُكْمُ اللهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى الْمُؤْمِنِينَ، وَلَا يَكُونُ لَهُمْ فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ، إِلَّا أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلْهُمُ الْجِزْيَةَ، فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ، فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَقَاتِلْهُمْ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ فَأَرَادُوكَ أَنْ تَجْعَلَ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ نَبِيِّهِ ﷺ، فَلَا تَجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّةَ اللهِ وَلَا ذِمَّةَ نَبِيِّهِ، وَلٰكِنِ اجْعَلْ لَهُمْ ذِمَّتَكَ وَذِمَّةَ أَصْحَابِكَ، فَإِنَّكُمْ، أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ وَذِمَمَ أَصْحَابِكُمْ، أَهْوَنُ مِنْ أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَّةَ اللهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ، وَإِذَا حَاصَرْتَ أَهْلَ حِصْنٍ، فَأَرَادُوكَ أَنْ تُنْزِلَهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، فَلَا تُنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِ اللهِ، وَلٰكِنْ أَنْزِلْهُمْ عَلَى حُكْمِكَ، فَإِنَّكَ، لَا تَدْرِي أَتُصِيبُ حُكْمَ اللهِ فِيهِمْ أَمْ لَا».

مشرک دشمن سے تمھارا سامنا ہو تو انھیں تین چیزوں کی دعوت پیش کرو۔ ان میں سے تمھاری جس بات کو وہ قبول کر لیں، تم اسے قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو۔ پہلے انھیں اسلام کی دعوت پیش کرو۔ اگر وہ تمھاری بات کو تسلیم کر لیں تو اسے قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو، پھر ان کو دعوت دو کہ وہ اپنے گھر بار چھوڑ کر مہاجرین کے ملک (دارالاسلام) کی طرف ہجرت کر کے آ جائیں۔ اور انھیں بتا دو کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کے لیے (مال غنیمت و فے وغیرہ میں سے) وہی کچھ ہوگا جو (پہلے) مہاجرین کے لیے ہے اور ان پر وہی احکام لاگو ہوں گے جو مہاجرین پر لاگو ہوتے ہیں۔ اگر وہ ہجرت سے انکار کریں تو انھیں بتا دو کہ وہ بدوی مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔ ان پر اللہ کا وہی حکم نافذ ہوگا جو عام مومنوں پر نافذ ہے اور انھیں مال غنیمت اور اموال فے میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد میں شریک ہوں۔ اگر وہ (اسلام قبول کرنے سے) انکار کریں تو ان سے جزیے کا مطالبہ کرو۔ اگر وہ تمھاری اس بات کو تسلیم کر لیں تو تم ان کی یہ بات قبول کر لو اور ان سے اپنے ہاتھ روک لو۔ اگر وہ (جزیہ دینے سے بھی) انکار کریں تو اللہ سے مدد طلب کرو اور ان سے لڑائی شروع کر دو۔ اور جب تم کسی قلعہ والوں کا محاصرہ کر لو اور وہ تم سے مطالبہ کریں کہ تم انھیں اللہ اور اس کے نبی کی طرف سے امان کا عہد دو تو ایسا نہ کرنا بلکہ تم انھیں اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانب سے امان کا عہد دے دینا، اس لیے کہ تمھارا اپنے اور اپنے ساتھیوں کے عہد کو توڑنا اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑنے سے بہت خفیف اور ہلکا ہے۔ اور جب آپ کسی قلعے والوں کا محاصرہ کریں اور وہ تم سے یہ مطالبہ کریں کہ تم انھیں اللہ کے فیصلے پر ہتھیار ڈالنے دو تو ایسا نہ کرنا بلکہ اپنے

فیصلے پر ہتھیار ڈالنے دینا کیونکہ تمھیں علم نہیں کہ تم ان کے بارے میں اللہ کے فیصلے کو پہنچتے ہو یا نہیں۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَمَّرَ أَمِيرًا] أَمَّرَ باب تفعیل سے فعل ماضی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے امیر لشکر بنایا اور لشکر کی قیادت پر مقرر کیا۔ [سَرِيَّةٍ] ''سین'' پر فتحہ ''را'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر تشدید ہے۔ لشکر کا حصہ' چھوٹا لشکر۔ اور اہل مغازی کی اصطلاح میں سریہ اس مہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ بذات خود شریک نہ ہوئے ہوں۔ [فِي خَاصَّتِهِ] یعنی امیر لشکر کو خود اس کی اپنی ذات کے بارے میں نصیحت فرماتے۔ [وَ مَنْ مَّعَهُ] خَاصَّتِهِ پر اس کا عطف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ قائد لشکر کو اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ خیر خواہی و بھلائی کی وصیت فرماتے تھے۔ [وَ لَا تَغُلُّوا] باب نَصَرَ يَنْصُرُ۔ غلول سے ماخوذ ہے' یعنی مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ [وَ لَا تَغْدِرُوا] غدر سے ماخوذ ہے، یعنی عہد شکنی نہ کرو۔ [وَ لَا تُمَثِّلُوا] باب ضَرَبَ يَضْرِبُ اور باب نَصَرَ يَنْصُرُ دونوں سے آتا ہے' یعنی مثلہ نہ کرو۔ مثلہ کہتے ہیں: مقتول کے اعضائے بدن ناک' کان اور عضو مخصوص وغیرہ کو الگ الگ کاٹنا۔ [وَلِيدًا] بچہ۔ مراد یہاں یہ ہے کہ وہ بچہ جو ابھی سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو اور وہ احکام شریعت کا مکلّف نہ ہو۔ [إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ] خِصَال، خَصْلَةٌ کی جمع ہے۔ تین امور میں سے کسی ایک کی طرف دعوت دو۔ [وَ كُفَّ عَنْهُمْ] كُفَّ ، باب نَصَرَ، سے امر کا صیغہ ہے۔ ان سے لڑائی سے رک جاؤ۔ [ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ ...... الخ] پھر انھیں ہجرت کرنے اور منتقل ہونے کی دعوت دو۔ یہ وہ پہلی چیز ہے جس کی دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔ [فَإِنْ أَبَوْا فَأَخْبِرْهُمْ] یعنی قبول اسلام کے بعد اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو انھیں بتلا دو۔ [الْغَنِيمَةِ] کافروں کے وہ اموال جو جہاد اور جنگ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ آئیں' غنیمت کہلاتے ہیں۔ [الْفَيْءِ] وہ اموال جو بغیر جہاد اور لڑائی کے مسلمانوں کے ہاتھ آئیں' فے کہلاتے ہیں۔ [فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْأَلْهُمُ الْجِزْيَةَ] یہ دوسری چیز ہے جس کی دعوت دینا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر وہ قبول اسلام سے انکاری ہوں تو پھر ان سے جزیے کا مطالبہ کرو۔ جزیہ کے ''جیم'' کے نیچے کسرہ اور ''زا'' ساکن ہے۔ اسلامی مملکت میں رہنے والے ذمی کافروں کے خون' ان کے اموال اور ان کی عزت و آبرو کو تحفظ فراہم کرنے کے عوض ان سے جو کچھ لیا جائے اسے ''جزیہ'' کہتے ہیں۔ [فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ] یہ تیسری چیز ہے جس کی دعوت پیش کرنے کا حکم ہے' یعنی اگر وہ جزیہ دینے سے انکار کریں تو پھر اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے ان سے لڑو۔ [أَهْلَ حِصْنٍ] حصن کے معنی قلعہ کے ہیں۔ [فَأَرَادُوكَ ...... الخ] یعنی پھر وہ اس شرط پر اپنے ہتھیار ڈالنا چاہیں کہ تم انھیں اللہ کا ذمہ' یعنی اللہ کی طرف سے امان کا عہد دو۔ [أَنْ تُخْفِرُوا ذِمَمَكُمْ] یہ باب ضَرَبَ اور نَصَرَ دونوں سے ہے اور باب افعال سے بھی آتا ہے' یعنی تمھارا اپنے عہد و پیمان کو توڑنا۔ [أَنْ تُنْزِلَهُمْ] باب افعال سے ہے۔ جنگ کے دوران نزول سے مراد یہ ہوتا ہے کہ دشمن اپنے ہتھیار ڈال دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ کوئی شرط یا پختہ عہد طے کیے بغیر محض اس بات پر ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کریں کہ تم اللہ کے حکم کے مطابق ان سے معاملہ کرو گے تو ایسا نہ کرنا کیونکہ تمھیں کیا معلوم کہ اللہ نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟

فائدہ: یہ حدیث جہاد کے بڑے معتبر اصولوں پر مشتمل ہے جو معمولی سے غور وتامل سے واضح ہو جاتے ہیں جبکہ اصول جہاد کی بابت فقہاء کے مابین طویل وعریض اختلاف ہے۔ لیکن تفصیل اور طویل بحث میں جانے کی بجائے نصوص کو علی الاطلاق لینا بحث ومباحثہ کی طرف جھکاؤ سے کہیں بہتر اور مناسب ہے۔

(١٠٩٠) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ غَزْوَةً وَرَّى بِغَيْرِهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1090] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کسی غزوے پر جانا چاہتے تو کسی دیگر سفر سے توریہ کر لیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [وَرّٰی] توریہ سے ہے' توریۃ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے مقصد کو جاسوسوں اور مخبروں سے چھپاتے ہوئے اپنے مقصود سفر کے سوا کسی دوسری طرف کا اشارہ کرنا۔ اس سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ جاسوس اور مخبر کو معلوم نہ ہو سکے کہ کدھر کا پروگرام ہے تاکہ دشمن پہلے ہی محتاط نہ ہو جائے' مثلاً: جنوب کی طرف جانا ہوتا تو شمال یا مشرق یا مغرب کے احوال دریافت کرتے تاکہ دشمن کو بے خبری اور حالت غفلت میں جالیں اور جاسوس کے لیے صحیح اطلاع کا حصول ممکن ہی نہ رہے۔ جہاد وقتال کے سلسلے میں دشمنان اسلام کے خلاف اس قسم کی حکمت عملی اصطلاحاً توریہ ہے' اسے دھوکا یا جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔

(١٠٩١) وَعَنْ مَعْقِلٍ، أَنَّ النُّعْمَانَ بْنَ مُقَرِّنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ أَوَّلَ النَّهَارِ أَخَّرَ الْقِتَالَ حَتّٰى تَزُولَ الشَّمْسُ، وَتَهُبَّ الرِّيَاحُ وَيَنْزِلَ النَّصْرُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

[1091] حضرت معقل سے روایت ہے کہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ لڑائیوں میں شریک ہوا ہوں۔ جب آپ دن کے آغاز میں لڑائی شروع نہ کرتے تو پھر لڑائی کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ آفتاب ڈھل جاتا' موافق ہوائیں چلتیں اور مدد نازل ہوتی۔ (اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔)

لغوی تشریح: [وَ تَهُبَّ الرِّيَاحُ] نصرت کی ہوائیں چلتیں۔ ایک اور روایت میں ہے: ''کہا جاتا تھا: اس وقت نصرت کی ہوائیں چلتیں ہیں اور مومنین اپنی نمازوں میں اپنے لشکروں کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔'' (جامع الترمذي' السير' باب ماجاء في الساعة التي يستحب فيها القتال' حديث:١٦١٢)

١٠٩٠ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب من أراد غزوة فورى بغيرها، حديث: ٢٩٤٩، ومسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب ابن مالك وصاحبيه، حديث: ٢٧٦٩/ ٥٤.

١٠٩١ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في أي وقت يستحب اللقاء، حديث: ٢٦٥٥، والترمذي، السير، حديث: ١٦١٢، ١٦١٣، والحاكم: ٢/ ١١٦، وأحمد: ٥/ ٤٤٤، ٤٤٥، والنسائي في الكبرى: ٥/ ١٩١، حديث: ٨٦٣٧، والبخاري، الجزية والموادعة، حديث: ٣١٦٠.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ کا آغاز علی الصبح کرنا چاہیے، اگر کچھ دیر ہو جائے تو پھر سورج ڈھلنے کا انتظار کرنا چاہیے، لیکن یہ اس وقت ہے جب لڑائی کا آغاز مسلمانوں کی طرف سے ہونا ہو۔

راویٔ حدیث: [حضرت نعمان بن مقرّن رضی اللہ عنہ] مزن قبیلے کی طرف نسبت کی وجہ سے مزنی کہلائے۔ سیدنا صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت میں لشکر کے امیروں میں ایک یہ بھی ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے سات دوسرے بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی۔ اصبہان کے فاتح ہیں۔ ۲۱ ہجری میں نہاوند کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ (مقرن کے ''را'' پر تشدید اور کسرہ ہے۔ محدث کے وزن پر۔)

(١٠٩٢) وَعَنِ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الذَّرَارِيِّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ، يُبَيَّتُونَ، فَيُصِيبُونَ مِنْ نِّسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ، فَقَالَ: «هُمْ مِنْهُمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1092] حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے بچوں اور عورتوں کے متعلق پوچھا گیا کہ ان پر شب خون مارا جاتا ہے تو حملہ آور ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی مار دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''وہ بھی انھی میں سے ہیں۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [عَنِ الذَّرَارِيِّ] ذُرِّيَّةٌ کی جمع ہے، یعنی مشرکین کی اولاد اور ان کی عورتیں۔ [يُبَيَّتُونَ] صیغۂ مجہول۔ تَبْيِيت سے ماخوذ ہے۔ تاریکیٔ شب میں دھاوا بولنا، جسے شب خون مارنا کہتے ہیں۔ [فَيُصِيبُونَ] شب خون مارنے والے عورتوں اور ان کی اولاد کو رات کی تاریکی میں قتل کر دیتے ہیں کہ ان پر رات کی تاریکی میں اچانک حملہ کرنے کی وجہ سے ان کا تحفظ مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ [هُمْ مِنْهُمْ] ایسی صورت حال میں بچے اور بوڑھے بھی بڑوں کے حکم میں ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ قصداً ان کا قتل مباح ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جب ان کی اولاد کو پامال کیے بغیر ان کے آباء تک پہنچنا ممکن نہ ہو تو پھر اگر ان بچوں کو اپنے آباء کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا جائے تو اس صورت میں ان کا قتل بھی جائز ہوگا۔ (یہ مؤلف، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام ہے۔ دیکھیے: (فتح الباري:٦/١٧٨)

(١٠٩٣) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ تَبِعَهُ فِي يَوْمِ بَدْرٍ: «ارْجِعْ، فَلَنْ أَسْتَعِينَ بِمُشْرِكٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1093] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس (مشرک) شخص سے، جو بدر کے دن آپ کے ساتھ شامل ہو گیا تھا، فرمایا: ''واپس چلا جا، میں مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ نے مشرک سے جنگ میں تعاون لینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ ② واقعہ کچھ یوں ہے کہ جنگ بدر کی طرف آپ تشریف لے جا رہے تھے۔ جب حرہ پر پہنچے تو ایک مشرک آپ کے

١٠٩٢ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب أهل الدار يبيتون فيصاب الولدان والذراري، حديث: ٣٠١٢، ومسلم، الجهاد والسير، باب جواز قتل النساء والصبيان في البيات من غير تعمد، حديث: ١٧٤٥.

١٠٩٣ـ أخرجه مسلم، الجهاد والسير، باب كراهة الاستعانة في الغزو بكافر ....، حديث: ١٨١٧.

ساتھ آ ملا۔ وہ جرأت و بہادری میں مشہور تھا۔ اس نے آتے ہی عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ مل کر لڑنا چاہتا ہوں اور غنیمت کے حصول کے لیے شامل ہوا ہوں۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان رکھتا ہے یا نہیں؟'' اس نے کہا: نہیں۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں کسی مشرک سے مدد نہیں چاہتا۔'' جب وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا تو اسے اجازت مرحمت فرما دی۔ ③ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر سے مدد لینا جائز ہے یا نہیں۔ ایک جماعت کا خیال تو یہی ہے کہ امداد لینا ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کی رائے ہے کہ بوقت ضرورت امداد لینا جائز ہے جیسا کہ آپ نے جنگ حنین کے موقع پر صفوان بن امیہ وغیرہ سے اسلحہ کی امداد لی تھی اور قینقاع کے یہودیوں سے بھی امداد لی تھی۔ بہرحال شدید ضرورت و حاجت کے موقع پر اسلحہ کی امداد اور افرادی امداد لینے کی گنجائش ہے۔

(١٠٩٤) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَأَى امْرَأَةً مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ، فَأَنْكَرَ قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1094] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کسی غزوے میں ایک عورت کو قتل کیا ہوا دیکھا تو آپ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو ناپسند فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [مغازیہ] مغازی سے مراد غزوات ہیں اور یہ مَغْزَی (مصدر میمی) کی جمع ہے اور غزوٌ (لڑائی) کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور یہ بطور صیغۂ ظرف ''مقام جنگ'' کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ دوران جنگ میں عورت کے قتل کرنے کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے' ہاں اگر کوئی عورت شریک جنگ ہو کر لڑے تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔

(١٠٩٥) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اُقْتُلُوا شُيُوخَ الْمُشْرِكِينَ، وَاسْتَبْقُوا شَرْخَهُمْ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[1095] حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مشرکین کے بوڑھوں (تجربہ کار و ماہر لوگوں) کو قتل کرو اور نوعمروں (نابالغ بچوں) کو باقی رہنے دو۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [شُيُوخ] طاقتور' جاندار اور تجربہ کار و ماہر لوگ' یعنی مشرکین کے تجربہ کار و ماہر لوگوں کو قتل کرو' ان کو نہیں جو بہت بوڑھے ہوں' جن میں لڑنے کی قوت و طاقت ہی نہ ہو اور نہ صاحب رائے ہوں۔ [شَرْخَهُمْ] ''شین'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے۔ ایسے نوعمر جو ابھی تک بالغ نہ ہوئے ہوں' لہٰذا بچوں اور عورتوں کو قتل کرنا منع ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دشمنان اسلام کے ان بوڑھوں کو قتل کرنا جائز ہے جو جنگی مہارت و تجربہ اور جسمانی و ذہنی قوت رکھتے ہوں جبکہ نوخیز نوجوانوں کو قتل کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ ویسے بھی نوخیز نسل سے زیادہ امید

١٠٩٤ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب قتل النساء في الحرب، حديث: ٣٠١٥، ومسلم، الجهاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، حديث: ١٧٤٤.

١٠٩٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في قتل النساء، حديث: ٢٦٧٠، والترمذي، السير، حديث: ١٥٨٣.
* قتادة مدلس وعنعن.

رکھی جا سکتی ہے کہ وہ دائرۂ اسلام میں جلد داخل ہو کر اسلام کے پھیلانے میں مدد ومعاون ثابت ہوں گے جبکہ معمر وعمر رسیدہ لوگوں سے اس کی امید کم ہی ہوتی ہے۔

(١٠٩٦) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُمْ تَبَارَزُوا يَوْمَ بَدْرٍ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَأَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ مُطَوَّلًا.

[1096] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بدر کے روز (کافروں کو) دعوت مبارزت دی۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود نے یہ حدیث بالتفصیل بیان کی ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنَّهُمْ] سے خود حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ [تَبَارَزُوا] مبارزت کی صورت اس طرح ہوتی تھی کہ باقاعدہ لڑائی کے آغاز سے پہلے دونوں طرف سے دو یا زیادہ نوجوان فریق مخالف کے نوجوانوں کو لڑائی کی دعوت دیتے ہیں اور اس دوران میں اپنی جوانمردی و بہادری کا اظہار کرتے ہیں، پھر ان کی لڑائی مکمل ہونے کے بعد فریقین کے مابین معرکہ گرم ہوتا ہے اور دونوں لشکروں کے عام لوگوں میں جنگ شروع ہو جاتی ہے۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ بالا حدیث میں جس مبارزت کا ذکر ہوا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو قتل کر دیا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیا لیکن حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور عتبہ بن ربیعہ کے درمیان ایک ایک وار کا تبادلہ ہوا اور اسی اثنا میں حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما عتبہ پر پل پڑے اور دونوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو اٹھا لائے مگر ان کی ران کا زخم مسلسل بہتا رہا حتیٰ کہ وادی صفراء میں مدینہ کی جانب واپسی کے موقع پر شہید ہو گئے۔ ② روایات اس بات کی بابت تو مختلف ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل کون تھا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابل کون اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مقابل کون تھا؟ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ مبارزت میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے جوہر شجاعت دکھائے وہ یہی تینوں تھے۔

(١٠٩٧) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: إِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِينَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَعْنِي قَوْلَهُ تَعَالٰى: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ قَالَهُ رَدًّا عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ عَلٰى مَنْ حَمَلَ عَلٰى صَفِّ الرُّومِ حَتّٰى دَخَلَ فِيهِمْ. رَوَاهُ الثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[1097] حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت ہم انصار کے حق میں نازل ہوئی: ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ''اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔'' یہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی تردید میں فرمایا تھا جنھوں نے اس شخص کو برا جانا جس نے رومیوں کے لشکر پر حملہ کیا حتیٰ کہ ان کے بیچ میں

١٠٩٦ـ أخرجه البخاري، التفسير، باب ﴿هذان خصمان اختصموا في ربهم﴾، حديث: ٤٧٤٤، وأبوداود، الجهاد، حديث: ٢٦٦٥.

١٠٩٧ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في قوله تعالى: ﴿ولا تلقوا بأيديكم إلى التهلكة﴾، حديث: ٢٥١٢، والترمذي، تفسير القرآن، حديث: ٢٩٧٢، والحاكم: ٢/ ٢٧٥، وابن حبان (ابن بلبان): ١١/ ٩، ح: ٤٧١١.

جا گھسا۔ (اسے تینوں نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَعْشَرَ الْأَنصَارِ] یہ اختصاص کی بنا پر منصوب ہے۔

فائدہ: اس واقعہ کی تفصیل یوں ہے کہ اسلم بن یزید ابوعمران بیان کرتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ میں تھے کہ رومیوں کا ایک بڑا فوجی لشکر ہمارے مقابلے کے لیے سامنے آیا تو مسلمانوں میں سے ایک مجاہد نے ان پر حملہ کر دیا حتی کہ ان کے بیچ میں سے واپس آیا، پھر دوبارہ پلٹ کر گیا تو لوگ چیخنے لگے: سبحان اللہ! اس نے اپنے آپ کو ہلاکت کے منہ میں ڈال دیا ہے۔ اس موقع پر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگو! تم اس آیت کی یہ تاویل کر رہے ہو حالانکہ یہ آیت ہمارے متعلق، یعنی گروہ انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غلبہ بخشا اور اس کے مددگاروں کی تعداد کثیر ہوگئی تو ہم آپس میں ایک دوسرے سے خفیہ طور پر یہ کہنے لگے کہ ہمارے اموال (گھربار، مویشی اور باغات) تو ضائع ہوگئے، اگر ہم اپنے مالوں میں ٹھہرے رہتے اور ان کی دیکھ بھال رکھتے تو ان میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوتا۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ چنانچہ اس ہلاکت سے مراد ہمارا اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا تھا جس کا ہم ارادہ کر رہے تھے۔ (سبل السلام)

(١٠٩٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ: حَرَّقَ رَسُولُ اللهِ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ، وَقَطَّعَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1098] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنونضیر کے کھجوروں کے درخت نذر آتش کرا دیے اور کٹوا دیے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [حَرَّقَ] تحریق سے ماخوذ ہے۔ بنونضیر یہود کا قبیلہ تھا۔ مدینہ منورہ کے جنوب مشرق میں رہائش پذیر تھے اور نبی ﷺ کے ساتھ ان کا معاہدہ تھا مگر انھوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور آپ کے قتل کے درپے ہوگئے۔ آپ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔ اس کے بعد انھیں مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا۔ یہ واقعہ ۴ ہجری میں ربیع الاول کے مہینے میں پیش آیا۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ناگزیر جنگی ضرورت کی بنا پر پھلدار درختوں کو جلانا یا کٹوانا جائز ہے۔ مگر عام حالات میں بلاضرورت انھیں کاٹنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

(١٠٩٩) وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَغُلُّوا، فَإِنَّ الْغُلُولَ نَارٌ وَعَارٌ عَلٰى أَصْحَابِهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ،

[1099] حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''غنیمت کے مال میں خیانت نہ کرو کیونکہ مال غنیمت میں خیانت (جہنم کی) آگ ہے اور خیانت کرنے والوں کے لیے دنیا و آخرت میں عار کا باعث

١٠٩٨ـ أخرجه البخاري، المغازي، باب حديث بني النضير .....، حديث: ٤٠٣١، ومسلم، الجهاد والسير، باب جواز قطع أشجار الكفار وتحريقها، حديث: ١٧٤٦.

١٠٩٩ـ [حسن] أخرجه النسائي: لم أجده، وانظر حديث: ٤١٤٣، وأحمد: ٤/ ١٢٨، ٥/ ٣١٧، ٣١٨، ٣٢٦، وابن ماجه، الجهاد، حديث: ٢٨٥٠، وابن حبان (ابن بلبان): ١١/ ٤٨٥٥.

وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

ہے۔'' (اسے احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیانت دنیا و آخرت میں عار اور ذلت و رسوائی کا باعث ہے۔ ② ایک مسلمان مجاہد کو دیانت دار ہونا چاہیے۔ بددیانت اور خائن نہیں ہونا چاہیے۔ ③ اس کا مقصد مال و متاع کا حصول نہیں بلکہ اس کا مقصود رضائے الٰہی اور اعلائے کلمۃ اللہ کا حصول ہو اور جب تک وہ اس اصول کو اپنائے رکھے گا دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا ورنہ ذلت و رسوائی اس کا مقدر بنے گی۔

(١١٠٠) وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَضٰى بِالسَّلَبِ لِلْقَاتِلِ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ.

[1100] حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے چھینے ہوئے مال کی بابت قاتل (غازی) کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل مسلم میں ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلسَّلَبُ] ''سین'' اور ''لام'' دونوں پر فتحہ ہے۔ جمہور کے نزدیک سلب سے مراد لڑنے مرنے والے کافر کا لباس اور سامان جنگ وغیرہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سواری کا جانور اس سلب میں داخل نہیں ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد صرف سامان جنگ (تلوار، زرہ وغیرہ) ہے۔ (فتح الباري:٦/ ٢٩٧)

(١١٠١) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ قَتْلِ أَبِي جَهْلٍ - قَالَ: فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا، حَتّٰى قَتَلَاهُ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَأَخْبَرَاهُ، فَقَالَ: **«أَيُّكُمَا قَتَلَهُ؟ هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا؟»** قَالَا: لَا. قَالَ: فَنَظَرَ فِيهِمَا، فَقَالَ: **«كِلَاكُمَا قَتَلَهُ»**. فَقَضٰى ﷺ بِسَلَبِهِ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1101] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ابوجہل کے قتل کے واقعے میں مروی ہے کہ پھر وہ دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر ابوجہل کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھے حتی کہ اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو (ابوجہل کے قتل کی) خبر دی۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''تم دونوں میں سے کس نے اسے قتل کیا؟ کیا تم نے اپنی اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟'' دونوں بولے: نہیں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے ان دونوں کی تلواروں کو دیکھا اور فرمایا: ''تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل

١١٠٠ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في الإمام يمنع القاتل السلب إن رأى ...، حديث: ٢٧١٩، ومسلم، الجهاد، حديث: ١٧٥٣.

١١٠١ـ أخرجه البخاري، فرض الخمس، باب من لم يخمس الأسلاب، حديث: ٣١٤١، ومسلم، الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، حديث: ١٧٥٢.

کے ساز وسامان کا معاذ بن عمرو بن جموح کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [فَابْتَدَرَاهُ] دونوں نے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس میں تثنیہ کی ضمیر کا مرجع معاذ بن عمرو بن جموح اور معوذ بن عفراء ہیں۔ اس جنگ میں یہ دونوں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے دائیں بائیں تھے۔ [حَتّٰی قَتَلَاهُ] حتی کہ انھوں نے ابوجہل کا کام تمام کر دیا۔ ان دونوں نے ایسی ضرب کاری لگائی کہ اس کی جان نکلنے لگی اور خبیث روح اس کے جسم کا ساتھ چھوڑنے لگی۔ پہلی ضرب معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے لگائی۔ یہ ابوجہل کی تاک میں تھے۔ جوں ہی انھیں فرصت میسر آئی' یہ باز کی طرح جھپٹ کر ابوجہل پر حملہ آور ہوئے اور ایسی ضرب لگائی کہ اس کے قدم سمیت آدھی پنڈلی بھی کاٹ دی۔ ابوجہل خون میں لت پت لڑکھڑا کر زمین پر آ گرا۔ اس کے بعد معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا تو انھوں نے نیزہ دے مارا جس سے وہ وہیں ڈھیر ہو گیا صرف سانس آتی جاتی رہی۔ معرکہ کے اختتام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے انجام کی تحقیق کا حکم صادر فرمایا۔ لوگوں نے اس کی تلاش شروع کی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے ایسی حالت میں پایا کہ ہنوز آثار زندگی باقی تھے تو وہ ابوجہل کے سینے پر اپنا پورا وزن ڈال کر جھکے اور اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ [فَقَضٰی بِسَلَبِهٖ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا لباس اور سامان جنگ معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دوسرے دوست اور رفیق معوذ بن عفراء جو ابوجہل کے قتل میں ان کے ساتھ شریک تھے وہ خود بعد میں اسی معرکے کے دوران میں شہید ہو چکے تھے' لہٰذا معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سوا اس سامان کا کوئی حق دار باقی نہیں رہا تھا۔ پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سامان انھیں نہیں دیا تھا بلکہ اس کا زیادہ تر حصہ دیا تھا اور ابوجہل کی تلوار عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو دینے کا فیصلہ فرمایا تھا جیسا کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن أبي داود' الجهاد' باب من أجاز على جريح مثخن ينفل من سلبه' حديث: ٢٧٢٢)

راویٔ حدیث: [حضرت معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ] یہ انصار کے قبیلۂ خزرج کے فرد تھے۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ انھوں نے ابوجہل کا پاؤں کاٹ کر اسے پچھاڑ دیا تھا۔ عکرمہ بن ابی جہل نے ان کو زخم لگایا کہ ان کا ہاتھ کٹ کر لٹک گیا تو انھوں نے پاؤں تلے دبا کر کھینچ کر اسے جدا کر دیا اور پھینک دیا اور باقی سارا وقت اکیلے ہاتھ سے لڑتے اور داد شجاعت دیتے رہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے موقف سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صاحب' ابن عفراء کے علاوہ اور کوئی تھے کیونکہ ابن عفراء کا نسب اس طرح ہے۔ معاذ بن حارث بن رفاعہ نجاری۔

(١١٠٢) وَعَنْ مَكْحُولٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ

[1102] حضرت مکحول سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

١١٠٢ـ [ضعيف] أخرجه أبوداود في المراسيل، حديث: ٣٣٥، بإسناد صحيح عنه، وحديث علي: أخرجه العقيلي في الضعفاء: ٢/ ٢٤٤، وسنده ضعيف جدًا. فيه عبدالله بن خراش منكر الحديث، وللحديث شواهد مرسلة عند البيهقي: ٩/ ٨٤، والترمذي، الأدب، حديث: ٢٧٦٢ب وغيرهما.

نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلٰى أَهْلِ الطَّائِفِ. أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ. وَوَصَلَهُ الْعُقَيْلِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.

اہل طائف پر منجنیق نصب کی۔ (اسے ابوداود نے اپنی مراسیل میں بیان کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اور عقیلی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ اسے موصول قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْجَنِيقَ] ''میم'' پر فتحہ' ''نون'' ساکن' ''جیم'' پر فتحہ' پھر ''نون'' کے نیچے کسرہ اور پھر ''یا'' ساکن ہے۔ یہ ایک جنگی آلہ ہوتا تھا جس کے ذریعے سے مضبوط قلعوں کی دیواروں کو گرانے اور بڑی اونچی اور پختہ عمارتوں کو منہدم کرنے کے لیے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت ضعیف ہے' تاہم دشمن کو نیست و نابود کرنے یا ان کا زور توڑنے اور عسکری قوت کمزور کرنے کے لیے نئے نئے طریقہ ہائے جنگ اور جدید سامان حرب و ضرب استعمال کرنے چاہئیں اور مسلمانوں کو سامان حرب نئے سے نئے ایجاد کرنے چاہئیں۔ ② آج کے دور میں ایٹم بم اور دیگر تباہ کن اور ہیبت ناک ہتھیار بھی تیار کرنے چاہئیں تاکہ دشمن پر مسلمانوں کا رعب و دبدبہ قائم ہو۔

راویٔ حدیث: [حضرت مکحول رحمہ اللہ] دمشق کے باشندے اور شام کے فقیہ تھے۔ کبار ائمہ میں سے تھے۔ ابوحاتم کا قول ہے کہ شام میں ان سے بڑا فقیہ میرے علم میں نہیں ہوا۔ انھوں نے ۱۱۳ ہجری میں وفات پائی۔

(۱۱۰۳) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ دَخَلَ مَكَّةَ، وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: اِبْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: «اُقْتُلُوهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1103] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ کے سر پر خود تھا۔ جب آپ نے اسے سر سے اتارا تو آپ کے پاس ایک آدمی آیا' اس نے کہا کہ ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اسے قتل کر دو۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [اَلْمِغْفَرُ] منبر کے وزن پر ہے۔ لوہے سے بنی ہوئی ٹوپی جسے خود کہتے ہیں۔ [اِبْنُ خَطَلٍ] خطل کے ''خا'' اور ''طا'' دونوں پر فتحہ ہے۔ اس کا نام عبدالعزیٰ یا عبداللہ تھا۔ [بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ] أَسْتَار، سِتْر کی جمع ہے' یعنی کعبہ کے پردے۔ [اُقْتُلُوهُ] اسے قتل کر دو۔ قتل کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ یہ پہلے مسلمان تھا' اسے زکاۃ کی وصولی پر مقرر کیا گیا تو اس نے اپنے خادم مسلمان کو قتل کر دیا اور خود مشرک' مرتد ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کی دو لونڈیاں تھیں جو نبی ﷺ کی ہجو میں گاتی تھیں۔ ان میں سے ایک کو تو قتل کر دیا گیا اور دوسری کے لیے امان طلب کی گئی اور وہ مسلمان ہو گئی۔ ابن خطل ان نو آدمیوں میں سے تھا جن کے قتل کا نبی ﷺ نے فتح مکہ کے روز حکم دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر یہ لوگ

۱۱۰۳- أخرجه البخاري، الجهاد، باب قتل الأسير وقتل الصبر، حديث: ۳۰۴۴، ومسلم، الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، حديث: ۱۳۵۷.

خانہ کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے مل جائیں تو پھر بھی انھیں قتل کر دو۔ ان میں سے چار تو قتل ہوئے اور باقیوں نے اسلام قبول کر لیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرتد اور نبی ﷺ کے بارے میں توہین آمیز رویہ رکھنے والے کی سزا قتل ہے اگرچہ وہ بیت اللہ کے پردے میں چھپا ہوا ہو۔

(١١٠٤) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَتَلَ يَوْمَ بَدْرٍ ثَلَاثَةً صَبْرًا. أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ فِي الْمَرَاسِيلِ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[1104] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے روز تین آدمیوں کو باندھ کر قتل کیا۔ (اسے ابوداود نے اپنی مراسیل میں نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [صَبْرًا] ''صاد'' پر فتحہ اور ''با'' ساکن ہے، یعنی قتل کرنے کے لیے باندھنا۔ وہ تین آدمی جنھیں اس طرح قتل کیا گیا، ان میں سے ایک طعیمہ بن عدی تھا لیکن اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ لڑائی کے دوران میں مارا گیا تھا' دوسرا نضر بن حارث اور تیسرا عقبہ بن ابی معیط تھا۔ ان دونوں کو مدینے کے راستے میں قتل کیا گیا۔ پہلے کو مقام صفراء پر اور دوسرے کو مقام الظبیۃ پر۔

راویٔ حدیث: [حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ] سعید بن جبیر کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ آخری آدمی تھے جنھیں حجاج ثقفی نے قتل کروایا تھا۔ یہ حدیث و تفسیر کے قابل حجت امام تھے۔ خلیفہ کا بیان ہے کہ میں سعید بن جبیر کے قتل کے موقع پر حاضر تھا' جب ان کا سر جدا کیا گیا تو انھوں نے لا إلٰه إلا اللّٰه' لا إلٰه إلا اللّٰه کہا' جب تیسری مرتبہ لا إلٰه إلا اللّٰه کہنے لگے تو مکمل نہ کر سکے۔ ؒ۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر تو فوت ہو گئے لیکن روئے زمین پر ایسا ایک بھی فرد نہیں جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ انھیں ۹۵ ہجری میں ادھیڑ عمری میں قتل کیا گیا۔ (لفظ جُبَیر تصغیر ہے۔)

(١١٠٥) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَدٰى رَجُلَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَصْلُهُ عِنْدَ مُسْلِمٍ.

[1105] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مسلمان مردوں کے عوض ایک مشرک مرد فدیے میں دیا۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کی اصل مسلم میں ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسیران جنگ کا تبادلہ درست ہے۔ جمہور علماء کی رائے بھی یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تبادلہ درست نہیں۔ ان کی رائے میں قیدی کو مار ڈالنا یا غلام بنا لینا چاہیے حالانکہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے بنو عقیل کے ایک آدمی کو گرفتار کیا تو بنو ثقیف نے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو گرفتار کر لیا۔ بنو ثقیف' بنو عقیل کے حلیف تھے۔

١١٠٤۔ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود في المراسيل، حديث: ٣٣٧، بسند صحيح عنه به مطولاً. وعلته الإرسال.

١١٠٥۔ [صحيح] أخرجه الترمذي، السير، باب ما جاء في قتل الأسارى والفداء، حديث: ١٥٦٨، ومسلم، النذر، حديث: ١٦٤١.

مشرکین نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رہا کر دیا اور نبی ﷺ نے اس مشرک کو چھوڑ دیا۔ یہ جمہور کی واضح دلیل ہے۔

(١١٠٦) وَعَنْ صَخْرِ بْنِ الْعَيْلَةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا أَسْلَمُوا أَحْرَزُوا دِمَاءَهُمْ [وَأَمْوَالَهُمْ]». أَخْرَجَهُ أَبُوْدَاوُدَ. وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُوْنَ.

[1106] حضرت صخر بن عیلہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو اپنے خون اور اپنے مال محفوظ کر لیتے ہیں۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم اس میں جو مسئلہ بیان ہوا ہے وہ دیگر صحیح روایات سے ثابت ہے' یعنی جب حربی کافر اپنی آزاد مرضی سے بغیر کسی بیرونی دباؤ کے اسلام میں داخل ہو جائے تو پھر اس کا مال منقولہ جائیداد کی صورت میں ہو یا غیر منقولہ جائیداد کی شکل میں دونوں طرح حرام ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (نیل الأوطار' باب إن الحربي إذا أسلم قبل القدرة عليه أحرز أمواله: ١٣/٨)

راوئ حدیث: [حضرت صخر بن عیلہ رضی اللہ عنہ] صخر کے ''صاد'' پر فتحہ اور ''خا'' ساکن ہے۔ احمسی تھے۔ ابوحازم ان کی کنیت تھی۔ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ ان سے یہی حدیث مروی ہے۔

(١١٠٧) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي أُسَارٰى بَدْرٍ: «لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1107] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اسیران بدر کے متعلق فرمایا: ''اگر مطعم بن عدی بقید حیات ہوتا' پھر وہ مجھ سے ان بدبوداروں کے متعلق سفارش کرتا تو میں انھیں اس کی خاطر چھوڑ دیتا۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أُسَارٰى] ''ہمزہ'' پر ضمہ ہے اور أَسِیر کی جمع ہے جس کے معنی قیدی کے ہیں۔ [ثُمَّ كَلَّمَنِي] پھر وہ مجھ سے بات چیت کرتا' یعنی سفارش کرتا۔ [فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى] ان مرداروں کے بارے میں۔ نَتْنٰى نَتِنٌ کی جمع ہے' جیسے زَمْنٰى زَمِنٌ کی جمع ہے۔ معنی اس کے ہیں: بدبودار چیز۔ کفار کے عقائد کی خرابی و خباثت اور کفر کی گندگی کی وجہ سے انھیں بدبودار کہا گیا ہے۔ [لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ] محض مطعم کی سفارش کی وجہ سے بغیر کسی فدیے کے انھیں رہا کر دیتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب نبی ﷺ اہل طائف سے مایوس ہو کر واپس مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا تھا اور اس موقع پر مشرکین سے آپ کا دفاع بھی کیا۔ اس کے اسی احسان کی وجہ سے نبی ﷺ نے چاہا کہ اگر آج مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ ان بدبودار ڈھانچوں کے متعلق مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کے احسان کے بدلے میں انھیں رہا کر دیتا اور اس کا بدلہ چکا دیتا۔

١١٠٦ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الخراج والفيء والإمارة، باب في إقطاع الأرضين، حديث: ٣٠٦٧. * عثمان لم يوثقه غير ابن حبان، وأبوحازم بن صخر بن العيلة مستور.

١١٠٧ـ أخرجه البخاري، فرض الخمس، باب ما منّ النبي ﷺ على الأسارى من غير أن يخمس، حديث: ٣١٣٩.

فوائد و مسائل: ① آپ ﷺ کے عمل سے یہ ثابت ہوا کہ احسان کا بدلہ دینا مسنون ہے خواہ کافر کا احسان ہی کیوں نہ ہو۔ ② مسلمان کے احسان کا بدلہ تو بطریق اولیٰ دینا چاہیے۔ ③ اچھے کام میں کسی کے لیے سفارش کرنا بھی جائز ہے۔ اور جائز کام کی سفارش کو قبول کرنا بھی مسنون ہے۔

(١١٠٨) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أَصَبْنَا سَبَايَا يَوْمَ أَوْطَاسٍ لَهُنَّ أَزْوَاجٌ، فَتَحَرَّجُوا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ اَلْآيَةَ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1108] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اوطاس کے دن کچھ قیدی عورتیں ہمارے ہاتھ لگیں جن کے شوہر زندہ تھے۔ مسلمانوں نے ان سے مباشرت کو باعث حرج سمجھا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ''تم پر شادی شدہ عورتیں حرام ہیں، مگر وہ جو تمھاری لونڈیاں ہوں۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَتَحَرَّجُوا] یعنی انھوں نے سمجھا کہ ان لونڈیوں کے ساتھ وطی کرنا گناہ اور باعث حرج ہے، اس لیے انھوں نے لونڈیوں سے لطف صحبت اٹھانے سے اجتناب کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنگ میں جو عورتیں گرفتار ہو جائیں ان سے لطف صحبت اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ استبرائے رحم کے لیے ایک حیض انتظار کیا جائے، اگر حاملہ نہیں تو اسی وقت سے اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل کے بعد اس سے مباشرت کی جا سکتی ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلمان بھی ہوں۔ ② باقاعدہ سرکاری تقسیم کے بعد جو لونڈی جس کے حصے میں آئے وہ اس سے بعینہ اسی طرح لطف اٹھا سکتا ہے جس طرح اپنی بیوی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

(١١٠٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ سَرِيَّةً، وَأَنَا فِيهِمْ، قِبَلَ نَجْدٍ، فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً، فَكَانَتْ سُهْمَانُهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ بَعِيرًا، وَنُفِّلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1109] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد کی طرف ایک سریہ روانہ فرمایا۔ میں بھی اس میں موجود تھا۔ سریہ میں شریک مجاہدین نے بہت سے اونٹ مال غنیمت میں حاصل کیے۔ ان میں سے ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے۔ پھر انھیں ایک ایک اونٹ زائد دیا گیا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [قِبَلَ نَجْدٍ] نجد کی جانب۔ قِبَل کے ''قاف'' کے نیچے کسرہ اور ''با'' پر فتحہ ہے۔ [سُهْمَانُهُمْ]

١١٠٨۔ أخرجه مسلم، الرضاع، باب جواز وطء المسبية بعد الاستبراء ....، حديث: ١٤٥٦.

١١٠٩۔ أخرجه البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين ....، حديث: ٣١٣٤، ومسلم، الجهاد والسير، باب الأنفال، حديث: ١٧٤٩.

''سین'' پر ضمہ ہے۔ سُھْمٌ کی جمع ہے جس کے معنی حصہ کے ہیں۔ [نُفِّلُوا] تنفیل سے صیغۂ مجہول ہے۔ انھیں بطور نفل دیا گیا۔ اور نفل کہتے ہیں کہ غازی کو مال غنیمت میں سے اس کے متعین حصے سے زائد کوئی چیز دینا۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غازی کو مال غنیمت میں سے مقرر حصے کے علاوہ زائد مال بھی دیا جا سکتا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ زائد حصہ اصل مال غنیمت میں سے ہوگا یا خمس میں سے یا خُمُسُ الْخُمُس میں سے۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سب صورتیں جائز ہیں۔

(١١١٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَسَمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ، وَلِلرَّاجِلِ سَهْماً. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[1110] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز گھوڑے کے لیے دو حصے اور پیدل کے لیے ایک حصہ تقسیم کیا۔ (بخاری و مسلم' الفاظ بخاری کے ہیں۔)

وَلِأَبِي دَاوُدَ: أَسْهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِهِ ثَلَاثَةَ أَسْهُمٍ، سَهْمَيْنِ لِفَرَسِهِ، وَسَهْمًا لَهُ.

ابوداود کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک مرد اور اس کے گھوڑے کے لیے تین حصے مقرر کیے۔ دو حصے اس کے گھوڑے کے اور ایک حصہ اس کا اپنا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت کی تقسیم میں گھوڑ سوار کے لیے تین حصے ہیں (دو اس کے گھوڑے کے اور ایک اس کا اپنا) جبکہ پیدل کے لیے صرف ایک حصہ ہے۔ ② گھوڑے کا حصہ اس لیے زیادہ رکھا گیا کہ اس کی خوراک اور دیکھ بھال پر کافی اخراجات آتے ہیں۔

(١١١١) وَعَنْ مَعْنِ بْنِ يَزِيدَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا نَفَلَ إِلَّا بَعْدَ الْخُمُسِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الطَّحَاوِيُّ.

[1111] حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''نفل (زائد حصہ) خمس کے بعد ہی ہوتا ہے۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور طحاوی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① یہاں دو مسئلے قابل غور ہیں: پہلا یہ کہ یہ اضافی اور زائد حصہ اصل مال غنیمت میں سے دیا جائے گا یا خمس میں سے؟ اس حدیث میں ان دونوں باتوں میں سے کسی کی صراحت نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفل (زائد حصہ) دینے سے پہلے غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نفل خواہ اصل

١١١٠ـ أخرجه البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: ٤٢٢٨، ومسلم، الجهاد والسير، باب كيفية قسمة الغنيمة بين الحاضرين، حديث: ١٧٦٢، وحديث: "أسهم لرجل ....." أخرجه أبوداود، الجهاد، حديث: ٢٧٣٣ وسنده صحيح.

١١١١ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في النفل من الذهب والفضة ومن أول مغنم، حديث: ٢٧٥٣، وأحمد: ٣/ ٤٧٠.

غنیمت سے دیا جائے یا خمس سے' دونوں طرح جائز ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا نفل خمس سے پہلے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس حدیث کے ظاہر سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کوئی جواز نہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی سابقہ حدیث (۱۱۰۹) کے ایک دوسرے طریق سے ثابت الفاظ اس کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔ ④ اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ نجد کی جانب بھیجے جانے والے مجاہدین کو خمس نکالنے سے پہلے نفل دیا گیا تھا۔ ملاحظہ ہو: (سنن أبي داود مع شرح عون المعبود: ۲۲/۳) لہٰذا اس حدیث میں موجود نہی کا ظاہری مفہوم مراد نہیں بلکہ نہی تنزیہی ہے۔

راوی حدیث: [حضرت معن بن یزید رضی اللہ عنہ] معن بن یزید بن اخنس سلمی۔ خود بھی صحابی اور باپ بھی صحابی ہیں۔ فتح دمشق میں یہ بھی حاضر تھے۔ کوفہ میں رہائش اختیار کی' پھر مصر میں آئے' بعد میں پھر دمشق میں منتقل ہو گئے۔ مرج راہط کی جنگ میں ضحاک بن قیس کے ساتھ ۶۴ ہجری میں شامل ہوئے اور شہید ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی لڑائیوں میں شریک رہے۔

(۱۱۱۲) وَعَنْ حَبِيبِ بْنِ مَسْلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، نَفَّلَ الرُّبُعَ فِي الْبَدْأَةِ، وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُود وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[1112] حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے سفر کے آغاز میں حملہ کرنے پر چوتھا حصہ بطور نفل عطا فرمایا اور (غزوے سے) واپسی کے وقت حملہ کرنے پر تیسرا حصہ دیا۔ (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے' نیز ابن جارود' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [نَفَّلَ الرُّبُعَ] یعنی خمس کے بعد غنیمت کا چوتھا حصہ بطور نفل عطا فرمایا۔ [فِي الْبَدْأَةِ] ''با'' پر فتحہ' ''دال'' ساکن اور ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے' یعنی سفر کے آغاز میں' جب لشکر اسلامی دشمن کی جانب رواں دواں ہوا ہو۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جب لشکر میں سے الگ ایک دستہ دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے نکلے اور دشمن پر جا پڑے اور کامیاب و کامران غنیمت لے کر واپس لوٹے تو اس دستے کو اس کا چوتھائی حصہ دیا جائے گا اور باقی غنیمتوں کو سارے لشکر میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ [وَالثُّلُثَ فِي الرَّجْعَةِ] یعنی تیسرا حصہ اس صورت میں دیا جائے گا کہ لشکر اسلامی جنگ کے بعد وطن واپس آ رہا ہو تو اس وقت اس لشکر میں سے ایک دستہ دشمن پر حملہ کرنے کے لیے الگ ہو کر چلا جائے۔ چونکہ اس صورت میں دشمن پر حملہ آور ہونا پہلے حملے کی نسبت زیادہ مشکل ہوتا ہے اور خطرات بھی زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ حریف اب چوکنا ہو چکا ہوتا ہے اور ہر طرح سے ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے اور مقابلہ کرنا اتنا آسان نہیں رہتا' اس لیے اس صورت حال میں دشمن پر حملہ کرنے والوں کو غنیمتوں کا ثلث (تیسرا حصہ) دیا جائے گا۔

راوی حدیث: [حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ] ابوعبدالرحمٰن حبیب بن مسلمہ فہری مکی۔ صحابی ہیں۔ حبیب روم

۱۱۱۲۔ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب فيمن قال: الخمس قبل النفل، حديث: ۲۷۵۰، وابن حبان (الموارد)، حديث: ۱۶۷۲، والحاكم: ۲/ ۱۳۳، ۳/ ۴۳۲ وصححه، ووافقه الذهبي.

کے لقب سے معروف تھے کیونکہ رومیوں کے لیے ان کی بہت سی خدمات ہیں۔ ارمینیہ کے والی بنے اور وہیں ۴۱ یا ۴۲ ہجری میں فوت ہوئے۔

(۱۱۱۳) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُنَفِّلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً، سِوٰى قَسْمِ عَامَّةِ الْجَيْشِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1113] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعض جہادی دستوں کو بالخصوص غنیمت کے حصے کے علاوہ کچھ مزید دیا کرتے تھے۔ یہ عام لشکر کی تقسیم میں شامل نہیں ہوتا تھا۔ (بخاری ومسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ ہر مجاہد کو یہ نفلی حصہ عنایت نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ صرف مخصوص مجاہدین کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے دینا مناسب خیال فرماتے' پھر جنھیں یہ حصہ دیتے انھیں بھی مساوی طور پر نہ دیتے بلکہ خدمت اور مصلحت کے لحاظ سے کم و بیش دیتے تھے۔ ② اس سے معلوم ہوا کہ آج بھی خاص خدمات انجام دینے والے مجاہدین کو سربراہ مملکت یا امیر لشکر خصوصی انعامات دے سکتا ہے' مثلاً: مختلف قدر و قیمت کے تمغے' نشانات' نقد انعام وغیرہ۔ ③ اس سے مجاہدین اور غازیان اسلام کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

(۱۱۱٤) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ فَنَأْكُلُهُ، وَلَا نَرْفَعُهُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلِأَبِي دَاوُدَ: «فَلَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُمُ الْخُمُسُ»، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1114] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ ہمیں غزوات میں شہد اور انگور ہاتھ آتے تو انھیں کھا پی لیتے تھے اور انھیں اٹھا کر نہیں لے جاتے تھے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔) اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ ان سے خمس وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ (ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دوران جنگ میں مجاہدوں کے ہاتھ کھانے پینے کی اگر کچھ چیزیں آ جائیں تو انھیں وہیں کھا پی سکتے ہیں' مال غنیمت میں جمع کروانے کی ضرورت نہیں' البتہ ذخیرہ اندوزی کے لیے اٹھا کر لے جانا درست نہیں ہے۔ ② خورونوش کے علاوہ اگر دشمن کے جانور اور ہتھیار قبضے میں آ جائیں تو انھیں جنگ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں مگر جنگ کے اختتام پر مال غنیمت میں واپس جمع کرانا واجب ہے۔

(۱۱۱۵) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ

[1115] حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے روایت

۱۱۱۳ـ أخرجه البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين، حديث: ۳۱۳۵، ومسلم، الجهاد والسير، باب الأنفال، حديث: ۱۷۵۰/ ٤٠.

۱۱۱٤ـ أخرجه البخاري، فرض الخمس، باب ما يصيب من الطعام في أرض الحرب، حديث: ۳۱۵٤، وأبوداود، الجهاد، حديث: ۲۷۰۱، وابن حبان (الموارد)، حديث: ۱٦۷۲، وهو حديث صحيح.

۱۱۱۵ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في النهي عن النهبى إذا كان في الطعام قلة ...، حديث: ۲۷۰٤، وابن الجارود، حديث: ۱۰۷۲، والحاكم: ۲/ ۱۲٦ وصححه على شرط البخاري، ووافقه الذهبي.

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أَصَبْنَا طَعَامًا يَوْمَ خَيْبَرَ، فَكَانَ الرَّجُلُ يَجِيءُ، فَيَأْخُذُ مِنْهُ مِقْدَارَ مَا يَكْفِيهِ، ثُمَّ يَنْصَرِفُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ الْجَارُودِ وَالْحَاكِمُ.

ہے کہ خیبر کے روز ہمیں کچھ غلہ ہاتھ آیا' تو آدمی آتا' اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حاصل کر لیتا اور پھر واپس چلا جاتا۔ (اسے ابوداود نے نقل کیا ہے' نیز ابن جارود اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: اس سے بھی معلوم ہوا کہ خورونوش کی چیزیں کھانے پینے کی حد تک ہر مجاہد تقسیم سے پہلے لے سکتا ہے' اس پر اس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔

(١١١٦) وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَرْكَبْ دَابَّةً مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتّٰى إِذَا أَعْجَفَهَا رَدَّهَا فِيهِ، وَلَا يَلْبَسْ ثَوْبًا مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ، حَتّٰى إِذَا أَخْلَقَهُ رَدَّهُ فِيهِ». أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ. وَرِجَالُهُ لَا بَأْسَ بِهِمْ.

[1116] حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت کی سواری پر اس طرح سواری نہ کرے کہ جب اسے کمزور کر دے تو اسے مال غنیمت میں واپس کر دے۔ اور مسلمانوں کے (مشترک) مال غنیمت سے کوئی کپڑا اس طرح نہ پہنے کہ جب اسے بوسیدہ اور پرانا کر دے تو اسے مال غنیمت میں واپس کر دے۔'' (اسے ابوداود اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ایسے ہیں جن میں کوئی حرج نہیں۔)

لغوی تشریح: مِنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِينَ یعنی مشترک مال غنیمت۔ أَعْجَفَهَا اسے کمزور اور دبلا کر دے۔ أَخْلَقَهُ اسے بوسیدہ اور پرانا کر دے۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غنیمت میں حاصل شدہ کپڑوں اور سواریوں کو میدان جنگ میں ضرورت کے وقت استعمال میں لایا جا سکتا ہے لیکن اس بات کی ممانعت ہے کہ سواری سے اس طرح فائدہ اٹھایا جائے کہ وہ کمزور اور لاغر ہو جائے یا کپڑے کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ بوسیدہ اور پرانا ہو جائے' اس لیے اگر سواری کو کمزور کیے بغیر اور کپڑے کو بوسیدہ کیے بغیر اپنی ضرورت پوری کر لی جائے تو اس کا جواز ہے۔ (سبل السلام)

(١١١٧) وَعَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ رَضِيَ

[1117] حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ روایت کرتے

١١١٦ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في الرجل ينتفع من الغنيمة بشيء، حديث: ٢٧٠٨، والدارمي: ٢/ ٢٣٠.

١١١٧ـ [حسن] أخرجه أحمد: ١/ ١٩٥، وابن أبي شيبة: ١٢/ ٤٥١، ٤٥٢. ٭ حجاج بن أرطاة ضعيف مدلس وعنعن. وللحديث شواهد، وحديث عمرو بن العاص: أخرجه الطيالسي: لم أجده، وهو في مسند الإمام أحمد: ٤/ ١٩٧ وغيره [أبوداود، الديات، حديث: ٤٥٣١، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٨٥ من حديث عبدالله بن عمرو بن العاص]، حديث علي: أخرجه البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، حديث: ٧٣٠٠، ومسلم، الحج، حديث: ١٣٧٠، وابن ماجه، الديات، حديث: ٢٦٨٣، وحديث أم هانيء: أخرجه البخاري، الجزية والموادعة، حديث: ٣١٧١، ومسلم، صلاة المسافرين، حديث: ٧١٩.

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ بَعْضُهُمْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَحْمَدُ. وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''مسلمانوں میں سے کوئی بھی ان کی طرف سے امان (پناہ) دینے کا مجاز ہے۔'' (اس روایت کو ابن ابی شیبہ اور احمد نے نقل کیا ہے۔ اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

وَلِلطَّيَالِسِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: «يُجِيرُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ أَدْنَاهُمْ».

اور مسند طیالسی میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی بھی ان کی طرف سے امان دے سکتا ہے۔''

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: «ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ». زَادَ ابْنُ مَاجَه مِنْ وَجْهٍ آخَرَ: «وَيُجِيرُ عَلَيْهِمْ أَقْصَاهُمْ».

اور صحیحین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ''تمام مسلمانوں کی پناہ ایک ہی ہے۔ ان میں سے ادنیٰ آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔'' ابن ماجہ نے ایک اور سند سے یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''ان کا بہت دور کا آدمی بھی پناہ دے سکتا ہے۔''

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ حَدِيثِ أُمِّ هَانِيءٍ: «قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ».

اور صحیحین میں ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے: (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) ''ہم نے بھی اسے امان دی جسے تو نے امان دی۔''

لغوی تشریح: [يُجِيرُ] یہ إِجَارَة سے ماخوذ ہے' یعنی امان دینا۔ [عَلَى الْمُسْلِمِينَ] یہاں عَلٰی' نفوذ اور وجوب کے لیے ہے' یعنی وہ اپنی امان کو ان پر نافذ کر سکتا ہے اور اس کی اس امان کی رعایت کرنا ان کے لیے واجب ہے۔ [أَدْنَاهُمْ] ان میں سے تعداد اور نفری کے لحاظ سے جو کم ہو' یعنی تنہا آدمی' اور اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان میں سے ادنیٰ اور کم حیثیت کا مالک آدمی' مثلاً: غلام' مزدور اور عورت وغیرہ۔ [ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ] مسلمانوں کی دی ہوئی امان ایک جیسی ہے' لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کی دی ہوئی امان کو کوئی توڑ دے' خواہ امان دینے والا کوئی ہو۔ [يَسْعٰى بِهَا أَدْنَاهُمْ] یعنی ان میں سے ادنیٰ آدمی بھی اگر امان دے دے تو وہ درست ہوگی اور اسے تسلیم کیا جائے گا۔ [أَقْصَاهُمْ] ان کا بہت دور کا آدمی' یعنی دور دراز کے علاقے میں رہنے والا مسلمان۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ جب کوئی مسلمان میدان کارزار سے بہت ہی دور رہتا ہے اور وہ کافر کو امان دے دیتا ہے تو دوسرے مسلمانوں پر اس کی دی ہوئی امان کی حفاظت و رعایت کرنا واجب ہے اور اسے توڑنا حلال نہیں ہے۔ [قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ] مخاطب مؤنث کے صیغے کے ساتھ ہے۔ جسے تو نے امان دی اسے ہم نے امان دی۔ یہ نبی ﷺ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے اس موقع پر فرمایا تھا جب انھوں نے آپ کو اس بات کی اطلاع دی کہ انھوں نے دو آدمیوں کو جو ان کے سسرالی رشتہ دار تھے' پناہ دی ہے مگر ان کے بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی امان کی رعایت نہ کرتے ہوئے ان دونوں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرد کی طرح عورت کی امان بھی جائز ہے۔ اکثر فقہائے کرام کا یہی موقف ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا] یہ ابوطالب کی صاحبزادی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کا نام فاختہ تھا اور ''ہند'' بھی بتایا گیا ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئی تھیں۔

(١١١٨) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**لَأُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ، حَتّٰى لَا أَدَعَ إِلَّا مُسْلِمًا**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1118] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے باہر نکال کر دم لوں گا۔ یہاں تک کہ (عرب میں) مسلمان کے سوا کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا أَدَعَ] میں نہیں چھوڑوں گا۔ جزیرۃ العرب سے مراد بحر ہند، بحر شام اور دجلہ و فرات کا سارا علاقہ ہے یا پھر طول کے لحاظ سے عدن ابین سے لے کر اطراف شام تک کا علاقہ اور عرض کے اعتبار سے جدہ سے لے کر آبادیٔ عراق کے اطراف تک کا علاقہ مراد ہے۔ (القاموس المحیط)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی خواہش تھی کہ جزیرۃ العرب سے کافروں اور یہود و نصاریٰ کو باہر نکال دیں۔ آپ کی زندگی میں اس پر پوری طرح عمل نہ کیا جا سکا، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خواہش اور آپ کے حکم (کہ عرب میں دو دین نہ رہیں) پر عمل درآمد کیا اور اپنے دور خلافت میں یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے جلاوطن کر دیا۔

(١١١٩) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ أَمْوَالُ بَنِي النَّضِيرِ مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِهِ، مِمَّا لَمْ يُوجِفْ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ بِخَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ، فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ خَاصَّةً، فَكَانَ يُنْفِقُ عَلٰى أَهْلِهِ نَفَقَةَ سَنَةٍ، وَمَا بَقِيَ يَجْعَلُهُ فِي الْكُرَاعِ وَالسِّلَاحِ، عُدَّةً فِي سَبِيلِ اللهِ عَزَّوَجَلَّ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1119] حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ بنو نضیر کے اموال، ان اموال میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بغیر جنگ کے عطا فرمائے ہیں۔ جن پر مسلمانوں نے گھوڑے دوڑائے نہ اونٹ۔ یہ اموال بالخصوص نبی ﷺ کے لیے تھے۔ آپ ان اموال میں سے اپنی بیویوں کا سال بھر کا خرچ نکال لیتے تھے اور جو باقی بچ رہتا اسے جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لیے گھوڑوں اور ہتھیاروں کی فراہمی میں صرف کرتے۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ] یہ كَانَتْ کی خبر ہے۔ أَفَاءَ کے معنی ہیں: عطا فرمایا۔ [مِمَّا لَمْ يُوجِف] نہیں

١١١٨ـ أخرجه مسلم، الجهاد، باب إخراج اليهود والنصارى من جزيرة العرب، حديث: ١٧٦٧.

١١١٩ـ أخرجه البخاري، الجهاد، باب المجن ومن يترس بترس صاحبه، حديث: ٢٩٠٤، ومسلم، الجهاد والسير، باب حكم الفيء، حديث: ١٧٥٧.

دوڑائے اور بھگائے۔ یہ إیجاف سے ماخوذ ہے جس کے معنی تیز رفتاری کے ہیں۔ [رِکَاب] ''را'' کے نیچے کسرہ ہے' یعنی اونٹ۔ گھوڑے اور اونٹ دوڑانا کنایہ ہے لڑائی سے' یعنی بغیر جنگ و جدال اور لڑائی کے بنونضیر کے اموال حاصل ہوئے۔ [فَكَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاصَّةً] یہ اموال بالخصوص نبی ﷺ کے لیے تھے کیونکہ یہ مال غنیمت نہ تھا کہ مجاہدین میں تقسیم کیا جاتا۔ [اَلْكُرَاع] ''کاف'' پر ضمہ ہے۔ گھوڑوں کی جماعت کے لیے بولا جاتا ہے۔ [عُـدَّةً] جنگ کی تیاری کے لیے۔ ان کے یہ اموال گھروں اور کھجور کے درختوں کی شکل میں تھے۔ ان اموال میں سے اکثر تو مہاجرین کو دے دیا گیا۔ اور کچھ مال دو حاجت مند انصاری آدمیوں کو بھی دیا گیا۔ ان دونوں کے علاوہ دوسرے کسی انصاری کو کچھ نہیں دیا گیا اور کچھ کھجور کے درخت رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے بھی مخصوص فرما لیے۔ اور یہ وہی تھے جن میں سے آپ اپنے اہل وعیال پر خرچ فرماتے تھے۔

فوائد و مسائل: بنونضیر' مدینہ منورہ میں آباد یہودیوں کا بہت بڑا قبیلہ تھا۔ ان کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ تھا۔ انھوں نے بقول بعض' غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد اور بقول ابن اسحاق' احد اور بئر معونہ کے واقعے کے بعد عہد شکنی کا ارتکاب کیا۔ تنبیہ اور یاد دہانی کے باوجود وہ باز نہ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان پر چڑھائی کر دی اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر وہ محاصرے کی تاب نہ لا کر اپنے گھر بار اور مال چھوڑ کر جلاوطن ہو گئے اور بغیر کسی قسم کی لڑائی کے ان کے اموال آپ کے ہاتھ آ گئے۔ یہ اموال فے قرار پائے' اس لیے کہ لڑائی تو سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی' اس لیے بحیثیت غازی تو کسی کا کوئی حصہ بنتا ہی نہیں تھا' تاہم آپ نے اس کا اکثر حصہ مہاجرین میں تقسیم کیا اور دو انصاری صحابہ کو بھی حسب ضرورت عطا فرمایا۔ باقی مال نبی ﷺ اپنے اہل وعیال اور قرابت داروں پر خرچ کرتے تھے۔

(۱۱۲۰) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ خَيْبَرَ. فَأَصَبْنَا فِيهَا غَنَمًا، فَقَسَمَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ طَائِفَةً، وَجَعَلَ بَقِيَّتَهَا فِي الْمَغْنَمِ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ. وَرِجَالُهُ لَا بَأْسَ بِهِمْ.

[1120] حضرت معاذ ؓ سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس میں ہمارے ہاتھ کچھ بکریاں آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے کچھ ہم میں تقسیم کر دیں اور باقی مال غنیمت میں شامل کر دیں۔ (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے راوی ایسے ہیں جن میں کوئی حرج نہیں۔)

فائدہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خمس نکالنے سے پہلے اصل مال غنیمت سے بطور نفل کچھ دیا جا سکتا ہے۔

(۱۱۲۱) وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنِّي لَا أَخِيسُ

[1121] حضرت ابورافع ؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک میں عہد شکنی کرتا ہوں نہ قاصدوں

۱۱۲۰۔ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في بيع الطعام إذا فضل عن الناس في أرض العدو، حديث: ۲۷۰۷.

۱۱۲۱۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في الإمام يستجن به في العهود، حديث: ۲۷۵۸، وابن حبان (الإحسان): ۷/ ۱۹۱، حديث: ۴۸۵۷.

بِالْعَهْدِ، وَلَا أَحْبِسُ الرُّسُلَ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

اور سفیروں کو قید کرتا ہوں۔'' (اسے ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا أَخِيسُ] میں عہد شکنی اور غداری نہیں کرتا۔

فوائد و مسائل: ① عہد شکنی اور غداری کرنا اسلام کی رو سے درست نہیں ہے۔ ② دراصل واقعہ یوں ہے کہ ابورافع اسلام قبول کرنے سے پہلے کافروں کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس سفیر کی حیثیت سے آئے۔ آپ کا روئے انور اور رخ منور دیکھتے ہی وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہونے کی سعادت سے بہرہ ور ہو گئے' پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اب میرا دل واپس جانے کے لیے تیار نہیں ہے' لہٰذا آپ مجھے یہیں روک لیں۔ تو اس موقع پر آپ نے فرمایا: ''میں عہد شکنی اور غداری نہیں کرتا اور نہ سفیروں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔'' ③ اس سے معلوم ہوا کہ سفیروں کو بخیر و عافیت واپس بھیجنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر وہ خود رہنے کی درخواست کریں' تب بھی انھیں واپس بھیج دینا چاہیے کیونکہ سفیر یا قاصد جس کے پاس آتا ہے گویا اس کی امان میں آتا ہے۔ ④ اسلام نے سفیر کے احترام کا درس دیا ہے' خواہ کافر ہو یا مسلمان۔

(١١٢٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا، فَأَقَمْتُمْ فِيهَا، فَسَهْمُكُمْ فِيهَا، وَأَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ، فَإِنَّ خُمُسَهَا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ هِيَ لَكُمْ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1122] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم جس بستی میں بھی آؤ اور اس میں قیام کرو' اس میں تمھارا حصہ ہے۔ اور جو بستی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمان ہو تو اس کا خمس' اللہ اور اس کے رسول کا ہے' پھر وہ (بستی کا بقیہ) تمھارے لیے ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَيُّمَا قَرْيَةٍ أَتَيْتُمُوهَا] جس بستی کو تم بغیر کسی لڑائی کے حاصل کرو اور وہاں قیام پذیر ہو جاؤ۔ [فَسَهْمُكُمْ فِيهَا] اس میں تمھارا حصہ بھی اسی طرح ہے جس طرح مسلمانوں میں سے ایک عام آدمی کا حصہ ہے کیونکہ وہ مال فے ہے مال غنیمت نہیں کہ بالخصوص لشکر ہی میں اسے تقسیم کیا جائے۔ [وَ أَيُّمَا قَرْيَةٍ عَصَتِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ] جس بستی والے اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوں اور تم اس بستی کو لڑ کر فتح کرو تو وہ غنیمت ہو جائے گی اور خمس نکالنے کے بعد تمھارے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اموال فے میں سے خمس نہیں نکالا جاتا' جو لوگ اس کے قائل ہیں یہ حدیث ان کے نظریے کی تردید کرتی ہے۔ ② ابن منذر کا قول ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ امام شافعی ؒ سے پہلے کوئی مال فے میں خمس کا قائل ہوا ہو۔ ③ اس حدیث میں پہلے جس بستی کا ذکر ہے اس سے مراد وہ بستی ہے جہاں لڑائی نہ ہوئی ہو۔ اس میں مجاہدین کا حصہ دوسرے عام مسلمانوں کے مساوی ہے۔ اور بعد میں جس بستی کا ذکر ہوا ہے اس سے مراد وہ بستی ہے جہاں لڑائی ہوئی ہو۔ اس میں پانچواں حصہ نکال کر باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

١١٢٢ـ أخرجه مسلم، الجهاد والسير، باب حكم الفيء، حديث: ١٧٥٦.

١ - بَابُ الْجِزْيَةِ وَالْهُدْنَةِ

باب:1- جزیہ اور صلح کا بیان

(١١٢٣) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَهَا، يَعْنِي الْجِزْيَةَ، مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَلَهُ طَرِيقٌ فِي الْمُوَطَّإِ، فِيهَا انْقِطَاعٌ.

[1123] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ اور موطا میں اس حدیث کی ایک اور سند ہے جس میں انقطاع ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْجِزْيَةِ] جِزْيَه کی ''جیم'' کے نیچے کسرہ اور ''زا'' ساکن ہے۔ ذمی کافروں کو دارالاسلام میں ٹھہرانے اور ان کے خون اور مال کی حفاظت کرنے کے عوض ان سے جو مال لیا جائے اسے جزیہ کہا جاتا ہے۔ یہ ۹ یا ۸ ہجری میں مشروع ہوا تھا۔ [اَلْهُدْنَة] ''ہا'' پر ضمہ اور ''دال'' ساکن ہے۔ اس معاہدے کو کہتے ہیں جو ایک خاص مدت تک ترک جنگ کے لیے دو حکومتوں کے درمیان طے پاتا ہے۔ [اَلْمَجُوس] وہ لوگ جو آگ کی عبادت اور پرستش کرتے ہیں۔ [هَجَر] ''ہا'' اور ''جیم'' دونوں پر فتحہ ہے۔ یہ بہت بڑے شہر کا نام ہے یہ بحرین یعنی الاحساء کا دارالخلافہ تھا۔ معجم البلدان میں ہے کہ هجر بحرین کا سب سے بڑا شہر ہے..... اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بحرین کا تمام کنارہ ہی ہجر ہے اور یہی بات درست ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ صرف اہل کتاب پر نہیں جیسا کہ بعض اہل علم کا خیال ہے بلکہ دیگر مشرکین اور مجوس وغیرہ سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا۔ ② موطا کی روایت میں انقطاع اس بنا پر ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

(١١٢٤) وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ أَنَسٍ، وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ إِلٰى أُكَيْدِرِ دُومَةِ الْجَنْدَلِ فَأَخَذُوهُ، فَأَتَوْا بِهِ فَحَقَنَ دَمَهُ وَصَالَحَهُ عَلَى الْجِزْيَةِ. رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ.

[1124] جناب عاصم بن عمر رحمہ اللہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن ابی سلیمان رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حکمران اُکیدِر کے پاس بھیجا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اس کا خون نہ بہایا اور اس سے جزیہ پر مصالحت کر لی۔ (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔)

١١٢٣ـ أخرجه البخاري، الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة . . . ، حديث: ٣١٥٧، ومالك في الموطأ: ١/ ٢٧٨.
١١٢٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الخراج، باب في أخذ الجزية، حديث: ٣٠٣٧.

لغوی تشریح: [وَ عَنْ عُثْمَانَ] ان سے روایت کرنے والا بھی عاصم ہی ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے صراحت کی ہے۔ [بَعَثَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ] آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو غزوۂ تبوک کے ایام میں بھیجا تھا۔ [إِلٰى أُكَيْدِرِ] أُكيدِر بن عبدالملك كِنْدی کی طرف بھیجا جو دومة الجندل کا فرمانروا تھا۔ اکیدر کے ''ہمزہ'' پر ضمہ' ''کاف'' پر فتحہ' ''یا'' ساکن اور ''دال'' کے نیچے کسرہ ہے۔ اور دومة کے ''دال'' پر ضمہ اور ''واؤ'' ساکن ہے اور جندل کے ''جیم'' پر فتحہ اور ''نون'' ساکن ہے۔ [دُومَة الْجَنْدَلِ] نجد کے شمال مغرب میں وادی سرحان کا ایک شہر ہے۔ [فَحَقَنَ دَمَهُ] اس کا خون نہیں بہایا بلکہ اسے اس کی حفاظت کا عہد دیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عرب اہل کتاب سے بھی جزیہ لینا جائز ہے۔ ② اکیدر عرب کا ایک عیسائی رئیس تھا اور غسانی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ (سبل السلام)

راویٔ حدیث: [حضرت عاصم بن عمر رحمہ اللہ] ابوعمر عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان انصاری ثقہ تھے' تابعی تھے اور کثیر الحدیث تھے۔ علم دین کے بہت بڑے راوی تھے' مغازی اور سیرت کے علم سے بہرہ ور تھے۔ ان کے سن وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ۱۱۹' ۱۲۰' ۱۲۱' ۱۲۷' ۱۲۹ ہجری وغیرہ۔

[حضرت عثمان بن ابوسلیمان رحمہ اللہ] عثمان بن ابی سلیمان بن جبیر بن مطعم' مکہ کے قاضی تھے۔ امام احمد' ابن معین اور ابوحاتم رحمہ اللہ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ عثمان چونکہ تابعی ہیں' اس لیے عاصم کی یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے متصلاً اور عثمان سے مرسلاً ہے۔

(١١٢٥) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: بَعَثَنِي النَّبِيُّ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ فَأَمَرَنِي أَنْ آخُذَ مِنْ كُلِّ حَالِمٍ دِينَارًا، أَوْ عِدْلَهُ مَعَافِرِيًّا. أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[1125] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو مجھے حکم دیا کہ میں ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے برابر (قیمت کا) معافری کپڑا لوں۔ (اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَالِمٍ] بالغ۔ [عَدْلَهُ] ''عین'' کے نیچے کسرہ اور اس پر فتحہ دونوں درست ہیں۔ معنی ہیں: مثل' اس جیسا۔ [مَعَافِرِيًّا] معافر کی جانب منسوب کپڑا۔ معافر' یمن کا ایک شہر ہے یا ہمدان کا قبیلہ۔ یہ حدیث کتاب الزکاۃ میں (۴۸۵ کے تحت) گزر چکی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزیہ کی سالانہ مقدار کم از کم ایک دینار یا اس کے برابر کوئی اور چیز فی کس ہوگی۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ جبکہ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جزیہ صرف ایک دینار یا اس کے برابر کوئی اور چیز ہو سکتی ہے، اس سے کم و بیش جزیہ وصول نہیں کیا جا سکتا۔ ② اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جزیہ صرف بالغ

١١٢٥- [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الخراج، باب في أخذ الجزية، حديث: ٣٠٣٨، والترمذي، الزكاة، حديث: ٦٢٣، والنسائي، الزكاة، حديث: ٢٤٥٢، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ١٩٥، حديث: ٤٨٦٦، والحاكم: ١/ ٣٩٨.

آزاد مرد ہی سے لیا جائے گا۔ (سبل السلام)

(١١٢٦) وَعَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْإِسْلَامُ يَعْلُو، وَلَا يُعْلٰى». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ.

[1126] حضرت عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔'' (اسے دارقطنی نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں خبر و اطلاع بھی ہے اور پیش گوئی بھی کہ اسلام ہمیشہ غالب بن کر رہنے کے لیے آیا ہے' مغلوب بن کر رہنے کے لیے نہیں' لہٰذا اہل اسلام کو چاہیے کہ نظریاتی اور عملی طور پر اسے غالب رکھنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اسلام کی صحیح تبلیغ و اشاعت کریں۔ اور اس کے مطابق پہلے خود اپنی عملی زندگی ڈھالیں تاکہ ان کے عمل و کردار اور اخلاق و اطوار سے متاثر ہو کر غیر مسلم دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ ② اس حدیث کو ہدنہ (صلح) کی تمہید اور ابتدا کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ باہمی مصالحت میں اگر بفرض محال کوئی شرط بظاہر اسلام کے ماننے والے کے مفاد کے خلاف بھی معلوم ہو تو پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ③ اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ وہ اسے ہمیشہ سربلند و بالاتر اور اعلیٰ و غالب رکھے گا۔ اس کے ماننے والے اگر اس کے مطابق عمل کریں گے تو سرخرو ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کی نصرت و مدد فرمائے گا۔ ④ اسلام کا دلائل و براہین کے اعتبار سے سب پر غالب رہنا تو ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ عنہ] ابوہبیرہ ان کی کنیت تھی۔ بصرہ میں فروکش ہو گئے تھے۔ نیک ترین صحابہ میں سے تھے۔ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔ یزید بن معاویہ کے عہد میں وفات پائی۔

(١١٢٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمْ أَحَدَهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُ إِلٰى أَضْيَقِهِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1127] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب تم راستے میں ان میں سے کسی سے ملو تو اسے راستے کی تنگ جانب جانے پر مجبور کر دو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَاضْطَرُّوهُ] اسے مجبور کر دو بایں طور کہ اسے رسوا اور ذلیل کرنے کے لیے کھلا راستہ نہ دو۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے مسلمان کا یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ کو پہلے سلام کرنا منع اور حرام ہے۔ جمہور سلف کی رائے یہی ہے مگر کچھ لوگ جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں' کہتے ہیں کہ اہل کتاب کو پہلے سلام کرنا جائز ہے، لیکن یہ موقف درست نہیں۔ ② یہود و نصاریٰ سے راستے میں ملاقات ہو جائے تو ان کے لیے

١١٢٦ـ [حسن] أخرجه الدارقطني: ٣/ ٢٥٢ وسنده ضعيف، وللحديث شواهد عند الطحاوي في معاني الآثار: ٣/ ١٥٠ وغيره، وعلقه البخاري، الجنائز، قبل حديث: ١٣٥٤.

١١٢٧ـ أخرجه مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام ....، حديث: ٢١٦٧.

راستہ بھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ③ اس سے انھیں یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ وہ چھوٹے لوگ ہیں اور چھوٹے ہی بن کر رہیں۔ اس سے یہ مطلب نہیں نکالنا چاہیے کہ اسلام انسان، انسان کے مابین امتیاز پیدا کرتا ہے۔ یہ تو اصول کی بات ہے کہ جو لوگ دین فطرت کو قبول کرنے سے انکاری ہیں ان کا مقام و مرتبہ بہرحال وہ نہیں ہو سکتا جو ماننے والوں کا ہے، نیز دراصل حقیقی انسان وہی ہے جو اپنے خالق و مالک کا مطیع و فرمانبردار اور اس کے بھیجے ہوئے دین، یعنی اسلام کو ماننے والا ہو ورنہ وہ شکل و صورت میں تو آدم کی اولاد ہی سے ہے مگر باطنی طور پر چوپایوں سے بھی بدتر ہے۔

(١١٢٨) وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَمَرْوَانَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ، وَفِيهِ: **«هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ سُهَيْلَ ابْنَ عَمْرٍو، عَلٰى وَضْعِ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِينَ، وَيَأْمَنُ فِيهَا النَّاسُ، وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ»**. أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَأَصْلُهُ فِي الْبُخَارِيِّ.

[1128] حضرت مِسْوَر بن مَخْرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ حدیبیہ کے سال نکلے۔ راوی نے لمبی حدیث بیان کی ہے اور اس میں یہ مذکور ہے: ''یہ وہ (دستاویز) ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی ہے کہ دس سال جنگ بند رہے گی۔ اس عرصے میں لوگ امن سے رہیں گے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے سے (جنگ کرنے سے) اپنا ہاتھ روکے رکھے گا۔''
(اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی اصل بخاری میں ہے۔)

وَأَخْرَجَ مُسْلِمٌ بَعْضَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ، وَفِيهِ: أَنَّ مَنْ جَاءَ مِنْكُمْ لَمْ نَرُدَّهُ عَلَيْكُمْ، وَمَنْ جَاءَكُمْ مِنَّا رَدَدْتُمُوهُ عَلَيْنَا، فَقَالُوا: أَنَكْتُبُ هٰذَا يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: **«نَعَمْ، إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ فَسَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَمَخْرَجًا»**.

اور امام مسلم نے اس حدیث کا کچھ حصہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس میں ہے: تم میں سے جو کوئی ہمارے پاس آئے گا ہم اسے تمھاری جانب واپس نہیں کریں گے اور جو ہمارا کوئی آدمی تمھارے پاس آ جائے، تم اسے ہمارے پاس واپس لوٹا دو گے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم یہ بھی لکھیں؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں! ہم میں سے جو شخص ان کے پاس چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکار دیا اور ان میں سے جو ہمارے پاس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کشائش اور نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔''

لغوی تشریح: [عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ] یہ واقعہ بروز پیر ذوالقعدہ ٦ ہجری میں پیش آیا جب رسول اللہ ﷺ عمرے کے ارادے سے مکہ کی طرف نکلے تھے۔ حدیبیہ میں ''حا'' پر ضمہ ''دال'' پر فتحہ ''یا'' ساکن ''با'' کے نیچے کسرہ اور اس کے بعد ''یا'' مخففہ ہے اور مشددہ بھی کہا گیا ہے۔ جدہ کے راستے میں مکہ کے وسط سے دس میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام

١١٢٨۔ [صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في صلح العدو، حديث: ٢٧٦٥، وأصله عند البخاري، الشروط، حديث: ٢٧٣١. وحديث أنس: أخرجه مسلم، الجهاد، حديث: ١٧٨٤.

ہے۔ وہاں حدیبیہ نام کا ایک کنواں تھا جس سے اس کا نام حدیبیہ پڑ گیا۔ (آج کل اسے شُمَیْسی کہا جاتا ہے۔) [فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ] اس حدیث میں حدیبیہ کے سفر کا قصہ ہے۔ اہل مکہ نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا' پھر چند شرائط پر مصالحت کر لی تھی۔ انھی شروط میں سے وہ شرط بھی تھی جسے مؤلف نے بیان کیا ہے۔ [سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو] یہ کفار کی جانب سے نمائندہ تھا۔ [وَضْعِ الْحَرْبِ] لڑائی کو چھوڑ دینا۔ [يَكُفُّ] باز رکھے گا۔ [مَنْ جَاءَ نَا مِنْكُمْ ...... الخ] یہ شرط کفار کی طرف سے تھی کہ جو آدمی مسلمانوں کے کیمپ سے بھاگ کر کافروں کے کیمپ میں چلا جائے گا اسے کفار واپس نہیں کریں گے اور اہل مکہ میں سے جو کوئی مسلمانوں کے ہاں پناہ لے گا' مسلمان اسے کافروں کی جانب لوٹا دیں گے۔ [أَنَكْتُبُ هٰذَا؟] کیا ہم اسے بھی قلمبند کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے اور بظاہر کمزوری اور رسوائی جو اس میں محسوس ہوتی تھی اس پر اظہار تعجب ہے۔ [فَرَجًا] ''فا'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے۔ فراخی' کشادگی اور کشائش۔

راویٔ حدیث: [مروان رحمہ اللہ] اس سے مروان بن حکم اموی مراد ہیں۔ ابوعبدالملک کنیت تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ یزید کی وفات اور اس کے بیٹے معاویہ کی خلافت سے علیحدگی کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حریف بن کر مصر و شام پر قابض ہو گئے تھے۔ ان کی وفات دمشق میں ۶۵ ہجری میں ہوئی۔

[حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ] سہیل بن عمرو کا شمار قریش کے سرکردہ شرفاء و رؤسا میں ہوتا تھا۔ ان کے عقلاء اور خطباء میں سے ایک تھے۔ بدر کے روز قید ہوئے۔ اس وقت کافر تھے۔ فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ فتنۂ ارتداد کے موقع پر قریش ان کی وجہ سے اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ۱۴ ہجری میں یرموک کے موقع پر شہید ہوئے۔ یا ان کی وفات مرج صفر میں یا طاعون عمواس میں ۱۸ ہجری میں ہوئی۔

(۱۱۲۹) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا لَيُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1129] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جس کسی نے معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا' حالانکہ اس کی خوشبو تو چالیس برس کی مسافت سے پائی جائے گی۔'' (بخاری)

لغوی تشریح: [لَمْ يَرِحْ] يَرِحْ کے ''را'' پر فتحہ ہے۔ نہیں پا سکے گا۔ نہیں سونگھ سکے گا۔ [رَائِحَةَ الْجَنَّةِ] جنت کی خوشبو۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی ذمی اور معاہد کو بلاوجہ اور کسی شرعی حق کے بغیر قتل کرنا حرام ہے' البتہ ایسے مسلمان قاتل سے دنیا میں قصاص نہیں لیا جاتا' اس لیے اس کی اخروی سزا بیان کی گئی ہے۔

۱۱۲۹ـ أخرجه البخاري، الجزية والموادعة، باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم، حديث: ۳۱۶۶.

٢ - بَابُ السَّبْقِ وَالرَّمْيِ

باب:2- مقابلے کی دوڑ اور تیر اندازی کا بیان

(١١٣٠) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: سَابَقَ النَّبِيُّ ﷺ بِالْخَيْلِ الَّتِي قَدْ أُضْمِرَتْ، مِنَ الْحَفْيَاءِ، وَكَانَ أَمَدُهَا ثَنِيَّةَ الْوَدَاعِ، وَسَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ الَّتِي لَمْ تُضَمَّرْ، مِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ فِيمَنْ سَابَقَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1130] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے تضمیر شدہ گھوڑوں کی حَفْیاء سے ثَنِیۃُ الْوَداع تک دوڑ کرائی اور جو گھوڑے تضمیر شدہ نہیں تھے ان کی ثنیۃ سے لے کر بنی زریق کی مسجد تک دوڑ لگوائی۔ اور حضرت ابن عمر ؓ دوڑ جیتنے والوں میں تھے۔ (بخاری و مسلم)

زَادَ الْبُخَارِيُّ: قَالَ سُفْيَانُ: مِنَ الْحَفْيَاءِ إِلٰى ثَنِيَّةِ الْوَدَاعِ خَمْسَةُ أَمْيَالٍ، أَوْ سِتَّةٌ، وَمِنَ الثَّنِيَّةِ إِلٰى مَسْجِدِ بَنِي زُرَيْقٍ مِيلٌ.

اور بخاری میں یہ اضافہ ہے کہ سفیان ؒ نے بیان کیا کہ حَفْیاء سے ثَنِیۃُ الْوَداع کا فاصلہ پانچ یا چھ میل ہے۔ اور ثنیۃ سے مسجد بنی زریق تک کا فاصلہ ایک میل ہے۔

لغوی تشریح: [بَابُ السَّبْقِ وَالرَّمْيِ] سبق کے ''سین'' پر فتحہ اور ''با'' ساکن ہے۔ یہ مصدر بمعنی مُسَابَقہ ہے' یعنی گھوڑ دوڑ۔ اور سبق، دوڑ کی شرط اور بازی کو بھی کہتے ہیں۔ اور رمی کے معنی تیر اندازی کے مقابلے کے ہیں۔ [أُضْمِرَتْ] صیغۂ مجہول ہے۔ اضمار اور تضمیر یہ ہے کہ گھوڑے کو خوب بکثرت چارہ کھلا کر موٹا تازہ اور خوب توانا اور قوی کرتے ہیں' پھر اس کی خوراک کم کرنا شروع کرتے ہیں اور میدان میں دوڑاتے اور چکر لگواتے ہیں یہاں تک کہ وہ دبلا پتلا اور ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے اور اس کا گوشت مضبوط اور سخت ہو جاتا ہے۔ عربوں کے ہاں تضمیر کا یہ عمل چالیس روز تک ہوتا تھا۔ [مِنَ الْحَفْيَاءِ] ''حا'' پر فتحہ' ''فا'' ساکن اور آخر میں ''الف ممدودہ'' ہے اور الف مقصورہ' یعنی بغیر مد کے بھی پڑھ لیتے ہیں۔ یہ مدینہ کے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔ اور اس فقرے میں کلمہ مِنْ ابتدائے غایت کے لیے ہے۔ [أَمَدُهَا] ''ہمزہ'' اور ''میم'' دونوں پر فتحہ ہے۔ اس سے غایت اور منتہی مراد ہے۔ [ثَنِيَّةُ الْوَدَاعِ] یہ بھی مدینہ منورہ سے باہر ایک مقام ہے۔ ثنیہ کے ''ثا'' پر فتحہ' ''نون'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر تشدید ہے۔ یہ عقبہ کی طرف جانے والا راستہ ہے۔ الوداع کی جانب اسے مضاف کیا گیا ہے' اس لیے کہ مہمانوں کو اس جگہ سے الوداع کہا جاتا تھا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے جہاد کی تیاری کے لیے گھوڑ دوڑ' تیر اندازی اور نیزہ بازی کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس دور میں یہی چیز عموماً جنگ میں کام آتی تھی۔ ② آج کے دور میں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں چلانے کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ تیر و نیزے کی جگہ بندوق' توپ اور جدید جنگی آلات کے استعمال کی تربیت حاصل کرنی چاہیے۔

١١٣٠ـ أخرجه البخاري، الصلاة، باب هل يقال مسجد بني فلان، حديث: ٤٢٠، ومسلم، الإمارة، باب المسابقة بين الخيل وتضميرها، حديث: ١٨٧٠.

(۱۱۳۱) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَابَقَ بَيْنَ الْخَيْلِ، وَفَضَّلَ الْقُرَّحَ فِي الْغَايَةِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1131] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرایا اور نوجوان گھوڑوں کا فاصلہ زیادہ رکھا تھا۔ (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَضَّلَ الْقُرَّحَ فِي الْغَايَةِ] نوجوان گھوڑوں کو غایت میں ترجیح دی' یعنی دوسرے گھوڑوں کی بہ نسبت نوجوان گھوڑوں کا فاصلہ زیادہ دور اور لمبا رکھا۔ فَضَّلَ' تفضیل سے فعل معلوم ہے۔ اور قُرَّح کے ''قاف'' پر ضمہ اور ''را'' پر تشدید اور فتحہ ہے۔ یہ قارح کی جمع ہے۔ نوجوان گھوڑے کو کہتے ہیں جو کمال عمری کو پہنچ جائے اور جس کی کچلیاں نمایاں ہو چکی ہوں۔ فاصلے میں یہ فرق اس لیے رکھا گیا تھا کہ نوجوان' تندرست و توانا اور قوی الجثہ گھوڑا' کمزور اور ضعیف گھوڑے کی بہ نسبت زیادہ لمبی دوڑ کا متحمل ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جانوروں کا بھی بہت خیال اور لحاظ رکھنا چاہیے۔ جتنی ہمت و طاقت کا جانور ہو' اس سے اسی کے مطابق خدمت لی جانی چاہیے۔ ہمت و طاقت سے زیادہ کام لینا درست نہیں۔

(۱۱۳۲) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا سَبَقَ إِلَّا فِي خُفٍّ، أَوْ نَصْلٍ، أَوْ حَافِرٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ. وَالثَّلَاثَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1132] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مقابلہ صرف تین چیزوں میں جائز ہے: اونٹ دوڑ' تیراندازی یا گھوڑ دوڑ۔'' (اسے احمد اور تینوں نے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا سَبَقَ] سبق کے ''سین'' اور ''با'' دونوں پر فتحہ ہے۔ دوڑ کے مقابلے میں جو مال اور انعام بطور شرط رکھا جاتا ہے اسے ''سبق'' کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان مذکورہ تین چیزوں کے سوا کسی چیز کی مسابقت میں مال لینا حلال نہیں ہے۔ [إِلَّا فِي خُفٍّ] ''خف'' دراصل اونٹ کے پاؤں کو کہا جاتا ہے۔ یہاں اس سے مراد اونٹ ہے۔ [أَوْ نَصْلٍ] یا تیر میں۔ [أَوْ حَافِرٍ] حافر گھوڑے وغیرہ کے کھر کو کہتے ہیں۔ یہاں اس سے مراد گھوڑا ہے۔

فوائد و مسائل: ① سبل السلام میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے کہ مقررہ انعام کی صورت میں دوڑ کا مقابلہ کرانا جائز ہے۔ ② اگر انعام دوڑ کے مقابلے میں حصہ لینے والوں کے علاوہ کسی اور کی جانب سے ہے' جیسے امیر یا حاکم جیتنے والے کو کوئی انعام دے تو یہ بغیر کسی خوف و تردد کے جائز ہے اور اگر یہ انعام مقابلے میں حصہ لینے والوں میں سے کسی ایک کی جانب سے ہو تو یہ جائز نہیں' یہ جوا ہے۔ ③ مذکورہ بالا تین کاموں میں شرط کر کے انعام جیتنا اس لیے حلال ہے کہ یہ جنگ

۱۱۳۱ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في السبق، حديث: ۲۵۷۷، وابن حبان (الإحسان): ۷/ ۹۵، ۹۶، حديث: ٤٦٦٩.

۱۱۳۲ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في السبق، حديث: ۲۵۷٤، وأحمد: ۲/ ٤٧٤، والنسائي، الخيل، حديث: ۳٦١٥، وابن حبان (الموارد)، حديث: ۱٦۳۸، والترمذي، الجهاد، حديث: ۱۷۰۰، وابن ماجه، الجهاد، حديث: ۲۸۷۸.

کی تیاری و تربیت اور ٹریننگ ہے اور جہاد کے لیے قوت تیار کرنا ہے۔ اسی لیے مذکورہ صورتوں کے سوا شرط کر کے مال لینا قمار (جوا بازی) ہے جو کہ ممنوع ہے، جیسے کبوتروں کی مقابلہ بازی، نیز مرغوں کو لڑا کر انعام حاصل کرنا وغیرہ۔

(١١٣٣) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَدْخَلَ فَرَسًا بَيْنَ فَرَسَيْنِ، وَهُوَ لَا يَأْمَنُ أَنْ يُسْبَقَ فَلَا بَأْسَ بِهِ، فَإِنْ أَمِنَ فَهُوَ قِمَارٌ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

[1133] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: ''جس شخص نے دو گھوڑوں کے درمیان تیسرا گھوڑا داخل کیا اور وہ اپنے گھوڑے کے پیچھے رہ جانے سے بے خوف نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ (اپنے گھوڑے کے پیچھے رہ جانے سے) بے خوف ہے (اور اسے اس کے آگے بڑھ جانے کا یقین ہے) تو پھر یہ جوا ہے۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنْ يُسْبَقَ] صیغۂ مجہول ہے، یعنی وہ پیچھے رہ جائے گا اور دوسرا آگے بڑھ جائے گا۔ [فَإِنْ أَمِنَ] اگر اسے اپنے گھوڑے کے پیچھے رہنے اور دوسرے گھوڑے کے آگے بڑھنے کا خطرہ نہیں۔ [فَهُوَ قِمَارٌ] قمار کے ''قاف'' کے نیچے کسرہ ہے۔

(١١٣٤) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، يَقُولُ: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾ . . . . الْآيَةَ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ، أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

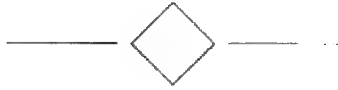
[1134] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ منبر پر کھڑے یہ (آیت) پڑھ رہے تھے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ......﴾ (الأنفال ٨:٦٠) ''تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی استطاعت کے مطابق قوت اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی تیاری کرو۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''سن لو! قوت، نشانہ بازی ہے۔ سن لو! قوت، نشانہ بازی ہے۔ سن لو! قوت، نشانہ بازی ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَعِدُّوا] إِعْدَاد سے امر کا صیغہ ہے۔ اعداد کہتے ہیں: مستقبل کے لیے کسی چیز کو تیار کرنا۔ [مَا اسْتَطَعْتُمْ] لفظ مَا عام ہے جو کہ حسب ضرورت اور حسب وضع و ایجاد انسان کی تمام تر صلاحیتوں اور جمیع وسائل و

١١٣٣ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الجهاد، باب في المحلل، حديث: ٢٥٧٩، وأحمد: ٢/ ٥٠٥. * سفيان بن حسين ثقة لكنه ضعيف في الزهري.

١١٣٤ـ أخرجه مسلم، الإمارة، فضل الرمي والحث عليه . . . ، حديث: ١٩١٧.

ذرائع کومحیط ہے۔ [رِبَاطِ الْخَيْلِ] رباط کے ''را'' کے نیچے کسرہ ہے۔ اس کے معنی اصل میں روکنے اور جمع رکھنے کے ہیں' پھر اسے خاص طور پر سرحدوں کی حفاظت اور وہاں پہرہ دینے کے لیے بولا جانے لگا۔ تفسیر المنار (١٠/ ٦٩) میں علامہ رشید رضا لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ امت مسلمہ کی مستقل آرمی ہونی چاہیے جو اپنا دفاع کرنے کے لیے ہر وقت تیار اور مستعد رہے اور جس وقت بھی دشمن اچانک دھوکے سے حملہ آور ہو' اسی وقت اسے ناکوں چنے چبانے کے لیے میدان کارزار میں سینہ سپر ہو کر کھڑی ہو جائے۔ اسی طرح گھوڑ سواروں کا دستہ بھی چاک و چوبند ہو تاکہ تیز رفتاری و سبک رفتاری سے سرحدوں پر رونما ہونے والے واقعات کی اطلاعات اور سرحدی شہروں اور دیہاتوں کی خبریں دارالخلافہ میں اور ملک کے اطراف و اکناف میں تیزی سے پہنچائی جائیں۔ [أَلَا! إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ] سن لو کہ قوت نشانہ بازی ہے۔ تفسیر المنار (١٠/ ٧٠) میں ہے کہ اس حدیث میں رمی سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے پھینک کر دشمن کو نشانہ بنایا جا سکے' جیسے تیر' نیزہ' منجنیق اور جنگی جہازوں یا بندوق اور توپ وغیرہ کے ذریعے سے گولہ باری۔ اگرچہ یہ تمام اسلحۂ حرب' نبی ﷺ کے عہد مسعود میں متعارف نہیں تھا مگر لفظ رمی سب کو شامل ہے۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ اسے تیراندازی کے ساتھ مقید کر بھی دیتے تو لفظ ''رمی'' کا تقاضا پھر بھی یہی تھا کہ اس میں مذکورہ تمام صورتیں شامل ہوں' حالانکہ آپ نے اسے تیراندازی کے ساتھ مقید نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ یہ صورتیں بالاولیٰ ''رمی'' میں داخل ہیں۔ اور ہمیں کیا معلوم' شاید اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی لسان مبارک پر ان الفاظ کو مطلقًا اسی لیے جاری فرما دیا ہو کہ ان میں عموم پایا جائے اور آپ کی امت ہر دور کے لحاظ سے نشانہ بازی کے مختلف انداز اپنا کر اس حدیث پر عمل پیرا ہو سکے۔



١٢ - كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ

کھانے سے متعلق احکام ومسائل

(١١٣٥) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**كُلُّ ذِي نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

وَأَخْرَجَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ، بِلَفْظِ: نَهٰى. وَزَادَ: «**وَكُلُّ ذِي مِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ**».

[1135] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''درندوں میں سے ہر کچلی والے جانور کو کھانا حرام ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

اور مسلم نے یہی روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ان الفاظ سے بیان کی ہے کہ آپ نے منع فرمایا ... اور اس میں یہ اضافہ ہے: ''پرندوں میں ہر اس پرندے کو کھانا حرام ہے جو پنجوں (سے شکار کرنے) والا ہو۔''

لغوی تشریح: [كِتَابُ الْأَطْعِمَةِ] یہ طعام کی جمع ہے۔ یہاں یہ بیان کرنا اور بتانا مقصود ہے کہ کھانے کی اشیاء میں سے حلال کون سی ہیں اور حرام کون سی ہیں؟ [كُلُّ ذِي نَابٍ مِّنَ السِّبَاعِ] ناب اس دانت کو کہتے ہیں جو رباعیہ کے

١١٣٥ـ أخرجه مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كل ذي ناب من السباع ... ، حديث: ١٩٣٣، وحديث ابن عباس: أخرجه مسلم، الصيد والذبائح، حديث: ١٩٣٤.

پیچھے ہوتا ہے اور رباعیہ ثنایا کے ساتھ ہوتے ہیں۔ (اردو میں ''ناب'' کچلی کو کہتے ہیں۔) اور [سِبَاعٌ] (''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''با'' بغیر تشدید کے) سَبُعٌ کی جمع ہے۔ سَبُعٌ کے ''سین'' پر فتحہ اور ''با'' پر ضمہ ہے۔ وہ جانور جو چیر پھاڑ کرنے والا ہو۔ اور کچلیوں والے جانور سے مراد وہ درندہ ہے جس کی کچلیاں اس کے شکار میں ممد ومعاون ہوتی ہیں، مثلاً: شیر، بھیڑیا، چیتا اور تیندوا وغیرہ۔ تحفة الاحوذی (۲/ ۳۵) میں ابن سینا کا قول ہے کہ ایک ہی حیوان کی کچلی اور سینگ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ [نَهٰی] یعنی درندوں میں سے ہر کچلی والا جانور کھانے سے منع فرمایا۔ [ذِي مِخْلَبٍ] ''میم'' کے نیچے کسرہ، ''خا'' ساکن اور ''لام'' پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی پنجہ یا چنگل کے ہیں۔ جس طرح انسان کے ناخن ہوتے ہیں اسی طرح پرندے کے پنجے ہوتے ہیں اور مراد یہ ہے کہ وہ پرندہ جو پنجے کے ذریعے سے شکار کرتا ہے اس کا گوشت حرام ہے، جیسے چیل، شکرا، شاہین اور باز وغیرہ۔

فائدہ: اس حدیث میں جانوروں کی حرمت کی ایک جامع علامت بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ ہر چیرنے پھاڑنے والا درندہ، دوسرے الفاظ میں گوشت خور جانور حرام ہے اور ہر وہ پرندہ جو پنجے سے شکار کر کے کھاتا ہو، حرام ہے۔ اس اصول کو امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور داود ظاہری رحمہم اللہ نے تسلیم کیا ہے مگر اس کے باوجود درندوں کی حقیقت میں اختلاف ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گوشت خور جانور جیسا بھی ہو وہ سَبُع ہے۔ اس اعتبار سے بلی، ہاتھی وغیرہ بھی سباع میں شامل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک درندوں میں سے وہ حرام ہے جو انسان پر حملہ آور ہو، جیسے شیر، بھیڑیا، چیتا وغیرہ۔ بجو اور لومڑی نہیں، اس لیے کہ یہ آدمی پر حملہ نہیں کرتے۔ اسی طرح پنجے سے شکار اور پنجے سے پکڑ کر کھانے والا پرندہ بھی حرام ہے، جیسے عقاب، باز، شکرا، شاہین وغیرہ۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے لیکن امام مالک رحمہ اللہ نے انھیں مکروہ کہا ہے حرام نہیں کہا، البتہ چیل اور گدھ کو خباثت کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔

(١١٣٦) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ عَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: وَرَخَّصَ.

[1136] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے روز گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا اور گھوڑوں کے گوشت کی اجازت دی تھی۔ (بخاری ومسلم) اور بخاری کی روایت میں أَذِنَ کی بجائے رَخَّصَ کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں کہ آپ نے رخصت دی۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیبر کے روز گھریلو گدھوں کا گوشت کھانا حرام قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے اس کی اجازت تھی۔ تو گویا احکام بتدریج نافذ کیے گئے ہیں۔ ② حرام کیے جانے کی وجہ جیسا کہ بخاری میں بھی آیا ہے کہ یہ ناپاک و پلید حیوان ہے۔ جمہور علماء، صحابہ وتابعین وغیرہ اسی طرف گئے ہیں۔ ③ یہ بھی معلوم ہوا کہ گھوڑے کا

١١٣٦ـ أخرجه البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: ٤٢١٩، ومسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة أكل لحم الخيل، حديث: ١٩٤١.

گوشت حلال ہے۔ ④ رخصت اور اذن کا لفظ غالباً اس لیے فرمایا کہ گھوڑوں کی کمی کی وجہ سے تنزیہی طور پر ممنوع قرار دیا تھا' پھر رخصت دے دی۔ زید بن علی' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگردان رشید ابو یوسف اور محمد اور امام احمد اور اسحٰق بن راہویہ اور سلف و خلف رحمہم اللہ کے سب علماء اس کی حلت کے قائل ہیں لیکن امام مالک اور ابوحنیفہ رحمہما اللہ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حرام ہے۔ مگر یہ اور اسی موضوع کی دوسری احادیث صریحاً ان کے خلاف ہیں۔

(١١٣٧) وَعَنِ ابْنِ أَبِي أَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ، نَأْكُلُ الْجَرَادَ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1137] حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' انھوں نے کہا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ہمراہ سات غزوات لڑے اور ہم ٹڈی کھاتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

(١١٣٨) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الْأَرْنَبِ - قَالَ: فَذَبَحَهَا فَبَعَثَ بِوَرِكِهَا إِلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَقَبِلَهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1138] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خرگوش کے قصے کے متعلق روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ پھر اس (ابوطلحہ) نے اسے ذبح کیا اور اس کی ران رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے اسے قبول فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: |فِي قِصَّةِ الْأَرْنَبِ| حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایک خرگوش کو بھگایا۔ اس وقت ہم مر الظہران مقام پر تھے۔ لوگ دوڑے اور اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ خرگوش دوڑتے دوڑتے تھک گیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ انھوں نے اسے ذبح کر کے ران نبی ﷺ کی خدمت میں بھیج دی جسے آپ نے قبول فرمایا۔ |وَرِكَ| کے ''واؤ'' پر فتحہ اور ''را'' کے نیچے کسرہ ہے اور ''را'' کو ساکن بھی پڑھ لیا جاتا ہے۔ ران کے اوپر والے حصہ کو کہتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خرگوش حلال ہے۔ اگر حلال نہ ہوتا تو آپ اسے قبول نہ فرماتے۔

(١١٣٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ أَرْبَعٍ مِّنَ الدَّوَابِّ: اَلنَّمْلَةِ، وَالنَّحْلَةِ، وَالْهُدْهُدِ، وَالصُّرَدِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1139] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جانوروں میں سے چار کو مارنے سے منع فرمایا ہے: چیونٹی' شہد کی مکھی' ہد ہد اور لٹورا۔ (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

١١٣٧۔ أخرجه البخاري، الذبائح، باب أكل الجراد، حديث: ٥٤٩٥، ومسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الجراد، حديث: ١٩٥٢.

١١٣٨۔ أخرجه البخاري، الذبائح، باب الأرنب، حديث: ٥٥٣٥، ومسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الأرنب، حديث: ١٩٥٣.

١١٣٩۔ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في قتل الذر، حديث: ٥٢٦٧، وأحمد: ١/ ٣٣٢، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٤٦٣، حديث: ٥٦١٧.

لغوی تشریح: [مِنَ الدَّوَابِّ] دَوَابٌّ، دَابَّةٌ کی جمع ہے۔ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو زمین پر رینگتا ہے۔ [اَلصُّرَدِ] عُمَر کے وزن پر ہے۔ یہ ایک پرندہ ہے جس کا سر، چونچ اور پر بڑے بڑے ہوتے ہیں، اس کا پیٹ سفید اور پشت سبز رنگ کی ہوتی ہے اور چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار کرتا ہے۔

(۱۱۴۰) وَعَنِ ابْنِ أَبِي عَمَّارٍ قَالَ: قُلْتُ لِجَابِرٍ: اَلضَّبُعُ صَيْدٌ هِيَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: قَالَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

[1140] حضرت ابن ابی عمار رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا لگڑ بھگا بھی شکار ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ میں نے پھر پوچھا: (کیا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے، نیز بخاری اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلضَّبُعُ] "ضاد" پر فتحہ اور "با" پر ضمہ ہے۔ لگڑ بھگا ایک جنگلی جانور ہے جسے لگڑ بگڑ بھی کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے ضبع کا ترجمہ بجو کیا ہے جو کہ درست نہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (سنن ابوداود اردو، طبع دارالسلام حدیث: ۳۸۰۱ کے فوائد و مسائل) امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا معاملہ بھی حیران کن اور عجیب ہے کہ یہ ایک سال نر ہوتا ہے اور ایک سال مادہ۔ بحالت نر حاملہ ہوتا ہے اور بحالت مادہ بچے کو جنم دیتا ہے۔ (نیل الأوطار) [صَيْدٌ هِيَ؟] یہاں پر حرف استفہام محذوف ہے۔ مقصود یہ سوال تھا کہ کیا اس کا کھانا حلال ہے؟ اس لیے کہ شکار شرعاً اس جانور کا ہے جسے کھانے کے لیے شکار کیا جاتا ہے۔ اس حدیث کی بنا پر امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ کے نزدیک لگڑ بھگا حلال ہے۔ اور نیل الاوطار میں ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: صفا اور مروہ کے درمیان ہمیشہ سے لوگ بغیر کسی ناگواری کے اس کی خرید و فروخت کرتے اور اسے کھاتے آئے ہیں۔ اس کے برعکس امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ اسے حرام کہتے ہیں کہ یہ درندہ ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس کی کچلیاں نہیں ہوتیں اور کسی درندے کے حرام ہونے کے لیے اس کا کچلیوں والا ہونا ضروری ہے، یعنی اس میں دونوں وصف پائے جانے ضروری ہیں۔ کچلیوں والا ہونا بھی اور درندہ ہونا بھی۔ اور ایک یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ حدیث کے عموم میں سے اس کی تخصیص کر دی گئی ہے۔

راویٔ حدیث: [ابن ابی عمار] ان کا نام عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابی عمار قریشی مکی ہے۔ کثرت عبادت کی وجہ سے ان کا لقب قَسّ، یعنی راہب تھا۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔

(۱۱۴۱) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْقُنْفُذِ، فَقَالَ: ﴿قُل لَّآ أَجِدُ

[1141] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ان سے خار پشت کے متعلق دریافت کیا گیا۔ انھوں نے جواب

۱۱۴۰۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب في أكل الضبع، حديث: ۳۸۰۱، والترمذي، الأطعمة، حديث: ۱۷۹۱، والنسائي، الصيد، حديث: ۴۳۲۸، وابن ماجه، الصيد، حديث: ۳۲۳۶، وأحمد: ۳/ ۳۱۸، ۳۲۲.

۱۱۴۱۔ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب في أكل حشرات الأرض، حديث: ۳۷۹۹، وأحمد: ۲/ ۳۸۱. عيسى بن نميلة وأبوه مجهولان، والشيخ مجهول، والحديث ضعفه الخطابي وغيره.

فِي مَآ أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا﴾ اَلْآيَةَ. فَقَالَ شَيْخٌ عِنْدَهُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُولُ: ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: «إِنَّهَا خَبِيثَةٌ مِنَ الْخَبَائِثِ». فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ هٰذَا فَهُوَ كَمَا قَالَ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَإِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ.

میں اللہ کا یہ فرمان سنایا: ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا......﴾ الآیة (الأنعام ۶:۱۴۵) (''اے رسول!) کہہ دے کہ میں اس میں کوئی حرام چیز نہیں پاتا جو میری طرف وحی کی گئی ہے۔'' ان کے پاس ایک بزرگ بیٹھے تھے' انھوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے' وہ فرما رہے تھے کہ اس (خارپشت) کا ذکر نبی ﷺ کے پاس کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''یہ خبیثوں میں سے ایک خبیث (جانور) ہے۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔)

لغوی تشریح: [قُنْفُذ] ''قاف'' پر ضمہ' ''نون'' ساکن اور ''فا'' پر ضمہ ہے۔ ایک خاردار جانور جو جسامت میں بلی کے برابر ہوتا ہے جس کے جسم پر تکلے کی طرح کانٹے ہوتے ہیں اور خطرے کے موقع پر انھیں پھیلا کر ان میں چھپ جاتا ہے۔ جسے سیہہ اور خارپشت بھی کہتے ہیں۔ [إِنَّهَا خَبِيثَةٌ مِّنَ الْخَبَائِثِ] یہ خبیث جانوروں میں سے ہے' اس لیے حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الأعراف ۷:۱۵۷) ''وہ (آخری نبی حضرت محمد ﷺ) ان کے لیے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔'' ایک نسخے میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے (اس بزرگ کی بات سن کر) فرمایا: اگر رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ یہ جانور ایسا ہے تو یہ لازماً ایسا ہی ہے جیسا آپ نے فرمایا۔ (مسند احمد: ۲/ ۳۸۱)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے خارپشت' یعنی سیہہ کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ کی یہی رائے ہے۔ مگر یہ حدیث ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دیگر محققین نے صراحت کی ہے۔ ② امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کا خیال ہے کہ یہ حلال ہے کیونکہ حرمت کی کوئی صحیح دلیل نہیں۔ (سبل السلام) نیز شیخ ابن باز رحمہ اللہ اس کی بابت لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ حلال ہے کیونکہ حیوانات کے بارے میں اصل حلت ہے اور ان میں صرف وہی حرام ہیں جنھیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور اس کی بابت شریعت میں کوئی ایسی دلیل وارد نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ جانور حرام ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ یہ خرگوش اور ہرن کی طرح نباتات کھاتا ہے اور کچلی سے شکار کرنے والے درندوں میں سے بھی نہیں ہے' لہٰذا اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ یہ مذکورہ حیوان سیہہ کی قسموں میں سے ایک قسم ہے' اسے ''دلال'' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے' جبکہ مذکورہ روایت علمائے محققین کے نزدیک سنداً ضعیف ہے۔ دیکھیے: (فتاویٰ اسلامیہ' جلد: سوم' طبع دارالسلام) بنابریں دلائل کی رو سے امام مالک اور شیخ ابن باز رحمہما اللہ کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم.

(١١٤٢) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنِ الْجَلَّالَةِ وَأَلْبَانِهَا. أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[1142] حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گندگی خور جانور اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی کے سوا اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْجَلَّالَة] ''لام'' پر تشدید ہے' یعنی گندگی خور جانور' خواہ وہ اونٹ ہو یا گائے' بکری ہو یا مرغی۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ سنن ابی داود کی روایت اس سے کفایت کرتی ہے' نیز سنن ابن ماجہ میں مذکورہ حدیث کو حسن قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت ہمارے فاضل محقق کے نزدیک بھی قابل حجت ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللّٰہ أعلم۔ ② یہ حدیث گندگی خور جانور کی حرمت کی دلیل ہے۔ ③ امام خطابی نے کہا ہے کہ ایک حدیث میں یہ مروی ہے کہ گائے گندگی خور ہو تو اسے چالیس روز چارہ کھلایا جائے' پھر اس کے بعد اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ شارح ترمذی نے تحفۃ الاحوذی (۵/۴۶۴) میں کہا ہے کہ ابن رسلان شرح السنن میں فرماتے ہیں کہ گندگی خور جانور کو پاک صاف خوراک مہیا کرنے اور اسے گندگی سے بچانے کے لیے اسے بند کر کے رکھنے کی کوئی معین و مقرر مدت نہیں ہے۔ اور بعض کی یہ رائے ہے کہ اونٹ اور گائے کے لیے چالیس روز، بکری کے لیے سات روز اور مرغی کے لیے تین روز کی مدت ہے۔ اسی رائے کو المھذب اور التحریر میں پسند کیا گیا ہے۔ اور سبل السلام میں ہے کہ وقت کی تعیین کے سلسلے میں باہمی مخالفت کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔

(١١٤٣) وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ - فِي قِصَّةِ الْحِمَارِ الْوَحْشِيِّ -: فَأَكَلَ مِنْهُ النَّبِيُّ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1143] حضرت ابوقتادہ ؓ سے جنگلی گدھے کے قصے کے سلسلے میں مروی ہے کہ نبی ﷺ نے اس کا گوشت تناول فرمایا۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جنگلی گدھا حلال ہے اور اس کی حلت پر اجماع ہے۔ (سبل السلام) ② حضرت ابوقتادہ ؓ کی یہ حدیث پہلے کتاب الحج' باب الاحرام (۵۹۹) کے تحت کچھ تفصیل سے گزر چکی ہے۔

(١١٤٤) وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَتْ: نَحَرْنَا عَلٰى عَهْدِ

[1144] حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں گھوڑا ذبح کیا اور اسے

١١٤٢ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأطعمة، باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، حديث: ٣٧٨٥، والترمذي، الأطعمة، حديث: ١٨٢٤، وابن ماجه، الذبائح، حديث: ٣١٨٩، ابن أبي نجيح عنعن، وحديث أبي داود (٢٥٥٧، ٢٥٥٨) يغني عنه.

١١٤٣ـ أخرجه البخاري ومسلم كما تقدم: ٥٩٩.

١١٤٤ـ أخرجه البخاري، الذبائح والصيد، باب النحر والذبح، حديث: ٥٥١٢، ومسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة أكل لحوم الخيل، حديث: ١٩٤٢.

رَسُولِ اللهِ فَرَسًا فَأَكَلْنَاهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. کھایا۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس باب کے شروع میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ یاد رہے! گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر کوئی لائق اعتبار دلیل نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (سنن ابوداود، اردو، طبع دارالسلام، حدیث: ۳۷۹۰ کے فوائد ومسائل)

(١١٤٥) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: أُكِلَ الضَّبُّ عَلٰى مَائِدَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1145] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان پر ضب (سانڈا) کھایا گیا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: اَلضَّبُّ: زمین پر رینگنے والا چھوٹا سا جانور جو گرگٹ کے مشابہ ہوتا ہے۔ ہندی زبان میں اسے سانڈا کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جانور پانی نہیں پیتا بلکہ صرف نسیم اور ہوا کی خنکی پر اکتفا کرتا ہے اور چالیس روز بعد صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے اور موسم سرما میں اپنے بل سے باہر نہیں آتا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ذکر کی دو فرعیں ہوتی ہیں۔ اس کا گوشت قوت جماع انتہائی زیادہ کر دیتا ہے۔ جب اس کے گوشت کے ٹکڑے بھونے جائیں تو ان سے روغن برآمد ہوتا ہے جو کہ عضو مخصوص مردانہ پر ملنے سے اس کے بہت سے امراض کا ازالہ کرتا ہے جس سے قوت مردی اور شباب و جوانی عود کر آتی ہے۔ اہل عرب بالعموم اور اہل نجد بالخصوص کثرت سے اس کا گوشت کھاتے تھے۔ اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ضب سے مراد گوہ ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ گوہ کو عربی میں ''ورل'' کہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ضب حلال ہے، جمہور علماء کی یہی رائے ہے، بعض نے اسے حرام اور بعض نے اسے مکروہ بھی کہا ہے اور دلیل کے لیے ابوداود کی روایت پیش کی ہے کہ آپ نے ضب کھانے سے منع فرمایا۔ مگر صحیحین کی یہ حدیث اور اس موضوع کی دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت حرمت کی نہیں بلکہ طبعی کراہت کی ہے۔ نبی ﷺ نے خود ضب نہیں کھائی، البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کھانے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اسے کھاؤ یہ حلال ہے لیکن یہ میرا کھانا نہیں ہے۔'' (صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الضب، حديث: ۱۹۴۴) یہ واضح نص ہے کہ ممانعت زیادہ سے زیادہ طبعی کراہت پر مبنی ہے، حرمت پر قطعاً نہیں۔ واللہ أعلم.

(١١٤٦) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عُثْمَانَ الْقُرَشِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ طَبِيبًا سَأَلَ

[1146] حضرت عبدالرحمن بن عثمان قرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک طبیب نے رسول اللہ ﷺ سے مینڈک کو

١١٤٥۔ أخرجه البخاري، الهبة وفضلها .... ، باب قبول الهدية، حديث: ٢٥٧٥، ومسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة الضب، حديث: ١٩٤٧.

١١٤٦۔ [إسناده صحيح] أخرجه أحمد: ٣/ ٤٩٩، وصححه الحاكم: ٤/ ٤١١، ووافقه الذهبي، وأبوداود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، حديث: ٣٨٧١، والنسائي، الصيد، حديث: ٤٣٦٠.

رَسُولَ اللهِ ﷺ عَنِ الضِّفْدَعِ يَجْعَلُهَا فِي دَوَاءٍ، فَنَهَى عَنْ قَتْلِهَا. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

بطور دوا استعمال کرنے کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث کی رو سے مینڈک دوا میں استعمال کرنے کی غرض سے مارنا بھی ممنوع ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ حرام ہے۔ اگرچہ یہ پانی کا جانور ہے مگر ہفتوں اور مہینوں پانی کے بغیر بھی زندہ رہتا ہے' اس لیے مچھلی کے حکم سے خارج ہے۔

١ - بَابُ الصَّيْدِ وَالذَّبَائِحِ

باب:1- شکار اور ذبائح کا بیان

(١١٤٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنِ اتَّخَذَ كَلْبًا إِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ، أَوْ صَيْدٍ، أَوْ زَرْعٍ، اِنْتَقَصَ مِنْ أَجْرِهِ كُلَّ يَوْمٍ قِيرَاطٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1147] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مال مویشی کے تحفظ' شکار یا کھیتی کی دیکھ بھال کے سوا (شوق کے طور پر یا کسی اور وجہ سے) کوئی کتا رکھتا ہے تو اس کے ثواب میں سے ہر روز ایک قیراط ثواب کم ہو جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: اَلصَّيْد | صَادَ يَصِيدُ کا مصدر ہے۔ شکار کیے جانے والے کو بھی صَيْد کہا جاتا ہے۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں: طبعی طور پر جنگلات یا بیابانوں میں رہنے والے آزاد حلال جانور کا شکار کرنا۔ | اَلذَّبَائِح | ذَبِيحَةٌ کی جمع ہے۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ دل کے بہلاوے اور شوق فضول کی تکمیل کے لیے کتا رکھنا ممنوع ہے' البتہ شکار کے لیے اور کھیتی باڑی اور جانوروں وغیرہ کی دیکھ بھال کے لیے رکھنے کی اجازت ہے۔ ان مقاصد کے سوا کسی اور مقصد کے لیے کتا رکھنے کی وجہ سے یومیہ ایک قیراط ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ② قیراط ایک چھوٹا سا وزن ہے جو ایک ماشہ یا اس سے کم ہوتا ہے جبکہ نبی اکرم ﷺ نے جنازے میں شرکت کی ترغیب میں اس کی مقدار احد پہاڑ کے برابر بیان فرمائی ہے۔ اس حدیث میں مذکور قیراط سے کیا مراد ہے؟ اس کی بابت رسول اللہ ﷺ سے وضاحت نہیں ملتی' لہٰذا اس سے کوئی سا بھی وزن مراد لیا جائے ایک مسلمان کے لیے باعث حسرت وندامت ہے کہ روزانہ اس کے اجر و ثواب میں سے احد پہاڑ کے برابر یا ایک قیراط معروف وزن کے برابر ثواب کم کر دیا جائے۔ واللّٰہ أعلم.

١١٤٧ـ أخرجه البخاري، الحرث والمزارعة، باب إقتناء الكلب للحرث، حديث: ٢٣٢٢، ومسلم، المساقاة، باب الأمر بقتل الكلاب . . .، حديث: ١٥٧٥.

(١١٤٨) وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا أَرْسَلْتَ كَلْبَكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ، فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ فَأَدْرَكْتَهُ حَيًّا فَاذْبَحْهُ، وَإِنْ أَدْرَكْتَهُ قَدْ قُتِلَ، وَلَمْ يَأْكُلْ مِنْهُ فَكُلْهُ، وَإِنْ وَجَدْتَ مَعَ كَلْبِكَ كَلْبًا غَيْرَهُ، وَقَدْ قَتَلَ، فَلَا تَأْكُلْ. فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي أَيُّهُمَا قَتَلَهُ، وَإِنْ رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ فَاذْكُرِ اسْمَ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَإِنْ غَابَ عَنْكَ يَوْمًا فَلَمْ تَجِدْ فِيهِ إِلَّا أَثَرَ سَهْمِكَ فَكُلْ إِنْ شِئْتَ، وَإِنْ وَجَدْتَهُ غَرِيقًا فِي الْمَاءِ فَلَا تَأْكُلْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَهٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

[1148] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جب تو اپنا کتا (شکار کے لیے) چھوڑے تو اس پر بسم اللہ پڑھ لیا کر' پھر اگر وہ شکار کو تیرے لیے بچا رکھے اور تو اسے زندہ پالے تو اسے ذبح کر لے۔ اور اگر تو شکار کو مردہ حالت میں پائے اور کتے نے ابھی تک اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو تو اسے کھا سکتا ہے۔ اور اگر تو اپنے کتے کے ساتھ دوسرا کوئی کتا بھی پائے اور جانور مردہ حالت میں ملے تو پھر اسے نہ کھا کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے۔ اور اگر تو اپنا تیر چھوڑے تو اس پر بسم اللہ پڑھ۔ پھر اگر شکار تیری نظروں سے ایک روز تک اوجھل رہے اور اس میں تیرے تیر کے سوا دوسرا کوئی زخم کا نشان نہ ہو تو پھر اگر تو چاہے تو اسے کھا لے۔ اور اگر شکار کو پانی میں ڈوب کر مرا ہوا پائے تو اسے نہ کھا۔''
(بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [كَلْبَكَ] اس سے مراد سدھایا ہوا کتا ہے جس کی تین نشانیاں ہوتی ہیں: ایک یہ کہ مالک جب کتے کو شکار پر جھپٹنے کے لیے ابھارے تو وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہو' دوسری یہ کہ جب مالک اسے ڈانٹ پلائے اور روکے تو فوراً رک جائے اور تیسری یہ کہ جب شکار کر لے تو اسے مالک کے لیے بچا رکھے' خود نہ کھائے۔ اس تیسری نشانی کے شرط ہونے میں اختلاف ہے۔ [فَإِنْ أَمْسَكَ عَلَيْكَ] پھر اگر وہ تیرے لیے بچا رکھے بایں طور کہ خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانے کے لیے یا منافع حاصل کرنے کے لیے شکار کرنا جائز ہے۔ ② شکار شکاری کتے سے کیا جائے یا شکاری پرندوں سے، سب جائز ہے اور ان کا کھانا حلال ہے۔ اس کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ ضرور پڑھی جائے۔ دوسری یہ کہ کتا تربیت یافتہ' یعنی سدھایا ہوا ہو۔ ③ سدھایا ہوا کتا اگر اس شکار میں سے کچھ کھا لے تو شکار حرام ہو جاتا ہے' اسے کھانا جائز نہیں رہتا۔ ④ شکار کردہ جانور صحیح سالم حالت میں ہے اور کتے نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا تو اسے کھانا جائز ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی سامنے رہنی چاہیے کہ اگر کتے نے شکار اپنے دانتوں سے پکڑا ہے اور وہ مر گیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر کتے کے جسم کی ضرب سے مرے تو

١١٤٨ـ أخرجه البخاري، الذبائح والصيد، باب التسمية على الصيد، حديث: ٥٤٧٥، ومسلم، الصيد والذبائح، باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمي، حديث: ١٩٢٩.

حرام ہے۔ ⑤ اگر وہ شکار آدمی کے پہنچنے تک بقید حیات ہو تو اسے ذبح کرنا چاہیے اور اگر مر چکا ہو تو اسی طرح کھانا حلال ہے۔ ⑥ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شکاری کتے کو مالک نے خود بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو۔ اگر از خود شکار پر ٹوٹ پڑا اور شکار مار بھی لیا تو ایسا شکار حلال نہیں ہوگا۔ جمہور علماء کی یہی رائے ہے۔ مگر ایک گروہ کی رائے یہ بھی ہے کہ محض کتے کا سدھایا ہوا ہونا شرط ہے قصد و ارادہ سے چھوڑنا شرط نہیں۔ ⑦ اسی طرح اس حدیث سے شکار کی دوسری چیز نیزہ اور تیر سے شکار کرنا بھی ثابت ہے۔ ⑧ تیر چھوڑتے وقت بھی اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ بسم اللہ کہنا شکار کے لیے واجب ہے البتہ اگر بھول کر بسم اللہ نہ پڑھے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ اور ایک روایت کی رو سے امام احمد رحمہ اللہ اور صحابۂ کرام میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ دیدہ و دانستہ اور عمداً بسم اللہ چھوڑنے کی صورت میں بھی ایسے شکار کا کھانا حلال ہے۔ ان کے نزدیک ذبح یا شکار کے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے فرض نہیں۔ اور ظاہریہ کی رائے تو یہ ہے کہ متروك التسمية شکار کا کھانا بہر صورت حرام ہے۔ ⑨ راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذبیحہ جس پر یقین ہو کہ اللہ کا نام عمداً نہیں لیا گیا اسے نہ کھایا جائے اور شک کی صورت میں' اگر ذبح کرنے والا پکا مسلمان ہو تو، بسم اللہ پڑھ کر کھا لینا چاہیے۔ اور جو پرندہ وغیرہ تیر کی ضرب کھا کر پانی میں جا گرے تو اسے نہ کھایا جائے' اس لیے کہ اس کی موت واقع ہونے میں شک پیدا ہو گیا ہے کہ آیا وہ تیر لگنے سے مرا ہے یا پانی میں ڈوبنے کی وجہ سے۔

راویٔ حدیث: [حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ] عدی بن حاتم طائی۔ باپ کی طرح نہایت سخی تھے۔ ۷ ہجری شعبان کے مہینے میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جب عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہوئے تو یہ اپنی قوم سمیت اسلام کی حقانیت و صداقت پر ثابت قدم رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو پہلی زکاۃ پہنچی وہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کی زکاۃ تھی۔ فتح مدائن میں حاضر تھے۔ لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔ جنگ جمل کے موقع پر ان کی آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ سخاوت اور جود و کرم میں ان کی مثالیں بڑی مشہور و معروف ہیں۔ ایک سو بیس برس زندگی پائی اور ۶۸ ہجری میں وفات پائی۔

(١١٤٩) وَعَنْ عَدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَيْدِ الْمِعْرَاضِ فَقَالَ: «إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ، وَإِذَا أَصَبْتَ بِعَرْضِهِ فَقُتِلَ فَإِنَّهُ وَقِيذٌ، فَلَا تَأْكُلْ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1149] حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے معراض کے شکار کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تو نوک کی جانب سے مارے تو پھر کھا لے اور اگر چوڑائی کی طرف سے مارے اور جانور مر جائے تو یہ چوٹ سے مرنے والا جانور ہے' لہٰذا اسے نہ کھا۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمِعْرَاض] ''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''عین'' ساکن ہے۔ یہ ایسے تیر کو کہتے ہیں جس کے پر نہ ہوں۔

١١٤٩ـ أخرجه البخاري، الذبائح والصيد، باب إذا وجد مع الصيد كلبا آخر، حديث: ٥٤٨٦.

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ لکڑی ہے جس کے دونوں اطراف پتلے اور درمیانی حصہ موٹا ہوتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ایک لاٹھی ہے جس کی نوک لوہے کی ہوتی ہے' شکاری اسے شکار کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہ آخری معنی سیاق حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ [إِذَا أَصَبْتَ بِحَدِّهِ فَكُلْ] جب تو اس کا شکار نوک کی طرف سے کرے تو اسے کھا لے اگرچہ وہ جانور ذبح کرنے سے پہلے جاں بحق ہو جائے کیونکہ ایسا جانور مذبوح کے حکم میں ہوتا ہے۔ [بِعَرْضِهِ] ''عین'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے اس کی چوڑائی کی طرف سے' نوک کی طرف سے نہیں۔ [فَإِنَّهُ وَقِيذٌ] وَقِيذ، مَوْقُوذ کے معنی میں ہے' یعنی وہ جانور جسے لاٹھی یا پتھر یا ایسی چیز سے مارا جائے جس کی دھار نہ ہو' وہ حرام ہے' اس لیے کہ وہ مردار ہے۔ نہ حقیقتاً مذبوح ہے اور نہ حکماً۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شکار میں یہ اصول ہے کہ اگر تو جانور کسی تیز دھار چیز سے زخمی ہو کر خون بہہ جانے کی وجہ سے مرے تو اسے کھانا حلال ہے اور اگر کسی چیز کی ضرب اور چوٹ سے مرے تو اسے کھانا حرام ہے۔

(١١٥٠) وَعَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا رَمَيْتَ بِسَهْمِكَ، فَغَابَ عَنْكَ، فَأَدْرَكْتَهُ: فَكُلْهُ، مَا لَمْ يُنْتِنْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1150] حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تو اپنے تیر سے شکار کرے اور وہ شکار تیری نظروں سے اوجھل ہو جائے' پھر بعد میں تو اسے پا لے تو جب تک وہ بدبودار نہ ہو اسے کھا لے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَالَمْ يُنْتِنْ] باب افعال سے ہے' یعنی جب تک اس میں بدبو پیدا نہ ہو۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پرندے کا شکار کیا اور وہ زخم کھا کر ایسی جگہ جا گرا کہ شکاری کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بعد ازاں مل گیا۔ اگر وہ پانی میں مردہ حالت میں ملا ہو تو پھر حرام ہے' اگر زندہ مل جائے تو اسے ذبح کر لیا جائے' اور اگر خشکی پر مردہ حالت میں ملا ہو اور اس کے جسم پر تیر کے نشان کے علاوہ اور کوئی نشان نہ ہو تو وہ حلال ہے۔ مگر جب اس میں تعفن اور بدبو پیدا ہو جائے تو وہ حلال نہیں ہے۔

(١١٥١) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ قَوْماً قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: إِنَّ قَوْماً يَأْتُونَنَا بِاللَّحْمِ لَا نَدْرِي أَذَكَرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهِ، أَمْ لَا؟ فَقَالَ: «سَمُّوا اللّٰهَ عَلَيْهِ أَنْتُمْ، وَكُلُوهُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1151] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں جس کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے اس پر اللہ کا نام لیا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم اس پر اللہ کا نام لو اور کھا لو۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

١١٥٠ـ أخرجه مسلم، الصيد والذبائح، باب إذا غاب عنه الصيد ثم وجده، حديث: ١٩٣١.

١١٥١ـ أخرجه البخاري، الذبائح، باب ذبيحة الأعراب ونحوهم، حديث: ٥٥٠٧.

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب تک حتمی اور یقینی طور پر کسی ذبیحے کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے کہ اس پر بسم اللہ نہیں پڑھی گئی اور وہ حرام ہے' اس وقت تک محض شبہات کی بنا پر اسے حرام قرار نہیں دینا چاہیے بالخصوص جبکہ وہ ذبیحہ کسی مسلمان بھائی کا ہو۔ ② اہل کتاب کے بارے میں اگر یقین ہو کہ اس نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے' مثلاً: خود ذبح کرتے دیکھا ہے یا کسی بااعتماد مسلمان نے دیکھا ہے تو اہل کتاب کے اس شخص کا ذبح کیا ہوا بھی درست ہے۔ دوسرے غیر مسلموں کا ذبح کیا ہوا جائز نہیں۔ واللہ أعلم.

(١١٥٢) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ الْخَذْفِ، وَقَالَ: «إِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا، وَلَا تَنْكَأُ عَدُوًّا، وَلٰكِنَّهَا تَكْسِرُ السِّنَّ، وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[1152] حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کنکری مارنے سے منع کیا اور فرمایا: ''یہ (کنکری) شکار کر سکتی ہے نہ دشمن کو زخمی کر سکتی ہے بلکہ یہ کسی کا دانت توڑے گی یا آنکھ پھوڑے گی۔'' (بخاری و مسلم اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [اَلْخَذْفِ] ''خا'' پر فتحہ اور ''ذال'' ساکن ہے۔ درمیان والی انگلی اور شہادت والی انگلی یا انگوٹھے اور شہادت والی انگلی سے کنکری پھینکنا۔ [إِنَّهَا] ضمیر کا مرجع اَلْحَصَاۃ ہے جو کہ لفظ خَذْف کے مفہوم میں موجود ہے۔ [لَا تَنْکَأُ] باب فَتَحَ سے ہے' یعنی وہ زخمی کرتی ہے نہ خون بہاتی ہے۔ [تَفْقَأُ] یعنی وہ آنکھ پھوڑ دے گی یا کانا کر دے گی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکری لگنے سے جانور مر جائے تو اس کا کھانا حلال نہیں۔ ② اس شغل کا فائدہ کم اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے' اس لیے ''خذف'' سے منع فرمایا گیا ہے۔ ③ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہوا کہ غلیل سے مارا ہوا جانور و پرندہ بھی حلال نہیں کیونکہ وہ بھی خذف کی طرح چوٹ اور ضرب سے مرتا ہے۔ ④ بندوق کی گولی کے بارے میں راجح قول یہ ہے کہ اس کا شکار حلال ہے۔ علامہ یمانی ؒ نے بھی اسی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔

(١١٥٣) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا تَتَّخِذُوا شَيْئًا فِيهِ الرُّوحُ غَرَضًا». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1153] حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی ذی روح چیز کو نشانہ بنا کر نہ مارو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [غَرَضًا] ''غین'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے' یعنی کسی ذی روح چیز کو ہدف اور ٹارگٹ بنا کر تیر وغیرہ نہ مارو۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کو باندھ کر تیر وغیرہ مارنا حرام ہے کیونکہ اس سے اسے شدید تکلیف ہوتی ہے۔ شریعت اسلامیہ جانور تک کو اذیت اور تکلیف دینے کے حق میں نہیں ہے۔

١١٥٣ـ أخرجه مسلم، الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، حديث: ١٩٥٧

(١١٥٤) وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ امْرَأَةً ذَبَحَتْ شَاةً بِحَجَرٍ، فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ، فَأَمَرَ بِأَكْلِهَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1154] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے پتھر (کی تیز دھار) سے ایک بکری کو ذبح کیا' چنانچہ نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے اسے کھانے کا حکم فرمایا۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذبح چھری وغیرہ کے علاوہ اور چیزوں سے بھی ہوسکتا ہے۔ ② ایک روایت میں ہے کہ یہ پتھر دھار دار تھا جس سے خون بہہ گیا تھا۔ ③ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان عورت کا ذبیحہ حلال ہے اور اس کا کھانا بلا کراہت جائز ہے۔

(١١٥٥) وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ، فَكُلْ، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ، أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ، وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1155] حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو بھی چیز (جانور کا) خون بہا دے اور اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو تو اس جانور کو کھا لو۔ سوائے دانت اور ناخن کے کیونکہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [مَا أَنْهَرَ الدَّمَ] جو چیز خون بہا دے اور اسے جاری کر دے۔ کلمۂ ''ما'' عام ہے۔ اس میں تلوار' چھری' تیز پتھر' لکڑی' شیشہ' سرکنڈا' بانس' ٹھیکری اور تانبے یا لوہے کی ساختہ تیز دھار چیزیں بھی شامل ہیں۔ [فَمُدَى] مدی کے ''میم'' پر ضمہ اور کسرہ دونوں درست ہیں۔ مُدْيَةٌ کی جمع ہے۔ مُدْيَة کے میم پر تینوں اعراب درست ہیں۔ چھری کو کہتے ہیں۔ ناخن کے ساتھ ذبح کرنے میں کفار سے مشابہت کے علاوہ یہ (خرابی) بھی ہے کہ اس میں جانور کا گلا گھٹنا لازم آتا ہے جو کہ (جانور کو) ذبح کرنے کا صحیح (اسلامی) طریقہ نہیں ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث مطلقاً دانت اور ناخن سے جانور کو مارنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ خواہ وہ دانت اور ناخن انسان کا ہو یا کسی جانور کا' الگ ہو یا جسم کے ساتھ لگا ہوا ہو' اگرچہ تیز دھار ہی ہو۔ (سبل السلام) ② حبشیوں سے مراد غیر مسلم حبشی ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان لوگوں کی اکثریت غیر مسلموں پر مشتمل تھی۔ غیر مسلموں کے رسم و رواج اور طور طریقوں سے زیادہ سے زیادہ پرہیز کرنا ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے ناخن سے ذبح کرنے کی ممانعت کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یہ غیر مسلم حبشیوں کا طریقہ ہے۔

(١١٥٦) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللّٰهُ

[1156] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

١١٥٤ـ أخرجه البخاري، الذبائح، باب ذبيحة المرأة والأمة، حديث: ٥٥٠٤.

١١٥٥ـ أخرجه البخاري، الذبائح، باب التسمية على الذبيحة ...، حديث: ٥٤٩٨، ومسلم، الأضاحي، باب جواز الذبح بكل ما أنهر الدم إلا السن وسائر العظام، حديث: ١٩٦٨.

١١٥٦ـ أخرجه مسلم، الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، حديث: ١٩٥٩.

تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: نَهَى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ يُقْتَلَ شَيْءٌ مِنَ الدَّوَابِّ صَبْرًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

رسول اللہ ﷺ نے کسی جانور کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: باندھ کر قتل کرنے کے معنی یہ ہیں کہ کسی جاندار کو زندہ باندھ کر اسے نشانہ لگا کر مارا جائے کہ وہ جاں بحق ہو جائے۔ جہاں تک باندھ کر ذبح کرنے کا تعلق ہے تو وہ جائز ہے۔ وہ باندھ کر قتل کرنے کے ضمن میں نہیں آتا۔

(١١٥٧) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1157] حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض قرار دیا ہے' لہٰذا جب تم قتل کرو تو عمدہ اور اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم کسی جانور کو ذبح کرو تو احسن طریقے سے ذبح کرو۔ اور تم میں سے ہر کسی کو چاہیے کہ اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحے کو آرام پہنچائے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: اَلْقِتْلَة | قِتْلَة اور ذِبْحَة کا ایک ہی وزن ہے۔ قِتْلَة کے ''قاف'' اور ذِبْحَة کے ''ذال'' کے نیچے کسرہ ہے۔ مراد قتل اور ذبح کی نوعیت ہے۔ | وَلْيُحِدَّ | اس میں لام' امر کا ہے اور یہ إحداد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: تیز کرنا اور دھار کو باریک کرنا۔ | شَفْرَتَهُ | ''شین'' پر فتحہ اور ''فا'' ساکن ہے۔ اس کے معنی چھری کے ہیں۔ | لِيُرِحْ | إراحة سے ماخوذ ہے۔ معنی ہیں: آرام پہنچانا۔ سبل السلام میں ہے کہ جانور کو یہ آرام پہنچانا چھری کو تیز کرنے' اسے جلدی چلانے اور احسن طریقے سے ذبح کرنے میں ہے۔

(١١٥٨) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1158] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ماں کے ذبح کرنے سے جنین ازخود ذبح ہو جاتا ہے۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: | ذَكَاةُ الْجَنِينِ | مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے اور مابعد اس کی خبر ہے۔ ذَکاۃ اور تَذْکِیَة کے معنی ذبح کرنے اور نحر کرنے کے ہیں۔ اور جنین اس بچے کو کہتے ہیں جو ماں کے شکم میں ہو۔

فائدہ: حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جب ماں کے ذبح کیے جانے کے بعد بچہ مردہ برآمد ہو تو ایسے جنین کا کھانا حلال ہے' اسے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ تمام اہل علم کی یہی رائے ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کہتے

١١٥٧ـ أخرجه مسلم، الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل ...، حديث: ١٩٥٥.

١١٥٨ـ [صحيح] أخرجه أحمد: ٣/ ٣١، ٣٩، ٤٥، ٥٣، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٠٧٧، وله شواهد عند أبي داود، الضحايا، حديث: ٢٨٢٧، والحاكم: ٤/ ١١٤ وغيرهما.

ہیں کہ اسے ذبح کیا جائے گا تو حلال ہوگا۔ مگر یہ حدیث ان کے سراسر خلاف ہے۔

(١١٥٩) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**الْمُسْلِمُ يَكْفِيهِ اسْمُهُ، فَإِنْ نَسِيَ أَنْ يُسَمِّيَ حِينَ يَذْبَحُ فَلْيُسَمِّ ثُمَّ لِيَأْكُلْ**». أَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِيهِ رَاوٍ فِي حِفْظِهِ ضَعْفٌ، وَفِي إِسْنَادِهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ بْنِ سِنَانٍ، وَهُوَ صَدُوقٌ ضَعِيفُ الْحِفْظِ، وَأَخْرَجَهُ عَبْدُ الرَّزَّاقِ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ إِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، مَوْقُوفًا عَلَيْهِ. وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ، فِي مَرَاسِيلِهِ بِلَفْظِ: «**ذَبِيحَةُ الْمُسْلِمِ حَلَالٌ، ذَكَرَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا أَمْ لَمْ يَذْكُرْ**». وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ.

[1159] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کے لیے اس کا نام ہی کافی ہے، لہٰذا اگر ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا بھول گیا ہو تو پھر بسم اللہ پڑھ کر کھا لے۔'' (اسے دار قطنی نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کے حافظے میں ضعف ہے۔ اور اس کی سند میں محمد بن یزید بن سنان ہے اور وہ صدوق ضعیف الحفظ ہے۔ اور امام عبدالرزاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے جو موقوف ہے اور امام ابوداود کی مراسیل میں اس کا ایک شاہد بھی موجود ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''مسلم کا ذبیحہ حلال ہے، اس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو یا نہ لیا گیا ہو۔'' (اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔)

راویٔ حدیث: [حضرت محمد بن یزید بن سنان رحمہ اللہ] تمیمی، جزری، رہاوی ہیں۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ آدمی تو صالح تھا مگر پختہ نہیں تھا۔ اور امام ابوداود نے کہا ہے کہ یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ قوی نہیں تھا۔ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے۔ ۲۲۰ ہجری میں فوت ہوئے۔

٢ - بَابُ الْأَضَاحِيِّ

باب:2-قربانی سے متعلق احکام و مسائل

(١١٦٠) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ، وَيُسَمِّي، وَيُكَبِّرُ، وَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلٰى صِفَاحِهِمَا. وَفِي لَفْظٍ: ذَبَحَهُمَا

[1160] حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ چتکبرے اور سینگوں والے دو مینڈھے قربانی کرتے تھے اور بسم اللہ پڑھتے اور تکبیر کہتے اور ان کے پہلوؤں پر اپنا پاؤں مبارک رکھتے تھے۔ اور ایک روایت میں

١١٥٩ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه الدارقطني: ٤/ ٢٩٦، فيه محمد بن يزيد بن سنان، ضعفه الجمهور، وأثر ابن عباس: أخرجه عبدالرزاق في المصنف: ٤/ ٤٧٩، حديث: ٨٥٣٨، وسنده صحيح، وحديث «ذبيحة المسلم حلال» أخرجه أبوداود في المراسيل، حديث: ٣٧٨ وسنده ضعيف مرسل، الصلت السدوسي مجهول الحال.

١١٦٠ـ أخرجه البخاري، الحج، باب من نحر هديه بيده، حديث: ١٧١٢، حديث: ٥٥٥٣، ٥٥٥٨ وغيره، وحديث عائشة: أخرجه مسلم، الأضاحي، حديث: ١٩٦٧

بِيَدِهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ: سَمِينَيْنِ. وَلِأَبِي عَوَانَةَ فِي صَحِيحِهِ: ثَمِينَيْنِ. بِالْمُثَلَّثَةِ بَدَلَ السِّينِ. وَفِي لَفْظٍ لِمُسْلِمٍ: وَيَقُولُ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ.

ہے کہ آپ نے ان دونوں کو اپنے دست مبارک سے ذبح کیا۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ وہ خوب موٹے تازے تھے۔ اور ابوعوانہ کی صحیح میں سَمِينَيْنِ کی بجائے ثَمِينَيْنِ ہے یعنی وہ قیمتی تھے۔ اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ بِسْمِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَر کہتے۔

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا، أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ، يَطَأُ فِي سَوَادٍ، وَيَبْرُكُ فِي سَوَادٍ، وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ، لِيُضَحِّيَ بِهِ، فَقَالَ: «اِشْحَذِي الْمُدْيَةَ». ثُمَّ أَخَذَهَا فَأَضْجَعَهُ، ثُمَّ ذَبَحَهُ، ثُمَّ قَالَ: «بِسْمِ اللهِ، اَللّٰهُمَّ! تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ، وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ». ثُمَّ ضَحَّى بِهِ [ﷺ].

اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ نے سینگوں والے مینڈھے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (اس کی ٹانگیں سیاہ ہوں)، سیاہی میں بیٹھتا ہو (اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (اس کی آنکھیں بھی سیاہ ہوں) تاکہ آپ اس کی قربانی کریں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا: (''عائشہ!) چھری تیز کرو۔'' پھر آپ نے چھری کو پکڑا اور مینڈھے کو لٹایا۔ پھر اسے ذبح کرتے ہوئے فرمایا: [بِسْمِ اللّٰهِ، اَللّٰهُمَّ! تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ] ''اللہ کے نام سے (میں ذبح کرتا ہوں۔) اے اللہ! محمد (ﷺ)، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما۔'' پھر اسے قربان کر دیا۔

لغوی تشریح: [بَابُ الْأَضَاحِيِّ] أَضَاحِيِّ میں ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے اور یہ أُضْحِيَّة کی جمع ہے، اس میں ''یا'' مشدد ہے۔ اس کے معنی قربانی کے ہیں۔ أُضْحِية میں چار لغات ہیں۔ اور یہ اس جانور کو کہتے ہیں جو قربانی کے دن ذبح کیا جاتا ہے۔ پہلی اور دوسری لغت کے اعتبار سے أُضْحِيَّة اور إِضْحِيَّة ''ہمزہ'' کے ضمہ اور کسرہ سے پڑھا گیا ہے اور اس کی جمع أَضَاحِيّ آتی ہے اور أَضَاحِيّ میں ''یا'' پر تشدید ہے اور تخفیف بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اور تیسری لغت کے اعتبار سے ضَحِيَّة ہے، اس کی جمع ضَحَايَا آتی ہے۔ اور چوتھی لغت کے اعتبار سے أَضْحَاة ''ہمزہ'' کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور اس کی جمع أَضْحٰی آتی ہے، جیسے أَرْطَاة کی جمع أَرْطٰی آتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس دن کو یوم الاضحٰی کہتے ہیں۔ (شرح نووی) [بِكَبْشَيْنِ] كبش بھیڑ کے نر (مینڈھے) کو کہتے ہیں، خواہ عمر کتنی ہی ہو۔ دراصل اس میں اختلاف ہے کہ کتنی عمر کے مینڈھے کو کبش کہا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب وہ دو دانتا ہو جائے، یعنی اس کے سامنے کے دو دانت گر جائیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ چار دانتا ہو جائے، یعنی اس کی کچلیاں گر جائیں۔ (فتح الباري) [أَمْلَحَيْنِ] أَمْلَح اس جانور کو کہتے ہیں جس کے جسم پر سیاہ و سفید بال کثرت سے ہوں۔ [أَقْرَنَيْنِ] دونوں کے دو دو خوبصورت اور مناسب سینگ تھے۔ [وَ يُسَمِّي وَ يُكَبِّرُ] یعنی بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَر کہتے۔ [صِفَاحِهِمَا] ''صاد''

کے نیچے کسرہ ہے یعنی پہلو۔ اور ایک قول ہے کہ یہ صَفْحَة کی جمع ہے اور یہ چہرے کے عرض کو کہتے ہیں۔ اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد گردن کے اردگرد کا حصہ ہے۔ [سَمِينَيْنِ] ''سین'' کے ساتھ سِمَانَة سے ماخوذ ہے یعنی موٹے تازے تھے کمزور نہیں تھے۔ [ثَمِينَيْنِ] ''ثا'' کے ساتھ یعنی قیمتی۔ قیمتی اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک کہ خوب موٹے تازے نہ ہوں۔ [يَطَأُ] چلتا ہو۔ [فِي سَوَادٍ] سیاہی میں یعنی ٹانگیں سیاہ ہوں باقی سفید ہو۔ [يَبْرُكُ فِي سَوَادٍ] بُرُوك سے ماخوذ ہے یعنی سینے کو زمین کے ساتھ لگا دیتا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مینڈھے کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو۔ [وَيَنْظُرُ فِي سَوَادٍ] سیاہی میں دیکھتا ہو یعنی آنکھوں کے اردگرد کا حصہ سیاہ ہو۔ [اِشْحَذِي] تیز کر کے لاؤ۔

فوائد ومسائل: ① رسول اللہ ﷺ کو موٹے تازے جانور کی قربانی محبوب تھی۔ ② قربانی سے پہلے چھری خوب تیز کر لینی چاہیے۔ ③ جانور کو پہلو کے بل لٹا کر ذبح کرنا چاہیے۔ ④ ذبح سے پہلے مسنون دعا اور تکبیر پڑھنی چاہیے۔ مذکورہ حدیث میں مذکور دعا کے علاوہ بھی ایک دعا ذبح کرتے وقت پڑھنا ثابت ہے۔ اور وہ دعا یہ ہے: [إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ، إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ، اَللّٰهُمَّ! مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ] (مسند أحمد: ٣/ ٣٧٥، وسنن أبي داود، الضحايا، باب ما يستحب من الضحايا، حديث: ٢٧٩٥) دعا میں مذکور الفاظ: [عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ] کے بجائے اپنا اور اہل و عیال کا نام لے یا جس کی طرف سے ذبح کر رہا ہے اس کا نام لے۔ ⑤ اہل خانہ کی طرف سے ایک جانور قربانی کرنے سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔ ⑥ قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح کرنی چاہیے گو اس میں نیابت بھی جائز ہے۔ ⑦ میت کی طرف سے قربانی کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے عمومی عمل سے استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ بعض علماء کے نزدیک وہ آپ کا خاصہ ہے جس میں امت کے لیے آپ کی اقتدا جائز نہیں۔ دیکھیے: (إرواء الغليل: ٤/ ٣٥٤) علاوہ ازیں خیر القرون (صحابہ و تابعین کے بہترین ادوار) میں بھی میت کی طرف سے قربانی کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ صرف ایک نقطۂ نظر سے اس کا جواز ہو سکتا ہے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے یعنی ایصال ثواب کے طور پر اس کا انکار کرنا ممکن نہیں ہے۔ واللّٰه أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (سنن ابوداود، اردو، طبع دارالسلام، حدیث: ٢٧٩٠ کے فوائد ومسائل)

(١١٦١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: **«مَنْ كَانَ لَهُ سَعَةٌ وَلَمْ يُضَحِّ فَلَا يَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا»**. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَلٰكِنْ رَجَّحَ الْأَئِمَّةُ غَيْرُهُ وَقْفَهُ.

[1161] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قربانی کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔'' (اسے احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن دوسرے ائمہ نے اس حدیث کے موقوف

١١٦١ــ [إسناده حسن] أخرجه ابن ماجه، الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا؟، حديث: ٣١٢٣، وأحمد: ٢/ ٣١٢، والحاكم: ٤/ ٢٣٢، وصححه، ووافقه الذهبي.

ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

فوائد و مسائل: ① حدیث کا سیاق اگرچہ قربانی کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے لیکن دوسرے دلائل سے اس کا استحباب و استنان معلوم ہوتا ہے' اس لیے محدثین نے ان سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ قربانی سنت مؤکدہ ہے' فرض نہیں' تاہم استطاعت کے باوجود اس سنت مؤکدہ سے گریز کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ ② قربانی نہ کرنے والا مسلمانوں کی خوشیوں میں شریک ہونے کا حق نہیں رکھتا' تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے نماز عید پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ مقصد اسے تنبیہ کرنا ہے تاکہ وہ قربانی ترک نہ کرے۔

(١١٦٢) وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: شَهِدْتُ الْأَضْحٰى مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَلَمَّا قَضٰى صَلَاتَهُ بِالنَّاسِ نَظَرَ إِلٰى غَنَمٍ قَدْ ذُبِحَتْ، فَقَالَ: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ شَاةً مَكَانَهَا، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ ذَبَحَ فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1162] حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں عید الاضحیٰ میں رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر تھا۔ چنانچہ جب آپ لوگوں کو نماز پڑھا چکے تو دیکھا کہ ایک بکری ذبح کی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا وہ اس کی جگہ دوسری بکری ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا صحیح وقت نماز عید کے بعد ہے۔ اگر کسی نے نماز عید سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو اس کی قربانی نہیں ہوگی' اسے دوبارہ قربانی کرنی چاہیے۔ ② نماز عید سے مراد عید کی وہ باجماعت نماز ہے جو امام کی اقتدا میں ادا کی جائے اور اس کے بعد خطبہ مسنونہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جب باجماعت نماز عید ادا کر لی جائے اور خطبہ مسنونہ بھی ہو چکے' تب قربانی کی جائے' پہلے نہیں۔ اس حکم میں دیہاتی اور شہری سبھی برابر کے شامل ہیں۔ مختلف اقوال میں سے یہی قول راجح ہے۔ ③ قربانی کا آخری وقت کیا ہے اس میں اختلاف ہے۔ امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ کے ہاں ذوالحجہ کی ۱۲ تاریخ کی شام تک اس کا آخری وقت ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ذوالحجہ کی ۱۳ تاریخ کی شام تک۔ داود ظاہری اور تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک منیٰ میں تو بارہ ذوالحجہ کی شام تک اور اس کے سوا صرف قربانی کے دن کی شام تک۔ اور ایک جماعت کی رائے یہ بھی ہے کہ ذوالحجہ کے آخری دن تک۔ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر میں امام شافعی رحمہ اللہ کے موقف کو دلیل کے اعتبار سے راجح قرار دیا ہے کہ ایام تشریق کے آخر یعنی ۱۳ ذوالحجہ کی شام تک قربانی جائز ہے۔ احادیث کی رو سے یہی موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم.

راویٔ حدیث: [حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ] حضرت جندب بن عبداللہ بن سفیان رضی اللہ عنہ بجیلہ قبیلے کی شاخ عَلَقَه سے ہونے کی وجہ سے بَجَلی عَلَقی کہلائے۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ بسا اوقات اپنے دادا کی طرف

١١٦٢ـ أخرجه البخاري، الأضاحي، باب من ذبح قبل الصلاة أعاد، حديث: ٥٥٦٢، ومسلم، الأضاحي، باب وقتها، حديث: ١٩٦٠.

منسوب کیے جاتے تھے۔ پہلے کوفہ میں تھے' پھر بصرہ میں تشریف لے گئے۔ ۶۰ ہجری کے بعد وفات پائی۔

(۱۱٦۳) وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «أَرْبَعٌ لَاتَجُوزُ فِي الضَّحَايَا: اَلْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ضَلَعُهَا، وَالْكَبِيرَةُ الَّتِي لَا تُنْقِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ.

[1163] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''چار قسم کے عیوب قربانی کے جانوروں میں نہیں ہونے چاہییں: کانا جس کا کانا پن بالکل واضح ہو' بیمار جانور جس کی بیماری عیاں ہو' لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن نمایاں اور ظاہر ہو اور نہایت بوڑھا جانور کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: اَلْعَوْرَاءُ جس کی ایک آنکھ کی بصارت جاتی رہی ہو۔ اَلْبَیِّنُ ظاہر اور واضح۔ عَوَرُهَا ''عین'' اور ''واو'' دونوں پر فتحہ ہے' یعنی دونوں آنکھوں میں سے کسی ایک کی بینائی نہ ہو' اس کا واضح پتہ چل رہا ہو۔ وَالْمَرِیضَةُ الْبَیِّنُ مَرَضُهَا بیمار ہو۔ چارہ بہت کم کھاتا ہو اور اس کا مرض اس کے گوشت کی کمی اور خرابی کی وجہ سے واضح اور نمایاں ہو۔ اَلْعَرْجَاءُ اس جانور کو کہتے ہیں جس کی ایک ٹانگ میں چوٹ وغیرہ آئی ہو اور اس وجہ سے صحیح طور پر چل پھر نہ سکتا ہو' یعنی لنگڑا ہو۔ ضَلَعُهَا ''ضاد'' اور ''لام'' دونوں پر فتحہ ہے اور ''لام'' پر سکون بھی جائز ہے۔ اس کا لنگڑا پن' لنگڑے پن کا عموماً اس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ وہ جانور صحیح طور پر چل پھر نہ سکے یا چراگاہ میں دوسرے جانوروں کے ساتھ مل کر چرنے کے لیے نہ جا سکے یا جائے بھی تو پیچھے رہ جائے۔ اَلَّتِي لَا تُنْقِي تُنْقِي باب افعال سے ہے' یعنی لاغر اور کمزور ہونے کی بنا پر اس کی ہڈیوں میں گودا وغیرہ نہ ہو۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا چاروں یا ان میں سے کسی ایک عیب والا جانور قربانی کے لائق نہیں۔ اور اسی طرح کا دوسرا کوئی عیب یا جو اس سے بھی قبیح ہو۔ اس کی بنا پر بھی جانور قربانی کے لائق نہیں ہوگا۔ ② عیب کے واضح اور نمایاں ہونے کی قید اس چیز کی متقاضی ہے کہ قربانی کے جانوروں میں معمولی نوعیت کا کوئی نقص وعیب قابل گرفت نہیں۔ معاف ہے' قابل درگزر ہے۔

(۱۱٦٤) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تَذْبَحُوا إِلَّا مُسِنَّةً، إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ، فَتَذْبَحُوا جَذَعَةً

[1164] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(قربانی میں) دو دانتا ہی ذبح کرو لیکن اگر تمھیں مشکل اور دشواری پیش آ جائے تو پھر بھیڑ کی جنس

۱۱٦۳۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، حديث: ۲۸۰۲، والترمذي، الأضاحي، حديث: ۱٤۹۷، والنسائي، الضحايا، حديث: ٤۳۷٤، وابن ماجه، الأضاحي، حديث: ۳۱٤٤، وأحمد: ٤/ ۳۰۰، وابن حبان (الإحسان): ۷/ ٥٦٦، حديث: ٥۸۹۱.

۱۱٦٤۔ أخرجه مسلم، الأضاحي، باب سن الأضحية، حديث: ۱۹٦۳.

مِنَ الضَّأْنِ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

میں سے جذعہ ذبح کرلو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: | مُسِنَّةً | ''میم'' پر ضمہ، ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''نون'' مشدد ہے۔ اس جانور کو کہتے ہیں جس نے اپنے سامنے کے دونوں دانت گرا دیے ہوں اور ان کی جگہ نئے دو دانت نکل رہے ہوں۔ | أَنْ يَعْسُرَ | قربان کرنا دشوار اور مشکل ہو جائے بایں طور کہ اس عمر کا جانور بآسانی دستیاب نہ ہو یا اتنا گراں ہو کہ قوت خرید اجازت نہ دیتی ہو۔ | جَذَعَةً | ''جیم'' اور ''ذال'' دونوں پر فتحہ ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں: چوپایوں میں ایک معین اور خاص عمر کے جانور کو جذعہ کہتے ہیں، چنانچہ بھیڑ کی جنس میں سے اسے جذعہ کہا جاتا ہے جس کی عمر ایک سال پوری ہو چکی ہو۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ اس کی بابت ایک قول یہ ہے کہ ایک سال سے کم عمر والے کو جذعہ کہتے ہیں جبکہ ایک قول چھ ماہ کا' ایک آٹھ ماہ کا اور ایک دس ماہ کا بھی ہے۔ امام وکیع رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق چھ یا سات ماہ والے کو جذعہ کہتے ہیں۔ اور ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ بھیڑوں کے جوان جوڑے کا چھ سات ماہ کا بچہ، اور بوڑھے جوڑے کا آٹھ دس ماہ کا بچہ جذعہ کہلاتا ہے۔ رہا بکری کی جنس میں سے جذعہ تو اس سے مراد وہ ہے جو عمر کے دوسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو اور گائے کی جنس میں سے جذعہ وہ ہے جو مکمل تین سال کا ہو چکا ہو۔ اور اونٹ کی جنس میں سے اسے جذعہ کہتے ہیں جس کی عمر کا پانچواں سال شروع ہو چکا ہو۔ (فتح الباري: ١٠/ ٨٧۔ ملخصاً)

فوائد و مسائل: اس حدیث میں صراحت ہے کہ قربانی کے لیے بھیڑ کا جذعہ تب جائز ہے جب دو دانتا جانور میسر نہ ہو۔ لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ بھیڑ کے جذعے کی قربانی بہرصورت جائز ہے' دو دانتا ملے یا نہ ملے۔ اور انھوں نے اس حدیث کو استحباب اور افضلیت پر محمول کیا ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ کی رائے ہے۔ اور دلائل کی رو سے یہی موقف اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ گویا اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تمھارے لیے مستحب اور افضل یہ ہے کہ دو دانتا ہی ذبح کرو۔ اگر تم عاجز ہو اور تمھارے بس میں نہ ہو تو پھر بھیڑ کی جنس' یعنی دنبے اور چھترے کا جذعہ ذبح کرلو۔ رہا بھیڑ کے سوا کسی اور جنس کا جذعہ! تو وہ کسی صورت میں قربانی کے لیے کفایت نہیں کر سکتا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (سنن ابن ماجہ، اردو طبع دارالسلام' حدیث: ۳۱۴۰' ۳۱۴۱ کے فوائد و مسائل)

(١١٦٥) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ، وَلَا نُضَحِّيَ بِعَوْرَاءَ، وَلَا مُقَابَلَةٍ، وَلَا مُدَابَرَةٍ، وَلَا خَرْقَاءَ، وَلَا شَرْقَاءَ. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

[1165] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی والے جانور کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔ اور ہم کانا ایسا جانور ذبح نہ کریں جس کے کان کا سامنے والا یا پیچھے والا حصہ کٹا ہوا ہو' یا کان میں سوراخ ہو یا جس کا کان لمبائی میں کٹا ہو۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ترمذی' ابن حبان اور حاکم

١١٦٥ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أبوداود، الضحايا، باب ما يكره من الضحايا، حديث: ٢٨٠٤، والترمذي، الأضاحي، حديث: ١٤٩٨، والنسائي، الضحايا، حديث: ٤٣٧٩، وابن ماجه، الأضاحي، حديث: ٣١٤٢، وأحمد: ١/ ٩٥، ١٠١، ١٠٨، وابن حبان (الإحسان): ٧/ ٥٦٦، ٥٨٩٠، والحاكم: ٤/ ٢٢٤.

نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [نَسْتَشْرِفَ] ہم گہری نظر سے دیکھ لیں۔ [وَلَا مُقَابَلَةٍ] ''با'' پر فتحہ ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ یہ ایسی بکری کو کہتے ہیں جس کا کان اگلی جانب سے کاٹ کر لٹکتا چھوڑ دیا جائے۔ [مُدَابَرَةٍ] ''با'' پر فتحہ ہے۔ یہ ایسی بکری کو کہتے ہیں جس کے کان کو پیچھے سے کاٹ کر لٹکتا چھوڑ دیا جائے۔ [خَرْقَاءَ] وہ بکری جس کے کان میں گول سوراخ ہو۔ خرق کے معنی سوراخ کے ہیں۔ [شَرْقَاءَ] لمبائی میں جس کا کان کٹا ہوا ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ شرقاء اس بکری کو کہتے ہیں جس کا کان لمبائی میں کٹا ہوا اور خرقاء وہ ہے جس کا کان عرض یعنی چوڑائی میں کٹا ہو۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ میں اسی روایت کو حسن قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل محقق کو یہاں سہو ہو گیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر محققین نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۲/ ۱۳۴ و ۲۱۱) بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل ہے۔ واللّٰہ أعلم۔

(١١٦٦) وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنْ أَقُومَ عَلٰى بُدْنِهِ، وَأَنْ أَقْسِمَ لُحُومَهَا وَجُلُودَهَا وَجِلَالَهَا عَلَى الْمَسَاكِينِ، وَلَا أُعْطِيَ فِي جُزَارَتِهَا شَيْئًا مِنْهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1166] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے قربانی کے اونٹوں کی نگرانی پر مامور کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کے گوشت' کھالیں اور جھول مساکین میں تقسیم کر دوں اور قصاب کی اجرت میں اس میں سے کچھ بھی نہ دوں۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [عَلٰى بُدْنِهِ] ''با'' پر ضمہ اور ''دال'' ساکن ہے۔ بَدَنَةٌ کی جمع ہے۔ بدنہ اصل میں تو اونٹ کو کہتے ہیں لیکن گائے کو بھی اس میں شامل کیا گیا ہے۔ [جِلَالَهَا] جلال' جُل کی جمع ہے۔ بطور تحفظ جو کپڑا جانور پر ڈالا جائے اسے جل کہتے ہیں۔ [جُزَارَتِهَا] ''جیم'' پر ضمہ ہے۔ اس اجرت ومعاوضے کو کہتے ہیں جو قصاب ذبح کے عوض وصول کرتا ہے۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں قربانی کے اونٹوں سے مراد حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے قربان کردہ وہ اونٹ ہیں جنھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے۔ ان کی تعداد ایک سو تھی۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کا گوشت' اس کا چمڑا اور اس سے متعلق سامان' پالان اور رسی وغیرہ سب کچھ خیرات کر دینا چاہیے اور قصاب کو اجرت اس گوشت میں سے نہیں دی جا سکتی۔ اجرت ومعاوضہ الگ سے دینا چاہیے۔

(١١٦٧) وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللّٰهُ

[1167] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

١١٦٦ـ أخرجه البخاري، الحج، باب لا يعطي الجزار من الهدي شيئا، حديث: ١٧١٦، ١٧١٧، ومسلم، الحج، باب الصدقة بلحوم الهدايا وجلودها وجلالها....، حديث: ١٣١٧.

١١٦٧ـ أخرجه مسلم، الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي، حديث: ١٣١٨.

تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَدَنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

ہم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اونٹ اور گائے کو سات سات آدمیوں کی جانب سے قربان کیا۔ (مسلم)

فائدہ: سات افراد کی طرف سے اونٹ یا گائے ذبح کرنے کا یہ ضابطہ واصول حج اور عمرہ سے متعلق ہے۔ بنابریں حج اور عمرہ میں گائے اور اونٹ دونوں میں صرف سات افراد ہی شریک ہوں گے۔ جبکہ عام قربانی میں ایک اونٹ دس افراد کی طرف سے بھی جائز ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے۔ قربانی کا وقت آ گیا تو ہم گائے میں سات آدمی شریک ہوئے اور اونٹ میں دس آدمی۔ (جامع الترمذي' الأضاحي' حديث: ٩٠٥' و ١٥٠١' وسنن ابن ماجه' الأضاحي' حديث: ٣١٣١)

٣ - بَابُ الْعَقِيقَةِ

باب:3- عقیقے سے متعلق احکام ومسائل

(١١٦٨) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَقَّ عَنِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ كَبْشًا كَبْشًا. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ الْجَارُودِ وَعَبْدُ الْحَقِّ، لٰكِنْ رَجَّحَ أَبُو حَاتِمٍ إِرْسَالَهُ، وَأَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ نَحْوَهُ.

[1168] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا عقیقہ کیا۔ (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور ابن خزیمہ ابن جارود اور عبدالحق نے اسے صحیح کہا ہے لیکن ابوحاتم نے اس کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے' نیز ابن حبان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْعَقِيقَةِ] عقيقة کے "عین" پر فتحہ ہے۔ اس ذبیحے کو کہتے ہیں جو نومولود کی طرف سے ذبح کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل میں تو عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو شکم مادر میں نومولود کے سر پر نکلتے ہیں اور اس حالت میں نومولود کی طرف سے جو بکری ذبح کی جاتی ہے اسے عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسے ذبح کرتے وقت نومولود کا سر مونڈا جاتا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقیقہ' عق سے ماخوذ ہے جس کے معنی پھاڑنے اور کاٹنے کے ہیں۔ نومولود کی طرف سے ذبح کی جانے والی بکری کو عقیقہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کے گلے کو کاٹ کر اعضاء کو ٹکڑے کر دیا جاتا ہے اور پیٹ کو چیر پھاڑ دیا جاتا ہے۔ [عَقَّ] اس کے معنی ہیں: ذبح کیا۔ [كَبْشًا كَبْشًا] ان دونوں میں سے ہر ایک کی جانب سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔

وضاحت: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا مختصر تذکرہ كتاب الصلاة کے باب صفة الصلاة کے تحت ہو چکا ہے اور حضرت

١١٦٨ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأضاحي، باب في العقيقة، حديث: ٢٨٤١، وهو في علل الحديث لابن أبي حاتم: ٢/ ٤٩، حديث: ١٦٣١، وحديث أنس: أخرجه ابن حبان (الموارد)، حديث: ١٠٦١ وهو حديث صحيح.

حسین رضی اللہ عنہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے اور ان سے تقریباً ایک سال چھوٹے تھے۔ دونوں رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور آپ کی خوشبو تھے۔ ۶۱ ہجری عاشوراء کے دن سرزمین عراق کے میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۵۴ سال تھی۔ محتاج تعارف نہیں ہیں۔

(۱۱۶۹) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ أَمَرَهُمْ أَنْ يُعَقَّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مُكَافِئَتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ، وَأَخْرَجَ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ عَنْ أُمِّ كُرْزٍ الْكَعْبِيَّةِ نَحْوَهُ.

[1169] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو حکم دیا کہ لڑکے کی طرف سے دو ایک جیسی بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ (کے طور پر ذبح) کی جائے۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے' احمد اور چاروں نے ام کُرز کعبیہ سے اسی طرح کی روایت بیان کی ہے۔)

لغوی تشریح: أَنْ يُعَقَّ صیغۂ مجہول ہے۔ مُكَافِئَتَانِ "فا" کے نیچے کسرہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ایک جیسی یا ایک دوسری کی تقریباً ہم عمر بکریاں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر' جسم اور قیمت وغیرہ میں ایسی درمیانی درجے کی ہوں جیسی قربانی اور زکاۃ میں دی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی قول ہے کہ دونوں شکل وصورت اور رنگ میں ایک دوسری کی مثل ہوں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ذبح ہونے میں برابر ہوں' یعنی دونوں اکٹھی ذبح کی جائیں' مثلاً یہ نہ ہو کہ ایک صبح کو ذبح کی جائے اور ایک شام کو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی کی ترجیح دی ہے۔ دیکھیے: (فتح الباري: ۹/۷۳۳)

فائدہ: مذکورہ روایت میں بچے کی طرف سے دو جانور اور بچی کی طرف سے ایک جانور ذبح کرنے کا ذکر ہے جبکہ گزشتہ روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک جانور عقیقہ کے طور پر ذبح کیا۔ ان دونوں احادیث میں کوئی تعارض نہیں بلکہ علمائے کرام اس کی بابت فرماتے ہیں کہ افضل اور مستحب یہی ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو جانور اور لڑکی کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے' تاہم لڑکے کی طرف سے بھی ایک جانور ذبح کرنا جائز ہے جیسا کہ گزشتہ حدیث سے ثابت ہے۔ بنابریں اگر کسی کے پاس دو جانور نہ ہوں تو لڑکے کی طرف سے بھی عقیقے میں ایک جانور ذبح کرنا جائز ہے۔ واللہ أعلم۔

راویٔ حدیث: ام کُرز کعبیہ رضی اللہ عنہا بنوخزاعہ قبیلے سے تھیں' اس لیے خزاعیہ کہلائیں۔ شرف صحابیت سے مشرف تھیں۔ ان سے کئی احادیث منقول ہیں۔ کرز کے "کاف" پر ضمہ اور "را" ساکن ہے۔

(۱۱۷۰) وَعَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ،

[1170] حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ

۱۱۶۹۔ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، الأضاحي، باب ما جاء في العقيقة، حديث: ۱۵۱۳، وابن حبان (الموارد)، حديث: ۱۰۵۸. وحديث أم كرز: أخرجه أبوداود، الضحايا، حديث: ۲۸۳٤، والترمذي، الأضاحي، حديث: ۱۵۱٦، والنسائي، العقيقة، حديث: ٤۲۲۱، وابن ماجه، الذبائح، حديث: ۳۱٦۲، وأحمد: ٦/٤۲۲ وهو حديث صحيح.

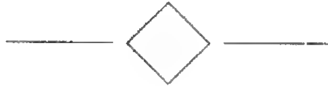
۱۱۷۰۔ [صحيح] أخرجه أبوداود، الأضاحي، باب في العقيقة، حديث: ۲۸۳۸، والترمذي، الأضاحي، حديث: ۱۵۲۲، والنسائي، العقيقة، حديث: ٤۲۲۵، وابن ماجه، الذبائح، حديث: ۳۱٦۵، وأحمد: ۵/۱۷.

أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «كُلُّ غُلَامٍ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

ﷺ نے فرمایا: ''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض رہن (گروی) ہوتا ہے۔ (پیدائش کے) ساتویں روز اس کا عقیقہ کیا جائے' سر کے بال منڈائے جائیں اور اس کا نام رکھا جائے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [مُرْتَهَنٌ] اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ رہن رکھا ہوا۔ امام خطابی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مُرْتَهَنٌ کے مفہوم میں اختلاف ہے اور سب سے عمدہ بات وہ ہے جو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ یہ شفاعت کے متعلق ہے' یعنی جب بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچہ فوت ہو جائے تو وہ اپنے والدین کے حق میں سفارش نہیں کرے گا۔ اور یہ بھی قول ہے کہ عقیقہ لازمی ہے اس کے کیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں' اسی لیے بچے کو رہن سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح رہن' مرتہن (گروی لینے والے) کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے' اسی طرح بچے کی طرف سے عقیقہ بھی ضروری ہے۔ اس مفہوم سے ان حضرات کی تائید ہوتی ہے جو عقیقے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے بالوں کی گندگی و ناپاکی کے عوض رہن ہے' اس لیے ایک حدیث میں ہے: [فَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى] یعنی اس سے میل کچیل دور کرو۔ (سنن أبي داود' الضحايا' حديث:٢٨٣٩) [يَوْمَ سَابِعِهِ] یعنی ساتویں روز عقیقہ کرو۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں روز بچے کے سر کی پیدائشی آلائش صاف کر کے' یعنی اس کے سر کے بال اتروا کر بچے کو نہلایا جائے۔ اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور اس کا نام بھی رکھا جائے۔ ② مذکورہ روایت میں ساتویں روز عقیقہ کرنے کا ذکر ہے' البتہ اگر ساتویں روز بہ امر مجبوری ممکن نہ ہو تو چودھویں اور اکیسویں دن بھی کیا جا سکتا ہے' تاہم افضل یہی ہے کہ ساتویں دن کیا جائے۔ ③ نام ساتویں دن رکھنا چاہیے' تاہم اس سے پہلے بھی رکھا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض بچوں کا نام پہلے دن تجویز فرمایا تھا۔ دیکھیے: (صحيح البخاري' العقيقة' حديث:٥٤٦٧' وصحيح مسلم' الآداب' حديث:٢١٤٤)



١٣ - كِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُورِ

قسموں اور نذروں سے متعلق احکام و مسائل

(١١٧١) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ. أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ، وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**أَلَا إِنَّ اللّٰهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللهِ أَوْ لِيَصْمُتْ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ وَالنَّسَائِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَرْفُوعًا: «**لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، وَلَا بِأُمَّهَاتِكُمْ، وَلَا بِالْأَنْدَادِ، وَلَا تَحْلِفُوا بِاللهِ إِلَّا وَأَنْتُمْ صَادِقُونَ**».

[1171] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک کارواں میں اپنے باپ کی قسم اٹھاتے سنا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں بلا کر فرمایا: ''سن لو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے آباء و اجداد کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے' چنانچہ جو قسم کھانا چاہے تو اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔'' (بخاری و مسلم)

ابوداود اور نسائی کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں ہے: ''اپنے باپ دادوں' اپنی ماؤں اور اللہ کے شریکوں کی قسم نہ کھاؤ۔ اللہ کی قسم بھی صرف اس حالت میں کھاؤ کہ جب تم سچے ہو۔''

١١٧١ـ أخرجه البخاري، الأيمان والنذور، باب لا تحلفوا بآبائكم، حديث:٦١٠٨، ومسلم، الأيمان، باب النهي عن الحلف بغير الله تعالى، حديث:١٦٤٦، وحديث أبي هريرة: أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، حديث:٣٢٤٩، والنسائي، الأيمان والنذور، حديث:٣٧٩٧، ٣٧٩٨، وسنده صحيح

لغوی تشریح: [كِتَابُ الْأَيْمَان] ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے۔ یمین کی جمع ہے۔ لغت میں یمین' ہاتھ کو کہتے ہیں اور حلف (قسم) پر اس کا اطلاق اس لیے کیا گیا ہے کہ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب دو شخص اپنے کسی باہمی معاملے پر قسمیں کھاتے تو ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے۔ اور اصطلاح شرع میں کسی شے کو پختہ اور مؤکد کرنے کے لیے اللہ کا ذاتی یا صفاتی نام لے کر قسم کھانا یمین کہلاتا ہے۔ یمین کی یہی تعریف سب سے مختصر اور جامع ہے۔ [اَلنُّذُور] نذر کی جمع ہے اور اس کی اصل إنذار ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ نذر کے معنی کسی اہم امر کے رونما ہونے کی وجہ سے غیر واجب چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینے کے ہیں۔ [فِي رَكْبٍ] ''را'' پر فتحہ اور ''کاف'' ساکن ہے۔ راکب کی جمع ہے۔ مطلب ہے کہ ایک قافلہ و کارواں میں تھے اور وہ کارواں کسی غزوے کے لیے جا رہا تھا۔ [فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ] اللہ کے نام و صفات کی قسم کھانی چاہیے۔ [أَوْلِيَصْمُتْ] یا پھر خاموش رہے۔ صَمَتَ' نَصَرَ يَنْصُرُ کے وزن پر ہے۔ لام اس میں امر کا ہے۔ [وَلَا بِالْأَنْدَادِ] أنداد سے یہاں اصنام اور بت مراد ہیں۔ أنداد، نِدٌّ کی جمع ہے۔ ند کے ''نون'' کے نیچے کسرہ اور ''دال'' مشدد ہے۔ اور یہ مثل کے معنی میں ہے۔ صنم کو ند اس لیے کہا گیا ہے کہ مشرکین اسے بھی اللہ کی طرح عبادت کے لائق سمجھتے تھے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث دلیل ہے کہ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا حرام ہے۔ جامع الترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔'' (جامع الترمذي' النذور والأيمان' حديث:١٥٣٥) امام ابوداود رحمہ اللہ نے یہی روایت ان الفاظ سے نقل کی ہے: ''جس کسی نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔'' (سنن أبي داود' الأيمان والنذور' حديث:٣٢٥١) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی کے نام کی قسم کھانا اس کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے اور عظمت فی الحقیقت صرف اللہ کے لیے ہے۔ ② قدیم ترین زمانے سے لوگوں کا یہ عقیدہ چلا آ رہا ہے کہ جس کے نام کی قسم کھائی جائے اس کا قسم کھانے والے پر غلبہ ہوتا ہے اور وہ مافوق الاسباب بھی نفع و نقصان دینے کی طاقت رکھتا ہے' چنانچہ جب قسم کھانے والا اپنی قسم پوری کرتا ہے تو جس کی قسم کھائی گئی ہوتی ہے وہ خوش ہوتا اور اسے نفع دیتا ہے، اور جب قسم کھانے والا اپنی قسم پوری نہیں کرتا تو وہ اس پر ناراض ہوتا اور اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ بلاشبہ ایسا عقیدہ غیر اللہ کے بارے میں رکھنا کھلا شرک و کفر ہے اور غیر اللہ کے نام کی قسم اور غیر اللہ کے نام کی نذر شرک ہی کی ایک صورت ہے' لہٰذا جب کوئی اس اعتقاد کے ساتھ قسم کھائے تو اس نے حقیقت میں شرک کا ارتکاب کیا، اور جب قسم کھائے اور یہ اعتقاد و نظریہ نہ ہو تو پھر اس نے کم از کم شرک کی ایک ظاہری صورت کا ارتکاب ضرور کر لیا ہے۔ ③ شریعت نے شرک کی ظاہری صورتوں سے بھی اسی طرح منع کیا ہے جیسے حقیقی شرک سے منع فرمایا ہے۔

(١١٧٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «يَمِينُكَ عَلٰى مَا

[1172] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیری قسم اس چیز پر واقع ہوگی جس پر تیرا

١١٧٢ـ أخرجه مسلم، الأيمان، باب اليمين على نية المستحلف، حديث: ١٦٥٣.

يُصَدِّقُكَ بِهِ صَاحِبُكَ». وَفِي رِوَايَةٍ: «اَلْيَمِينُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ». أَخْرَجَهُمَا مُسْلِمٌ.

ساتھی تجھے سچا سمجھے۔'' اور ایک روایت میں ہے: ''قسم کا دارومدار قسم لینے والے کی نیت پر ہے۔'' (ان دونوں احادیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [يُصَدِّقُكَ] تصدیق سے ماخوذ ہے۔ [صَاحِبُكَ] اس سے مراد حریف اور فریق مخالف ہے۔ معنی یہ ہیں کہ وہ قسم، قسم لینے والے پر پڑے گی جبکہ توریہ (ارادہ کی ہوئی چیز کا اس طرح اظہار کہ حقیقت مخفی رہے) اس میں اثر انداز نہیں ہوسکتا، چنانچہ اگر قسم کھانے والا، قسم لینے والے کی نیت کے برعکس اپنے دل میں کوئی تاویل چھپا رکھے تو وہ جھوٹی قسم کا مرتکب ہوگا اور گناہ گار ٹھہرے گا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کھانا جائز ہے اور قسم کا اعتبار تب ہوگا جب مدعی کی مراد کے مطابق قسم کھائی جائے۔

(١١٧٣) وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَإِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِينٍ، فَرَأَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا، فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ وَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: «فَائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ، وَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ». وَفِي رِوَايَةٍ لِأَبِي دَاوُدَ: «فَكَفِّرْ عَنْ يَمِينِكَ، ثُمَّ ائْتِ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ». وَإِسْنَادُهَا صَحِيحٌ.

[1173] حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم کسی کام پر قسم کھالو پھر اس کے سوا کسی اور کام کو اس سے بہتر سمجھو تو قسم کا کفارہ ادا کرو اور جو بہتر کام ہے وہ کرلو۔'' (بخاری و مسلم) اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں: ''جو کام بہتر ہے اسے کرو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔'' اور ابوداود کی روایت میں اس طرح ہے: ''اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو پھر اس کے بعد جو کام بہتر ہے وہ کرو۔'' (اس روایت کی سند صحیح ہے۔)

لغوی تشریح: [كَفِّرْ] تکفیر سے امر کا صیغہ ہے۔ مطلب ہے کہ اس کا کفارہ ادا کر۔ [وَائْتِ] إتيان سے امر کا صیغہ ہے، یعنی کرو۔

فائدہ: حدیث کے مجموعی الفاظ کفارے کی ادائیگی قسم توڑنے سے پہلے بھی اسی طرح جائز قرار دیتے ہیں جس طرح قسم توڑنے کے بعد۔ جمہور کا یہی مسلک ہے مگر احناف کے نزدیک قسم کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کرنا کسی صورت درست نہیں ہے۔ لیکن ابوداود کی مذکورہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس میں کفارے کے بعد ثُمَّ کے لفظ سے ''امر خیر'' کا حکم ہے، اور ثُمَّ کا لفظ ترتیب کا مقتضی ہے۔

راوئ حدیث: [حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ] ان کی کنیت ابوسعید ہے۔ شرف صحابیت سے مشرف ہیں۔ فتح

١١٧٣۔ أخرجه البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾، حديث:٦٦٢٢، ومسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا فرأى غيرها خيرا منها ...، حديث:١٦٥٢، وأبوداود، الأيمان والنذور، حديث:٣٢٧٧.

مکہ کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ سجستان اور کابل کے فاتح ہیں۔ بصرہ میں سکونت پذیر ہوئے اور یہیں ۵۰ ہجری میں یا اس کے بعد وفات پائی۔

(۱۱۷۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «**مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ، فَقَالَ: إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1174] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی کام پر قسم کھائے اور ساتھ ہی ان شاء اللہ کہے تو اس پر قسم توڑنے کا جرم نہیں ہے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے' نیز ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر قسم کھانے والا ساتھ ہی ان شاء اللہ کہہ دے تو وہ قسم توڑنے کا مرتکب کہلائے گا نہ اس پر کفارہ لازم ہوگا کیونکہ قسم کو جب مشیت الٰہی سے مقید کر دیا جائے تو بالاتفاق وہ قسم منعقد نہیں ہوتی۔

(۱۱۷۵) وَعَنْهُ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَتْ يَمِينُ النَّبِيِّ ﷺ: «**لَا، وَمُقَلِّبِ الْقُلُوبِ**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1175] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی قسم کے الفاظ یہ ہوتے تھے: ''نہیں! قسم ہے اس ذات کی جو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا] پہلی بات کی نفی اور تردید کے لیے ہوتا ہے۔ [وَ مُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ] یہاں ''واؤ'' قسمیہ ہے اور مُقَلِّب اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور دلوں کو بدلنے سے مراد ان کی حالت وکیفیت کو بدلنا اور ایک رائے سے دوسری رائے کی طرف پھیرنا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے قسم کھانے کا انداز وطریقہ بیان ہوا ہے کہ پہلے جو گفتگو یا بات ہو رہی ہوتی تھی اگر درست نہ ہوتی تو آپ پہلے لفظ لا سے اس کی تردید اور نفی فرماتے' پھر اللہ کے صفاتی نام سے قسم کھاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات علیا سے بھی قسم کھانی جائز ہے' خواہ اس صفت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہو جیسے علم اور قدرت' خواہ صفت فعلی سے ہو جیسا کہ قہر اور غلبہ وغیرہ۔

(۱۱۷۶) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! مَا الْكَبَائِرُ؟ - فَذَكَرَ

[1176] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ (پھر راوی نے

۱۱۷۴ـ [صحيح] أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، باب الاستثناء في اليمين، حديث: ۳۲۶۱، والترمذي، النذور والأيمان، حديث: ۱۵۳۱، والنسائي، الأيمان والنذور، حديث: ۳۸۲۴، وابن ماجه، الكفارات، حديث: ۲۱۰۵، ۲۱۰۶، وأحمد: ۲/ ۱۰، وابن حبان (الموارد)، حديث: ۱۱۸۳، ۱۱۸۴.

۱۱۷۵ـ أخرجه البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ، حديث: ۶۶۲۸.

۱۱۷۶ـ أخرجه البخاري، استتابة المرتدين ....، باب إثم من أشرك بالله ....، حديث: ۶۹۲۰.

الْحَدِيثَ، وَفِيهِ - «اَلْيَمِينُ الْغَمُوسُ»-وَفِيهِ- قُلْتُ: وَمَا الْيَمِينُ الْغَمُوسُ؟ قَالَ: «اَلَّتِي يُقْتَطَعُ بِهَا مَالُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ، هُوَ فِيهَا كَاذِبٌ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

ساری حدیث بیان کی۔) اس حدیث میں ہے: ''جھوٹی قسم (بھی کبیرہ گناہ ہے۔'') اور اس میں یہ بھی ہے: میں نے عرض کیا: جھوٹی قسم کون سی ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''جھوٹی قسم وہ ہے جس کے ذریعے سے کسی مسلمان شخص کا مال اڑا لیا جائے' حالانکہ وہ (قسم کھانے والا) اس میں سراسر جھوٹا ہو۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَا الْكَبَائِرُ؟] کبائر' کبیرۃ کی جمع ہے' یعنی بڑے بڑے گناہ۔ [اَلْيَمِينُ الْغَمُوسُ] جھوٹی قسم۔ غَمُوس کے ''غین'' پر فتحہ ہے اور یہ فعول کے وزن پر غمس سے ماخوذ ہے۔ غمس کے معنی ہیں: پانی میں غوطہ دینا اور ڈبونا۔ اس کا نام غموس اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا انسان گناہ میں غرق ہو کر دوزخ کی آگ کا ایندھن بن جاتا ہے۔

(١١٧٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَـٰنِكُمْ﴾ قَالَتْ: هُوَ قَوْلُ الرَّجُلِ: لَا، وَاللهِ. وَبَلٰى وَاللهِ، أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ، وَرَوَاهُ أَبُودَاوُدَ مَرْفُوعًا.

[1177] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَانِكُمْ﴾ (البقرۃ ۲:۲۲۵) ''اللہ تعالیٰ تم سے تمھاری لغو قسموں کا مؤاخذہ نہیں کرے گا'' کی تفسیر میں فرمایا: اس سے مراد انسان کا یہ کہنا ہے: نہیں' اللہ کی قسم! ہاں' اللہ کی قسم! (اسے بخاری نے روایت کیا ہے اور ابوداود نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَغْو] فضول' بے فائدہ اور بے ثمرہ بات کو کہتے ہیں۔ اور لغو قسم یہ ہے کہ آدمی دلی ارادے اور قصد کے بغیر ہی قسم کھالے بلکہ زبان پر یونہی جاری ہو جائے' جسے ہم تکیہ کلام کہتے ہیں کہ بات بات پر قسم کھا جانا۔

(١١٧٨) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِينَ اسْمًا، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ».

[1178] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں' جس نے انھیں حفظ کیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' (بخاری و

١١٧٧ـ أخرجه البخاري، الأيمان والنذور، باب: ﴿لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم﴾، حديث: ٦٦٢١، وأبوداود، الأيمان والنذور، حديث: ٣٢٥٤.

١١٧٨ـ أخرجه البخاري، الشروط، باب ما يجوز من الاشتراط ....، حديث: ٢٧٣٦، ومسلم، الذكر والدعاء، باب في أسماء الله تعالى ....، حديث: ٢٦٧٧، سرد الأسماء عند الترمذي، الدعوات، حديث: ٣٥٠٧، وابن حبان (الإحسان): ٢/ ٨٨، ٨٩، حديث: ٨٠٥، وسنده ضعيف، الوليد بن مسلم لم يصرح بالسماع المسلسل.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَسَاقَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ حِبَّانَ الْأَسْمَاءَ، وَالتَّحْقِيقُ أَنَّ سَرْدَهَا إِدْرَاجٌ مِّنْ بَعْضِ الرُّوَاةِ.

مسلم) ترمذی اور ابن حبان نے بھی وہ نام بیان کیے ہیں لیکن تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ ان اسماء کی تفصیل کسی راوی کی طرف سے ادراج ہے۔

لغوی تشریح: [مَنْ أَحْصَاهَا] ایک روایت میں مَنْ حَفِظَهَا ہے اور یہ دراصل أَحْصٰی کی تفسیر ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ جس نے ان اسماء کو پوری طرح ذہن و حافظے میں محفوظ کر لیا اور ان تمام اسماء سے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی تو وہ اس ثواب اور اجر کا مستحق ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کسی نے ان اسماء کو باقاعدگی سے پڑھا اور ان کے مقتضا کے مطابق عمل کیا وہ اس اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو انھیں شمار کرے گا یا یاد کرے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن ان ننانوے ناموں کی تفصیل کسی ایک ہی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے جو نام قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ واللہ أعلم. اسمائے حسنیٰ کی مکمل تفصیل اور تحقیق کے لیے دیکھیے: (قرآنی و اسلامی ناموں کی ڈکشنری اور نومولود کے احکام و مسائل، طبع دارالسلام) ② مذکورہ حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے سے مقصود یہ بتانا ہے کہ جس کسی نے ان اسماء کے ساتھ قسم کھائی تو وہ قسم منعقد ہو جائے گی اور درست ہوگی۔

(١١٧٩) وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ صُنِعَ إِلَيْهِ مَعْرُوفٌ، فَقَالَ لِفَاعِلِهِ: جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا، فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1179] حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس سے نیکی اور اچھا برتاؤ کیا جائے اور وہ اس نیکی اور احسان کرنے والے سے کہے: [جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا] اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ تو اس نے اس کی مدح کا حق ادا کر دیا۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [صُنِعَ] صیغۂ مجہول ہے۔ [مَعْرُوفٌ] احسان، عمدہ سلوک، بھلائی اور نیکی۔ [أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ] یعنی اس نے اس کی تعریف کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

فائدہ: سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث کو یہاں ذکر کرنا کِتَابُ الْأَيْمَانِ وَالنُّذُور کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ دراصل اس کا محل کتاب الجامع، باب الأدب ہے۔ واللہ أعلم.

(١١٨٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1180] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی ﷺ سے روایت

١١٧٩ـ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الثناء بالمعروف، حديث: ٢٠٣٥، وقال: حسن، وابن حبان (الإحسان): ٥/ ١٧٤، حديث: ٣٤٠٤.

١١٨٠ـ أخرجه البخاري، القدر، باب إلقاء العبد النذر إلى القدر، حديث: ٦٦٠٨، ومسلم، النذر، باب النهي عن النذر . . .، حديث: ١٦٣٩.

عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ نَهٰى عَنِ النَّذْرِ، وَقَالَ: «إِنَّهُ لَا يَأْتِي بِخَيْرٍ، وَ إِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيلِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

کیا ہے کہ آپ نے نذر ماننے سے منع کیا اور فرمایا: ''نذر خیر اور بھلائی کا باعث نہیں ہوتی۔ اس کے ذریعے سے تو صرف بخیل آدمی کا مال نکالا جاتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① نذر سے منع کرنے کا مقصد دراصل افضل کام کی طرف رہنمائی کرنا اور یہ بتانا ہے کہ صدقہ وخیرات وغیرہ کو مطلوب کے حصول سے معلق کرنا کسی صاحب عظمت و مروت کے شایان شان نہیں ہے۔ ② یہ عمل تو ایسا بخیل آدمی کرتا ہے جو کبھی خرچ نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو اس کے عوض افضل چیز کی خواہش کرتا ہے اور یہ اقدام ایسا شخص کرتا ہے جس کا دل صدقہ وخیرات پر آمادہ نہیں ہوتا الا یہ کہ جب اس کا ناطقہ بند ہو جاتا ہے اور حالات تنگ ہو جاتے ہیں تو حالات کی درستی کے لیے صدقہ وخیرات کی نذر مانتا ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تب صدقہ کرتا ہے ورنہ نہیں، مثلاً: وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ نے مجھے میرے مرض سے شفا بخش دی یا میرے مریض کو صحت و تندرستی سے نواز دیا تو میں اتنا مال راہ الٰہی میں خرچ کروں گا۔ اور وہ مال تب خرچ کرتا ہے جب اسے اس مرض سے صحت و تندرستی مل جاتی ہے جبکہ خرچ کرتے وقت بھی دل کی گھٹن موجود ہوتی ہے، لہٰذا نذر سے منع اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں ایسا گھٹیا پن ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ③ علاوہ ازیں نذر ماننے والا گویا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسے نذر ماننے کی صورت میں وہ چیز حاصل ہو جائے گی جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے مقدر میں نہیں رکھا۔ ہاں، اگر نذر ماننے والے کا یہ اعتقاد نہ ہو تو نذر ماننے کی اجازت ہے۔

(١١٨١) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ يَمِينٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَزَادَ التِّرْمِذِيُّ فِيهِ: «إِذَا لَمْ يُسَمِّهِ». وَصَحَّحَهُ.

[1181] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نذر کا کفارہ قسم والا کفارہ ہی ہے۔'' (مسلم) ترمذی نے اس میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''جب اس کی تعیین نہ کرے۔'' (اور اسے صحیح بھی قرار دیا ہے۔)

وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَرْفُوعًا: «مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِي مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ، وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيقُهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِينٍ». وَإِسْنَادُهُ صَحِيحٌ إِلَّا أَنَّ الْحُفَّاظَ رَجَّحُوا وَقْفَهُ.

اور ابوداود میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت میں ہے: ''جس کسی نے ایسی نذر مانی جس کی تعیین نہ کی تو اس کا کفارہ، قسم کا کفارہ ہے۔ اور جس نے معصیت کی نذر مانی تو اس کا کفارہ بھی کفارۂ قسم ہی ہے۔ اور جس نے ایسی نذر مانی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ بھی قسم کا کفارہ ہی ہے۔'' (اس کی سند صحیح ہے مگر حفاظ حدیث نے اس روایت کے موقوف ہونے کو راجح قرار دیا ہے۔)

١١٨١ـ أخرجه مسلم، النذر، باب في كفارة النذر، حديث: ١٦٤٥، والترمذي، النذور والأيمان، حديث: ١٥٢٨، وحديث ابن عباس: أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، حديث: ٣٣٢٢، وسنده حسن، وحديث عائشة: أخرجه البخاري، الأيمان والنذور، حديث: ٦٧٠٠، وحديث عمران: أخرجه مسلم، النذر، حديث: ١٦٤١.

وَلِلْبُخَارِيِّ مِنْ حَدِيثِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا: «وَمَنْ نَذَرَ أَنْ يَعْصِيَ اللّٰهَ فَلَا يَعْصِهِ».

اور بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے: ''جس نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو وہ اللہ کی نافرمانی نہ کرے۔''

وَلِمُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ عِمْرَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: «لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةٍ».

اور مسلم میں حضرت عمران رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ''معصیت کی نذر کو پورا کرنا درست نہیں۔''

فوائد و مسائل: ① [كَفَّارَةُ يَمِينٍ] قسم کا کفارہ ارشاد الٰہی کے مطابق یوں ہے: ﴿إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ﴾ (المآئدة٥:٨٩) ''دس مساکین کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو' یا انھیں کپڑے دینا یا غلام آزاد کرنا ہے۔ جو شخص اس کی ہمت نہ رکھتا ہو تو اسے تین روزے رکھنے ہوں گے۔ یہ ہے تمھاری قسموں کا کفارہ جب تم قسم کھالو۔'' ② امام شوکانی رحمہ اللہ نے نذر سے متعلق تمام روایات کو جمع کرنے کے بعد یہ خلاصہ تحریر کیا ہے کہ اگر معین نذر نیکی سے متعلق ہو' لیکن اس پر عمل کرنا طاقت سے باہر ہو تو اس میں قسم کا کفارہ ہے۔ اور اگر وہ انسانی طاقت و وسعت کے اندر ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے' چاہے اس کا تعلق بدن سے ہو یا مال سے۔ اور اگر وہ نذر کسی معصیت کی ہو تو اسے پورا نہ کرنا واجب ہے لیکن اس میں کفارے کی ادائیگی ضروری نہیں۔ جمہور علماء کا یہی موقف ہے، تاہم امام احمد، امام ابوحنیفہ اور بعض محققین کے نزدیک ضروری ہے جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلہ صحیحہ میں اس پر بحث کی ہے۔ دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: ١/٨٢٣، ٨٢٤، رقم: ٤٧٩) اگر اس نذر کا تعلق جائز اور مباح امر سے ہو اور وہ انسانی طاقت سے بالا بھی نہ ہو تو وہ نذر بھی منعقد ہو جائے گی اور اس میں کفارے کی ادائیگی بھی لازم ہو گی' جیسے پیدل حج کرنے والی صحابیہ کو آپ نے پیدل حج پر جانے سے منع فرمایا اور اسے سوار ہونے اور کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ اور اگر وہ کام انسانی طاقت سے بالا ہو تو اس میں کفارہ واجب ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (نيل الأوطار' أبواب الأيمان وكفاراتها' باب من نذر نذرا لم يسمه ولا يطيقه: ٨/٢٧٦-٢٧٨)

(١١٨٢) وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: نَذَرَتْ أُخْتِي أَنْ تَمْشِيَ إِلَى

[1182] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری بہن نے بیت اللہ تک ننگے پاؤں چل کر جانے کی نذر

١١٨٢ـ أخرجه البخاري، جزاء الصيد، باب من نذر المشي إلى الكعبة، حديث: ١٨٦٦، ومسلم، النذر، باب من نذر أن يمشي إلى الكعبة، حديث: ١٦٤٤، وحديث: "أن الله لا يصنع بشقاء أختك شيئًا" أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، حديث: ٣٢٩٣، ٣٢٩٥، والترمذي، النذور والأيمان، حديث: ١٥٤٤، والنسائي، الأيمان والنذور، حديث: ٣٨٤٥، وابن ماجه، الكفارات، حديث: ٢١٣٤، وأحمد: ٤/ ١٤٥ وسنده ضعيف، عبيدالله بن زحر ضعيف، ضعفه الجمهور، وتابعه بكر بن سوادة في رواية ابن لهيعة أخرجه أحمد: ٤/ ١٤٧، وابن لهيعة ضعيف من جهة سوء حفظه.

بَيْتِ اللهِ حَافِيَةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أَسْتَفْتِيَ لَهَا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لِتَمْشِ وَلْتَرْكَبْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

مانی اور اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کروں چنانچہ میں نے آپ سے پوچھا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''پیدل بھی چلے اور سوار بھی ہو۔'' (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

وَلِأَحْمَدَ وَالْأَرْبَعَةِ، فَقَالَ: «إِنَّ اللهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا، مُرْهَا فَلْتَخْتَمِرْ، وَلْتَرْكَبْ، وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ».

مسند احمد اور چاروں میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو تیری بہن کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے حکم دو کہ چادر اوڑھ لے اور سوار ہو جائے اور تین دن کے روزے رکھ لے۔''

لغوی تشریح: [حَافِيَةً] ننگے پاؤں۔ ترمذی اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ اس نے یہ بھی نذر میں کہا کہ وہ اوڑھنی' دوپٹہ وغیرہ نہیں لے گی۔ [بِشَقَاءِ أُخْتِكَ] شَقَاء کے ''شین'' پر فتحہ ہے۔ تکان' مشقت اور تکلیف۔ [فَلْتَخْتَمِرْ] دوپٹہ اوڑھ لے' اس لیے کہ عورت کے سر کا بھی پردہ ہے اور اسے کھولنا معصیت ہے اور معصیت کی نذر کو پورا کرنا درست نہیں۔ [وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ] اور تین دن کے روزے رکھ لے۔

فائدہ: روایت کے آخری حصے [إِنَّ اللهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ ......] کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے [وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ] جملے کے علاوہ باقی روایت کو صحیح قرار دیا ہے اور انھوں نے مذکورہ حدیث کے پہلے حصے کو شاہد بنایا ہے جس میں روزے رکھنے کا ذکر نہیں ہے اور وہ صحیحین کی روایت ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت اس جملے [وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ] ''اور تین دن کے روزے رکھ لے۔'' کے علاوہ صحیح ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل: ۸/ ۲۱۸-۲۲۱' والموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۲۸/ ۵۴۰-۵۴۲)

(۱۱۸۳) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: اسْتَفْتَى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فِي نَذْرٍ كَانَ عَلَى أُمِّهِ، تُوُفِّيَتْ قَبْلَ أَنْ تَقْضِيَهُ، فَقَالَ: «اقْضِهِ عَنْهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1183] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس نذر کے متعلق پوچھا جو ان کی والدہ کے ذمے تھی اور وہ اسے پوری کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''تو اس کی طرف سے پوری کر دے۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① بعض روایات میں ہے کہ یہ غلام آزاد کرنے کی نذر تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ ② بہرحال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حقوق واجبہ کو پورا کرنا میت کے وارثوں کی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے میت کی طرف سے اسے پورا کرنے کی وصیت ضروری نہیں' ورثاء کو ازخود ہی اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ ③ ورثاء

۱۱۸۳۔ أخرجه البخاري، الأيمان والنذور، باب من مات وعليه نذر، حديث: ۶۶۹۸، ومسلم، النذر، باب الأمر بقضاء النذر، حديث: ۱۶۳۸.

میں اولاد بالخصوص اسے پورا کرنے کی زیادہ ذمہ دار ہے۔

وضاحت: [حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ] قبیلۂ خزرج کے سردار تھے۔ تمام غزوات میں انصار کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ سخی سردار تھے۔ عربی لکھنا جانتے تھے۔ تیراکی اور تیراندازی کے ماہر تھے' اسی لیے انھیں کامل (ہرفن مولا) کہا جاتا تھا۔ کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے والے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے نکل گئے تھے۔ انھیں جنات نے دمشق کے علاقہ حوران میں ۱۴' ۱۵ یا ۱۶ ہجری میں قتل کر دیا تھا۔

(١١٨٤) وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ، فَأَتٰى رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: «هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ يُعْبَدُ؟» قَالَ: لَا. قَالَ: «فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِّنْ أَعْيَادِهِمْ؟» فَقَالَ: لَا. فَقَالَ: «أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللهِ، وَلَا فِي قَطِيعَةِ رَحِمٍ، وَلَا فِيمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ آدَمَ». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَالطَّبَرَانِيُّ، وَاللَّفْظُ لَهُ، وَهُوَ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ. وَلَهُ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيثِ كَرْدَمٍ عِنْدَ أَحْمَدَ.

[1184] حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ایک آدمی نے ''بوانہ'' مقام پر اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی' چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا اس جگہ کوئی بت تھا جسے پوجا جاتا ہو؟'' اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے پوچھا: ''کیا وہاں ان کا کوئی میلہ تو نہیں لگتا تھا؟'' اس آدمی نے کہا: نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کر۔ وہ نذر پوری نہیں کرنی چاہیے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو یا قطع رحمی ہو یا جسے پورا کرنا ابن آدم کے بس میں نہ ہو۔'' (اسے ابوداود اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ طبرانی کے ہیں۔ اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور مسند احمد میں کردم کی حدیث اس کی شاہد ہے۔)

لغوی تشریح: [بِبُوَانَةَ] پہلی ''با'' حرف جار ہے اور بوانة کی ''با'' پر ضمہ ہے اور فتحہ بھی کہا گیا ہے اور ''واو'' پر تخفیف ہے۔ بوانہ' یلملم کے قریب مکہ کی نشیبی جانب ایک جگہ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ شام اور دیار بکر کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مدینے کی بندرگاہ ینبع کے قریب ایک پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ نذر ماننے والا شخص کردم تھا۔ اس کے ہاں اولاد نرینہ نہ ہوتی تھی۔ اس نے نذر مانی کہ اگر اس کے ہاں اولاد نرینہ ہوئی تو وہ بوانہ مقام پر کئی بکریاں ذبح کرے گا۔ چونکہ یہ شخص بنوثقیف سے تھا اور اس کی حدیث کے راوی اہل طائف ہیں' اس لیے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ بوانہ مکہ کی نشیبی جانب یلملم کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث دلیل ہے کہ مباح کاموں میں نذر جائز ہے۔ ② بتوں کی جگہ یا کفار کے میلوں ٹھیلوں

١١٨٤ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، باب ما يؤمر به من وفاء النذر، حديث: ٣٣١٣، والطبراني في الكبير: ٢/ ٧٥، ٧٦، حديث: ١٣٤١، وحديث كردم: أخرجه أحمد: ٣/ ٤١٩ وهو حديث حسن.

کے مقام پر ذبح کرنا جملہ معاصی میں سے ہے اگرچہ اللہ کی رضا کے سوا اور کوئی مقصد نہ ہو' اس لیے کہ اس میں ان کے شرک کے مظاہر اور ان کے دین کے شعار کی ترویج پائی جاتی ہے۔

وضاحت: [حضرت کَرْدَم رضی اللہ عنہ] بن سفیان ثقفی۔ کردم کے ''کاف'' پر فتحہ اور ''را'' ساکن ہے۔ ان سے ان کی بیٹی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

(١١٨٥) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ يَوْمَ الْفَتْحِ: يَارَسُولَ اللهِ! إِنِّي نَذَرْتُ - إِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ - أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ. فَقَالَ: **«صَلِّ هَاهُنَا»**. فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: **«صَلِّ هٰهُنَا»**. فَسَأَلَهُ فَقَالَ: **«فَشَأْنَكَ إِذًا»**. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1185] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے فتح مکہ کے روز عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں مکہ فتح کر دیا تو میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا۔ آپ نے فرمایا: ''یہیں پڑھ لو۔'' اس نے پھر پوچھا' تو آپ نے فرمایا: ''یہیں پڑھ لو۔'' اس نے پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''تیری مرضی۔'' (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [صَلِّ هٰهُنَا] ''اس جگہ نماز پڑھ لو'' سے مراد مسجد حرام ہے۔ [شَأْنَكَ] اِلْزَمْ کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ [إِذًا] تنوین کے ساتھ ہے' معنی یہ ہیں کہ جب تو یہاں نماز پڑھنے سے انکاری ہے تو پھر جو تیرا جی چاہے وہ کر' یا یہ معنی ہوں گے کہ جو نذر تو نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی مانی ہے' اسے پورا کر۔

فائدہ: اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نذر پوری کرنے کے لیے جس جگہ کی تعیین کی ہو جب اس سے افضل جگہ پر پوری کر لی جائے تو نذر پوری ہو جائے گی بلکہ سیاق حدیث تو اسی کا تقاضا کرتا ہے کہ افضل مکان کو ترجیح حاصل ہے اگرچہ وہ جگہ نذر کی جگہ سے مختلف ہو۔

(١١٨٦) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: **«لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِ الْأَقْصٰى، وَمَسْجِدِي هٰذَا»**. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ.

[1186] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''تین مساجد کے سوا اور کسی جگہ کی طرف ثواب کی غرض سے سفر نہ کیا جائے: مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد (مسجد نبوی۔'') (بخاری و مسلم۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔)

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث باب الاعتکاف کے آخر میں گزر چکی ہے۔ اس جگہ اسے دوبارہ لانے کا مقصد غالباً

١١٨٥- [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، باب من نذر أن يصلي في بيت المقدس، حديث: ٣٣٠٥، وأحمد: ٣/ ٣٦٣، والحاكم: ٤/ ٣٠٤، ٣٠٥.

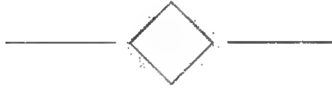
١١٨٦- أخرجه البخاري، ومسلم، تقدم: ٥٧٨.

یہ ہے کہ نذر کے لیے ان تین مقامات مقدسہ کے سوا اور کسی جگہ کو متعین ومقرر نہ کیا جائے۔ (سبل السلام) ② یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان تین مساجد کی طرف تو سفر کی نذر جائز ہے اور کسی جگہ کی طرف نہیں۔ واللہ أعلم.

(١١٨٧) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ. قَالَ: «**فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِي رِوَايَةٍ: فَاعْتَكَفَ لَيْلَةً.

[1187] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ آپ نے فرمایا: ''اپنی نذر پوری کرو۔'' (بخاری ومسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: پھر انھوں نے ایک رات اعتکاف کیا۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کافر نے حالت کفر میں جو نذر مانی ہو' اسلام لانے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہے بشرطیکہ غیر شرعی نہ ہو۔ امام بخاری' امام ابن جریر رحمہ اللہ اور شوافع کی ایک جماعت کی رائے یہی ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی تو پوری کرنے کا کیا سوال' اس لیے انھوں نے اس حدیث کو استحباب پر محمول کیا ہے۔ بہرحال حدیث کے ظاہر سے پہلی رائے کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ أعلم.



١١٨٧ـ أخرجه البخاري، الاعتكاف، باب الاعتكاف ليلاً، حديث: ٢٠٣٢، ومسلم، الأيمان، باب نذر الكافر وما يفعل فيه إذا أسلم، حديث: ١٦٥٦.

١٤ - كِتَابُ الْقَضَاءِ

قضا سے متعلق احکام و مسائل

(١١٨٨) عَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْقُضَاةُ ثَلاثَةٌ، اِثْنَانِ فِي النَّارِ، وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ: رَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَقَضٰى بِهِ، فَهُوَ فِي الْجَنَّةِ، وَرَجُلٌ عَرَفَ الْحَقَّ فَلَمْ يَقْضِ بِهِ، وَجَارَ فِي الْحُكْمِ فَهُوَ فِي النَّارِ، وَرَجُلٌ لَمْ يَعْرِفِ الْحَقَّ، فَقَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ فَهُوَ فِي النَّارِ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1188] حضرت بُرَیدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قاضی تین قسم کے ہیں' دو دوزخی ہیں اور ایک جنتی: وہ شخص جس نے حق کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ اور وہ شخص جس نے حق کی پہچان کر لی مگر فیصلہ حق کے ساتھ نہ دیا بلکہ فیصلہ کرنے میں ظلم کیا تو وہ دوزخی ہے اور وہ شخص جس نے حق کو نہ پہچانا بلکہ لوگوں میں جہالت اور لاعلمی سے فیصلہ کیا تو وہ بھی دوزخی ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [جَارَ فِي الْحُكْمِ] فیصلہ کرنے میں جور و ظلم کیا۔ [عَلٰى جَهْلٍ] قضٰی کے فاعل سے حال ہے' یعنی لوگوں کا فیصلہ جاہل اور لاعلم رہ کر کیا۔ حدیث کا ظاہری مفہوم یہی ہے کہ وہ دوزخی ہے اگرچہ اس کا فیصلہ حق کے موافق ہو

١١٨٨ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، القضاء، باب في القاضي يخطىء، حديث: ٣٥٧٣، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٢٢م، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣١٥، والنسائي في الكبرٰى: ٣/ ٤٦٢، حديث: ٥٩٢٢، والحاكم: ٤/ ٩٠.

کیونکہ فَقَضٰى لِلنَّاسِ عَلٰى جَهْلٍ کے عموم میں وہ شخص بھی داخل ہے جس کا فیصلہ تو حق کے مطابق ہو مگر وہ خود اپنے فیصلے سے جاہل اور لاعلم تھا۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے جس سے تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل: ٨/ ٢٣٥-٢٣٧ رقم: ٢٦١٤) ② اس حدیث میں عدالت میں فیصلہ کرنے والوں کی اقسام بیان ہوئی ہیں جنھیں قاضی یا جج کہا جاتا ہے۔ ان میں سے دوقسم کے قاضی تو ایسے ہیں جو دوزخ کا ایندھن بننے والے ہیں۔ ایک حق کو نہ جاننے اور پہچاننے والا اور دوسرا حق کو جان پہچان کر اس کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والا۔ اس میں اس کی بددیانتی کو بھی دخل ہو سکتا ہے اور تفتیش و تحقیق میں سستی اور بے پروائی بھی ہو سکتی ہے۔ اور دوزخ سے بچنے والا قاضی وہ ہے جو حق کو پہچان کر حق دار کو اس کا حق دیتا ہے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتا۔ ③ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہل شخص کو عہدہ قضا پر بٹھانا درست نہیں۔ ④ کسی بھی متنازعہ مسئلے کا فیصلہ نمٹانے کے لیے حق معلوم کرنا اور پھر اس کے مطابق فیصلہ کرنا فرض اور واجب ہے۔

(١١٨٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ وُلِّيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانَ.

[1189] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس شخص کو فیصلہ کرنے پر مامور کیا گیا، اسے بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔“ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ وُلِّيَ الْقَضَاءَ] وُلِّيَ: تولية سے مجہول کا صیغہ ہے، یعنی جسے قاضی بنایا گیا۔ [بِغَيْرِ سِكِّينٍ] ایک قول کے مطابق یہاں ذبح کا معنوی مفہوم مراد ہے، یعنی اگر اس نے صحیح فیصلہ دیا تو اہل دنیا اس کے درپے آزار ہوں گے۔ اگر غلط فیصلہ دیا تو آخرت میں عذاب میں مبتلا ہو گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ یہ تعبیر اس لیے اختیار کی گئی ہے کہ فیصلہ کرنے والے کو خبردار اور متنبہ کیا جائے کہ اس سے اس کے دین کی بربادی اور تباہی کا اندیشہ ہے، بدن کی بربادی کا نہیں۔ یا یہ کہ چھری سے ذبح کرنے میں جانور کے لیے راحت ہوتی ہے جبکہ بغیر چھری کے ہلاک کرنا زیادہ تکلیف کا باعث ہوتا ہے، مثلاً: گلا گھونٹنا وغیرہ، لہٰذا ان الفاظ سے ڈرانے اور خوف دلانے میں مبالغہ مقصود ہے۔ مگر یاد رہے کہ گلا گھونٹنے کو ذبح کرنا نہیں کہتے۔

(١١٩٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ سَتَحْرِصُونَ

[1190] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک تم لوگ ضرور حکومت کی حرص

١١٨٩ـ [حسن] أخرجه أبوداود، القضاء، باب في طلب القضاء، حديث: ٣٥٧١، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٢٥، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣٠٨، والنسائي في الكبرٰى: ٣/ ٤٦٢، حديث: ٥٩٢٣، وأحمد: ٢/ ٢٣٠، ٣٦٥.

١١٩٠ـ أخرجه البخاري، الأحكام، باب ما يكره من الحرص على الإمارة، حديث: ٧١٤٨.

عَلَى الْإِمَارَةِ، وَسَتَكُونُ نَدَامَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ، وَبِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

اور خواہش کرو گے اور وہ قیامت کے روز لازماً باعث ندامت ہوگی۔ چنانچہ اچھی ہے دودھ پلانے والی اور بری ہے دودھ چھڑانے والی۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْإِمَارَةِ] ''ہمزہ'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ولایت' حکومت' سربراہی۔ یہ امامت عظمیٰ سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی سربراہی اور ولایت تک کو شامل ہے۔ [فَنِعْمَ الْمُرْضِعَةُ] اچھی ہے دودھ پلانے والی۔ دنیا میں رہتے ہوئے یہ امارت اور سربراہی دودھ پلانے والی کی طرح بھلی اور اچھی لگتی ہے' اس لیے کہ یہ مال و دولت' جاہ و منصب اور عزت و اکرام کی فراوانی کا سبب ہے اور حکم نافذ کرنے اور لوگوں کو دبا کر رکھنے کا موجب بھی۔ حکومت و امارت کو مرضعہ سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ یہ بھی اسی طرح منافع بخش اور سودمند ہوتی ہے جس طرح دودھ پلانے والی بکثرت دودھ پلاتی ہے۔ [وَ بِئْسَتِ الْفَاطِمَةُ] فاطمة، فطم سے ماخوذ ہے اور فطم بچے کے دودھ چھڑانے کو کہتے ہیں' یعنی جب امارت اور حکومت چھن جائے تو ایسے ہی غم والم ہوتا ہے جس طرح بچے کو اس کا دودھ چھڑانے پر اسے تکلیف ہوتی ہے۔ اور اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قیامت کے روز جب انسان کو اس امارت وحکومت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا تو سخت تکلیف پہنچے گی جبکہ یہی امارت وحکومت دنیا میں اسے منافع بخش اور سودمند معلوم ہوتی تھی' یعنی امارت دراصل امیر کو خیر' بھلائی اور منافع سے محروم کر کے اسے تباہی کے گڑھوں میں گراتی اور تاوان کے گرداب میں پھنسا دیتی ہے۔ اور یہ عام امراء کے حالات کے اعتبار سے ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں امارت اور سرداری سے بچنے اور اجتناب کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ حکومت اور سربراہی دنیا میں ملامت اور اس سے معزولی ندامت و پشیمانی ہے اور آخرت میں باعث عذاب ہے۔ ② جس وقت انسان حکومت کی کرسی پر براجمان ہوتا ہے تو عزت و توقیر ملتی ہے' دولت و ثروت ہاتھ آتی ہے' عوام ماتحت ہوتے ہیں' ان پر حکم چلتا ہے' ٹھاٹھ باٹھ جمتے ہیں' ایسی صورت میں بڑی اچھی لگتی ہے۔ مگر جب بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں کا احتساب اس دنیا ہی میں شروع ہوتا ہے تو پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور آخرت کے حساب و کتاب کی سختی تو ایسی ہوگی جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اسی خوف کے پیش نظر امت مسلمہ کے صلحاء اس سے کوسوں دور رہنے کی کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ سزائیں برداشت کیں مگر اس منصب کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے سربراہان میں اکثر و بیشتر افراد وہ ہوتے ہیں جو عہدوں کے متلاشی' طلبگار اور بھوکے ہوتے ہیں' اسی لیے وہ کرسی پر براجمان ہوتے ہی عیش پرستی میں مگن ہو کر خوب مزے اڑاتے ہیں اور عوام کے حقوق بھلا کر اپنا دامن بھرنے میں سرگرم ہوتے ہیں۔ ایسی صورتحال میں عوام کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ شریعت کے اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا امیر اور سربراہ ایسے شخص کو قطعاً منتخب نہ کریں جو خود سربراہی اور عہدے کا طالب ہو کیونکہ اس سے خیر کی امید نہیں کی جاسکتی۔

(١١٩١) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَ إِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1191] حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''جب کوئی حاکم فیصلہ کرتے وقت خوب غور و خوض کرے' پھر صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو اسے دگنا ثواب ملتا ہے اور جب وہ فیصلہ کرنے میں غور و تدبر تو کرے مگر فیصلہ کرنے میں خطا کر جائے تو اسے ایک اجر ملے گا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [فَاجْتَهَدَ] خوب غور و خوض کر لے۔ [أَصَابَ] صحیح فیصلہ کرنے میں کامیاب ہو جائے' یعنی اس کی کوشش اور جدوجہد اللہ کے حکم اور فیصلے کے موافق ہو جائے۔ [فَلَهُ أَجْرَانِ] تو اسے دو اجر ملیں گے' ایک غور و خوض اور اجتہاد کا اور دوسرا صحیح نتیجے تک پہنچنے کا۔ [فَلَهُ أَجْرٌ] اسے اس کی جدوجہد اور سعی و کوشش کا ایک اجر ملے گا جو اس نے تلاش حق میں صرف کی کیونکہ اس کا اجتہاد عبادت ہے۔ اور غلطی اور خطا پر اجر تو نہیں دیا جاتا مگر اس کے ذمے اس فیصلے کا کوئی گناہ نہیں رہتا۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اجتہاد کے تمام آلات و ذرائع کا جامع' اصول اجتہاد سے واقف اور قیاس کی تمام اقسام کا عالم ہو۔ اور جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ جان بوجھ کر اس مسئلے میں الجھتا ہے' لہٰذا غلطی اور خطا کی صورت میں اسے معذور قرار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ گناہ گار ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں...... الخ۔ اجتہاد کے درست یا غلط ہونے اور اس پر ایک یا دو اجر ملنے کا تعلق ان فروعی مسائل کے ساتھ ہے جن میں مختلف وجوہ کا احتمال ہوتا ہے۔ رہے وہ اصولی اور بنیادی مسائل جو ارکان شریعت اور امہات الاحکام ہیں جن میں مختلف وجوہ کا احتمال ہوتا ہے نہ تاویل کی کوئی گنجائش' تو ان میں خطا کرنے والا معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اس کا حکم اور فیصلہ مردود ہوگا۔ (عون المعبود) لیکن صحیح یہ ہے کہ اصولی مسائل ہی میں اس کا غلط فیصلہ مردود نہیں بلکہ مجتہد نے جس مسئلے میں بھی غلطی کی ہو اور منشائے شریعت کی مخالفت کی ہو وہ مردود ہے' خواہ اس کا تعلق اصولی اور بنیادی مسائل سے ہو یا فروعی مسائل سے۔

(١١٩٢) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «لَا يَحْكُمْ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1192] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''کوئی بھی شخص دو آدمیوں کے درمیان غصے کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [وَهُوَ غَضْبَانُ] بغیر تنوین کے۔ یہ دو اسباب کی بنا پر غیر منصرف ہے۔ ایک وصف اور دوسرا الف و نون زائدتان۔ یعنی حالت غضب میں فیصلہ نہ کرے' اس لیے کہ ایسی حالت میں وہ اجتہاد اور فریقین کے مسئلے میں غور و فکر صحیح

١١٩١ـ أخرجه البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حديث: ٧٣٥٢، ومسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، حديث: ١٧١٦.

١١٩٢ـ أخرجه البخاري، الأحكام، باب هل يقضي القاضي أو يفتي وهو غضبان؟، حديث: ٧١٥٨، ومسلم، الأقضية، باب كراهة قضاء القاضي وهو غضبان، حديث: ١٧١٧.

طور پر نہیں کرسکتا۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ہر اس حالت میں جو فکر انسانی میں تشویش کا باعث ہو فیصلہ کرنا درست نہیں، مثلاً: سخت بھوک اور پیاس، زیادہ شکم سیری، اونگھ اور نیند کا غلبہ وغیرہ۔ بظاہر تو یہ نہی تحریمی ہے مگر جمہور نے اسے کراہت پر محمول کیا ہے لیکن راجح قول پہلا ہی ہے کہ یہ حرام ہے۔

(١١٩٣) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا تَقَاضٰى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ، فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي». قَالَ عَلِيٌّ: فَمَا زِلْتُ قَاضِيًا بَعْدُ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ، وَقَوَّاهُ ابْنُ الْمَدِينِيِّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ عِنْدَ الْحَاكِمِ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ.

[1193] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب دو آدمی تمھارے پاس فیصلے کے لیے آئیں تو کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ اس سے تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے فیصلہ کیسے کرنا ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس تعلیم کے بعد سے میں اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔ (اسے احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن مدینی نے اسے قوی کہا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ (الموارد) اور حاکم کے ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کا شاہد ہے۔)

لغوی تشریح: [تَقَاضٰى] حاکم تسلیم کریں اور مقدمہ برائے فیصلہ پیش کریں۔ [فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ] مقدمہ لانے والوں میں سے پہلے، یعنی مدعی کے حق میں فیصلہ نہ دے دو تاوقتیکہ دوسرے فریق مدعا علیہ کی بات سن لو۔ [فَسَوْفَ تَدْرِي كَيْفَ تَقْضِي] اس سے تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ تم نے فیصلہ کیسے کرنا ہے۔ اور ابوداود کی روایت میں ہے کہ یہ زیادہ مناسب اور بہتر ہے کہ فیصلہ تیرے روبرو واضح ہو جائے گا۔ [بَعْدُ] ''دال'' پر ضمہ ہے کیونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا (جو ابوداود کی روایت کے آغاز میں ہے: ''اللہ تعالیٰ تیرے دل کو درست اور زبان کو قائم رکھے۔'') اور تعلیم دینے کے بعد میں اسی طرح فیصلہ کرتا ہوں۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح اور حسن قرار دیا ہے، نیز حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو بطور شاہد پیش کیا ہے، اسے ہمارے فاضل محقق نے حسن قرار دیا ہے۔ بنابریں محققین کی تفصیلی بحث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (إرواء الغليل: ٨/ ٢٢٦-٢٢٨، والموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٢/ ١٠٣، ١٠٤) ② اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قاضی کو فریقین کے دلائل سماعت کرنے کے بعد فیصلہ دینا چاہیے اگر وہ اس کے خلاف عمل کرے گا تو یہ حرام ہوگا۔ ③ فریقین کی بات اور دلائل سماعت کر کے فیصلہ دینا واجب ہے محض ایک فریق کے دلائل سن کر فیصلہ کر دینا باطل ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ④ رہا یہ سوال کہ اگر فریق ثانی خاموش رہے،

١١٩٣_ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، القضاء، باب كيف القضاء، حديث: ٣٥٨٢، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٣١، وأحمد: ١/ ١٤٣، ١٥٠، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١٥٣٩، وحديث ابن عباس، أخرجه الحاكم: ٤/ ٩٣ وصححه ووافقه الذهبي وهو حديث حسن.

عدالت کے روبرو کچھ نہ کہے' یعنی اقراری ہو نہ انکاری یا فریق ثانی عدالت کی طلبی کے باوجود عدالت میں بیان دینے کے لیے حاضر ہی نہ ہو یا لیت ولعل سے کام لے تو کیا ایسے فریق کے خلاف یک طرفہ ڈگری دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ قرین صواب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ پھر عدالت یک طرفہ فیصلہ دینے کی مجاز ہوگی۔ واللہ أعلم.

(١١٩٤) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِي لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1194] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک تم لوگ اپنے جھگڑے میرے پاس لے کر آتے ہو اور بسا اوقات تم میں سے کوئی' مخالف فریق کی بہ نسبت اپنے دلائل بڑی خوش اسلوبی سے بیان کرتا ہے تو میں نے اس سے جو کچھ سنا ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ چنانچہ میں جسے اس کے بھائی کے حق میں سے کوئی چیز دوں تو میں سراسر اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ] فیصلے کے لیے اپنے مقدمات اور اپنے تنازعات میرے پاس لاتے ہو۔ [أَلْحَنَ] لَحِنَ يَلْحَنُ (باب سَمِعَ يَسْمَعُ) سے اسم تفضیل ہے۔ معنی ہیں: زیادہ سمجھ اور معرفت والا۔ اور یہ طے شدہ بات ہے کہ جو شخص زیادہ فطین اور سمجھدار ہوگا' وہ اپنی دلیل دوسرے کے مقابلے میں زیادہ بلیغ طریقے سے پیش کر سکے گا۔ [فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ] میں جس کے حق میں فیصلہ کر کے دے دوں۔

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ظاہر بیانات کی روشنی میں فیصلہ واجب ہے۔ ② حاکم کا فیصلہ کسی چیز کی حقیقت میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے نہ کسی معاملے کو بدل سکتا ہے' یعنی نہ حرام کو حلال کر سکتا ہے اور نہ حلال کو حرام۔ جمہور کا یہی موقف ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قاضی کا فیصلہ ظاہری اور باطنی دونوں طرح نافذ ہو جاتا ہے' مثلاً: ایک جج جھوٹی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ دیتا ہے کہ فلاں عورت فلاں کی بیوی ہے باوجودیکہ وہ خاتون اجنبی ہے تو وہ اس مرد کے لیے حلال ہو جائے گی۔ لیکن اس قول کی قباحت اور اس کا باطل ہونا کسی پر مخفی نہیں ہے۔

(١١٩٥) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «كَيْفَ تُقَدَّسُ أُمَّةٌ لَا يُؤْخَذُ مِنْ شَدِيدِهِمْ لِضَعِيفِهِمْ».

[1195] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''وہ امت کیسے پاک ہو سکتی ہے جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق نہ لیا جا سکے۔''

١١٩٤ـ أخرجه البخاري، الأحكام، باب موعظة الإمام للخصوم، حديث: ٧١٦٩، ومسلم، الأقضية، باب الحكم بالظاهر واللحن بالحجة، حديث: ١٧١٣.

١١٩٥ـ [حسن] أخرجه ابن حبان (الموارد)، حديث: ١٥٥٤، ٢٥٨٤، وابن ماجه، الفتن، حديث: ٤٠١٠ بطوله، وحديث بريدة: أخرجه البزار، كشف الأستار: ١/ ٢٣٥، ٢٣٦، حديث: ١٥٩٦ وهو حديث حسن، وحديث أبي سعيد الخدري: أخرجه ابن ماجه، الفتن، حديث: ٤٠١١، وهو حديث حسن.

رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيثِ بُرَيْدَةَ عِنْدَ الْبَزَّارِ. وَآخَرُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ عِنْدَ ابْنِ مَاجَه.

(اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور بزار کے ہاں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی شاہد ہے اور اس کا ایک اور شاہد سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی مروی ہے۔)

لغوی تشریح: [تَقَدُّسُ] باب کَرُمَ یَکْرُمُ سے فعل معلوم ہے' یعنی گناہوں سے کیسے پاک ہوگی اور کیسے بابرکت ہوگی۔ [مِنْ شَدِيدِهِمْ] یعنی جب طاقتور ظلم کرتا ہے تو اس سے ظلم کا بدلہ نہیں لیا جاتا۔

فائدہ: سبل السلام میں ہے کہ اس سے مراد ہے کہ وہ امت جو طاقت ور سے کمزور کو انصاف نہیں دلواتی اور اس کا جو حق بنتا ہے وہ لے کر نہیں دیتی تو وہ گناہوں سے کیسے پاک ہوگی' لہٰذا کمزور کی مدد کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ طاقت ور سے اپنا حق لے لے۔

(۱۱۹۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «**يُدْعَى بِالْقَاضِي الْعَادِلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيَلْقَى مِنْ شِدَّةِ الْحِسَابِ مَا يَتَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي عُمُرِهِ**». رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَأَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَلَفْظُهُ: «**فِي تَمْرَةٍ**».

[1196] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: ''قیامت کے روز عادل قاضی کو حساب کے لیے طلب کیا جائے گا وہ اپنے حساب کی شدت کو محسوس کر کے آرزو کرے گا کہ کاش اس نے اپنی عمر میں دو شخصوں کے درمیان ایک بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔'' (اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔) اور بیہقی کے الفاظ ہیں: ''ایک کھجور کا بھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔''

(۱۱۹۷) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً**». رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1197] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''ایسی قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جو عورت کو اپنا حاکم و فرمانروا بنا لے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَلَّوْا] تَوْلِيَةٌ سے ماخوذ ہے' یعنی اپنے امور مملکت کا اسے والی بنالیں۔ یہ امارت عظمٰی سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے منصب تک کو شامل ہے۔ نبی ﷺ نے یہ اس موقع پر فرمایا تھا جب آپ کو خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم و فرمانروا بنالیا ہے۔ کسریٰ کی بیٹی کا نام بوران بنت پرویز تھا۔ اسے اہل فارس نے اس وقت اپنا حاکم بنایا جب نبی ﷺ کی حیات مقدسہ کے آخری ایام تھے۔ جب مملکت فارس کے تخت کی چولیں متزلزل ہو رہی تھیں۔

۱۱۹۶_ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن حبان (الموارد)، حديث: ۱۵۶۳، والبيهقي: ۱۰/ ۹۶، وأحمد: ۶/ ۷۵، وحسنه الهيثمي في مجمع الزوائد: ۴/ ۱۹۲، وأشار المنذري إلى أنه حسن، الترغيب والترهيب: ۳/ ۱۵۷، ابن العلاء وصالح بن سرج وثقهما ابن حبان وحده من أئمة الجرح والتعديل فهما مستوران.

۱۱۹۷_ أخرجه البخاري، المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرى وقيصر، حديث: ۴۴۲۵.

گردش ایام اور حوادث زمانہ نے انھیں ہلا کر رکھ دیا تھا۔ شیرویہ قباد نے اپنے باپ خسرو پرویز کو قتل کر دیا اور ۷ ہجری میں تخت پر قابض ہوا اور ۹ ہجری میں وہ مر گیا۔ عوام نے اردشیر کو جو ابھی بچہ تھا' فرمانروائے مملکت بنا لیا لیکن اسے ایک سربرآوردہ قائد نے قتل کر دیا جس کا نام شہر براز تھا۔ پھر وہ خود تخت نشین ہوا مگر چالیس روز بعد اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بوران نامی شہزادی کو ۹ ہجری یا ۱۰ ہجری کے اوائل میں سربراہ مملکت بنایا گیا' پھر اس کی حکومت بھی سولہ ماہ کے بعد ختم ہوگئی۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی موجب بربادی ہے۔ ② تاریخ اسلام میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ ③ عہد رسالت کے بعد امہات المومنین میں سے بھی کسی کو یہ منصب نہیں سونپا گیا۔ ④ جب عورت گھر کی سربراہ نہیں تو ملک کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں کس طرح دی جا سکتی ہے۔

(١١٩٨) وَعَنْ أَبِي مَرْيَمَ الْأَزْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِينَ، فَاحْتَجَبَ عَنْ حَاجَتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ، اِحْتَجَبَ اللّٰهُ دُونَ حَاجَتِهِ». أَخْرَجَهُ أَبُوداوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ.

[1198] حضرت ابومریم ازدی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے کسی کام کا حاکم اور ذمہ دار بنا دیا اور وہ ان کی ضروریات اور حاجات پوری کرنے سے گریز کرتا رہا (حجاب میں رہا) تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی حاجت پوری کرنے سے حجاب فرمالے گا۔'' (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکاری اہل کار کو عوام کی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے۔ اسے اس منصب پر اس لیے فائز نہیں کیا جاتا کہ خود تو دربانوں کے پہرے میں' بنگلے میں میٹھی نیند سوئے اور غریب بے چارے مارے مارے پھریں۔ اس سے دادرسی کے لیے آئیں تو دربان اندر جانے ہی نہ دیں کہ صاحب اس وقت آرام فرما رہے ہیں یا مصروف ہیں۔ جو حاکم ایسا رویہ اپنی رعایا کے ساتھ روا رکھے گا' اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہیں فرمائے گا۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابومریم ازدی رضی اللہ عنہ] ازدی' اسدی دونوں طرح مشہور ہیں' حضرمی بھی کہا جاتا تھا۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انھیں یہ حدیث بیان کی۔

(١١٩٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1199] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

١١٩٨ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الخراج والإمارة، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية . . . ، حديث: ٢٩٤٨ والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٣٢ وقال: غريب.

١١٩٩ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود: لم أجده، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٣٦، والنسائي: لم أجده، وابن ماجه: لم أجده، وأحمد: ٢/ ٣٨٧، ٣٨٨، وابن حبان (الموارد)، حديث: ١١٩٦، وحديث عبدالله بن عمرو بن العاص: أخرجه أبوداود، القضاء، حديث: ٣٥٨٠، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٣٧، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣١٣ وسنده حسن

عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الرَّاشِيَ وَالْمُرْتَشِيَ فِي الْحُكْمِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَحَسَّنَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَلَهُ شَاهِدٌ مِّنْ حَدِيثِ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو عِنْدَ الْأَرْبَعَةِ إِلَّا النَّسَائِيَّ.

اللہ ﷺ نے فیصلے میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی کے سوا چاروں کے ہاں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث اس کی شاہد ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں رشوت لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت کی گئی ہے۔ گویا رشوت لینا اور دینا کبیرہ گناہ ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے حقوق العباد پر کھلے بندوں ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ جس معاشرے میں رشوت خوری عام ہو وہاں لوگ ایک دوسرے کے خیر خواہ، ہمدرد اور غمگسار کیسے ہو سکتے ہیں؟

(١٢٠٠) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَضٰى رَسُولُ اللهِ ﷺ أَنَّ الْخَصْمَيْنِ يَقْعُدَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْحَاكِمِ. رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1200] حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ فریقین حاکم کے روبرو بیٹھیں۔ (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت ضعیف الاسناد ہے، تاہم صحیح یہی ہے کہ عدالت میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو یکساں سلوک کا مستحق سمجھا جائے۔ کسی سے امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے دونوں آمنے سامنے ہوں تاکہ کسی کو کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہو۔ واللہ أعلم.

١ - بَابُ الشَّهَادَاتِ

باب:1- شہادتوں سے متعلق احکام ومسائل

(١٢٠١) عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ الشُّهَدَاءِ؟ هُوَ الَّذِي يَأْتِي بِالشَّهَادَةِ قَبْلَ أَنْ يُسْأَلَهَا**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1201] حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بہترین گواہ کے بارے میں مطلع نہ کروں؟ (بہترین گواہ) وہ ہے جو گواہی طلب کیے بغیر از خود گواہی دینے آئے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الشَّهَادَاتِ] شَهَادَات، شَهَادَةٌ کی جمع ہے۔ کسی چیز کی درستی کی خبر واطلاع اپنی آنکھوں دیکھے حال اور مشاہدے کی بنا پر دینا۔ مؤلف اسے جمع اس لیے لائے ہیں کہ اس کی بہت سی انواع واقسام ہیں۔ [قَبْلَ

١٢٠٠ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، القضاء، باب كيف يجلس الخصمان بين يدي القاضي، حديث: ٣٥٨٨، والحاكم: ٤/ ٩٤ وصححه، ووافقه الذهبي. * مصعب بن ثابت: الأكثر على تضعيفه (مجمع الزوائد للهيثمي: ١/ ٢٥).

١٢٠١ـ أخرجه مسلم، الأقضية، باب بيان خير الشهود، حديث: ١٧١٩.

[أَنْ يُسْأَلَهَا] فعل صیغۂ مجہول ہے یعنی اس سے گواہی طلب کیے جانے سے پہلے وہ خود گواہی دے دے، بایں صورت کہ اس کے پاس کسی انسان کی سچی گواہی تھی جبکہ اس انسان کے علم میں بھی نہیں کہ وہ گواہ ہے۔ وہ اس کے پاس آئے اور خبر دے کہ وہ اس کا گواہ ہے' یا اس کے پاس طلاق' عتق' وقف' وصیت یا ایسے ہی کسی دوسرے معاملے کی شہادت ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ قاضی کے پاس اسے لے جائے اور اسے مطلع کرے تاکہ فی الحقیقت معاملات کی جو نوعیت ہے وہ مکمل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ادائے شہادت کا حکم فرمایا ہے اور اسے چھپانا گناہ قرار دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ﴾ (البقرۃ ۲:۲۸۳) ''اور تم گواہی مت چھپاؤ اور جو اسے چھپاتا ہے وہ گناہ گار دل والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ﴾ (الطلاق ۶۵:۲) ''اور اللہ کی رضا کے لیے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔''

(١٢٠٢) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ خَيْرَكُمْ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَكُونُ قَوْمٌ يَشْهَدُونَ، وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ، وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ، وَيَنْذِرُونَ وَلَا يُوفُونَ، وَيَظْهَرُ فِيهِمُ السِّمَنُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1202] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے سب سے بہتر میرے زمانے کے لوگ ہیں' پھر ان کے بعد والے' پھر ان کے بعد والے' پھر ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو گواہی دیں گے اور ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ وہ خائن ہوں گے' امین نہیں ہوں گے۔ نذریں مانیں گے مگر پوری نہیں کریں گے اور ان میں موٹاپا نمایاں ہوگا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [قَرْنِي] یعنی وہ لوگ جنھوں نے مجھے پایا اور مجھ پر ایمان لائے۔ اور وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ [ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ] یعنی پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے مرتبے کے قریب ہوں گے یا ایمان میں ان کے پیروکار رہوں گے یا ان کے زمانے سے متصل ہوں گے بایں طور کہ انھوں نے انھیں پایا ہوگا اور ان سے استفادہ کیا ہوگا۔ اور وہ تابعین کرام رحمہم اللہ ہیں۔ [يَشْهَدُونَ وَ لَا يُسْتَشْهَدُونَ] یشھدون پہلا صیغۂ معروف اور دوسرا مجہول ہے۔ یعنی وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ قبل اس کے کہ ان سے شہادت طلب کی جائے' ازخود شہادت دیں گے۔ [اَلسِّمَنُ] ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''میم'' پر فتحہ ہے۔ لاغر پن کی ضد' موٹاپا۔ یعنی محض دنیا ہی ان لوگوں کا مطمح نظر ہوگی' دین نہیں' اس لیے یہ لوگ خوب کھائیں پئیں گے کہ بدنوں پر چربی چڑھ جائے گی اور جسم موٹے اور بھاری بھرکم ہو جائیں گے۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث بظاہر پہلی حدیث کے معارض معلوم ہوتی ہے' اس لیے کہ اس حدیث سے ازخود شہادت دینے کی مذمت ہوتی ہے جبکہ پہلی حدیث میں اس کی مدح و تعریف کی گئی ہے۔ تعارض اس طرح ختم ہو جاتا ہے کہ مذمت مطلقاً ازخود شہادت پیش کرنے کی نہیں بلکہ جلدی سے ایسی شہادت دینے کی وجہ سے ہے جس سے جھوٹ ثابت کرنا' باطل طریقے سے کھا پی جانا اور لوگوں کے حقوق پر ڈاکا ڈالنا مقصود ہو۔ حدیث کے سیاق میں غور و تدبر کرنے والا شخص یہ واضح

١٢٠٢ـ أخرجه البخاري، الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد، حديث: ٢٦٥١، ومسلم، فضائل الصحابة، باب فضل الصحابة ....، حديث: ٢٥٣٥.

فرق معلوم کرسکتا ہے۔ ② ان دونوں احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ طلب سے پہلے ازخود شہادت دینا بہتر اور عمدہ طریقہ ہے جبکہ یہ شہادت حقوق کے تحفظ کے لیے دی گئی ہو اور قبیح اس صورت میں ہے کہ جب حقوق کو ہڑپ کر جانے کی نیت سے دی جائے۔ ③ اس حدیث میں بہترین زمانے کی نشاندہی ہے جس سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ ④ یہ فضیلت جمہور علماء کے نقطۂ نظر سے فرداً فرداً بھی ہو سکتی ہے اور بحیثیت مجموعی بھی۔ لیکن اصحاب بدر اور اصحاب حدیبیہ ہر اعتبار سے افضل ہیں۔

(١٢٠٣) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ، وَلَا ذِي غِمْرٍ عَلٰى أَخِيهِ، وَلَا تَجُوزُ شَهَادَةُ الْقَانِعِ لِأَهْلِ الْبَيْتِ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ.

[1203] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خائن مرد و عورت کی گواہی جائز نہیں اور کینہ ور شخص کی اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف گواہی جائز نہیں اور خادم (نوکر) کی گواہی گھر والوں کے حق میں جائز نہیں ہے۔" (اسے احمد اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَلَا ذِي غِمْرٍ] "غین" کے نیچے کسرہ اور "میم" ساکن ہے۔ حقد و کینہ اور عداوت و دشمنی۔ [عَلٰى أَخِيهِ] اپنے مسلمان بھائی کے خلاف' یعنی کسی دشمن کی اپنے دشمن کے خلاف گواہی جائز نہیں۔ [اَلْقَانِعِ] کسی کے گھر کا خادم جو مستقل طور پر اس گھر والوں کی خدمت اور ضروریات پوری کرنے میں مصروف ہو' یعنی نوکر' ملازم یا مزدور وغیرہ۔ اہل خانہ کے حق میں اس کی گواہی اس لیے قابل قبول نہیں کہ وہ شہادت دے کر اپنا فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔ گویا وہ تہمت کا محل ہے (جس کی بنا پر اس کی گواہی قابل قبول نہیں۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خائن' دشمن اور کینہ ور کی شہادت ناجائز ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی کے زیر کفالت ہو اس کی گواہی بھی اس شخص اور اس کے اہل خانہ کے حق میں قبول نہیں تاکہ جانب داری کا شبہ نہ رہے۔

(١٢٠٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «**لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ بَدَوِيٍّ عَلٰى صَاحِبِ قَرْيَةٍ**». رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه.

[1204] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "خانہ بدوش کی گواہی شہری کے خلاف قابل قبول نہیں۔" (اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَدَوِيٍّ] بے خانماں' خانہ بدوش۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے "النہایہ" میں کہا ہے کہ شہری کے خلاف خانہ بدوش کی شہادت کو اس وجہ سے ناپسند اور مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس میں دین کے بارے میں اکھڑپن اور احکام شرع سے ناواقفیت ہوتی ہے' نیز خانہ بدوش لوگ شہادت کو اچھی طرح محفوظ اور ضبط نہیں رکھ سکتے۔ سبل السلام میں ہے کہ اکثر علماء

١٢٠٣۔ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، القضاء، باب من ترد شهادته، حديث: ٣٦٠٠، وأحمد: ٢/ ١٨١، ٢٠٣.

١٢٠٤۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، القضاء، باب شهادة البدوي على أهل الأمصار، حديث: ٣٦٠٢، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ٢٣٦٧.

نے ان کی شہادت کو قبول کیا ہے اور اس حدیث کو ایسے خانہ بدوش لوگوں پر محمول کیا ہے جن کی منصف مزاجی ثابت نہ ہو کیونکہ اکثر و بیشتر ان کی منصف مزاجی معروف نہیں ہوتی۔

(١٢٠٥) وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّهُ خَطَبَ فَقَالَ: إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1205] حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے دور میں لوگوں کا مواخذہ وحی کے ذریعے سے ہوتا تھا۔ اب وحی بند ہو چکی ہے اب ہم تمھارا مواخذہ تمھارے ان اعمال کی بنا پر کریں گے جو ہمارے سامنے ظاہر ہوں گے۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس اثر سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آتی تھی اور آپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا' گویا نبوت کی تکمیل ہوگئی۔ اب نہ کوئی نیا نبی و رسول آئے گا اور نہ آسمان سے وحی نازل ہوگی۔ اب اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو وہ سراسر دروغ گو' کذاب' دجال' مفتری اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں تو لوگوں کے بارے میں معلومات کا ذریعہ وحی الٰہی تھی مگر اب ایک شخص کے رازوں اور بھیدوں کی جستجو اور تفتیش کیے بغیر اور ان کا سراغ لگائے بغیر ہم اس کے ظاہری حالات و اعمال کو دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ اگر اس کے ظاہری اعمال و احوال شک و شبہ سے محفوظ ہیں تو وہ قابل اعتبار ہے اور اس کی گواہی مقبول ہے ورنہ نہیں۔

(١٢٠٦) وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ عَدَّ شَهَادَةَ الزُّورِ فِي أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

[1206] حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے جھوٹی گواہی کو بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے۔ (یہ بخاری و مسلم کی ایک لمبی حدیث میں ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے معلوم ہوا کہ کبیرہ گناہ بہت سے ہیں' مثلاً: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا' والدین کی نافرمانی کرنا' میدان کارزار سے فرار ہونا' پاک دامن خاتون کی عصمت پر تہمت لگانا اور جھوٹی گواہی دینا وغیرہ۔ ② صحیحین کی ایک روایت کے مطابق' جھوٹی گواہی دینا صرف کبیرہ گناہوں میں نہیں بلکہ اکبرالکبائر میں شامل ہے۔ ③ کبیرہ گناہ وہ ہے جس کی شریعت نے سزا مقرر کی ہو یا عذاب آخرت کی وعید دی گئی ہو۔ ④ عدالتوں میں جھوٹی گواہی کا سلسلہ اگر بند ہو جائے تو انصاف نہایت ارزاں اور جلد مل جائے۔ عدالتی نظام کے فساد کی جڑ جھوٹی گواہی اور رشوت ہے۔ اس نظام کو ان دو بڑی خرابیوں سے پاک کر دیا جائے تو معاشرے میں امن و سلامتی کی بہاریں آ جائیں۔

١٢٠٥ـ أخرجه البخاري، الشهادات، باب الشهداء العدول، حديث: ٢٦٤١.

١٢٠٦ـ أخرجه البخاري، الشهادات، باب ما قيل في شهادة الزور، حديث: ٢٦٥٤، ومسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: ٨٧.

(١٢٠٧) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِرَجُلٍ: «تَرَى الشَّمْسَ؟» قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: «عَلٰى مِثْلِهَا فَاشْهَدْ، أَوْ دَعْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ عَدِيٍّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ.

[1207] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' نبی ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا: ''تم سورج دیکھ رہے ہو؟'' اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ''اس طرح کی گواہی دو ورنہ رہنے دو۔'' (اسے ابن عدی نے ضعیف سند سے بیان کیا ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر یہ ان کی غلطی ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم صحیح بات یہی ہے کہ گواہی اس وقت دینی چاہیے جب انسان کو پوری طرح یقین ہو ورنہ گواہی سے اجتناب بہتر ہے۔ محض گمان اور ظن کی بنیاد پر گواہی دینا درست نہیں۔ واللہ أعلم۔

(١٢٠٨) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَضٰى بِيَمِينٍ وَشَاهِدٍ. أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

[1208] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک قسم اور ایک گواہ کی بنیاد پر فیصلہ فرمایا۔ (اسے مسلم' ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور نسائی نے کہا ہے کہ اس کی سند عمدہ ہے۔)

(١٢٠٩) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مِثْلُهُ. أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1209] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی ایک روایت مروی ہے۔ (اسے ابوداود اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فائدہ: ایک قسم اور ایک گواہی کے ساتھ فیصلہ کرنا اس صورت میں ہے جب مدعی کے پاس صرف ایک گواہ ہو' اس صورت میں اس سے دوسرے گواہ کی جگہ قسم کو قبول کر لیا جائے گا۔ امام مالک' امام شافعی' احمد، اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ اور جمہور علماء کی یہی رائے ہے اور ان کا کہنا ہے کہ مالی معاملات میں تو ایک گواہ اور ایک قسم جائز ہے' البتہ غیر مالی معاملات میں دو گواہوں کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مالی معاملات ہوں یا غیر مالی معاملات دونوں میں دو گواہوں کا ہونا ضروری و لازمی ہے لیکن اس مسئلے میں تقریباً تیس کے قریب احادیث ان کے خلاف حجت ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے جس ارشاد سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (الطلاق ٦٥:٢) اور ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ...... الخ﴾ (البقرۃ ٢:٢٨٢) لیکن ان آیات سے ان کا استدلال کامل نہیں بالخصوص جبکہ وہ مفہوم مخالف کے قائل ہی نہیں ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے جو قابل

١٢٠٧۔ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن عدي في الكامل: ٦/ ٢٢١٣، وفيه عمرو بن مالك البصري [ضعيف، تابعه سليمان الشاذكوني وهو متهم] عن محمد بن سليمان بن مشمول عن عبدالله بن سلمة بن وهرام عند الحاكم: ٤/ ٩٨، ٩٩، وتعقبه الذهبي.

١٢٠٨۔ أخرجه مسلم، الأقضية، باب القضاء باليمين والشاهد، حديث: ١٧١٢، وأبوداود، القضاء، حديث: ٣٦٠٨، والنسائي في الكبرى: ٣/ ٤٩٠، حديث: ٦٠١١.

١٢٠٩۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، القضاء، باب القضاء باليمين والشاهد، حديث: ٣٦١٠، والترمذي، الأحكام، حديث: ١٣٤٣، وابن حبان.

ملاحظہ ہے۔ دیکھیے: (إعلام الموقعين: ۱/ ۳۲- ۳۸)

٢ - بَابُ الدَّعْوٰى وَالْبَيِّنَاتِ

باب:2- دعویٰ اور دلائل کا بیان

(١٢١٠) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعٰى نَاسٌ دِمَاءَ رِجَالٍ وَأَمْوَالَهُمْ، وَلٰكِنَّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدَّعٰى عَلَيْهِ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1210] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر لوگوں کو محض ان کے دعویٰ کرنے سے حق دے دیا جائے تو لوگ دوسرے لوگوں کے خون اور ان کے اموال کا دعویٰ کرنے لگیں گے لیکن (اصول یہ ہے کہ) مدعا علیہ کے ذمے قسم لازم ہے۔" (بخاری ومسلم)

وَلِلْبَيْهَقِيِّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ: «**اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي، وَالْيَمِينُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ**».

اور بیہقی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے: "ثبوت مدعی کے ذمے ہے اور قسم اس کے ذمے جو اس کا انکار کرے۔"

لغوی تشریح: [بَابُ الدَّعْوٰى وَالْبَيِّنَاتِ [بينات' بينة کی جمع ہے۔ اس کی "با" پر فتحہ ہے اور "یا" مکسورہ پر تشدید ہے۔ اس کے معنی واضح دلیل وثبوت کے ہیں۔ اسے بَيِّنَة اس لیے کہتے ہیں کہ یہ حق کو صاف اور واضح کر دیتی ہے اور یہاں اس سے مراد وہ دلیل ہے جس سے مدعی کی صداقت واضح ہوتی ہو۔

فائدہ: اس حدیث میں قضا کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے کہ مدعی اپنا دعویٰ دلائل سے ثابت کرے اور دو گواہ پیش کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو پھر مدعا علیہ قسم دے گا۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔

(١٢١١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَرَضَ عَلٰى قَوْمٍ الْيَمِينَ فَأَسْرَعُوا، فَأَمَرَ أَنْ يُسْهَمَ بَيْنَهُمْ فِي الْيَمِينِ، أَيُّهُمْ يَحْلِفُ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1211] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کے سامنے قسم پیش کی تو وہ قسم کھانے پر فوراً تیار ہو گئے تو آپ نے حکم فرمایا کہ ان لوگوں میں قرعہ اندازی کی جائے کہ کون ان میں سے قسم کھائے گا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَأَسْرَعُوا] یعنی دونوں فریق ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر قسم کھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ [فَأَمَرَ أَنْ يُسْهَمَ] صیغۂ مجہول ہے۔ قرعہ اندازی کی جائے، پھر قرعہ جس کے نام نکلے وہ حلف اٹھائے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت بیان کی ہے وہ اس حدیث کے معنی کی صحیح تفسیر ہے کہ دو آدمیوں نے کسی مال ومتاع

١٢١٠ـ أخرجه البخاري، التفسير، باب: ﴿إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمنًا قليلاً ...﴾، حديث: ٤٥٥٢، ومسلم، الأقضية، باب اليمين على المدعى عليه، حديث: ١٧١١، وحديث البيهقي: ٨/ ١٢٣، في سنده مسلم بن خالد الزنجي، وللحديث شواهد فهو حسن.

١٢١١ـ أخرجه البخاري، الشهادات، باب إذا تسارع قوم في اليمين، حديث: ٢٦٧٤.

کے سلسلے میں نبی ﷺ کی عدالت میں جھگڑا پیش کیا۔ دونوں میں سے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''قسم کے بارے میں تم دونوں قرعہ اندازی کرو کہ کون قسم کھائے۔'' (سنن أبي داود' القضاء' حديث:٣٦١٦)

فائدہ: جس مقدمے کی نوعیت ایسی ہو کہ فریقین مدعی ہوں اور دونوں باہم مدعا علیہ بھی ہوں، بالفاظ دیگر حتمی اور یقینی طور پر اس کا علم نہ ہو سکے کہ مدعی کون ہے اور مدعا علیہ کون؟ تو ایسی صورت میں دونوں کو قسم دینے کا حق پہنچتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی قسم سے انکاری ہو تو فریق مخالف قسم دے کر مال اپنے قبضہ میں لے لے گا اور اگر دونوں فریق قسم اٹھانے پر آمادہ ہوں تو پھر اس صورت میں قرعہ اندازی کی جائے گی۔ قرعہ جس کے نام نکلے وہ قسم دے کر مال لے جانے کا مستحق قرار پائے گا۔

(١٢١٢) وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ الْحَارِثِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنِ اقْتَطَعَ حَقَّ امْرِيءٍ مُّسْلِمٍ بِيَمِينِهِ فَقَدْ أَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ النَّارَ، وَحَرَّمَ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ». فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: وَإِنْ كَانَ شَيْئًا يَسِيرًا يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: «وَإِنْ كَانَ قَضِيبًا مِّنْ أَرَاكٍ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1212] حضرت ابوامامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان آدمی کا حق اپنی قسم کے ذریعے سے مارا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام قرار دے گا۔'' ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگرچہ کوئی حقیر اور معمولی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا: ''اگرچہ پیلو کی ایک شاخ ہو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [قَضِيب] شاخ اور ٹہنی کو کہتے ہیں۔ [أَرَاكٍ] ''ہمزہ'' پر فتحہ ہے۔ مشہور و معروف درخت ہے جس کے پتے اونٹ بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ اردو زبان میں اسے پیلو کا درخت کہتے ہیں۔

راوئ حدیث: [حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ] یہ صاحب' ابوامامہ بن ثعلبہ انصاری حارثی تھے۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام ایاس بن ثعلبہ تھا۔ یہ بنو حارث بن خزرج سے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ انصار کے حلیف قبیلہ بنو بَلِيّ سے تھے اور قدیم الاسلام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے۔ اپنی والدہ کی تیمارداری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔

(١٢١٣) وَعَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِينٍ، يَقْتَطِعُ بِهَا مَالَ امْرِيءٍ مُّسْلِمٍ، هُوَ فِيهَا فَاجِرٌ، لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ».

[1213] حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال اڑا لے جبکہ وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حال میں پیش ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر سخت

١٢١٢ـ أخرجه مسلم، الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم بيمين فاجرة بالنار، حديث: ١٣٧.

١٢١٣ـ أخرجه البخاري، المساقاة، باب الخصومة في البئر والقضاء فيها، حديث: ٢٣٥٦، ومسلم، الإيمان، باب وعيد من اقتطع حق مسلم......، حديث: ١٣٨.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ناراض ہوگا۔‘‘ (بخاری ومسلم)

راویٔ حدیث: [حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ] اشعث بن قیس بن معد یکرب کندی۔ ابومحمد ان کی کنیت تھی۔ صحابی ہیں۔ کوفہ میں فروکش ہوئے۔ یوم یرموک میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی۔ بڑے سخی اور مہربان انسان تھے۔ ایک بار قسم کھائی اور اس کا کفارہ پندرہ ہزار دیا۔ آذربائیجان کے والی بنے۔ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے چالیس روز بعد ۴۰ ہجری میں ۶۳ برس عمر پاکر فوت ہوئے۔

(١٢١٤) وَعَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي دَابَّةٍ، وَلَيْسَ لِوَاحِدٍ مِّنْهُمَا بَيِّنَةٌ، فَقَضَى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَهٰذَا لَفْظُهُ، وَقَالَ: إِسْنَادُهُ جَيِّدٌ.

[1214] حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں کا ایک جانور کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ ان میں سے کسی کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس جانور کو ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (اسے احمد‘ ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے‘ یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ اور امام نسائی نے کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے۔)

فائدہ: علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس اونٹ یا جانور کو دونوں نے اپنے ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔ تب ہی نبی ﷺ نے ان دونوں کو آدھے آدھے کا مستحق قرار دیا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی‘ یعنی ان دونوں کے سوا وہ کسی تیسرے آدمی کے قبضے میں ہوتا تو صرف دعوے سے وہ دونوں حقدار نہیں بن سکتے تھے۔ ملا علی قاری نے کہا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ جانور کسی تیسرے آدمی کے پاس ہو جس کا ان دونوں کے ساتھ کوئی تنازع نہ ہو۔

(١٢١٥) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِنْبَرِي هٰذَا بِيَمِينٍ آثِمَةٍ تَبَوَّأَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1215] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی‘ اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیا۔‘‘ (اسے احمد‘ ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [آثِمَةٍ] جھوٹی قسم جو موجب گناہ ہو۔

فائدہ: اس حدیث میں تنبیہ ہے کہ جو مقام جتنا مرتبے اور فضیلت والا ہوگا وہاں ارتکاب گناہ کا عذاب بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ اسی طرح وہ اوقات جن کی فضیلت بیان ہوئی ہے‘ مثلاً: عصر کے بعد اور جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات‘ تو ان میں جو

١٢١٤ـ [حسن] أخرجه أبوداود، القضاء، باب الرجلين يدعيان شيئًا وليس لهما بينة، حديث: ٣٦١٣، والنسائي، آداب القضاة، حديث: ٥٤٢٦، والسنن الكبرى له: ٣/ ٤٨٧، حديث: ٥٩٩٨.

١٢١٥ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأيمان والنذور، باب ما جاء في تعظيم اليمين عند منبر النبي ﷺ، حديث: ٣٢٤٦، والنسائي في الكبرى: ٣/ ٤٩١، حديث: ٦٠١٨، وأحمد: ٢/ ٣٢٩، وابن حبان (الإحسان): ٦/ ٢٨١، حديث: ٤٣٥٣.

گناہ کیا جائے گا اس کی سزا بھی نسبتاً زیادہ اور سخت ہوگی۔

(١٢١٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، وَلَا يُزَكِّيهِمْ، وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: رَجُلٌ عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ بِالْفَلَاةِ يَمْنَعُهُ مِنَ ابْنِ السَّبِيلِ، وَرَجُلٌ بَايَعَ رَجُلًا بِسِلْعَةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ، فَحَلَفَ لَهُ بِاللّٰهِ: لَأَخَذَهَا بِكَذَا وَكَذَا، فَصَدَّقَهُ، وَهُوَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ، وَرَجُلٌ بَايَعَ إِمَامًا لَا يُبَايِعُهُ إِلَّا لِلدُّنْيَا، فَإِنْ أَعْطَاهُ مِنْهَا وَفٰى، وَإِنْ لَمْ يُعْطِهِ مِنْهَا لَمْ يَفِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1216] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین آدمی ایسے ہیں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی جانب نظر (رحمت) کرے گا اور نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا: (پہلا) وہ آدمی جو بیابان میں بچے ہوئے پانی کے پاس رہ کر کسی مسافر کو اس سے روکتا ہے۔ اور (دوسرا) وہ آدمی جو عصر کے بعد کسی چیز کا دوسرے سے سودا کرتا ہے اور اللہ کی قسم کھاتا ہے کہ اس نے یہ چیز اتنے اتنے میں خریدی ہے اور خریدار اسے سچ مان لیتا ہے' حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اور (تیسرا) وہ شخص جس نے محض دنیاوی غرض کے لیے کسی بادشاہ کی بیعت کی اگر بادشاہ اسے کچھ دیتا ہے تو وہ وفا کرتا ہے اور اگر وہ اسے کچھ نہیں دیتا تو وہ وفا نہیں کرتا۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [عَلٰى فَضْلِ مَاءٍ] اپنی ضرورت و حاجت سے زائد پانی۔ [بِالْفَلَاةِ] ایسا وسیع صحراء جو کسی کی ملکیت میں نہ ہو کہ اس کے پانی سے کسی کو روکا جائے۔ [بِسِلْعَةٍ] ''سین'' کے نیچے کسرہ اور ''لام'' ساکن ہے۔ سامان تجارت۔ [فَصَدَّقَهُ] خریدار اس کی قسم کے پیش نظر اسے سچا سمجھے۔ [وَ هُوَ عَلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ] یعنی صورت حال یہ ہو کہ فروخت کنندہ درحقیقت اپنی قسم میں جھوٹا ہو۔ [وَفٰى] اپنا عہد پورا کرتا ہے اور اپنی بیعت سمع و طاعت کو نبھاتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث کی رو سے زائد از ضرورت پانی کو روک لینا اور ضرورت مندوں کو لینے نہ دینا' عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر مال فروخت کرنا اور دنیوی غرض کے لیے حاکم وقت کی تائید کرنا' رب کائنات کی سخت ناراضی کے موجب اعمال ہیں اور رحمت الٰہی سے محرومی کا باعث ہیں۔ ② اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کی سزا جس طرح کسی افضل جگہ کی وجہ سے دوچند ہو جاتی ہے اسی طرح افضل وقت کے لحاظ سے بھی اس کی سزا میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

(١٢١٧) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا فِي نَاقَةٍ، فَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ

[1217] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمیوں کا ایک اونٹنی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا۔ ان میں

١٢١٦ـ أخرجه البخاري، الأحكام، باب من بايع رجلا لا يبايعه إلا للدنيا، حديث: ٧٢١٢، ومسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية .....، حديث: ١٠٨.

١٢١٧ـ [إسناده ضعيف جدا] أخرجه الدارقطني: ٤/ ٢٠٩، وابن نعيم لا يعرف، وفيه علل أخرى.

مِّنْهُمَا : نُتِجَتْ عِنْدِي، وَأَقَامَا بَيِّنَةً. فَقَضٰى بِهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ لِمَنْ هِيَ فِي يَدِهِ.

سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ میرے ہاں جنم پائی ہے اور دونوں نے اپنی اپنی دلیل بھی پیش کی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا فیصلہ اس شخص کے حق میں صادر فرمایا جس کے ہاتھ میں وہ تھی۔

لغوی تشریح: [نُتِجَتْ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی پیدا ہوئی ہے۔

(١٢١٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَدَّ الْيَمِينَ عَلٰى طَالِبِ الْحَقِّ. رَوَاهُمَا الدَّارَقُطْنِيُّ، وَفِي إِسْنَادِهِمَا ضَعْفٌ.

[1218] حضرت ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حق کا مطالبہ کرنے والے (مدعی) پر قسم ڈال دی۔ (ان دونوں احادیث کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور دونوں کی سند میں ضعف ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم مسئلہ اسی طرح ہے کہ مدعی کے پاس اگر کوئی ثبوت نہ ہو تو مدعا علیہ کو قسم کھانا پڑے گی اور اگر وہ قسم کھانے سے بھی انکار کر دے تو ایسی صورت میں مدعی سے قسم کھانے کے لیے کہا جائے گا اگر وہ قسم کھا لے گا تو متنازع فیہ چیز اسے دے دی جائے گی۔

(١٢١٩) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ مَسْرُورًا، تَبْرُقُ أَسَارِيرُ وَجْهِهِ، فَقَالَ: «أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِيَّ نَظَرَ آنِفًا إِلٰى زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ وَأُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: هٰذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1219] حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے' وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ خوش و خرم میرے ہاں تشریف لائے۔ آپ کے رخ انور کے خطوط چمک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ مجزز مدلجی نے ابھی زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید ؓ کو دیکھ کر کہا ہے کہ یہ پاؤں ایک دوسرے کا جز ہیں۔'' (بخاری ومسلم)

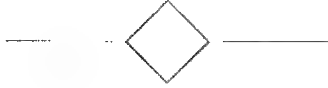
لغوی تشریح: [تَبْرُقُ] ''را'' پر ضمہ ہے اور باب نصر سے صیغۂ مضارع ہے۔ چمک رہے تھے' روشن تھے۔ [أَسَارِيرُ] أَسرار اور أَسِرَّة کی جمع ہے اور أسرار' سِرٌّ کی جمع ہے۔ سِرٌّ کی ''سین'' پر زیر اور ضمہ دونوں جائز ہیں اور ''را'' پر تشدید ہے۔ اور أَسِرّة' سَرَرٌ کی جمع ہے۔ سرر کے ''سین'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے۔ گویا أساریر جمع الجمع ہے۔ وہ خطوط جو پیشانی پر جڑتے اور بکھرتے ہیں۔ [مُجَزِّزًا] باب تفعیل سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور کبھی اسے اسم مفعول کے صیغے سے بھی پڑھتے ہیں۔ یہ ابن اعور بن جعدہ تھے۔ علم قیافہ کے عالم تھے۔ ابن یونس نے ان کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جو فتح مصر میں حاضر تھے۔ انھیں مجزز اس لیے کہا جاتا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی قیدی قید ہو کر آتا تو یہ اس کی پیشانی کے

١٢١٨ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الدارقطني: ٤/ ٢١٣، محمد بن مسروق لا يعرف، وفيه علة أخرى.

١٢١٩ـ أخرجه البخاري، الفرائض، باب القائف، حديث: ٦٧٧٠، ٣٥٥٥، ومسلم، الرضاع، باب العمل بإلحاق القائف الولد، حديث: ١٤٥٩.

بال کاٹ دیتے اور اسے آزاد کر دیتے تھے۔ [مُدْلِجِيّ] بنو مدلج کی جانب نسبت کی وجہ سے مدلجی کہلائے۔ مدلج' باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ نسب یہ ہے: مدلج بن مُرّہ بن عبد مناف بن کنانہ۔ مشہور و معروف قبیلہ ہے۔ قیافہ کا علم اس قبیلے میں اور بنو اسد میں پایا جاتا تھا اور عرب کے ہاں ان کا قیافہ مسلّم تھا۔ [هٰذِهِ الْأَقْدَامُ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ] یعنی ان دونوں کے مابین نسبی تعلق ہے۔ یہ بات اس نے اس وقت کہی جب اس نے اسامہ اور زید ﷠ کو اکٹھے لیٹے ہوئے دیکھا۔ دونوں کے چہرے اور سر چادر سے ڈھانپے ہوئے تھے اور قدم دراز ہونے کی وجہ سے کھلے ہوئے تھے۔ آپ کی مسرت و انبساط اور خوشی کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگ اسامہ ﷜ کے سیاہ رنگ ہونے کی وجہ سے ان کے نسب میں طعن کرتے تھے۔ جبکہ ان کے باپ زید ﷜ سفید رنگ کے تھے۔ باوجودیکہ طعن کی کوئی حیثیت نہ تھی کیونکہ ان کی والدہ ام ایمن کالے رنگ کی حبشی خاتون تھیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ثبوت نسب کے سلسلے میں قیافہ شناسی سے کام لیا جا سکتا ہے اور یہ فیصلہ کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور عدالت اسے تسلیم کر سکتی ہے۔



١٥ - كِتَابُ الْعِتْقِ

غلام آزاد کرنے سے متعلق احکام و مسائل

(١٢٢٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَيُّمَا امْرِیءٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَءًا مُسْلِمًا اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَلِلتِّرْمِذِيِّ - وَصَحَّحَهُ - عَنْ أَبِي أُمَامَةَ: «أَيُّمَا امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ». وَلِأَبِي دَاوُدَ مِنْ حَدِيثِ كَعْبِ بْنِ مُرَّةَ: «أَيُّمَا امْرَأَةٍ مُّسْلِمَةٍ

[1220] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس مسلمان نے کسی مسلمان شخص کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس کے ہر عضو کے بدلے میں جہنم کی آگ سے نجات دے دے گا۔'' (بخاری و مسلم)

اور ترمذی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے: ''جس مسلمان مرد نے دو مسلمان عورتوں کو آزاد کیا تو وہ دونوں اس کے دوزخ سے آزاد ہونے کا سبب بن جائیں گی۔'' اور ابوداود میں حضرت کعب

١٢٢٠ـ أخرجه البخاري، العتق، باب في العتق وفضله، حديث:٢٥١٧، ومسلم، العتق، باب فضل العتق، حديث:١٥٠٩، وحديث أبي أمامة: أخرجه الترمذي، النذور والأيمان، حديث:١٥٤٧ وهو حديث صحيح، وحديث كعب ابن مرة: أخرجه أبوداود، العتق، حديث:٣٩٦٧، والنسائي، الجهاد، حديث:٣١٤٧، وابن ماجه، العتق، حديث:٢٥٢٢ وسنده ضعيف لانقطاعه.

أَعْتَقَتِ امْرَأَةً مُسْلِمَةً كَانَتْ فِكَاكَهَا مِنَ النَّارِ».

بن مرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: ''جو مسلمان خاتون کسی مسلمان خاتون کو آزاد کرے گی تو وہ اس کے جہنم سے آزاد ہونے کا موجب ہوگی۔''

لغوی تشریح: [كِتَابُ الْعِتْقِ] عتق، ''عین'' کے کسرہ اور ''تا'' کے سکون کے ساتھ ہے۔ آزادی دینا' یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی غلام کو آزاد کرنا۔ [اِسْتَنْقَذَ] بچالے گا' نجات دے دے گا۔ [كَانَتَا فِكَاكَهُ] فكاك لغوی طور پر کے ''فا'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں لونڈیاں آزادی بخشنے والے کی خلاصی اور رہائی کا موجب بن جائیں گی۔ [مِنَ النَّارِ] یعنی ان دونوں کو آزاد کرنا جہنم کی آگ سے خلاصی اور رہائی کا سبب ہوگا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان غلام کو نعمت آزادی سے بہرہ ور کرنا بخشش و مغفرت اور جہنم سے آزادی کا موجب ہے' رسول اللہ ﷺ نے مختلف انداز میں اس کی بڑی ترغیب دی ہے۔ ② یہ انسانیت پر نبی ﷺ کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپ نے غلامی کی زنجیروں سے انسانوں کو آزادی کی نعمت سے نوازا ہے اور غلاموں کے حقوق سے خبردار کیا ہے' ورنہ غلاموں کو تو جانوروں سے بھی بدتر حالات سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔

راویٔ حدیث: [حضرت کعب بن مُرّہ رضی اللہ عنہ] بعض حضرات انھیں مرہ بن کعب بھی کہتے ہیں۔ پہلے بصرہ آئے، پھر اردن منتقل ہو گئے، اور وہیں ۵۷ یا ۵۹ ہجری میں وفات پائی۔

(۱۲۲۱) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «إِيمَانٌ بِاللهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ». قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: «أَغْلَاهَا ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1221] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا۔'' میں نے عرض کیا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: ''جو قیمت میں زیادہ گراں اور مالکوں کی نظروں میں زیادہ نفیس و محبوب ہو۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟] کس غلام کو آزاد کرنا زیادہ ثواب کا باعث ہے؟ [أَنْفَسُهَا] نَفَاسَةٌ سے صیغۂ أفعل التفضيل ہے' یعنی مالکوں کی نظروں میں زیادہ نفیس اور زیادہ پسندیدہ ہو۔

فوائد و مسائل: ① افضل عمل کی بابت سوال کرنے والے مختلف لوگوں کو نبی ﷺ نے مختلف جوابات دیے ہیں جس سے ظاہراً احادیث میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ تعارض نہیں بلکہ تمام جواب اپنی جگہ پر درست اور صحیح ہیں کیونکہ ہر سائل کا جواب اس کے حسب حال اور موقع کی مناسبت سے تھا۔ ② نفیس، مرغوب، قیمتی اور دل کو بھانے والی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بھی افضل عمل ہے۔

۱۲۲۱_ أخرجه البخاري، العتق، باب أي الرقاب أفضل، حديث: ۲۵۱۸، ومسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث: ۸٤.

(۱۲۲۲) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ [الْعَبْدُ عَلَيْهِ] قِيمَةَ عَدْلٍ، فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ حِصَصَهُمْ، وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ، وَإِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1222] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مشترکہ غلام میں سے اپنا حصہ آزاد کر دے، پھر اس کے پاس مزید اتنا مال بھی ہو جس سے غلام کی قیمت پوری ہو سکے تو انصاف سے اس کی قیمت مقرر کی جائے گی پھر وہ اپنے حصہ داروں کو ان کے حصے (کی قیمت) ادا کر دے گا اور یہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو گا۔ اور اگر اس کے پاس زائد مال نہ ہو تو پھر جتنا حصہ وہ آزاد کرے گا آزاد ہو جائے گا۔'' (بخاری و مسلم)

وَلَهُمَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: «وَإِلَّا قُوِّمَ عَلَيْهِ، وَاسْتُسْعِيَ غَيْرَ مَشْقُوقٍ عَلَيْهِ». وَقِيلَ: إِنَّ السِّعَايَةَ مُدْرَجَةٌ فِي الْخَبَرِ.

اور دونوں (بخاری و مسلم) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''ورنہ اس کی قیمت لگائی جائے گی اور اسے آزاد کرنے کے لیے اس پر مشقت ڈالے بغیر اس سے کام کروایا جائے گا۔'' اور یہ بھی کہا گیا ہے: وَاسْتُسْعِيَ...... جملہ مدرج، یعنی راوی کا اپنا بیان ہے۔

لغوی تشریح: [شِرْكًا] ''شین'' کے نیچے کسرہ اور ''را'' ساکن ہے۔ حصہ۔ [يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ] یعنی جس سے غلام کی باقی قیمت پوری ہو سکے۔ [قُوِّمَ] تقویم سے صیغۂ مجہول ہے۔ اس غلام کی عدل و انصاف سے قیمت طے کرائی جائے گی اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی۔ [فَأَعْطَى شُرَكَاءَهُ ...... الخ] یہ آزاد کرنے والا باقی شرکاء کو ان کے حصے کی قیمت ادا کرے گا اور یہ غلام پورے کا پورا اس کی جانب سے آزاد ہو جائے گا۔ یہ خبر ہے مگر امر کے معنی میں۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ طریقہ کار اختیار کرنا اس پر لازمی ہے، اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ [وَإِلَّا] یعنی اگر آزاد کرنے والے کے پاس مزید مال نہ ہو۔ [فَقَدْ عَتَقَ ...... الخ] عتق کی ''تا'' پر فتحہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پھر جتنا حصہ اس نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور باقی اسی طرح غلام رہے گا۔ [وَإِلَّا قُوِّمَ عَلَيْهِ وَاسْتُسْعِيَ ...... الخ] قُوِّمَ اور اُسْتُسْعِيَ دونوں صیغے مجہول ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آزاد کرنے والے کے پاس مزید اتنا مال نہیں ہے جو اس کی پوری قیمت کے برابر ہو تو پھر غلام کو کما کر لانے کی زحمت دی جائے گی اور اسے تکلیف دی جائے گی کہ وہ اتنا مال تلاش کرے جس سے دوسرے حصہ دار کے حصے کی قیمت ادا ہو سکے۔ جب غلام وہ حصہ مالک کے سپرد کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ یہاں الاستسعاء سے یہی مراد ہے۔ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے تو پہلی حدیث کو لے لیا کہ غلام کا بقیہ حصہ غلام ہی رہے گا اور اسے کمائی کر کے آزادی حاصل کرنے کا نہیں کہا جائے گا۔ اور کچھ نے کہا کہ اسے اجازت دی جائے گی کیونکہ فقد

١٢٢٢ـ أخرجه البخاري، الشركة، باب تقويم الأشياء بين الشركاء بقيمة عدل، حديث:٢٤٩١، ومسلم، العتق، حديث:١٥٠١، وحديث أبي هريرة: أخرجه البخاري، الشركة، حديث:٢٥٠٤، ومسلم، العتق، حديث:١٥٠٣.

عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ کا جملہ کسب کے منافی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ تمام شرکائے حصص میں سے صرف ایک کے حصے کے آزاد کرنے سے فی الفور غلام پورا آزاد نہیں ہوگا بلکہ اس کی حیثیت ایسے مکاتب کی ہوگی جس نے اپنی کتابت کا کچھ حصہ تو ادا کر دیا ہے اور کچھ ابھی باقی ہے۔ یہی رائے امام بخاری رحمہ اللہ کی ہے۔ اس میں اسے غلام ہی رکھنے اور سعی نہ کروانے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ [وَقِيلَ: إِنَّ السِّعَايَةَ مُدْرَجَةٌ فِي الْخَبَرِ] اور کہا گیا ہے: غلام کے لیے سعی وکسب کا ذکر حدیث میں مدرج، یعنی راوی کا اپنا بیان ہے، مگر سبل السلام میں ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ جملہ بھی مرفوع روایت ہوا ہے۔ جب تک مدرج کہنے کی مضبوط دلیل نہ ہو اسے مدرج نہیں کہا جا سکتا۔

(۱۲۲۳) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ، فَيُعْتِقَهُ**». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1223] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بیٹا اپنے باپ کا بدلہ نہیں دے سکتا الا یہ کہ باپ غلام ہو تو وہ اسے خرید کر آزاد کر دے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يَجْزِي] ''یا'' پر فتحہ ہے۔ معنی ہیں کہ نہیں بدلہ دے سکتا۔ [فَيُعْتِقَهُ] اس میں ''فا'' تعقیب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے آزاد نہیں ہوگا بلکہ خرید کر اسے پھر آزاد کرے۔ ظاہریہ نے اس کا یہی معنی لیا ہے۔ جمہور نے کہا ہے کہ وہ صرف خریدنے سے آزاد ہو جائے گا۔ جب خریدنا ہی اس کی آزادی کا سبب ہے تو آزاد کرنے کو مجازی طور پر اس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔ ان کی دلیل آنے والی حدیث ہے۔

(۱۲۲۴) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**مَنْ مَّلَكَ ذَا رَحِمٍ مَّحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ**». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ، وَرَجَّحَ جَمْعٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ.

[1224] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی محرم قرابت دار کا مالک بن گیا تو (اس کا) وہ (رشتہ دار) آزاد ہے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور محدثین کی ایک جماعت نے اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ موقوف ہے۔)

لغوی تشریح: [ذَا رَحِمٍ] رحم کے ''را'' پر فتحہ اور ''حا'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کے پرورش پانے کی جگہ کو رحم کہتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال قرابت کے لیے کیا جانے لگا۔ اور ذُو رَحِم ہر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے ساتھ انسان کی ایسی رشتہ داری ہو کہ دونوں کا آپس میں نکاح حرام ہو۔ [مَحْرَمٍ] قیاس کے مطابق اس پر نصب چاہیے لیکن یہ جر جوار کی وجہ سے مجرور ہے۔ [مَحْرَمٍ] کے ''میم'' پر فتحہ، ''حا'' ساکن اور ''را'' پر فتحہ ہے۔ اور اسے محرم (صیغۂ مفعول) بھی کہا گیا ہے، اس صورت میں یہ تحریم سے ماخوذ ہوگا۔ اور محرم اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح حرام ہو،

۱۲۲۳۔ أخرجه مسلم، العتق، باب فضل عتق الوالد، حديث: ۱۵۱۰.

۱۲۲۴۔ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، العتق، باب فيمن ملك ذا رحم محرم، حديث: ۳۹۴۹، والترمذي، الأحكام، حديث: ۱۳۶۵، وابن ماجه، الأحكام، حديث: ۲۵۲۴، والنسائي في الكبرٰى: ۳/ ۱۷۳، حديث: ۴۸۹۸، ۴۹۰۲، وأحمد: ۵/ ۲۰.

مثلاً: باپ' بھائی' چچا اور ان جیسے دوسرے رشتہ دار۔ [فَهُوَ حُرٌّ] یعنی محرم رشتہ دار' خواہ مرد ہو یا عورت' اس کی ملکیت کے سبب وہ آزاد ہو جائے گا۔

فائدہ: یہ حدیث بقول محدثین موقوف ہے مگر اس باب میں اور احادیث بھی مروی ہیں جن میں سے ایک کو ابن قطان اور ابن حزم نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی رو سے جن تعلق داروں کا باہم نکاح نہیں ہو سکتا ان میں غلامی اور آقائی کا تعلق بھی نہیں رہ سکتا۔ (سبل السلام)

(١٢٢٥) وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمَالِيكَ لَهُ، عِنْدَ مَوْتِهِ، لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا، ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

[1225] حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیے۔ ان غلاموں کے سوا اس کی کوئی اور جائیداد نہیں تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان (غلاموں) کو بلایا اور ان کے تین حصے کیے' پھر ان میں قرعہ اندازی کی۔ چنانچہ آپ نے دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رہنے دیا اور آزاد کرنے والے کے حق میں سخت کلمات بھی فرمائے۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا] جزَّأ کی ''زا'' پر تشدید ہے۔ معنی ہیں کہ انھیں تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ دو غلاموں پر مشتمل کر دیا۔ [أَرَقَّ] ''قاف'' پر تشدید ہے اور إرقاق سے ماضی کا صیغہ ہے۔ باقی چاروں پر غلامی کا حکم بدستور باقی رکھا۔ [وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا] آزاد کرنے والے کے فعل و عمل کو ناپسند کرنے اور مکروہ سمجھنے کی وجہ سے اس کے متعلق سخت کلمات فرمائے۔ اور ابوداود میں ہے کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس کی تدفین سے پہلے موجود ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا۔'' (سنن أبي داود' العتق' حديث:٣٩٦٠) سبل السلام میں ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری کی حالت میں کیا جانے والا صدقہ' وصیت کا حکم رکھتا ہے اور ترکے کے تیسرے حصے سے اس کی ادائیگی کی جائے گی۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرض الموت میں صدقے کی حیثیت وصیت کی ہوتی ہے اور مرنے والا شرعاً ترکے کی ایک تہائی وصیت کرنے کا مجاز ہے اس سے زائد نہیں اور اگر مرنے والا مرض الموت میں اس سے زائد کا صدقہ یا وصیت کر گیا تو وہ نافذ العمل نہیں ہوگا بلکہ اس کی اصلاح کی جائے گی۔

(١٢٢٦) وَعَنْ سَفِينَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[1226] حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں

١٢٢٥۔ أخرجه مسلم، الأيمان، باب من أعتق شركاً له في عبد، حديث: ١٦٦٨.

١٢٢٦۔ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، العتق، باب في العتق على الشرط، حديث: ٣٩٣٢، والنسائي في الكبرٰى: ٣/ ١٩٠، حديث: ٤٩٩٥، وابن ماجه، العتق، حديث: ٢٥٢٦، وأحمد: ٥/ ٢٢١، ٦/ ٣١٩.

قَالَ: كُنْتُ مَمْلُوكًا لِأُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، فَقَالَتْ: أُعْتِقُكَ، وَأَشْتَرِطُ عَلَيْكَ أَنْ تَخْدِمَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ مَا عِشْتَ. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ.

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا غلام تھا۔ انھوں نے کہا: میں تجھے آزاد کرتی ہوں اور یہ شرط لگاتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو گے' رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرو گے۔ (اسے احمد' ابوداود' نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزادی کا پروانہ مشروط طور پر بھی دینا جائز ہے اور غلام سے تاحیات کسی کی خدمت کی شرط لگانا بھی درست ہے۔

(١٢٢٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «**إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ.

[1227] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولا اسی کا حق ہے جو آزاد کرے۔'' (بخاری و مسلم۔ یہ لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْوَلَاءُ] ولاء کے ''واؤ'' پر فتحہ اور آخر پر مد ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ آزاد شدہ غلام جب فوت ہو جائے اور اس کے ورثاء میں سے کوئی نہ ہو تو اس کے ترکے کا مستحق آزاد کرنے والا ہوتا ہے یا آزاد کرنے والے کے ورثاء ہوتے ہیں۔ یہ حدیث مفصل طور پر کتاب البیوع میں (٧٥٦ کے تحت) گزر چکی ہے۔

(١٢٢٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ، لَا يُبَاعُ وَلَا يُوهَبُ**». رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ، وَأَصْلُهُ فِي الصَّحِيحَيْنِ بِغَيْرِ هٰذَا اللَّفْظِ.

[1228] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولا بھی نسب کے تعلق کی طرح ایک تعلق ہے جسے فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔'' (اسے شافعی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کی اصل صحیحین میں ہے جس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں۔)

لغوی تشریح: [لُحْمَةٌ] ''لام'' پر ضمہ اور فتحہ دونوں درست ہیں۔ کپڑے کے بانا کو کہتے ہیں۔ اور سبل السلام میں ہے کہ اسے تعلق نسب سے تشبیہ دینے کے معنی یہ ہیں کہ میراث جس طرح نسب میں جاری ہوتی ہے بعینہ اسی طرح ولا میں بھی جاری ہوتی ہے' جیسے کپڑے کے بانے کو تانے کے ساتھ ملا دیتے ہیں تو ایک ہی چیز بن جاتی ہے اسی طرح نسب اور ولا میراث میں ایک ہی طرح کے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کرنے والا' ولا کے تعلق کی بنا پر اسی طرح میراث کا مستحق ٹھہرتا ہے جس طرح نسب کا قریبی اس کا مستحق ہوتا ہے۔ اور جس طرح باپ بیٹے اور بھائی بھائی کا ایسا تعلق ہے جو نا قابل فروخت ہے اور ہبہ

١٢٢٧ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب الشراء والبيع مع النساء، حديث: ٢١٥٥، ومسلم، العتق، باب بيان أن الولاء لمن أعتق، حديث: ١٥٠٤.

١٢٢٨ـ [صحيح] تقدم: ٨١٦.

بھی نہیں ہو سکتا، اسی طرح تعلق ولا بھی فروخت کیا جا سکتا ہے نہ ہبہ کیا جا سکتا ہے۔ جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

١ - بَابُ الْمُدَبَّرِ وَالْمُكَاتَبِ وَأُمِّ الْوَلَدِ

باب: 1- مدبرٌ مکاتَب اورام ولد کا بیان

(١٢٢٩) عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَعْتَقَ غُلَامًا لَهُ عَنْ دُبُرٍ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: «مَنْ يَشْتَرِيهِ مِنِّي؟» فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي لَفْظٍ لِلْبُخَارِيِّ: فَاحْتَاجَ.

[1229] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے اپنا ایک غلام مدبر کر دیا اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی اور مال نہ تھا۔ یہ بات نبی ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟'' چنانچہ حضرت نُعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے آٹھ سو درہم میں خرید لیا۔ (بخاری و مسلم) اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: چنانچہ وہ (انصاری) محتاج ہو گیا۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِيِّ: وَكَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ فَبَاعَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ، فَأَعْطَاهُ، وَقَالَ: «اقْضِ دَيْنَكَ».

اور نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ اس (انصاری) پر قرض تھا تو آپ نے اسے آٹھ سو درہم کے عوض فروخت کیا اور اسے یہ قیمت دے کر فرمایا: ''اپنا قرض ادا کر۔''

لغوی تشریح: ﴿بَابُ الْمُدَبَّرِ﴾ تدبیر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور مُدَبَّر اس غلام کو کہتے ہیں جسے اس کا مالک یوں کہہ دے کہ میری وفات کے بعد تو آزاد ہے۔ ﴿وَالْمُكَاتَبِ﴾ یہ بھی اسم مفعول ہے۔ مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا و مالک سے ایک طے شدہ رقم پر معاہدہ کر لے کہ جب وہ اسے ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ اس عقد کو مکاتبت کہتے ہیں۔ ﴿أُمِّ الْوَلَدِ﴾ اس لونڈی کو کہتے ہیں جس کی اس کے مالک سے اولاد پیدا ہوئی ہو۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث کتاب البیوع میں مختصر گزر چکی ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلام کو مدبر کرنا درست ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ اسے تیسرے حصے میں سے تدبیر کیا جا سکتا ہے، سارے رأس المال سے نہیں۔ ② اس حدیث سے ''بولی دینا'' جائز ثابت ہوا، یعنی ایک چیز کو فروخت کرنے کے لیے کہنا کہ کون اس چیز کو خریدتا ہے؟ ایک نے کہا: میں اسے اتنے میں خریدتا ہوں۔ دوسرے نے کہا: میں اتنے میں خریدتا ہوں۔ اس طرح گاہک قیمت بڑھاتے جاتے ہیں۔ مالک جب دیکھتا ہے کہ اب اس کی قیمت ٹھیک لگ گئی ہے تو وہ اسے فروخت کر دیتا ہے۔ آج کل منڈیوں میں عام طور پر سودا جات اسی طرح فروخت ہو رہے ہیں اور یہ طریقہ جائز ہے۔ یاد رہے محض قیمت بڑھانے کے لیے بولی دینا جائز نہیں ہے۔

وضاحت: ﴿حضرت نُعَیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ﴾ ان کا لقب نحّام تھا۔ ''نون'' پر فتحہ اور ''خا'' پر تشدید ہے۔ قریش کے قبیلہ

١٢٢٩ـ أخرجه البخاري، البيوع، باب بيع المزايدة، حديث: ٢١٤١، ومسلم، الأيمان، باب جواز بيع المدبر، حديث: ٩٩٧، بعد حديث: ١٦٦٨، والنسائي، الزكاة، حديث: ٢٥٤٧.

بنوعدی سے تھے لیکن قدیم الاسلام تھے۔ شروع میں اپنا ایمان مخفی رکھا۔ انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو بنوعدی نے کہا یہاں سے نہ جاؤ چاہے کسی بھی دین پر قائم رہو' کیونکہ یہ بیوگان و یتامیٰ پر خرچ کرتے تھے۔ پھر انھوں نے صلح حدیبیہ والے سال ہجرت فرمائی۔ عہد صدیقی یا فاروقی میں فتوحات شام میں شہادت پائی۔

(١٢٣٠) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ، مَا بَقِيَ عَلَيْهِ مِنْ مُّكَاتَبَتِهِ دِرْهَمٌ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ. وَأَصْلُهُ عِنْدَ أَحْمَدَ وَالثَّلَاثَةِ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1230] حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں' نبی ﷺ نے فرمایا: ''مکاتب اس وقت تک غلام ہی ہے جب تک اس کی مکاتبت سے اس کے ذمے ایک درہم بھی باقی ہے۔'' (اسے ابوداود نے حسن سند سے روایت کیا ہے اور اس کی اصل احمد اور تینوں کے ہاں ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُكَاتَبُ عَبْدٌ] مکاتب غلام ہے' یعنی اس پر غلام و مملوک کے احکام جاری ہوں گے۔

فائدہ: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ''مکاتب'' جب تک طے شدہ رقم ادا نہ کر سکے اس وقت تک وہ غلام ہی رہے گا اور مالک اس سے خدمت لے سکے گا۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

(١٢٣١) وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِذَا كَانَ لِإِحْدَاكُنَّ مُكَاتَبٌ، وَكَانَ عِنْدَهُ مَا يُؤَدِّي، فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[1231] حضرت ام سلمہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی عورت کے پاس مکاتب ہو اور اس کے پاس اتنا مال ہو کہ وہ ادا کر سکے تو پھر اس (عورت) کو اس سے پردہ کرنا چاہیے۔'' (اسے احمد اور چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: مذکورہ حدیث علمائے کرام کے نزدیک تورع اور استحباب پر محمول ہوگی کیونکہ مکاتب کے پاس اگرچہ اتنا مال ہو جسے وہ ادا کر سکے تو بھی وہ آزاد نہیں ہوگا جب تک وہ ادا نہ کر دے۔ محض ادائیگی کی رقم موجود ہونے پر مالکہ کو اس سے پردہ لازم نہیں ہوگا۔ واللہ أعلم۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٤٤/ ٢٣)

(١٢٣٢) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1232] حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے' نبی

١٢٣٠ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، العتق، باب في المكاتب يؤدي بعض كتابته فيعجز أو يموت، حديث: ٣٩٢٦، وأصله أخرجه أبوداود، العتق، حديث: ٣٩٢٧، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٦٠، وابن ماجه، العتق، حديث: ٢٥١٩، وأحمد: ٢/ ١٧٨، ١٨٤، ٢٠٦، ٢٠٩، وهو حديث حسن.

١٢٣١ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، العتق، باب في المكاتب، حديث: ٣٩٢٨، والترمذي، البيوع، حديث: ١٢٦١، وابن ماجه، العتق، حديث: ٢٥٢٠، والنسائي في الكبرٰى: ٣/ ١٩٨، حديث: ٥٠٣٠ وغيره، وأحمد: ٦/ ٢٨٩.

١٢٣٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الديات، باب في دية المكاتب، حديث: ٤٥٨٢، والنسائي، القسامة، حديث: ٤٨١٤، وأحمد: ١/ ٩٤، ٢٦٠.

عَنْهُمَا، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «يُودَى الْمُكَاتَبُ بِقَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ دِيَةَ الْحُرِّ، وَبِقَدْرِ مَا رَقَّ مِنْهُ دِيَةَ الْعَبْدِ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُودَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ.

ﷺ نے فرمایا: ''مکاتب جس قدر آزاد ہو چکا ہو اس قدر اس کی آزاد شخص والی دیت ادا کی جائے گی اور جس قدر غلام ہو اس قدر غلام والی دیت دی جائے گی۔'' (اسے احمد' ابوداود اور نسائی نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [يُودَى الْمُكَاتَبُ] يُودَى کے ''یا'' پر ضمہ' ''واؤ'' ساکن اور ''دال'' پر فتحہ ہے۔ وَدَى يَدِي دِيَةً سے فعل مضارع صیغہ مجہول ہے' یعنی مکاتب کی دیت دی جائے گی۔ [بِقَدْرِ مَا عَتَقَ مِنْهُ] جس قدر قسطیں ادا کرنے کے بعد وہ آزاد ہو چکا ہو۔ [دِيَةَ الْحُرِّ] دِيَةَ منصوب ہے۔ [وَ بِقَدْرِ مَارَقَّ مِنْهُ] مکاتب جس قدر غلام ہے اس قدر اس کی غلام والی دیت دی جائے گی' مثلاً: مکاتب کو قتل کر دیا گیا جب کہ اس نے آدھا زر کتابت ادا کر دیا تھا تو اس صورت میں قاتل آدھی دیت آزاد شخص والی اور آدھی غلام والی دے گا۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ مکاتب جب تک پورا زر کتابت ادا نہ کر دے' وہ غلام ہی ہے' خواہ وہ خود جرم کرے یا کوئی دوسرا اس پر جرم کا مرتکب ہو۔ جہاں تک ہمارا مبلغ علم ہے علماء میں سے سوائے ابراہیم نخعی کے اس حدیث کے مطابق کسی نے فتویٰ نہیں دیا' البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کا ایک قول مروی ہے حالانکہ جب صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل واجب ہے بشرطیکہ وہ منسوخ نہ ہو اور نہ اس کے معارض اس سے اولیٰ کوئی دوسری حدیث ہو۔

(١٢٣٣) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَخِي جُوَيْرِيَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: مَاتَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عِنْدَ مَوْتِهِ دِرْهَمًا، وَلَا دِينَارًا، وَلَا عَبْدًا، وَلَا أَمَةً، وَلَا شَيْئًا، إِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ، وَسِلَاحَهُ، وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

[1233] ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت میراث میں کوئی درہم چھوڑا نہ دینار اور نہ کوئی غلام اور لونڈی اور نہ کوئی اور چیز سوائے ایک سفید خچر' اسلحۂ جنگ اور تھوڑی سی زمین کے جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَ لَا أَمَةً] یہ حتمی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پیچھے چھوڑا تھا تو پھر وَلَا أَمَةً کہنا کیسے درست ہوا جبکہ ان کی وفات تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ہے۔ اس کا جواب اس حدیث کی روشنی میں یہ ہے کہ چونکہ وہ ام ولد تھیں' اس لیے وہ لونڈی نہ رہیں، آپ ﷺ کی وفات سے وہ آزاد ہو گئی تھیں۔ اسی بنا پر مصنف رحمہ اللہ نے اس باب میں اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ اور رہی وہ تھوڑی سی زمین جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا! تو اس کی صورت یہ تھی کہ آپ کو اپنی زندگی میں تین زمینیں حاصل ہوئی تھیں۔ بنونضیر کے کھجور کے باغ' خیبر کی زمین اور فدک کی زمین۔ بنونضیر کی کھجوریں تو آپ کے لیے خصوصی طور پر تھیں۔ اکثر آپ نے ان میں سے مہاجرین کو عطا فرما دی تھیں۔ اور تھوڑی سی ان میں سے بطور وقف برائے ضروریات روک لی تھیں، اور یہ وہی صدقہ تھا

١٢٣٣ـ أخرجه البخاري، الوصايا، باب الوصايا، حديث: ٢٧٣٩، ٤٤٦١.

جو بنو فاطمہ کے قبضہ وتصرف میں رہا جیسا کہ ابوداود میں ہے۔ رہا خیبر کی زمین کا معاملہ! تو اسے آپ نے تین ہزار چھ سو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کا نصف' یعنی ایک ہزار آٹھ سو' آپ نے غزوۂ خیبر میں شریک مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم میں دیگر مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کا بھی حصہ تھا۔ اور دوسرا نصف حصہ الگ رکھا، وہ بھی ایک ہزار آٹھ سو تھا۔ یہ حصہ آپ نے اپنی اور مسلمانوں کی ناگہانی ضروریات کے لیے وقف کر دیا۔ رہا فدک کا حصہ! تو یہ آپ کے لیے مخصوص تھا، اسے آپ نے مسافروں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے نبی ﷺ کی دنیا سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے کیونکہ تریسٹھ کے لگ بھگ لونڈیاں اور غلام آپ کے قبضے میں آئے۔ آپ نے ان سب کو آزاد کر دیا اور اپنے پیچھے کوئی میراث نہیں چھوڑی بلکہ آپ نے فرمایا: ''انبیاء ﷺ درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑتے' جو مالی ترکہ چھوڑتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔'' (مسند أحمد:۲/۴۶۳' وصحیح البخاري' الوصایا' حدیث:۲۷۷۶' و ۳۰۹۶)

راویٔ حدیث: [حضرت عمرو بن حارث ﷜] عمرو بن حارث بن ابی ضرار بن حبیب خزاعی مصطلقی' یعنی قبیلہ بنوخزاعہ کی شاخ بنومصطلق سے تھے۔ شرف صحابیت سے مشرف تھے۔ ان سے یہی ایک حدیث مروی ہے۔

(١٢٣٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَيُّمَا أَمَةٍ وَلَدَتْ مِنْ سَيِّدِهَا فَهِيَ حُرَّةٌ بَعْدَ مَوْتِهِ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَه وَالْحَاكِمُ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ، وَرَجَّحَ جَمَاعَةٌ وَقْفَهُ عَلٰى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ.

[1234] حضرت ابن عباس ﷠ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس لونڈی نے اپنے مالک کا بچہ جنا تو وہ مالک کی وفات کے بعد آزاد ہے۔'' (اسے ابن ماجہ اور حاکم نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے اس کے حضرت عمر ﷜ پر موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم دیگر دلائل سے یہی مسئلہ راجح اور درست معلوم ہوتا ہے کہ ام ولد اپنے آقا کی وفات کے بعد ازخود آزاد ہو جاتی ہے۔ واللہ أعلم۔

(١٢٣٥) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ أَعَانَ مُجَاهِدًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ غَارِمًا فِي عُسْرَتِهِ، أَوْ مُكَاتَبًا فِي رَقَبَتِهِ، أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1235] حضرت سہل بن حُنَیف ﷜ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے مجاہد فی سبیل اللہ کی اعانت کی یا تنگ دستی میں کسی مقروض سے تعاون کیا یا کسی مکاتب کے زرِکتابت کی ادائیگی میں اس کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس روز سایہ عطا فرمائے گا جس

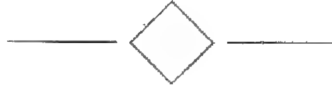
١٢٣٤ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه ابن ماجه، العتق، باب امهات الأولاد، حديث: ٢٥١٥، والحاكم: ٢/ ١٩ وصححه، فتعقبه الذهبي بقوله: "حسين بن عبدالله متروك" وتلميذه عنعن.

١٢٣٥ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أحمد: ٣/ ٤٨٧، والحاكم: ٢/ ٨٩، ٩٠، عبدالله بن سهل بن حنيف وثقه الحاكم وحده، ولبعض حديثه شواهد.

روز اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا۔‘‘ (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْغَارِمُ] جس پر قرض کا بار ہو یعنی مقروض۔ دراصل لغت میں غارم اس شخص کو کہتے ہیں جس پر کسی قسم کا حرجانہ، تاوان، جرمانہ یا قرض ہو۔

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے، تاہم اسلام خیر خواہی، مواسات اور باہمی ہمدردی کا درس دیتا ہے اور تنگ دستی میں ایک دوسرے سے تعاون کی تلقین کرتا اور ترغیب دیتا ہے۔



١٦ - كِتَابُ الْجَامِعِ

متفرق مضامین کی احادیث

١ - بَابُ الْأَدَبِ

(١٢٣٦) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ، إِذَا لَقِيتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، وَ إِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ، وَ إِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ، وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ فَشَمِّتْهُ، وَ إِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ، وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ». رَوَاهُ مُسْلِمٌ.

باب:1-ادب کا بیان

[1236] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں: جب تو اس سے ملے تو اسے سلام کر' جب وہ تجھے بلائے تو اس کی فرمائش کو پورا کر' جب وہ تجھ سے خیرخواہی طلب کرے تو اس کی خیرخواہی کر' جب وہ چھینک مار کر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے تو اس کے جواب میں تو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ' جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کر اور جب وہ وفات پا جائے تو اس کے جنازے کے پیچھے جا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

١٢٣٦ـ أخرجه مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام، حديث: ٢١٦٢.

لغوی تشریح: [كِتَابُ الْجَامِعِ] اس میں مختلف موضوعات شامل ہیں' مثلاً: آداب' اخلاق' نیکی و خیر خواہی' زہد و تقویٰ اور اذکار مسنونہ وغیرہ۔ [سِتٌّ] یہ حقوق چھ ہی پر منحصر نہیں بلکہ اس سے کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔ [فَشَمِّتْهُ] تَشْمِيت سے صیغۂ امر ہے' یعنی چھینک مارنے والے کے جواب میں يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے۔ [وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ] کا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر چھینک مارنے والا الحمدللہ نہ کہے تو سامع اس کا جواب نہیں دے گا۔ [فَعُدْهُ] یہ عيادة سے صیغۂ امر ہے اور باب نَصَرَ سے ہے۔ [فَاتَّبِعْهُ] یعنی اس کے جنازے کے پیچھے پیچھے چل۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق بیان ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں پانچ کا ذکر بھی ہے' اس میں خیر خواہی کا ذکر نہیں۔ (صحیح مسلم' السلام' حدیث: ٢١٦٢) ② ان چھ حقوق کا ادا کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے' ظاہر حدیث کے الفاظ سے ان حقوق کی ادائیگی واجب ہی معلوم ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم.

(١٢٣٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أُنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1237] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سے کم تر کو دیکھو اور اپنے سے برتر کی طرف نہ دیکھو کیونکہ اس طرح زیادہ مناسب ہے کہ تم اللہ کی کسی نعمت کو حقیر نہیں سمجھو گے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [لَا تَنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ] یعنی مال و دولت' جاہ و حشمت اور دنیوی امور و معاملات میں اپنے سے بالا و برتر کو مت دیکھو۔ [أَجْدَرُ] زیادہ مناسب' زیادہ لائق اور زیادہ مستحق۔ [أَنْ لَّا تَزْدَرُوا] حقیر اور معیوب نہیں سمجھو گے۔ اور یہ اس لیے کہ انسان جب اپنے سے فروتر کی طرف دیکھتا ہے تو قناعت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور جب اپنے سے بالاتر کی طرف دیکھتا ہے تو حرص' لالچ اور حسد کرتا ہے اور جس نعمت میں وہ اس وقت ہوتا ہے اسے حقیر تصور کرتا ہے۔

(١٢٣٨) وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ، فَقَالَ: «اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ، وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1238] حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نیکی اور گناہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''نیکی اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ کام ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو ناپسند سمجھے کہ لوگ اس پر مطلع ہو جائیں۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ] تیرے سینے میں اضطراب پیدا کرے اور تو اسے انجام دینے میں تردد اور

١٢٣٧ـ أخرجه البخاري، الرقاق، باب لينظر إلى من هو أسفل منه ....، حديث: ٦٤٩٠، ومسلم، الزهد والرقائق، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: ٢٩٦٣، واللفظ له.

١٢٣٨ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، حديث: ٢٥٥٣.

تذبذب میں مبتلا ہو کہ اس کے کرنے میں ملامت ہوگی یا اسے اس خوف اور ڈر کے پیش نظر چھوڑ دے کہ اللہ تو دیکھ رہا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں نیکی اور گناہ کی حقیقت کے بارے میں بیان ہوا ہے کہ نیکی یہ ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آئے' ان سے دوستی رکھے' ان پر مشقت نہ ڈالے' ان کے کام آئے' ان کے بوجھ اٹھائے' ان سے برا سلوک نہ کرے' ان کے ساتھ دست درازی نہ کرے' بلاوجہ آپے سے باہر نہ ہو جائے' حتی الوسع درگزر اور عفو سے کام لے' مؤاخذہ اور گرفت کا رویہ اختیار نہ کرے وغیرہ۔ اور گناہ یہ ہے کہ دل میں کھٹک اور شبہ رہے کہ نہ جانے یہ کام اللہ کی نظر میں کیسا ہے' دل میں تسلی و تشفی نہ ہو اور جس کے کرنے سے دل میں یہ خطرہ پیدا ہو کہ اگر لوگوں کو اس کا علم ہو گیا تو مجھے ملامت کریں گے اور برا بھلا کہیں گے۔ ② اس دنیا میں نیکی اور گناہ کی کشمکش جاری ہے اور جاری رہے گی۔ نیکی اور برائی کو پہچاننے کا یہ بہترین نسخہ ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ] نواس میں ''واؤ'' پر تشدید ہے اور سمعان میں ''سین'' پر فتحہ اور کسرہ دونوں درست ہیں۔ نواس بن سمعان بن خالد کلابی عامری۔ شامی صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ان کے والد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور انھوں نے آپ کو جوتوں کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اسے قبول کیا۔

(١٢٣٩) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ: قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى اثْنَانِ دُونَ الْآخَرِ، حَتّٰى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ، مِنْ أَجْلِ أَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ.

[1239] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم تین ہو تو دو آدمی تیسرے کے بغیر سرگوشی نہ کریں یہاں تک کہ تم لوگوں کے ساتھ مل جل جاؤ' اس لیے کہ یہ چیز اسے غمگین اور رنجیدہ خاطر کرتی ہے۔'' (بخاری و مسلم۔ اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔)

فائدہ: اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ساتھی کو نظر انداز کر کے کانا پھوسی اور سرگوشی کرنا منع ہے۔ اس سے انسانی جذبات و احساسات کا احترام ملحوظ رکھنے کا سبق ملتا ہے کہ ایسا کام انجام نہ دیا جائے جس سے دوسرے کو تکلیف ہوتی ہو اور اسے خیال گزرے کہ یہ مجھے اپنا نہیں بلکہ غیر تصور کرتے ہیں یا اسے کھٹکا اور اندیشہ پیدا ہو کہ یہ دونوں میرے خلاف ساز باز کر رہے ہیں اور مجھے دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے دوسرے کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچتی ہے' اس لیے تین آدمیوں کی مجلس میں دو کا علیحدہ ہو کر کانا پھوسی اور سرگوشی کرنا منع کیا گیا ہے۔

(١٢٤٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1240] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول

١٢٣٩ـ أخرجه البخاري، الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة ...، حديث: ٦٢٩٠، ومسلم، السلام، باب تحريم مناجاة الاثنين دون الثالث بغير رضاه، حديث: ٢١٨٤.

١٢٤٠ـ أخرجه البخاري، الاستئذان، باب لا يقيم الرجل الرجل من مجلسه، حديث: ٦٢٦٩، ومسلم، السلام، باب تحريم إقامة الإنسان من موضعه المباح الذي سبق إليه، حديث: ٢١٧٧.

عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ، وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَتَوَسَّعُوا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی آدمی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس جگہ نہ بیٹھے بلکہ (اگر جگہ کی کمی ہو تو اہل مجلس سے یہ کہہ دے کہ) وسیع اور کشادہ ہو جاؤ۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مجلسی آداب کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر مجلس میں جگہ کی کمی واقع ہو رہی ہے اور لوگوں کی آمد بدستور جاری ہے تو پہلے نشستوں پر بیٹھے ہوئے لوگ ذرا سکڑ جائیں' ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں یا مجلس کے دائرے کو ذرا اور وسیع کر لیا جائے تاکہ آنے والے حضرات بھی بیٹھ سکیں' البتہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایک آدمی کسی ضرورت کے پیش نظر اپنی نشست چھوڑ کر ذرا دیر کے لیے باہر جائے تو دوسرا اس کی جگہ پر قبضہ جما لے۔ ② یہ حکم ہر جگہ کے لیے یکساں ہے' خواہ مسجد میں ہو یا مجلس احباب میں یا کہیں دوسرے مقام پر۔

(١٢٤١) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ طَعَامًا فَلَا يَمْسَحْ يَدَهُ حَتّٰى يَلْعَقَهَا أَوْ يُلْعِقَهَا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1241] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنا ہاتھ چاٹنے یا چٹوانے سے پہلے (رومال وغیرہ سے) صاف نہ کرے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [يَلْعَقَهَا] باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے۔ خود اپنی زبان سے اپنا ہاتھ چاٹ کر صاف کرے۔ [أَوْيُلْعِقَهَا] باب افعال سے ہے۔ اپنے سوا کسی دوسرے شخص' مثلاً: غلام' خادم یا اپنی بیوی اور اپنے بیٹے وغیرہ کو چٹوا دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اس کا علم نہیں کہ کھانے کے کس ذرے میں برکت ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں کھانا تناول کرنے کے آداب میں سے ایک ادب کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ رومال وغیرہ سے صاف کرنے سے پہلے انگلیوں کو اپنی زبان سے چاٹ کر یا دوسرے کسی سے چٹوا کر صاف کرنا چاہیے۔ عین ممکن ہے کہ ہاتھ پر لگے ہوئے کھانے ہی میں برکت ہو۔ ② کھانے کے دوران میں ہاتھوں کو رومال وغیرہ سے صاف کرتے رہنا یا انگلیوں کو چاٹنے سے پہلے صاف کرنا درست نہیں ہے۔

(١٢٤٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لِيُسَلِّمِ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ، وَالْمَارُّ عَلَى الْقَاعِدِ، وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ:

[1242] حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹا بڑے کو' راہ چلتا بیٹھے کو اور تھوڑے زیادہ تعداد والوں کو سلام کیا کریں۔'' (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''سوار' پیدل کو سلام کرے۔''

١٢٤١ـ أخرجه البخاري، الأطعمة، باب لعق الأصابع ومصها قبل أن تمسح بالمنديل، حديث: ٥٤٥٦، ومسلم، الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع والقصعة . . .، حديث: ٢٠٣١.

١٢٤٢ـ أخرجه البخاري، الاستئذان، باب تسليم القليل على الكثير، حديث: ٦٢٣١، ومسلم، السلام، باب يسلم الراكب على الماشي . . .، حديث: ٢١٦٠.

«وَالرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي».

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کے آداب کا ذکر ہے۔ ② چنانچہ حکم ہے کہ کم عمر والا بڑی عمر والے کو پہلے سلام کرے۔ اس سے بڑے کی عزت و توقیر مقصود ہے۔ اور آنے والے کو حکم ہے کہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ اس کی حکمت وعلت یہ معلوم ہوتی ہے کہ آنے والے سے ضرر و نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے مگر جب وہ پہلے سلام کرے گا تو اس سے گویا خطرے کا اندیشہ ختم ہو گیا۔ اور سوار پیدل چلنے والوں کو سلام کریں کیونکہ سواری پر بیٹھا ہوا انسان ذرا بڑائی کے زعم اور تکبر میں مبتلا ہو جایا کرتا ہے' اس کے ازالے کے لیے حکم فرمایا کہ سوار پہلے سلام کرے اور اپنی تواضع اور محبت کا اظہار کرے۔ اسی طرح کم تعداد زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں' اس میں کثرت کی قلت پر فوقیت اور افضلیت کی طرف اشارہ ہے۔ گویا اسلام نے حفظ مراتب کا اہل اسلام کو سبق دیا ہے جس پر ماشاء اللہ یہ امت عمل پیرا ہے۔

(١٢٤٣) وَعَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يُجْزِىءُ عَنِ الْجَمَاعَةِ - إِذَا مَرُّوا - أَنْ يُسَلِّمَ أَحَدُهُمْ، وَيُجْزِىءُ عَنِ الْجَمَاعَةِ أَنْ يَرُدَّ أَحَدُهُمْ». رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ.

[1243] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب ایک جماعت کسی کے پاس سے گزرے تو ان میں سے ایک آدمی کا سلام کرنا کافی ہے اور جماعت میں سے ایک آدمی کا جواب دینا کافی ہے۔'' (اسے احمد اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام کرنا اور اس کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ ② جماعت میں سے ایک فرد اگر سلام کہے گا یا جواب دے گا تو تمام کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی۔

(١٢٤٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَبْدَءُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي طَرِيقٍ فَاضْطَرُّوهُمْ إِلٰى أَضْيَقِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1244] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل مت کرو اور جب ان سے راستے میں ملاقات ہو جائے تو انھیں تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

(١٢٤٥) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَلْيَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلْيَقُلْ لَهُ أَخُوهُ: يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَإِذَا قَالَ لَهُ:

[1245] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ (سب تعریف اللہ کے لیے ہے)

١٢٤٣ـ [حسن] أخرجه أبوداود، الأدب، باب ما جاء في رد واحد عن الجماعة، حديث: ٥٢١٠، وأحمد: لم أجده، والبيهقي: ٩/ ٤٩ [الطبراني في الكبير: ٢/ ٨٢، ٨٣، حديث: ٢٧٣٠ وسنده حسن]

١٢٤٤ـ أخرجه مسلم، تقدم: ١١٢٧.

١٢٤٥ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب إذا عطس كيف يشمت، حديث: ٦٢٢٤.

يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَلْيَقُلْ لَهُ: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

کہنا چاہیے اور اس کا بھائی اسے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تجھ پر رحم کرے) کہے۔ جب وہ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہہ دے تو پھر چھینک لینے والا جواباً کہے: يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ (اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھارا حال درست فرمائے۔'') (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھینک آئے تو الحمدللہ کہنا چاہیے اور سننے والے کو اس کا جواب دینا چاہیے۔ اور جواب تین بار تک چھینک آئے تو دینا چاہیے' اس سے زیادہ ہو تو نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اپنے بھائی کو تین دفعہ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو زکام ہے۔'' (سنن أبي داود' الأدب' باب كم يشمت العاطس' حديث: ٥٠٣٤)

(١٢٤٦) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَشْرَبَنَّ أَحَدُكُمْ قَائِمًا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1246] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی کھڑے کھڑے پانی نہ پیے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں کھڑے کھڑے پانی پینے کی ممانعت ہے۔ اس ممانعت کو جمہور علماء نے نہی تنزیہی پر محمول کیا ہے لیکن ابن حزم رحمہ اللہ کا قول ہے کہ کھڑے ہو کر پانی پینا حرام ہے۔ اور بعض علماء اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینا ثابت ہے' غالباً اسی بنا پر جمہور نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کو نہی تحریمی پر محمول نہیں کیا۔

(١٢٤٧) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، وَلْتَكُنِ الْيُمْنٰى أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ، وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ إِلٰى قَوْلِهِ بِالشِّمَالِ، وَأَخْرَجَ بَاقِيَهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوُدَ.

[1247] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب اتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اتارے' یعنی دایاں پاؤں جوتا پہننے میں پہلے ہونا چاہیے اور اتارنے میں آخر میں ہونا چاہیے۔'' (بخاری و مسلم) مسلم نے اس حدیث کو لفظ بِالشِّمَالِ تک روایت کیا ہے اور حدیث کا باقی حصہ مالک' ترمذی اور ابوداود نے روایت کیا ہے۔

١٢٤٦ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب في الشرب قائمًا، حديث: ٢٠٢٦.
١٢٤٧ـ أخرجه البخاري، اللباس، باب ينزع نعله اليسرى، حديث: ٥٨٥٦، ومسلم، اللباس والزينة، باب استحباب لبس النعل في اليمنى أولًا ...، حديث: ٢٠٩٧.

فائدہ: ہر باعث تکریم اور موجب عزت کام کا آغاز دائیں طرف سے ہونا چاہیے اور ہر کم اہمیت والا کام بائیں جانب سے شروع کیا جائے' مثلاً: جوتا پہننا' کنگھی کرنا' وضو کرنا' قمیص وشلوار یا پاجامہ وغیرہ پہننا دائیں طرف سے اور جوتا اتارنا' استنجا کرنا وغیرہ بائیں جانب سے۔ اسی طرح مسجد میں داخل ہوتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں داخل کرنا چاہیے اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں باہر نکالنا چاہیے۔

(١٢٤٨) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَمْشِ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، وَلْيُنْعِلْهُمَا جَمِيعًا، أَوْ لِيَخْلَعْهُمَا جَمِيعًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1248] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص ایک جوتا پہن کر نہ چلے پھرے یا تو دونوں اکٹھے پہنے یا پھر دونوں اتار دے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [لِیُنْعِلْهُمَا] امام نووی رحمہ اللہ نے اس کا ضبط اس طرح کیا ہے کہ حرف مضارع' یعنی ''یا'' پر ضمہ ہے اور اسے باب افعال سے مانا ہے اور تثنیہ کی ضمیر [هُمَا] دونوں پاؤں کی جانب راجع ہے اگرچہ ان دونوں کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن اس تکلف کی چنداں ضرورت ہی نہیں کیونکہ اس مادے سے باب فَتَحَ آتا ہے جس کے معنی جوتا پہننے کے ہیں۔ [أَوْ لِیَخْلَعْهُمَا] یا دونوں پاؤں سے اتار لے۔ هُمَا ضمیر کا مرجع رِجْلَیْن ہے' یہ نووی رحمہ اللہ کی تفسیر کی رو سے ہے۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ ضمیر کا مرجع ''نعلین'' کو بنانا زیادہ فصیح ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ﴾ ''اپنے جوتے اتار دو۔''

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک جوتا پہن کر نہیں چلنا چاہیے۔ دونوں پہنے جائیں یا دونوں اتار دیے جائیں۔ بعض علماء نے اس کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ جوتے پہننے سے مقصود دونوں پاؤں کو تکلیف دہ چیزوں' مثلاً: کانٹے وغیرہ سے بچانا ہوتا ہے جب کہ ایک پاؤں ننگا ہو تو یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ شیطان کے چلنے کا طریقہ ہے۔ (سبل السلام) ② سیدھی سی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے، نیز ایک پاؤں میں جوتا اور دوسرا ننگا لیے پھرنا شائستگی اور تہذیب کے بھی منافی ہے۔

(١٢٤٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَىٰ مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1249] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا جس نے تکبر سے اپنا کپڑا (ٹخنوں وغیرہ سے) نیچے لٹکایا۔'' (بخاری ومسلم)

١٢٤٨ـ أخرجه البخاري، اللباس، باب لا يمشي في نعل واحدة، حديث: ٥٨٥٥، ومسلم، اللباس، باب استحباب لبس النعل في اليمين أولا ....، حديث: ٢٠٩٧.

١٢٤٩ـ أخرجه البخاري، اللباس، باب قول الله تعالى: ﴿قل من حرم ....﴾، حديث: ٥٧٨٣، ومسلم، اللباس، باب تحريم جر الثوب خيلاء ....، حديث: ٢٠٨٥.

لغوی تشریح: [خُیَلَاء] ''خا'' پر ضمہ اور کسرہ دونوں درست ہیں اور ''یا'' پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی تکبر، عجب، غرور اور گھمنڈ کے ہیں۔ نیز متکبرین کے کپڑا لٹکانے کا ہر انداز اس میں شامل ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے چادر، شلوار اور پینٹ وغیرہ کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے کیونکہ یہ متکبرین کی علامت ہے۔

(١٢٥٠) وَعَنْهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: «إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ، وَإِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ، وَيَشْرَبُ بِشِمَالِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1250] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے اور جب مشروب نوش کرے تو اسے دائیں ہاتھ سے نوش کرنا چاہیے کیونکہ شیطان اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور بائیں ہی سے پیتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھانا پینا دائیں ہاتھ سے ہونا چاہیے۔ بلا عذر بائیں ہاتھ سے کھانا پینا حرام ہے اور شیطان سے مشابہت ہے۔

(١٢٥١) وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «كُلْ، وَاشْرَبْ، وَالْبَسْ، وَتَصَدَّقْ، فِي غَيْرِ سَرَفٍ وَلَا مَخِيلَةٍ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَأَحْمَدُ، وَعَلَّقَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1251] حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کھا، پی، لباس پہن اور صدقہ کر لیکن اسراف اور تکبر کے بغیر۔'' (اسے ابوداود اور احمد نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اسے معلق بیان کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [سَرِف] ''سین'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے۔ کسی بھی عمل اور فعل میں حد اعتدال سے تجاوز کرنا اسراف کہلاتا ہے۔ اور زیادہ تر اس لفظ کا استعمال مال خرچ کرنے میں حد سے بڑھ جانے پر ہوتا ہے۔ اور مَخِيلَة، عَظِيمَة کے وزن پر ہے۔ اس کے معنی تکبر اور گھمنڈ کے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے دیگر شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے، نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں اسے تعلیقاً بیان کیا ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید دیکھیے: (الموسوعة الحديثية

١٢٥٠ـ أخرجه مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: ٢٠٢٠.

١٢٥١ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أحمد: ٢/ ١٨١، ١٨٢ [والترمذي، الأدب، حديث: ٢٨١٩ بلفظ آخر وحديثه صحيح]، والنسائي، الزكاة، حديث: ٢٥٦٠، وابن ماجه، اللباس، حديث: ٣٦٠٥، والبخاري تعليقًا، اللباس، قبل حديث: ٥٧٨٣، قتادة مدلس عنعن.

مسند الإمام أحمد: ۲۹۴/۱، ۲۹۵، و هداية الرواة: ۴/۳، ۲۱۷، ۲۱۸) ② اس حدیث میں اسراف اور تکبر سے منع کیا گیا ہے، خواہ اس کا تعلق کھانے پینے سے ہو، لباس سے ہو یا صدقہ وخیرات سے۔ یہ دونوں بہر آئینہ ناجائز ہیں کیونکہ کسی بھی چیز میں اسراف، جسم وجان اور معیشت کے لیے ضرر رساں ہوتا ہے اور انسان کو ہلاکت کے دہانے پر پہنچا دیتا ہے اور اس سے انسان کا نفس برباد ہو جاتا ہے۔ اور تکبر بھی انسان میں چونکہ خود پسندی اور اتراہٹ پیدا کرتا ہے اس لیے یہ بھی دنیا و آخرت میں نقصان دہ ہے۔ آخرت کے اعتبار سے تو اس طرح کہ انسان کبیرہ گناہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور دنیا میں اس طرح کہ ایسا انسان لوگوں کی نظروں میں مبغوض اور حقیر بن کر رہ جاتا ہے۔

٢ - بَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ

باب:2- نیکی اور صلہ رحمی کا بیان

(١٢٥٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1252] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کو یہ پسند ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی اور عمر میں اضافہ ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الْبِرِّ] ''با'' کے نیچے کسرہ ہے۔ بھلے اور نیک کام میں وسعت پسندی۔ نیکیاں کما کر اور برائیوں سے اجتناب کر کے بھلائیوں سے بہرہ ور ہونے کا نام بِرّ ہے۔ اور اس کا اطلاق اس خالص عمل پر ہوتا ہے جو دم واپسیں تک مسلسل ولگاتار ہوتا رہے۔ [وَالصِّلَةِ] وَصَلَ يَصِلُ کا مصدر ہے۔ قطع کی ضد ہے۔ صلہ رحمی سے مراد نسبی اور سسرالی رشتہ داروں سے احسان اور حسن سلوک کرنا، ان کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنا اور ان پر مہربانی کرنا ہے۔ اور قطع رحمی صلہ رحمی کی ضد ہے۔ [أَنْ يُّبْسَطَ] صیغۂ مجہول ہے۔ رزق میں وسعت اور کشادگی پیدا ہو۔ [أَنْ يُّنْسَأَ] یہ بھی صیغۂ مجہول ہے۔ اس کے معنی ہیں: اضافہ ہو۔ [فِي أَثَرِهِ] اس کی عمر اور اجل میں۔ عمر میں اضافے کے معنی یہ ہیں کہ اسے نیک کاموں اور اطاعت وفرمانبرداری کی توفیق سے نوازا جائے گا اور اس کی زندگی اور ایام زندگی میں برکت ڈالی جائے گی اور اس کی وفات کے بعد اس کا ذکر جمیل باقی رہے گا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ عمر میں اضافہ حقیقت میں ہے اللہ کے علم کے اعتبار سے نہیں بلکہ فرشتے کے علم کے اعتبار سے ہے جسے انسان کی عمر پر مقرر کیا گیا ہے، مثلاً: فرشتے سے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کی عمر سو برس کی ہوگی اگر وہ صلہ رحمی کرے گا اور اگر قطع رحمی کرے گا تو ساٹھ برس ہوگی، حالانکہ اللہ کے علم میں ہے کہ وہ صلہ رحمی کرے گا یا قطع رحمی، یعنی علم الٰہی میں کوئی ردوبدل اور تغیر نہیں ہوتا جبکہ فرشتے کے علم میں کمی بیشی کا امکان ہے۔ ہمارے نزدیک پہلا مفہوم راجح ہے۔ واللّٰه أعلم.

(١٢٥٣) وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رَضِيَ اللّٰهُ

[1253] حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،

١٢٥٢ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم، حديث: ٥٩٨٥.

١٢٥٣ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب إثم القاطع، حديث: ٥٩٨٤، ومسلم، البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث: ٢٥٥٦.

تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ». يَعْنِي قَاطِعَ رَحِمٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (بخاری ومسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں قطع رحمی کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے کہ ایسا آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ ② قطع رحمی کبیرہ گناہ ہے۔ اور جنت میں داخل نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس جرم کا مرتکب فی الفور جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اپنے اس گناہ کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائے گا۔ یا یہ مفہوم ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والا مستحق تو اسی سزا کا ہے الا یہ کہ اسے رحمت الٰہی ڈھانپ لے۔ واللہ أعلم۔

(١٢٥٤) وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَمَنْعًا وَهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1254] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور ان سے بدسلوکی کرنا' لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا' حقوق ادا نہ کرنا اور دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا حرام قرار دیا ہے اور قیل وقال' کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا ناپسند کیا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [عُقُوق] ''عین'' پر ضمہ ہے۔ عَقٌّ سے ماخوذ ہے جس کے معنی قطع کرنے اور پھاڑنے کے ہیں۔ اور عُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ سے مراد والدین کو اذیت و تکلیف دینا' ان کی نافرمانی کرنا اور ان کے خلاف خروج و بغاوت کرنا ہے' یعنی کسی بھی ایسے قول و فعل کا اظہار کرنا جس سے والدین غیر معمولی اذیت محسوس کریں' حرام ہے۔ [وَأْد] اس میں ''ہمزہ'' ساکن ہے۔ بچی کو زندہ درگور کرنا۔ [مَنْعًا وَّهَات] مَنْعٌ کے معنی ہیں: روکنا' یعنی وہ اموال اور حقوق جن کی ادائیگی واجب ہے انھیں بجا نہ لانا۔ اور هَات میں ''تا'' کے نیچے کسرہ ہے اور یہ فعل امر مجزوم ہے اور اس سے مراد ہے وہ چیز طلب کرنا جس کے طلب کرنے کا انسان کو استحقاق نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مالدار آدمی کے لیے بخل اور سوال کرنا حرام قرار دیا ہے۔ [قِيلَ وَقَالَ] بہت زیادہ باتیں کرنا' لایعنی مسائل میں جھگڑنا اور لوگوں کے معاملات و حالات اور ان کے افعال و حرکات کے بارے میں بحث کرنے میں الجھتے رہنا۔

(١٢٥٥) وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «رِضَا اللهِ فِي رِضَا الْوَالِدَيْنِ، وَسَخَطُ اللهِ فِي سَخَطِ

[1255] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی

١٢٥٤ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: ٥٩٧٥، ومسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة ...، حديث: ٥٩٣ بعد حديث: ١٧١٥.

١٢٥٥ـ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء من الفضل في رضا الوالدين، حديث: ١٨٩٩، وابن حبان (الإحسان): ١/ ٣٢٨، حديث: ٤٣٠، والحاكم: ٤/ ١٥٢.

الْوَالِدَيْنِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

والدین کی ناراضی میں ہے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں والدین کو راضی رکھنے اور ان کی ناراضی سے بچنے کا حکم ہے لیکن اگر والدین ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو تو پھر ان کی اطاعت ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں ان کی ناراضی کی پروا نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ دوسری احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

(١٢٥٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰى يُحِبَّ لِجَارِهِ أَوْ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1256] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: "مجھے اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے ہمسائے یا اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں تکمیل ایمان کے لیے ایک شرط بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جو چیز اپنے لیے پسند اور محبوب رکھے اپنے ہمسائے یا اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز محبوب رکھے۔ ② یقیناً ہر انسان کی خواہش ہے کہ اس کی عزت و توقیر کی جائے تو اس کی اپنے ہمسائے اور بھائی کے لیے بھی یہی سوچ ہونی چاہیے۔ جب اس کے دل میں یہ تمنا ہے کہ وہ امن و امان اور سلامتی سے رہے تو اپنے بھائی کے لیے بھی ایسی ہی سوچ ہونی چاہیے کہ وہ بھی امن و امان اور سلامتی سے رہے۔ جن افراد میں ایسی سوچ ہوگی وہ معاشرہ امن و سلامتی کا گہوارہ ہوگا۔ ترقی کی منزلیں طے کرے گا۔ معاشرے کا ہر فرد اپنی جگہ جب ایسے جذبات و احساسات رکھے گا تو لامحالہ معاشرے میں سکون و اطمینان ہوگا۔ بے چینی اور اضطراب نہیں ہوگا۔ ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ اور ہمدرد ہوگا۔ اچھے معاشرے کا بھی یہی طرۂ امتیاز ہے۔

(١٢٥٧) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: «أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا، وَهُوَ خَلَقَكَ». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَكَ». قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: «ثُمَّ أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1257] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے' حالانکہ وہ تیرا خالق ہے۔" میں نے عرض کیا: پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ مل کر کھائیں گے۔" میں

١٢٥٦- أخرجه البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث: ١٣، ومسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، حديث: ٤٥.

١٢٥٧- أخرجه البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم﴾، حديث: ٦٨٦١، ومسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده، حديث: ٨٦.

نے پھر عرض کیا کہ پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: ''پھر یہ کہ تو اپنے ہمسائے کی اہلیہ سے زنا کرے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: ﴿نِدًّا﴾ ''نون'' کے نیچے کسرہ اور ''دال'' پر تشدید ہے یعنی شریک اور ساجھی۔ دراصل اس کے معنی ہیں: نظیر، مثیل اور ہمسر۔ ﴿حَلِيلَةَ جَارِكَ﴾ ہمسائے کی اہلیہ۔ قتل اور زنا مطلقاً کبیرہ گناہ ہیں لیکن اولاد کا قتل اور ہمسائے کی بیوی سے منہ کالا کرنا عظیم ترین اور فحش ترین افعال ہیں کیونکہ دوسروں کے مقابلے میں اولاد اور ہمسائے کا حق زیادہ ہے کہ ان کے حقوق کا خیال اور لحاظ رکھا جائے اور انھیں تحفظ فراہم کیا جائے۔

(١٢٥٨) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ». قِيلَ: وَهَلْ يَسُبُّ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: «نَعَمْ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ، وَيَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1258] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔'' کہا گیا: کیا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیتا ہے؟ فرمایا: ''ہاں! وہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی والدہ کو گالی دیتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کام کے لیے سبب بننا گویا خود اس کام کو انجام دینا ہے۔ بالفاظ دیگر حرام چیز کے اسباب بھی حرام ہوتے ہیں، اس لیے ایسا کام کرنا یا ایسی بات کرنا جس کے نتیجے میں والدین کو گالی دی جائے یا انھیں تکلیف پہنچے، حرام ہے، لہٰذا اگر اپنے والدین کو گالی سے بچانا ہے تو دوسرے کے والدین کو گالی نہ دو اور نہ انھیں برا بھلا کہو۔

(١٢٥٩) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا، وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1259] حضرت ابوایوب ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے تین راتوں سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ جب دونوں کا آمنا سامنا ہوتا ہے یہ اپنا منہ ادھر کر لیتا ہے اور وہ ادھر کر لیتا ہے۔ دونوں میں بہتر انسان وہ ہے جو سلام میں پہل کرتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو مسلمان بھائیوں کی ناراضی ذاتی نوعیت کے معاملات کی

١٢٥٨ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب لا يسب الرجل والديه، حديث: ٥٩٧٣، ومسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: ٩٠.

١٢٥٩ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب الهجرة، حديث: ٦٠٧٧، ومسلم، البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام بلا عذر شرعي، حديث: ٢٥٦٠.

وجہ سے ہو تو ایسی صورت میں تین روز سے زیادہ ناراض رہنا جائز نہیں ہے لیکن اگر ناراضی کی وجہ دینی معاملہ ہو تو اس کے لیے غالباً کوئی حد نہیں ہے۔ ② دینی ناراضی تو عین ایمان کی علامت ہے۔ جب تک علت ناراضی موجود ہے اس وقت تک قطع تعلق درست ہے، جب وہ سبب دور ہو جائے تو ناراضی کو بھی ختم کر دینا چاہیے کیونکہ مومن صادق کے ہاں باہم تعلقات کا سبب دین ہے، دنیا نہیں۔

(١٢٦٠) وعَنْ جابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ تعالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ». أَخْرَجَهُ الْبُخارِيُّ.

[1260] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر بھلائی صدقہ ہے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَعْرُوف] بھلائی اور نیکی کے ہر کام کو ''معروف'' کہتے ہیں۔ اگلی حدیث میں ایک بھلائی کا ذکر بھی ہے۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ صرف مال خرچ کرنے کا نام ہی نہیں بلکہ ہر نیکی صدقہ ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا اپنے بھائی کے روبرو مسکرانا بھی صدقہ ہے۔ اور اس کی اچھے کام کی طرف رہنمائی کرنا اور غیر شرعی کام سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ اور گم کردہ راہ کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے یہاں تک کہ راستے سے ہڈی اور کانٹے کو اس نیت سے دور کرنا کہ راہ چلتے مسافر کے لیے باعث اذیت و تکلیف ہوگا، صدقہ ہے۔ اپنے ڈول سے دوسرے بھائی کے ڈول میں کچھ پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔'' (جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في صنائع المعروف، حديث:١٩٥٦)

(١٢٦١) وعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ».

[1261] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بھی بھلے کام کو حقیر اور معمولی نہ سمجھو خواہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا ہی کیوں نہ ہو۔''

لغوی تشریح: [بِوَجْهٍ] تنوین کے ساتھ۔ [طَلْقٍ] اس میں ''لام'' ساکن ہے۔ اور طلیق بروزن أمیر بھی آتا ہے اور طلِقٌ بروزن کَتِفٌ بھی استعمال ہوتا ہے، یعنی اپنے بھائی سے ملاقات کے وقت چہرہ روشن، چمکتا اور مسکراتا ہوا ہو۔

(١٢٦٢) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ ماءَها، وتَعاهَدْ جِيرانَكَ». أَخْرَجَهُما مُسْلِمٌ.

[1262] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال لیا کرو اور اپنے ہمسائے کا بھی خیال رکھا کرو۔''

١٢٦٠_ أخرجه البخاري، الأدب، باب كل معروف صدقة، حديث: ٦٠٢١.
١٢٦١_ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء، حديث: ٢٦٢٦.
١٢٦٢_ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: ٢٦٢٥.

(ان دونوں احادیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مرقة] "میم" اور "را" دونوں پر فتحہ ہے۔ وہ پانی جس میں گوشت کو جوش دے کر ابالا جاتا ہے اور وہ چکناہٹ والا ہو جاتا ہے، یعنی شوربا۔ [تعاهد] صیغۂ امر ہے۔ خیال رکھو۔ [جيران] جار کی جمع ہے جس کے معنی ہمسایہ اور پڑوسی کے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں ہمسائے سے حسن سلوک کا حکم ہے حتیٰ کہ اگر گوشت پکانے کی نوبت آ گئی ہے تو بجائے قورمہ اور بھنا ہوا پکانے کے اس میں ذرا پانی زیادہ ڈال کر شوربا تیار کر لیں اور اس میں سے ہمسائے کے ہاں بھی بھیج دیں۔ ہمسایہ اگر غریب ہو تو آپ کا یہ ارشاد وجوب کے لیے ہوگا اور اگر امیر ہو تو پھر استحباب پر محمول ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "جبریل علیہ السلام مجھے ہمسائے کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وارث ہی بنا دیں گے۔" (صحيح البخاري، الأدب، باب الوصاءة بالجار..... حديث: ٦٠١٤، ٦٠١٥)

(١٢٦٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا، سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1263] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی دنیا کی مصیبتوں اور سختیوں میں سے کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی کوئی سختی دور فرما دے گا۔ اور جو کوئی کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [نَفَّسَ] تنفیس سے ماخوذ ہے، حل کرتا ہے، دور کرتا ہے اور تکلیف زائل کر دیتا ہے۔ [كُرْبَة] "کاف" پر ضمہ اور "را" ساکن ہے۔ اس کی جمع كُرَب ("کاف" پر ضمہ اور "را" پر فتحہ) آتی ہے، یعنی مشقت، حزن اور پریشانی۔

(١٢٦٤) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1264] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی بھلائی کا راستہ بتاتا ہے اسے بھی نیکی پر عمل پیرا ہونے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔" (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

١٢٦٣ـ أخرجه مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن .....، حديث: ٢٦٩٩.
١٢٦٤ـ أخرجه مسلم، الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله بمركوب وغيره .....، حديث: ١٨٩٣.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیک عمل کی طرف راہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی اجر وثواب ملے گا جتنا اس نیکی پر عمل کرنے والے کو ملے گا۔ یہ راہنمائی براہ راست ہو یا بالواسطہ کہ دوسرے کسی عالم کی طرف رجوع کا اشارہ کیا جائے' دونوں کو شامل ہے۔

(١٢٦٥) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللهِ فَأَعِيذُوهُ، وَمَنْ سَأَلَكُمْ بِاللهِ فَأَعْطُوهُ، وَمَنْ أَتٰى إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَادْعُوا لَهُ». أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

[1265] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی تم سے اللہ کے نام کے ساتھ پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نام پر تم سے سوال کرے تو اسے دے دو اور جو کوئی تم سے حسن سلوک اور احسان کرے تو اسے احسان کا بدلہ دو۔ اگر بدلہ دینے کی طاقت نہ ہو تو پھر اس کے حق میں دعا کرو۔'' (اسے بیہقی نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنِ اسْتَعَاذَكُمْ بِاللّٰهِ] اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی اللہ کے نام سے کسی ایسے کام کے بارے میں پناہ طلب کرے جس کا اس سے مطالبہ کیا گیا ہو' حالانکہ وہ اس پر واجب نہ ہو تو اسے پناہ دینی چاہیے اور جس کام کے کرنے کا اس سے مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی طرح جو شخص مصائب یا مجبوری کے کاموں میں اللہ کے نام سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دینا واجب ہے۔ [فَكَافِئُوهُ] امر کا صیغہ ہے' یعنی اسے اس کے احسان کا بدلہ دو۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ اور تصحیح حدیث والی رائے ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٩/ ٢٦٦، ٢٦٧ والصحيحة للألباني: ١/ ٥١٠، ٥١١ رقم: ٢٥٤) ② اس حدیث میں اللہ کے نام پر پناہ طلب کرنے والے کو پناہ دینے اور اللہ کا نام لے کر سوال کرنے والے کو کچھ نہ کچھ ضرور دینے اور احسان کا بدلہ احسان سے دینے کی تاکید ہے۔ اللہ کے نام سے سوال کرنے والے کو حتی الوسع کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔ مگر دست سوال دراز کرنے والے کو اللہ کا واسطہ دینے سے بچنا چاہیے' تاہم پیشہ ور گداگروں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے تاکہ مسلم معاشرہ اس ناسور سے پاک ہو سکے۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' نبی ﷺ نے فرمایا: ''ملعون ہے وہ جو اللہ کا نام لے کر سوال کرے اور وہ بھی ملعون ہے جس سے اللہ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ کچھ بھی نہ دے بشرطیکہ وہ سوال کسی بری چیز کا نہ ہو۔'' (المعجم الكبير للطبراني: ٢٢/ ٣٧٧ و مجمع الزوائد: ٣/ ١٠٣) بہرحال اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرنا دوسرے کو بھی مشکل میں ڈال دیتا ہے' اس لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

١٢٦٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه البيهقي: ٤/ ١٩٩، وأبوداود، الزكاة، حديث: ١٦٧٢، الأعمش عنعن، وللحديث شواهد ضعيفة.

٣ - بَابُ الزُّهْدِ وَالْوَرَعِ

(١٢٦٦) وعن النُّعمانِ بْنِ بشيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالى عنهُما قال: سمعتُ رسول الله ﷺ يقولُ - وأهوى النُّعمانُ بإصبعيهِ إلى أُذُنَيْهِ - : «إنَّ الْحلال بيِّنٌ، وإنَّ الْحرامَ بيِّنٌ، وبينهما مُشْتَبِهاتٌ، لا يعلمُهُنَّ كثيرٌ من النّاس. فمن اتَّقى الشُّبُهاتِ فقدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وعِرْضِه، ومَنْ وقعَ في الشُّبُهاتِ وقعَ في الْحرامِ، كالرّاعي يَرْعى حوْلَ الْحِمى يُوشِكُ أنْ يقعَ فيه. ألا! وإنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، ألا! وإنَّ حِمى اللهِ محارِمُهُ. ألا! وإنَّ في الْجسدِ مُضْغةً إذا صلحتْ صلحَ الْجسدُ كُلُّهُ، وإذا فسدتْ فسدَ الْجسدُ كُلُّهُ، ألا! وهي الْقلْبُ». مُتّفقٌ عليه.

باب:3- دنیا سے بے رغبتی اور پرہیزگاری کا بیان

[1266] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' اور حضرت نعمان نے اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں کی طرف بلند کیا' آپ فرما رہے تھے: ''یقیناً حلال بھی واضح ہے' اور بلاشبہ حرام بھی واضح ہے۔ اور ان دونوں کے درمیان میں شبہے والی چیزیں ہیں جنھیں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی۔ چنانچہ جو کوئی شبہات سے بچ گیا تو اس نے اپنے دین اور اپنی عزت و آبرو کو بچا لیا۔ اور جو شبہات میں پڑ گیا وہ حرام میں پھنس گیا' جیسے کوئی چرواہا کسی چراگاہ کے گرد (مویشی) چراتا ہو تو ممکن ہے کہ جانور اس میں داخل ہو جائے۔ خبردار! یقیناً ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ خبردار! بے شک اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔ خبردار! یقیناً جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے' جب وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے' اور جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ خبردار! وہ ٹکڑا دل ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ الزُّهْدِ] زُهد کے ''زا'' پر ضمہ اور ''ہا'' ساکن ہے۔ یہ رغبت و دلچسپی کی ضد ہے۔ کتاب و سنت کے تقاضے کے عین مطابق دنیوی رغبت و دلچسپی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کو زہد کہتے ہیں: [وَالْوَرَعِ] ''واؤ'' اور ''را'' دونوں پر فتحہ ہے' اور ''را'' کو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ اس کے معنی ہیں: گناہوں سے دور رہنا۔ معاصی اور شبہے میں ڈالنے والی چیزوں سے اجتناب کرنا۔ [أَهْوَى النُّعْمَانُ بِإِصْبَعَيْهِ] نعمان نے اپنی دونوں انگلیوں کو اونچا اٹھایا' یعنی اشارہ کیا کہ میرے ان کانوں نے ارشاد نبوی سنا ہے۔ [اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ] بَيِّنٌ میں ''یا'' مشدد اور مکسور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حلال بالکل واضح اور نمایاں ہے' کوئی شک و شبہ نہیں کیونکہ اس کے بارے میں نص وارد ہو چکی ہے جس میں صراحت کے ساتھ اس کا حلال ہونا بیان کر دیا گیا ہے' یا کسی حدیث کو اصل اور بنیاد بنا کر اس سے جزئیات اور فروعات کا استنباط ممکن ہے۔ [وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ] اسی طرح حرام بھی واضح ہے' صریح دلیل کی بنا پر اس کی حرمت میں کوئی شبہ نہیں' جیسے مردار

١٢٦٦_ أخرجه البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حديث: ٥٢، ومسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حديث: ١٥٩٩.

اور خون ہے، یا کسی حدیث کو بنیاد بنا کر اس سے استنباط ہو سکتا ہے جیسے ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ [مُشْتَبِهَاتٌ] ''با'' پر کسرہ ہے۔ ایسے امور جو اختلاط اور التباس والے ہوں اور ان کے متعلق وضاحت وصراحت نہ ہو کیونکہ وہ ایک لحاظ سے حلال اور دوسرے لحاظ سے حرام معلوم ہوتے ہیں۔ اور مشتبہات کے یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ایسی چیزیں جو صحیح دلائل سے ثابت شدہ حرام کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں اور اسی وجہ سے مشتبہ ہیں۔ [فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ] اس نے اپنے دین میں براءت حاصل کر لی لہٰذا شرعاً وہ مذموم نہیں۔ [وَعِرْضِهِ] اور اسے بچا لیا، محفوظ کر لیا۔ یعنی اپنی عزت و آبرو کو لوگوں کے طعن و ملامت سے بچا لیا۔ [وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ] یعنی حرام میں جا گھسا اور حرام میں گرنے کے قریب پہنچ گیا۔ اس تاویل کی تائید اس حدیث میں آنے والی تشبیہ سے ہو رہی ہے۔ [الْحِمَى] ''حا'' کے نیچے کسرہ اور ''میم'' پر فتحہ ہے اور یہ الف مقصورہ کے ساتھ ہے یعنی ایسی چراگاہ جو بادشاہ اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے کہ اس کے چرواہوں کے سوا کوئی وہاں جانور نہیں چرا سکتا۔ چنانچہ جو کوئی دوسرا چرواہا اس میں داخل ہو یا اس میں جانور چرائے تو اسے سزا کے لیے پیش کیا جائے گا' لہٰذا جو سلامتی چاہتا ہے وہ اس میں داخل ہونے کے خوف سے قریب ہی نہ جائے۔ اور اس تشبیہ کا بھی یہی مفہوم ہے۔ [مُضْغَةً] ''میم'' پر ضمہ اور ''ضاد'' ساکن ہے۔ اس کے معنی ہیں: گوشت کا ٹکڑا۔

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث اصول اسلام میں سے شمار کی گئی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حلال اور حرام چیزیں تو واضح ہیں ان میں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے' البتہ مشتبہات ایسی چیزیں ہیں جن کی حرمت واضح نہیں یا جن کے بارے میں دلائل دونوں جانب تقریباً مساوی ہیں۔ اس قسم کے مسائل سے بچنا چاہیے اور ظن و تخمین سے کام نہیں لینا چاہیے۔ ② اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بدن کی اصلاح اور اس کے بگاڑ کا انحصار دل پر ہے۔ پورے جسم میں اس کی وہی حیثیت ہے جو بادشاہ کی ہے۔ تمام اعضائے بدن اس کی رعیت اور عوام ہیں۔ اگر بادشاہ نیک ہو تو رعایا بھی نیک ہوگی اور اگر وہ برا ہو تو رعایا بھی بری ہوگی۔ ③ ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ہے جن پر قواعد اسلام کا دارومدار ہے۔

(١٢٦٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: **«تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ وَالْقَطِيفَةِ، إِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ، وَإِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ»**. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1267] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''برباد ہو گیا دینار و درہم اور چادر کا بندہ' اگر اسے دیا جائے تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [تَعِسَ] سمع اور فتح کے باب سے ہے۔ ہلاک و برباد ہو گیا۔ [الْقَطِيفَةِ] وہ چادر جس کی جھالر اور حاشیہ وغیرہ ہو۔ اور [عَبْدُ الدِّينَارِ ...... الخ] سے مراد وہ شخص ہے جو ان اشیاء پر حریص ہو اور ان کی وجہ سے فتنے میں ایسا مبتلا ہو کہ انھی کی فریفتگی اور شیفتگی میں گم ہو گیا ہو' اس کی زندگی کا مقصد انھیں جمع کرنے' ذخیرہ کرنے اور حاشیہ دار چادر زیب تن کر کے فخریہ انداز سے اکڑ کر چلنے کے سوا کچھ بھی نہ ہو۔ رہا وہ شخص جو ان اشیاء کو بس حق کی حد تک حاصل کرے اور جہاں ان کا حق ہو وہیں انھیں استعمال کرے تو یہ اس ضمن میں نہیں آتا' خواہ اس کے پاس کتنا ہی مال جمع ہو جائے۔

١٢٦٧ـ أخرجه البخاري، الرقاق، باب ما يتقى من فتنة المال، حديث: ٦٤٣٥.

[رَضِيَ] دنیوی مال ومتاع ملنے پر اللہ سے راضی ہو جاتا ہے۔

(١٢٦٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِيَّ، فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ». وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِسَقَمِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1268] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھے پکڑ کر فرمایا: ''(اے ابن عمر!) دنیا میں ایک اجنبی یا راہ چلتے مسافر کی طرح رہ۔'' اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح کرے تو شام کا منتظر نہ رہ اور اپنی تندرستی کے وقت اپنی بیماری کے لیے اور زندگی میں موت کے لیے تیاری کر۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بِمَنْكِبِيَّ] مفرد اور تثنیہ دونوں طرح مروی ہے۔ ''میم'' پر فتحہ اور ''کاف'' کے نیچے کسرہ ہے' بازو اور کندھے کے ملنے کی جگہ۔ [غَرِيبٌ] جو اپنے وطن سے دور ہو۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انسان کسی شہر میں مقیم ہوتا ہے لیکن وہاں اس کی کوئی بہت زیادہ جان پہچان نہیں ہوتی بلکہ وہ لوگوں سے وحشت زدگی محسوس کرتا ہے' اس حدیث میں دراصل یہی شخص مراد ہے۔ [عَابِرُ سَبِيلٍ] ایسا آدمی جو ہمیشہ سفر پر رہے' راستے طے کرتا رہے' اپنے شہر یا کسی دوسرے شہر میں ٹھہرتا ہی نہیں۔ [خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ ...... الخ] اپنی صحت کے وقت اپنی بیماری کے لیے کچھ سامان کر۔ [اَلسَّقَم] ''سین'' اور ''قاف'' پر فتحہ ہے' اور ''سین'' پر ضمہ اور ''قاف'' ساکن بھی پڑھا گیا ہے۔ اس کے معنی بیماری اور مرض کے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ اپنی صحت کے ایام میں اطاعت وفرمانبرداری اور صدقہ وخیرات کے اتنے کام کر لے کہ جو تجھے ایام بیماری میں نفع دیں اور اس کی وجہ سے عمل میں جو کمی وکوتاہی واقع ہو اس کا سدباب اور ازالہ ہو سکے۔

فائدہ: اس حدیث میں دنیا کی بے ثباتی اور اس کے فانی ہونے کا بیان ہے اور زندگی بسر کرنے کا ایک اصول بتایا گیا ہے کہ دنیا میں انسان کو کس خیال سے رہنا چاہیے۔ دنیا انسان کا گھر نہیں بلکہ مسافر خانہ ہے' جیسے مسافر اپنی اصل منزل کی جانب رواں دواں رہتا ہے' راستے کی چیزوں سے قلبی تعلق وابستہ نہیں کرتا' اس کا مطمح نظر اپنی منزل مقصود تک رسائی پانا ہوتا ہے' دنیا میں بھی ایک انسان کو بس اسی طرح رہنا چاہیے کہ معلوم نہیں کب رخت سفر باندھنے کا حکم صادر ہو جائے۔

(١٢٦٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1269] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے دوسری قوم سے مشابہت اختیار کی تو وہ انھی میں سے ہے۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

١٢٦٨ـ أخرجه البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ: "كن في الدنيا كأنك غريب . . ."، حديث: ٦٤١٦.

١٢٦٩ـ [حسن] أخرجه أبوداود، اللباس، باب في لبس الشهرة، حديث: ٤٠٣١، وأحمد: ٢/ ٥٠، ٩٢، وابن حبان.

فوائد و مسائل: ① یہ حدیث تشبُّه بالکُفّار کی حرمت کی دلیل ہے۔ اسی سے علماء نے غیر مسلموں کا فیشن اپنانا مکروہ قرار دیا ہے۔ اس ''تشبیہ'' کا باب بڑا وسیع ہے۔ اس میں عبادات، عادات و اطوار، خور و نوش، ملبوسات، زیب و زینت، آداب و رسومات اور رجحان و میلان سب شامل ہیں۔ حدیث میں ان تمام چیزوں کی ممانعت ہے۔ اگر اس مقام پر تنگی داماں کا خوف نہ ہوتا تو ہم یہاں ان کی نصوص بالتفصیل بیان کرتے۔ علامہ ناصرالدین البانی ؒ نے اپنی کتاب حجاب المرأة المسلمة کے صفحہ ۷۸ تا ۱۰۹ طبع ثالث میں اس موضوع پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔

② شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ اس حدیث کی بابت اپنی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث کم از کم تشبیہ بالکفار کی حرمت کی متقاضی ہے، اگرچہ اس حدیث کا ظاہری مضمون تشبیہ بالکفار کی صورت میں کفر کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ﴾ (المآئدة ۵:۵۱) ''تم میں سے جو بھی انھیں دوست رکھے وہ یقیناً انھی میں سے ہے۔'' اور یہ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ کے بیان کی نظیر ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ ''جس نے مشرکین کے علاقے میں گھر بنایا اور ان کے تہوار والے ایام، نیروز اور مہرجان منائے اور ان کے ساتھ مشابہت کرتا رہا حتیٰ کہ وفات پا گیا تو ایسے آدمی کا حشر قیامت کے روز انھی کے ساتھ ہوگا۔'' کبھی اسے تشبہ مطلق پر محمول کیا جاتا ہے جو کفر کو واجب کر دیتا ہے اور تشبہ کے بعض پہلوؤں کی حرمت کا مقتضی ہے۔ اور کبھی اس شخص کا ان میں شمار ہونا صرف اتنی مشترک مقدار (قدرِ مشترک) پر محمول ہوتا ہے جس میں وہ ان کی مشابہت کرے، چنانچہ اگر وہ (قدرِ مشترک) کفر ہو یا معصیت، یا ان کا شعار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہوگا۔ بہر حال حرمت تشبیہ کی علت اور وجہ صرف اور صرف کفار کے ساتھ تشبیہ ہے، چنانچہ اگر تشبیہ ہوگی تو حرمت کا حکم لاگو ہوگا ورنہ نہیں۔ اور تشبہ عام ہے، اس کے عموم میں وہ شخص بھی شامل ہے جو کسی کام کو صرف اس وجہ سے کرے کہ کافروں نے اسے کیا ہے۔ اور یہ شاذ و نادر ہے۔ اور وہ شخص بھی اس عموم میں شامل ہے جو کسی کام میں اپنے غیر کی پیروی اپنے مقصد و فائدے کے لیے کرتا ہے بشرطیکہ وہ کام اس کے غیر، یعنی کافروں کا ایجاد کردہ ہو۔ مگر جس نے کوئی کام کیا اور وہ اتفاقاً عمل غیر کے مشابہ ہو گیا اور دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ اخذ نہیں کیا تو اس کا کفار کے ساتھ مشابہ ہونا محل نظر ہے۔ لیکن اس سے بھی منع کیا جاتا ہے تاکہ یہ ان کے ساتھ تشبیہ کا ذریعہ نہ بن جائے اور اس لیے بھی کہ اس میں کفار کی مخالفت ہے جیسا کہ ڈاڑھی کو رنگنے اور مونچھوں کو صاف کرنے کا حکم ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''بالوں کی سفیدی تبدیل کرو اور یہود سے مشابہت اختیار نہ کرو۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بالوں کو نہ رنگنے میں ان کے ساتھ مشابہت ہمارے ارادے اور عمل کے بغیر بھی ہو جاتی ہے اور یہ اتفاقی طور پر ان سے عملی موافقت کی بڑی واضح مثال ہے جو محض ہمارے جسم میں پیدا شدہ حالت کو تبدیل نہ کرنے کی بنا پر ہو جاتی ہے۔ پھر علامہ ابن تیمیہ ؒ نے اس ممانعت کی انتہا اور نتیجہ اپنی قلبی بصیرت کی روشنی میں ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں ظاہر اور باطن میں بہت مضبوط ربط اور تعلق ہے اور تشبہ بالکفار، ان کے ساتھ دوستی اور باہمی مودت کا سبب بنتا ہے اور دین میں مداہنت و منافقت اختیار کرنے کا موجب ہے اور اس کی وجہ سے ان کے اخلاق اور خبیث عادات اپنے خسارے، تمام نقصانات اور غضب الٰہی کے موجبات کے ساتھ مسلمانوں کی صفوں میں سرایت کر جاتی ہیں اور یہ اس دور کی چشم دید حقیقت ہے جس کا ہم آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور کانوں سے سنتے ہیں۔ (اقتضاء الصراط المستقیم، ص: ۱۱۶،

طبع دار الكتاب العربي)

(١٢٧٠) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ تَعالَى عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا فَقَالَ: «يَاغُلَامُ! احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ: حَسَنٌ صَحِيحٌ.

[1270] حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ میں ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے (کھڑا) تھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے لڑکے! تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر' اللہ تعالیٰ تیری نگہبانی کرے گا۔ تو اللہ (کے احکام) کی حفاظت کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ اور جب تو کچھ مانگے تو (صرف) اللہ سے مانگ' اور جب تو مدد طلب کرے تو (بس) اللہ سے مدد مانگ۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اِحْفَظِ اللّٰهَ] یہ امر کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں کہ اللہ کو یاد کر' یعنی اس کے اوامر پر عمل پیرا رہنے' اس کے نواہی سے اجتناب کرنے' اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور تعدی نہ کرنے کے ساتھ یاد رکھ۔ [تُجَاهَكَ] ''تا'' پر تینوں حرکتیں جائز ہیں۔ اپنے روبرو اور سامنے پائے گا اور وہ تجھے دونوں جہانوں میں شر سے محفوظ رکھے گا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں خالص توحید کی بہترین انداز میں تعلیم دی گئی ہے۔ ② اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی مقرر کردہ حدود اور اس کے اوامر و نواہی کا ہر وقت پوری طرح خیال رکھا جائے' خود بھی ان سے بچنے کی کوشش کی جائے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی جائے۔ ③ اللہ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ وہ ایسے بندے کو دنیوی مصائب و آلام سے بچائے گا' ان سے بچنے کا راستہ سمجھائے گا اور قیامت کے روز جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ ④ اس حدیث کا باقی ماندہ حصہ یوں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''اور جان لے کہ اگر ساری دنیا والے مل کر تیرا کچھ سنوارنا چاہیں تو صرف اتنا نفع ہی پہنچا سکیں گے جو اللہ نے تیرے لیے لکھ دیا ہے اور اگر نقصان پہنچانا چاہیں تب بھی صرف اتنا ہی پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے لکھ دیا ہے (کیونکہ) تقدیر لکھنے والی قلمیں خشک ہو چکی ہیں اور دفتر لپیٹ کر بند کر دیے گئے ہیں۔ (اب ان میں اضافے یا کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔'')

(١٢٧١) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللهُ تَعالَى عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللهُ، وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ. فَقَالَ: «ازْهَدْ

[1271] حضرت سہل بن سعد ؓ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے ایسا عمل بتایئے کہ جب میں اسے کروں تو اللہ مجھے اپنا محبوب بنا لے اور لوگ بھی مجھ

١٢٧٠ـ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، صفة القيامة، باب: ٥٩، حديث: ٢٥١٦.

١٢٧١ـ [ضعيف] أخرجه ابن ماجه، الزهد، باب الزهد في الدنيا، حديث: ٤١٠٢ * خالد وضاع، وله متابعات مردودة وشواهد ضعيفة.

فِي الدُّنْيَا، يُحِبَّكَ اللّٰهُ، وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ، يُحِبَّكَ النَّاسُ». رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَغَيْرُهُ، وَسَنَدُهُ حَسَنٌ.

سے محبت کریں۔ آپ نے فرمایا: ''دنیا سے بے نیاز ہو جا اللہ تجھے محبوب بنا لے گا۔ اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز ہو جا لوگ تجھے محبوب رکھیں گے۔'' (اسے ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس کے شواہد اور متابعات کا تذکرہ کیا ہے جس سے راجح اور اقرب الی الصواب بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ روایت دیگر شواہد اور متابعات کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الصحيحة للألباني: ٢/٦٢٤ـ ٦٢٨، رقم:٩٤٤) ② اس حدیث میں محبوب کائنات بننے کا گر اور طریقہ بتلایا گیا ہے کہ انسان دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے اور دنیا کی طمع و لالچ میں نہ پڑے۔

(١٢٧٢) وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1272] حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو دوست و محبوب رکھتا ہے جو پرہیزگار، بے نیاز اور گمنام (مخفی) ہو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلتَّقِيّ] واجب اور حلال پر عمل پیرا ہونے والا اور حرام سے اجتناب کرنے والا۔ [اَلْغَنِيّ] اس سے مراد دل کا غنی ہے، یعنی لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس میں اسے کوئی طمع و دلچسپی نہ ہو اگرچہ اس کا اپنا ذاتی مال کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ [اَلْخَفِيّ] وہ شخص جس کی عبادت اور پرہیزگاری ریا و شہرت کے خیالات سے دور رہنے کی بنا پر کسی کو معلوم نہ ہو۔

(١٢٧٣) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ». رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

[1273] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دینا اس کے حسن اسلام کی دلیل ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَا لَا يَعْنِيهِ] جو اہم اور مفید نہیں۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے حسن اور صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ہمارے فاضل محقق نے سنن ابن ماجہ کی تحقیق میں شرح السنہ کی روایت کا حوالہ دیا ہے اور

١٢٧٢ـ أخرجه مسلم، الزهد والرقائق، باب: «الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر»، حديث: ٢٩٦٥.

١٢٧٣ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، الزهد، باب ١١، حديث: ٢٣١٧، قرّة صعّفه الجمهور.

اسے سنداً صحیح قرار دیا ہے' نیز وہاں پر امام نووی ؒ کی تحسین کو بھی نوٹ کیا ہے اور اس کے شواہد کا بھی ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے محقق کے نزدیک بھی اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللہ أعلم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٣/ ٢٥٦ وصحيح سنن ابن ماجه' رقم:٣٢٢٦ طبع مكتبة المعارف' الرياض) ② اس حدیث کو نبی ﷺ کے ارشادات میں جوامع الکلم کی حیثیت حاصل ہے جس کا تعلق اقوال اور افعال دونوں سے ہے۔ ③ دنیا میں انسان کا مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ ایک مومن صادق کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ بے مقصد اور بے فائدہ کام سرانجام ہی نہ دے۔ وہ یہاں وقت کاٹنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ کی عبادت اور رضامندی حاصل کرنے کے لیے آیا ہے' اس لیے جو اعمال مقصد حیات کے منافی اور اصلاح دین کے مخالف ہیں وہ سب بے کار اور لایعنی ہیں۔ مالک کا سچا غلام ان کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتا جو مالک کو ناپسند اور اس کی رضا کے منافی ہوں۔

(١٢٧٤) وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيكَرِبَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَا مَلَأَ ابْنُ آدَمَ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

[1274] حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم کے بیٹے نے پیٹ سے برا کوئی برتن نہیں بھرا۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں بسیار خوری (بہت زیادہ کھانے) کو بدترین خصلت قرار دیا گیا ہے۔ ② بسیار خوری بہت سے دینی اور دنیاوی مفاسد اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ ایسا آدمی صرف کھانے پینے کی فکر میں رہتا ہے اور بسا اوقات وہ یہ بھی تمیز نہیں کرتا کہ جس کھانے سے پیٹ بھر رہا ہے' وہ حلال ہے یا نہیں۔ ③ بسیار خوری امراض معدہ کا باعث بھی ہے اور دل و دماغ پر بھی اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ④ سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا میں بسیار خوری کرنے والے لوگ قیامت کے دن زیادہ طویل عرصے تک بھوکے رہیں گے۔'' (سنن ابن ماجه' الأطعمة' باب الاقتصاد في الأكل وكراهة الشبع' حديث:٣٣٥٠' ٣٣٥١) اس لیے یہ عادت دنیا و آخرت دونوں کی خرابی کا باعث ہے۔ امام غزالی ؒ نے احیاء العلوم میں بسیار خوری کے دس نقصانات کا اور بقدر کفایت کھانے کے دس فوائد کا تذکرہ کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔

(١٢٧٥) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ». أَخْرَجَهُ

[1275] حضرت انس ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم کا ہر بیٹا خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے ہیں۔'' (اسے ترمذی اور

١٢٧٤_ [صحيح] أخرجه الترمذي، الزهد، باب ما جاء في كراهية كثرة الأكل، حديث: ٢٣٨٠.

١٢٧٥_ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، صفة القيامة، باب ٤٩، حديث: ٢٤٩٩، وابن ماجه، الزهد، حديث: ٤٢٥١.
* قتادة عنعن، وفيه علة أخرى، ذكرها الذهبي في تلخيص المستدرك: ٤/ ٢٤٤.

التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه، وَسَنَدُهُ قَوِيٌّ.

ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ حدیث کا مفہوم دیگر دلائل کی رو سے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ بنابریں مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے باوجود دیگر شواہد اور دلائل کی بنا پر قابل عمل اور قابل حجت ہے۔ واللّٰہ أعلم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (المشکاۃ للألباني' التحقیق الثاني' رقم:۲۳۸۰) ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر آدم زاد خطا و گناہ کا پتلا ہے۔ ③ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی انسان معصوم نہیں۔ مگر آدمیت کا تقاضا ہے کہ جب کبھی خطا سرزد ہو تو فوراً حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ واستغفار کی طرف توجہ کی جائے اور شیطان کی طرح گناہ پر اصرار نہ کیا جائے۔

(١٢٧٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: **«اَلصَّمْتُ حِكْمَةٌ، وَقَلِيلٌ فَاعِلُهُ»**. أَخْرَجَهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الشُّعَبِ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ. وَصَحَّحَ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ مِنْ قَوْلِ لُقْمَانَ الْحَكِيمِ.

[1276] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خاموشی حکمت و دانائی ہے لیکن اس پر عمل پیرا ہونے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔'' (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور انھوں نے کہا: صحیح بات یہ ہے کہ یہ لقمان حکیم کا قول ہے۔)

فائدہ: اس روایت میں خاموش و مہر برلب رہنے کو حکمت و دانائی اور عقلمندی و دانش مندی قرار دیا گیا ہے۔ یہ گو حضرت لقمان کا قول ہے مگر بہت سی احادیث میں خاموشی کی تائید اور فضول گوئی کی مذمت موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے: [مَنْ صَمَتَ نَجَا] ''جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔'' (مسند أحمد: ۲/۱۵۹' ۱۷۷' وجامع الترمذي' صفة القيامة' حديث:۲۵۰۱) اور ایک حدیث میں ہے: [مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ] ''جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ ہمیشہ اچھی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔'' (صحيح البخاري' الأدب' حديث:۶۰۱۸' ۶۰۱۹' ۶۱۳۵' و ۶۴۷۵)

٤ - بَابُ التَّرْهِيبِ مِنْ مَسَاوِيءِ الْأَخْلَاقِ

باب:4- برے اخلاق سے ڈرانے کا بیان

(١٢٧٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1277] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول

١٢٧٦ـ [ضعيف] أخرجه البيهقي في شعب الإيمان:٤/٢٦٤، حديث:٥٠٢٧ وقال: "غلط في هذا عثمان بن سعيد (الكاتب) هذا والصحيح رواية ثابت" عثمان الكاتب ضعيف (تقريب) وله طريق آخر ضعيف جدا عند القضاعي في مسند الشهاب، حديث:٢٤١، وقول لقمان حكيم: أخرجه البيهقي في شعب الإيمان، حديث:٥٠٢٦، وابن حبان في روضة العقلاء، ص:٤١ وهو صحيح عن أنس.

١٢٧٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في الحسد، حديث:٤٩٠٣. * جد إبراهيم بن أبي أسيد لا يعرف (تقريب) والحديث ضعفه البخاري، وحديث أنس: أخرجه ابن ماجه، الزهد، حديث:٤٢١٠، وفيه عيسى الحناط وهو متروك (تقريب)

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ، كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ». أَخْرَجَهُ أَبُوداوُدَ، وَلابْنِ مَاجَه مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ نَحْوُهُ.

اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے آپ کو حسد سے بچاؤ' اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ (خشک) لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔'' (اسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ التَّرْهِيبِ] خوف دلانا' ڈرانا۔ [مَسَاوِیءِ] ''میم'' پر فتحہ ہے۔ مَسَاءَةٌ کی جمع ہے اور اس کے معنی ہیں: برائی۔ اور یہ قولی اور فعلی دونوں قسم کی برائی کو شامل ہے۔ [اَلْأَخْلَاق] خُلُق کی جمع ہے۔ ''خا'' اور ''لام'' دونوں پر ضمہ ہے۔ اس کے معنی ہیں: عادت وخصلت۔ [إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ] اَلْحَسَد تحذیر کی بنا پر منصوب ہے' یعنی حسد سے بچو اور ڈرو۔ اور حسد یہ ہے کہ دوسرے کے پاس نعمت کی موجودگی کو ناپسند اور مکروہ سمجھے اور اس کے ختم ہو جانے کی تمنا وخواہش کرے' البتہ اگر وہ ایسی تمنا کرے کہ فلاں کے پاس جو نعمت ہے وہ مجھے بھی مل جائے' نہ تو اسے مکروہ اور ناپسند سمجھے اور نہ ہی اس کے زائل ہونے کی تمنا کرے تو اسے اصطلاح شرع میں غِبطہ' یعنی رشک کہتے ہیں۔ یہ رشک دینی امور میں مطلوب ومقصود ہے اور دنیوی امور میں جائز ہے۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم حسد کے برا ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں اس کی قباحت اور شناعت بیان فرمائی ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ ② شیطان کی پہلی نافرمانی حسد کی بنا پر تھی۔ قابیل نے ہابیل (اپنے بھائی) کو حسد کی بنا پر قتل کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف ان کے بھائیوں کی کارگزاری بھی اسی حسد کے نتیجے میں تھی۔ علمائے یہود اور عبداللہ بن ابی منافق کی رسول اللہ ﷺ سے عداوت کا باعث بھی یہی حسد تھا۔

(١٢٧٨) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ، إِنَّما الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1278] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی کو پچھاڑ دینے والا بہادر نہیں۔ بہادر تو وہ ہے جو غصے میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [اَلشَّدِيدُ] شجاع' قوی اور بہادر۔ [اَلصُّرَعَة] ''صاد'' پر ضمہ اور ''عین'' پر فتحہ ہے۔ ایسا آدمی جو اکثر طور پر اپنی قوت سے لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہو۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں اپنے حریف اور دشمن کو معاف کرنے اور اس سے درگزر کرنے کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ آدمی طاقت کے باوجود غصے کی حالت میں اپنے مدمقابل سے انتقامی کارروائی نہ کرے اور ایسے نازک موقع پر اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ ② حقیقت یہ ہے کہ نفس کا جہاد' کفار کے خلاف جہاد سے بھی مشکل ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ

١٢٧٨ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث: ٦١١٤، ومسلم، البر والصلة، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب.... حديث: ٢٦٠٩.

ﷺ نے غصے کے موقع پر اپنے نفس پر قابو پا لینے والے کو تمام لوگوں سے زیادہ طاقت ور اور قوی شمار کیا ہے۔

(١٢٧٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1279] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظلم' قیامت کے روز بہت سے اندھیروں کا باعث ہوگا۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس حدیث میں خبردار کیا گیا ہے کہ جو شخص اس دنیا میں ظلم کرے گا وہ قیامت کے روز بہت سے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا۔ اور یہ ظلم اپنی تمام اقسام پر مشتمل ہے' خواہ جان پر ہو' مال میں ہو' کسی کی عزت و آبرو پر ہو' حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں' حرام ہے۔

(١٢٨٠) وَعَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اِتَّقُوا الظُّلْمَ، فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1280] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے روز اندھیروں کی شکل میں ہوگا' نیز بخیلی سے بھی بچو کیونکہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں بھی ظلم سے منع کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز یہ تاریکیوں اور اندھیروں کی شکل میں سامنے آئے گا۔ جہاں روشنی اور نور کی ضرورت ہوگی وہاں تاریکیوں اور اندھیروں سے پالا پڑے گا' نیز اس میں لالچ و کنجوسی سے بچنے کا بھی حکم ہے۔ اور شُحّ' حصول مال کے لالچ اور حرص کے ساتھ ساتھ اس کے خرچ کرنے میں بخل اور کنجوسی کو کہتے ہیں۔ اور یہی حرص و بخل ہمیشہ خون ریزی اور بدعملی کا باعث بنتا ہے جس سے حدیث میں خبردار کیا گیا ہے۔ (سبل السلام)

(١٢٨١) وَعَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ: اَلرِّيَاءُ». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[1281] حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ خوف تمھارے شرک اصغر' یعنی ریاکاری کا ہے۔'' (اسے امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلرِّيَاءُ] ''را'' کے نیچے کسرہ ہے۔ غیر اللہ کو دکھانے کے لیے نیکی و اطاعت کرنا اور نافرمانی و معصیت چھوڑنا یا لوگوں کو اطلاع دینا کہ میں فلاں کام کر رہا ہوں' یا یہ پسند کرنا کہ اس نیک عمل سے لوگ باخبر ہو جائیں'

١٢٧٩ـ أخرجه البخاري، المظالم، باب الظلم ظلمات يوم القيامة، حديث: ٢٤٤٧، ومسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: ٢٥٧٩.

١٢٨٠ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: ٢٥٧٨.

١٢٨١ـ [سنده حسن] أخرجه أحمد: ٥/ ٤٢٨، ٤٢٩.

یہ سب ریا کاری اور دکھلاوا ہے۔ جس میں دنیوی غرض ومقصد ہو مثلاً: مال وغیرہ حاصل کرنا، وہ بھی ریاکاری کے حکم میں ہے۔ (سبل السلام)

فوائد ومسائل: ① ریاکاری انسان کی گفتگو اور بات چیت میں بھی ہو سکتی ہے اور عمل وفعل میں بھی۔ اس سے ریا کار کا مقصد غیر اللہ کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ لوگوں کو دکھا کر کوئی کام انجام دے۔ اسے ریا کہتے ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ اگر کسی نے نہ دیکھا تو خود لوگوں کو بتا دے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ اسے سُمْعَہ کہتے ہیں۔ یہ دونوں ہی حرام ہیں۔ ② اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہت مذمت فرمائی ہے اور اسے منافق کی علامت قرار دیا ہے۔ اس سے کوئی نیک عمل قبول نہیں ہوتا، اس لیے اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

(١٢٨٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَلَهُمَا مِنْ حَدِيثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا: «وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ».

[1282] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔'' (بخاری و مسلم) اور دونوں کے ہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ''جب لڑے تو گالی دے۔''

لغوی تشریح: [آيَةُ الْمُنَافِقِ] یعنی منافق کے نفاق کی نشانی۔ [خَاصَمَ] جھگڑا کرتا ہے، لڑتا ہے۔ [فَجَرَ] سب وشتم کرتا ہے، گالی گلوچ پر اتر آتا ہے اور فحش کلامی سے کام لیتا ہے۔ ان تمام امور کا مرتکب ہونا نفاق عملی ہے۔ اور یہ نفاق کی ایک قسم ہے اور دوسری قسم نفاق اعتقادی ہے۔ اور وہ ایمان کو ظاہر کرنے اور کفر چھپانے کو کہتے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث میں منافق کی چار علامات بیان کی گئی ہیں۔ اور صحیح مسلم میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: ''اگرچہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو، نیز یہ دعویٰ بھی کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔'' (صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: ١١٠-٥٩) امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اکثر محققین علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ کام اعتقادی منافقوں کے ہیں اور جب ایک سچا مومن اپنے اندر یہ صفات پیدا کرے گا تو منافق جیسا بن جائے گا اور اس پر منافق کا لفظ مجازی طور پر بولا جائے گا۔

(١٢٨٣) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1283] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

١٢٨٢ـ أخرجه البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: ٣٣، ومسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: ٥٩، وحديث عبدالله بن عمر: أخرجه البخاري، الإيمان، حديث: ٣٤، ومسلم، الإيمان، حديث: ٥٨.

١٢٨٣ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، حديث: ٦٠٤٤، ومسلم، الإيمان، باب بيان قول النبي ﷺ: "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر"، حديث: ٦٤.

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [سِبَابُ] ''سین'' کے نیچے کسرہ ہے۔ ایک دوسرے کو گالی دینا۔ یہ سَبٌّ سے باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ سَبٌّ کے معنی ہیں: گالی دینا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں مسلمان کا مسلمان کو گالی دینا ''فسق'' قرار دیا گیا ہے۔ اور ''فسق'' آدمی کے اللہ کی اطاعت سے باہر نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چونکہ اسلام میں مسلمان کو گالی دینا ممنوع ہے اور گالی دینے والا حکم الٰہی سے باہر نکل جاتا ہے' اس لیے ایسے شخص کو فاسق کہا گیا ہے۔ ② اگر کوئی شخص مسلمان کا قتل جائز سمجھتا ہو اور اسلام کی حالت میں اس سے لڑنا حلال اور جائز سمجھتا ہو تو اس کے کفر حقیقی پر سب کا اتفاق ہے۔ اور اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو اس پر کفر کا اطلاق مجازی طور پر ہوگا۔ صحیح مسلم میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے سب لوگ عافیت دیے جانے کے قابل ہیں مگر جو لوگ علانیہ طور پر گناہ کا ارتکاب کریں' وہ اس کے مستحق نہیں۔'' (صحیح مسلم' الزھد' باب النھي عن ھتك الإنسان ستر نفسه' حدیث:۲۹۹۰) ③ علماء کے مابین فاسق کے فسق سے لوگوں کو آگاہ کرنے میں اختلاف ہے۔ فاسق کے فسق کو اگر اس لیے ظاہر کیا جائے کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں تو جائز ہے۔ واللہ أعلم.

(۱۲۸٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1284] حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ] یہاں ظن تحذیر کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور ظن سے مراد برا گمان ہے کیونکہ یہی قابل مذمت ہے اور جب اسے مطلق استعمال کیا جائے تو اس وقت مذمت کا پہلو ہی ذہن میں آتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اچھے گمان کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ﴿لَوْلَآ إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا﴾ (النور ۲۴:۱۲) یعنی جب تم نے یہ (عائشہ ؓ پر تہمت والی) بات سنی تو مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے نفسوں میں اچھا گمان کیوں نہ کیا۔''

فائدہ: ظن کو سب سے بڑا جھوٹ اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان اپنے دل ہی دل میں گمان و ظن کی پرورش کرتا رہتا ہے' پھر اسے زبان پر لاتا ہے۔ جھوٹ کی بنیاد کوئی نہیں ہوتی جب کہ برے گمان والا اپنے دل میں ایک بنیاد قائم کرتا ہے اور سامعین پر اس کا جھوٹا ہونا مخفی رہ جاتا ہے' چنانچہ عام جھوٹوں کی طرح اس کا پتہ نہیں چل سکتا' لہٰذا یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے' اس لیے علماء نے اسے تہمت قرار دیا ہے۔ اور تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ گویا ظن کا دوسرا نام تہمت ہے اور تہمت کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے اس سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ جس معاشرے میں بدگمانی پرورش پائے گی وہاں حسن ظن نام کی

۱۲۸٤۔ أخرجه البخاري، النكاح، باب لا يخطب على خطبة أخيه حتى ينكح أو يدع، حديث: ۵۱٤۳، ومسلم، البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس...، حديث: ۲۵٦۳.

کوئی چیز ترقی نہیں کر سکتی اور نہ اس معاشرے کے افراد کے درمیان اعتماد کی فضا ہی پیدا ہو سکتی ہے بلکہ ایک دوسرے کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ بہرحال یہ معاشرے کی تعمیر و ترقی کی علامت نہیں بلکہ زوال و تخریب کی نشانی ہے۔ صالح معاشرے میں بدگمانی کے جراثیم کو پھولنے پھلنے نہیں دینا چاہیے۔

(۱۲۸۵) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَهُوَ غَاشٌّ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» . مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ .

[1285] حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ جس بندے کو لوگوں کا حاکم بنا دے اور اسے ایسی حالت میں موت آئے کہ اس نے اپنی رعیت کے حقوق ادا نہ کیے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیتا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً] جسے اللہ راعی' حاکم' سربراہ اور لوگوں پر امیر مقرر فرما دے۔ اور رَعِيَّة کے ''را'' پر فتحہ' ''عین'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' پر تشدید ہے اور اس کی جمع رعایا ہے جس کے ''را'' پر فتحہ ہے۔ رعایا سے مراد عوام ہیں جو امیر کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتے ہیں۔ [غَاشٌّ] ''شین'' پر تشدید ہے۔ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ خیانت کرنے والا جو لوگوں کے حقوق پوری طرح ادا نہ کرے۔

فوائد و مسائل: ① سربراہ مملکت اور امیر کو چاہیے کہ اپنی رعایا کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے' ہر ایک کو انصاف مہیا کرے' کسی سے ناانصافی نہ کرے اور نہ دوسرے سے ناانصافی ہونے دے' ان کے کاموں میں آسانی اور نرمی پیدا کرے' انھیں مشکلات اور مشقتوں میں نہ ڈالے' عوام کے معمولی قصور پر مؤاخذہ نہ کرے' درگزر اور معافی کا رویہ اپنائے' انھیں حتی الوسع ہر قسم کی سہولتیں فراہم کرے' ان کے مال پر ہاتھ صاف نہ کرے' ان کی عزت و ناموس پر ڈاکہ نہ ڈالے' ٹیکسوں کی بھرمار سے عوام کا جینا دشوار نہ کرے اور انھیں چوروں' ڈاکوؤں اور دہشت گردوں سے تحفظ مہیا کرے۔ اور اگر وہ اس کے برعکس عوام کا خون چوستا ہے تو ایسے حاکموں کے لیے اس حدیث میں شدید وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی جنت میں داخل نہیں فرمائے گا۔ ② جنت کا حرام ہونا صاف بتا رہا ہے کہ رعیت کو دھوکا دینا گناہ کبیرہ ہے' اس لیے اگر حاکمین اور امراء جنت میں داخلہ چاہتے ہیں تو انھیں ایسے فعل سے باز رہنا چاہیے۔

(۱۲۸۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ» . أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

[1286] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یا الٰہی! جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی و سربراہ بنا اور اس نے انھیں مشقت میں مبتلا کیا تو تو اس پر سختی فرما۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

۱۲۸۵۔ أخرجه البخاري، الأحكام، باب من استرعي رعية فلم ينصح، حديث: ۷۱۵۰، ومسلم، الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، حديث: ۱۴۲.

۱۲۸۶۔ أخرجه مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل . . . ، حديث: ۱۸۲۸.

لغوی تشریح: [فَشَقَّ عَلَيْهِمْ] لوگوں کو ظلم و جور کی وجہ سے مشقت اور تکلیف میں مبتلا کرے۔

فوائد و مسائل: اس حدیث میں ظالم حکمرانوں کے حق میں اللہ کے رسول نے بددعا کی ہے۔ ظاہر ہے کہ نبی کی بددعا اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ حاکم اپنی رعایا پر شفقت اور نرمی سے پیش آئے اور ان سے عفو و درگزر کا معاملہ کرے۔ اور اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ محبت کا معاملہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ بھی اپنی رعایا سے محبت کا معاملہ کرے اور ناروا ظلم و ستم سے باز آ جائے۔

(١٢٨٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِذَا قَاتَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَجْتَنِبِ الْوَجْهَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1287] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی لڑائی کرے تو منہ پر مارنے سے اجتناب کرے۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باہم لڑائی جھگڑے میں مارتے وقت منہ (چہرے) کو بچانا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے: ''جب کوئی کسی کو مارے تو چہرے پر مت مارے۔'' (سنن أبي داود، الحدود، باب في ضرب الوجه في الحد، حديث: ٤٤٩٣) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ چہرے پر مارنا حرام ہے، خواہ یہ مارنا حدود و تعزیرات میں ہو یا تادیب کے طور پر حتیٰ کہ جانوروں کے چہرے پر مارنے سے بھی گریز کرنا چاہیے۔

(١٢٨٨) وَعَنْهُ، أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! أَوْصِنِي. قَالَ: «لَا تَغْضَبْ». فَرَدَّدَ مِرَارًا، وَقَالَ: «لَا تَغْضَبْ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1288] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا: ''غصہ مت کیا کر۔'' اس نے یہی سوال چند مرتبہ دہرایا اور آپ نے ہر مرتبہ یہی فرمایا: ''غصہ نہ کیا کر۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں غصے سے بچنے کی تاکید ہے۔ بہت سے ظالمانہ کام انسان غصے میں کر گزرتا ہے اور بعد میں اکثر نادم و پریشان ہوتا ہے۔ علامہ ابن التین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دنیا و آخرت کی بھلائیاں جمع کر دی گئی ہیں کیونکہ غصے کی حالت میں انسان نرمی اور رحم دلی کی صفات سے خالی ہو جاتا ہے، قطع رحمی کا سبب بنتا ہے اور دوسرے مسلمان کو ایذا اور تکلیف پہنچانے کے درپے ہو جاتا ہے۔ اور یہ امور انسان کی دنیا و آخرت میں بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ اور اگر وہ ان سے اجتناب کرے تو یہی امور دنیا و آخرت میں فلاح و فوز کا سبب بنتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ غصے سے بچنے سے مراد ان اسباب سے اجتناب کرنا ہے جو غصے کا باعث بنتے ہیں کیونکہ غصہ تو ایک طبعی اور فطری

١٢٨٧_ أخرجه البخاري، العتق، باب إذا ضرب العبد فليجتنب الوجه، حديث: ٢٥٥٩، ومسلم، البر والصلة، باب النهي عن ضرب الوجه، حديث: ٢٦١٢.

١٢٨٨_ أخرجه البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث: ٦١١٦.

معاملہ ہے اور انھی اسباب میں سے ایک سبب تکبر بھی ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سائل کے مزاج کے پیش نظر فرمایا کہ غصہ نہ کیا کر کیونکہ وہ بات بات پر غضب ناک ہو جاتا تھا۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ سوال کرنے والے جاریہ بن قدامہ تھے۔ (مسند أحمد: ۴۸۴/۳) اور ایک حدیث میں ہے کہ وہ سائل سفیان بن عبداللہ ثقفی تھے۔ اس کی بابت مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ۲۵، ۳۳۰- ۳۳۳)

(١٢٨٩) وَعَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللهِ بِغَيْرِ حَقٍّ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1289] حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کچھ لوگ اللہ کے مال میں ناحق دخل انداز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے قیامت کے روز جہنم کی آگ ہے۔“ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [يَتَخَوَّضُونَ] یہ خوض سے مشتق ہے۔ پانی میں داخل ہونے کو کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کے مال میں خور و نوش کی صورت میں اور ملبوسات کی عمدگی کی شکل میں وسعت اختیار کرتے ہیں۔ یہ اشارہ ہے کہ ایسے لوگ بغیر استحقاق کے یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ وہ لوگ اپنے استحقاق سے زائد حاصل کرتے ہیں کیونکہ ضرورت و حاجت کے بقدر حصول سے توسع حاصل نہیں ہوتا بلکہ زائد از ضرورت کے حصول سے حاصل ہوتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ناحق اللہ کا مال لینے والوں کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ ② اللہ کے مال سے کیا مراد ہے؟ اس میں بیت المال بھی شامل ہے اور صدقات وغیرہ بھی۔ ③ بیت المال میں سے سرکاری آدمی کا اپنی جائز ضروریات کی حد تک مال لینا تو اس کا حق ہے البتہ اس کے علاوہ دوسرے مقامات پر خرچ کرنا یا خود استحقاق سے زیادہ حاصل کرنا اور اس کا مالک بن بیٹھنا جائز نہیں اور نہ غیر سرکاری آدمی کے لیے کسی طور پر یہ مال لینا درست ہے۔ حاکم چونکہ بیت المال کا محافظ و نگران ہوتا ہے اس لیے اس کا اس میں سے استحقاق سے زائد مال لینا حرام اور جہنم کا موجب ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت خولہ رضی اللہ عنہا] یہ خولہ بنت ثامر ہیں جن کا تعلق انصار سے تھا اس لیے انصاریہ کہلائیں۔ ابن عبدالبر کا قول ہے کہ یہ خاتون قیس بن فہد کی بیٹی تھیں۔ ان کا لقب ثامر تھا۔ مؤلف کا رجحان بھی اسی طرف ہے جیسے کہ انھوں نے اسد الغابہ میں ذکر کیا ہے۔ اس صورت میں بنو مالک بن نجار کی وجہ سے نجاریہ بھی ان کی نسبت ہو سکتی ہے۔ ان کی کنیت ام محمد تھی اور یہ سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ جب غزوۂ احد میں انھیں شہید کر دیا گیا تو حضرت نعمان بن عجلان انصاری زرقی رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی تھی۔

(١٢٩٠) وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1290] حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے ان خبروں

١٢٨٩ـ أخرجه البخاري، فرض الخمس، باب قوله تعالى: "فأن لله خمسه وللرسول" حديث: ٣١١٨.

١٢٩٠ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث: ٢٥٧٧.

عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ، قَالَ: «يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالَمُوا». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

کے متعلق روایت کیا ہے جو آپ اللہ تعالیٰ سے بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے میرے بندو! بے شک میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام قرار دے دیا ہے' لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس کا معنی ومفہوم اللہ رب العزت کی طرف سے ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہو لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت موجود ہو۔ ② اس حدیث کی رو سے ظالم کے لیے کسی قسم کی رو رعایت نہیں۔ اور اسلوب بیان یہ ہے کہ جب میں ظلم نہیں کرتا تو تم بھی باہم ایک دوسرے پر ظلم سے باز آ جاؤ۔ ظلم عقلاً ونقلاً برا عمل ہے جس کے بارے میں فیصلہ یہ ہے: ﴿ وَ قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴾ (طٰہٰ ۲۰:۱۱۱) ''اور یقیناً ظلم کرنے والا خائب وخاسر ہو گیا۔'' اس لیے ظالم کی دنیا ہے نہ آخرت، وہ خسارے ہی خسارے میں رہے گا۔

(١٢٩١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أَتَدْرُونَ مَا الْغِيبَةُ؟» قَالُوا: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ». قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: «إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1291] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں معلوم ہے کہ غیبت کسے کہتے ہیں؟'' صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تو اپنے بھائی کا تذکرہ اس طور پر کرے جو اسے ناپسند ہو۔'' کسی نے عرض کیا: جو بات میں کہتا ہوں اگر وہ میرے بھائی میں پائی جائے تو؟ آپ نے فرمایا: ''جو بات تم کہتے ہو اگر وہ اس میں پائی جاتی ہے تو اس کی تم نے غیبت کی ہے اور اگر وہ اس میں نہ ہو تو پھر تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْغِيبَةُ] ''غین'' کے نیچے کسرہ اور ''یا'' ساکن ہے۔ اس کی تفسیر مذکورہ حدیث میں موجود ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب الاذکار میں امام غزالی کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیبت یہ ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس طور پر کیا جائے جو اسے ناپسند ہو' خواہ اس کا تعلق بدن انسان سے ہو یا اس کے دین' اس کی دنیا' اس کے نفس' اس کے اخلاق و عادات' اس کے مال' اس کے والد' اولاد' بیوی' خادم' اس کی حرکات' اس کی خندہ پیشانی یا اس کی خشک مزاجی وغیرہ سے یہ ساری چیزیں اس کے برے ذکر میں شمار ہوں گی' خواہ یہ ذکر الفاظ میں ہو یا اشارہ وکنایہ میں۔ (سبل السلام)

١٢٩١ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب تحريم الغيبة، حديث: ٢٥٨٩.

[اِغْتَبْتَهُ] اس پر عیب لگا کر اس کی غیبت کی۔ [بَهَتَّهُ] ''با'' اور ''ہا'' پر فتحہ اور ''تا'' پر تشدید اور فتحہ ہے۔ بہتان سے واحد مذکر مخاطب کا صیغہ ہے یعنی اس پر بہتان تراشی کی اور اس پر جھوٹ باندھا۔

فائدہ: اس حدیث میں غیبت کی قباحت وشناعت بیان ہوئی ہے۔ غیبت بالاتفاق حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ قرآن میں غیبت کرنے کو مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ غیبت کرنے والا اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت پر حملہ کرتا ہے اور اس کی دل آزاری کا باعث بنتا ہے۔

(١٢٩٢) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا تَحَاسَدُوا، وَلَا تَنَاجَشُوا، وَلَا تَبَاغَضُوا، وَلَا تَدَابَرُوا. وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا. اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا»، وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، «بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1292] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو (دھوکا دینے کے لیے بولی میں) قیمتیں نہ بڑھاؤ' ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے بے رخی اختیار نہ کرو اور ایک دوسرے کے سودے پر سودا نہ کرو' اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اسے حقیر ہی سمجھتا ہے۔'' اور آپ نے اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کے لیے بس اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون' مال اور آبرو حرام ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [وَلَا تَنَاجَشُوا] یہ نجش سے ماخوذ ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کسی سامان کی قیمت بولی دے کر بڑھاتا ہے۔ اس کا مقصد سودا خریدنا نہیں ہوتا' محض دوسرے خریداروں کو دھوکا دینا ہوتا ہے کہ وہ اس کی دیکھا دیکھی سامان کی قیمت میں اضافہ کر دیں اور اصلی قیمت سے کافی زیادہ قیمت وصول ہو جائے۔ کِتَابُ الْبُيُوع میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ [وَلَا تَدَابَرُوا] ایک دوسرے کو نہ چھوڑیں کہ ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی سے بے رخی کرے اور اس کی جانب سے منہ موڑ لے اور اسی طرح دوسرا بھی منہ موڑ لے۔ [وَلَا يَبِعْ] یہ لفظ عین کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی ہیں: سودا نہ کرے۔ اور ایک نسخے میں غین کے ساتھ بھی ہے۔ اس کے معنی ہیں: ظلم نہ کرے۔ کتاب البیوع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ [لَا يَخْذُلُهُ] ''ذال'' پر ضمہ ہے۔ یہ خذلان سے ماخوذ ہے یعنی کسی کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینا اور اعانت نہ کرنا۔ امام نووی رحمہ اللہ کا قول ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ظالم کا ظلم دفع کرنے کے لیے مدد طلب کی جائے تو اس صورت میں مظلوم کی اعانت و مدد کرنی چاہیے بشرطیکہ مدد کرنا ممکن ہو اور کوئی شرعی عذر بیچ میں لاحق نہ ہو۔ [بِحَسْبِ

١٢٩٢ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم.....، حديث: ٢٥٦٤.

امْرِیءٍ مِّنَ الشَّرِّ] انسان کے لیے بس یہی کافی ہے' یعنی اس کی اخلاقی برائی کے لیے بس یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ بِحَسْبِ امْرِیءٍ مبتدا ہے اور ''با'' اس میں زائد ہے اور [أَنْ یَّحْقِرَ] اس کی خبر ہے۔

فوائد و مسائل: ① اچھے مسلم معاشرے کے افراد میں کس طرح باہمی برتاؤ اور رہن سہن ہونا چاہیے' اس حدیث میں اس کی بابت جامع بیان ہے۔ ② اس میں حسد جیسی مہلک بیماری سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ③ معاشی اعتبار سے ایک سودے کی قیمت صرف مالک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے بڑھانا بھی اچھے اخلاق کا مظاہرہ نہیں ہے کیونکہ خریدار بھی تو اس کا مسلمان بھائی ہے' اسے نقصان پہنچانا کہاں کی شرافت ہے؟ ④ بغض نہ رکھا کرو کیونکہ اس سے باہمی محبت میں بڑا فرق واقع ہوتا ہے۔ ⑤ ایک دوسرے پر زیادتی' سرکشی اور ظلم نہ کرو بلکہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہو' کوئی کسی کو ضرر و نقصان نہ پہنچائے اور نہ ایک دوسرے کے عیب تلاش کرے' نہ کسی کو حقیر جانے اور نہ خود ہی کو بڑا سمجھے کیونکہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسرے بھائی کو حقیر سمجھنا تکبر ہے جو انتہائی خطرناک بیماری ہے۔ ⑥ ہر مسلمان پر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' امیر ہو یا غریب' دوسرے مسلمان کا خون' مال اور عزت حرام ہے۔ کوئی کسی کی جان' مال اور عزت سے مت کھیلے۔

(١٢٩٣) وَعَنْ قُطْبَةَ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: **«اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنِي مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ، وَالْأَعْمَالِ، وَالْأَهْوَاءِ، وَالْأَدْوَاءِ»**. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ وَاللَّفْظُ لَهُ.

[1293] حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعائیہ کلمات فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! جَنِّبْنِي مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ، وَالْأَعْمَالِ، وَالْأَهْوَاءِ، وَالْأَدْوَاءِ] ''الٰہی! مجھے برے اخلاق' برے اعمال' بری خواہشات اور بری بیماریوں سے بچا۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور یہ الفاظ اسی کے ہیں۔)

لغوی تشریح: [جَنِّبْنِي] یہ تَجْنِیب ہے امر کا صیغہ ہے جو دعا کے لیے ہے اور اس کے معنی ہیں: مجھ سے دور کر دے یا مجھے دور رکھ۔ [مُنْكَرَاتِ الْأَخْلَاقِ] ایسے اخلاق اور عادات جو عادتاً اور شرعاً ناپسندیدہ ہوں۔ [وَالْأَهْوَاءِ] اَلْأَخْلَاق پر اس کا عطف ہے اور هَوٰی کی جمع ہے۔ اور وہ اس خواہش نفس کو کہتے ہیں جس میں کسی ایسے مقصد کی طرف نظر نہ ہو جسے شرع نے پسندیدہ قرار دیا ہو۔ [وَالْأَدْوَاءِ] اس کا عطف بھی اَلْأَخْلَاق پر ہے اور یہ دَاءٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی بیماری اور مرض کے ہیں۔ اور منکرات الامراض ان بیماریوں کو کہتے ہیں جو لمبی اور دیرینہ ہوں' جن سے نفرت اور دوری اختیار کی جاتی ہو' مثلاً: برص اور جذام وغیرہ یا ایسے مہلک امراض جن سے عموماً موت واقع ہو جاتی ہے' جیسے ذات الجنب' ہیضہ' طاعون' فالج اور کینسر وغیرہ۔

١٢٩٣_ [صحيح] أخرجه الترمذي، الدعوات، باب دعاء أم سلمة، حديث: ٣٥٩١، والحاكم: ١/ ٥٣٢ وصححه على شرط مسلم.

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ برے اخلاق' برے اعمال' بری خواہشات اور بری بیماریوں سے محفوظ رہنے کی ہر وقت اللہ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ ان امور سے اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں بچا جا سکتا۔

راویٔ حدیث: [حضرت قطبہ بن مالک رضی اللہ عنہ] قطبہ بن مالک' بنوثعلبہ بن سعد بن ذبیان سے ہونے کی وجہ سے ثعلبی کہلائے اور ذبیان کی طرف نسبت کی وجہ ذبیانی بھی کہلاتے تھے۔ کوفہ سے تعلق تھا۔ ان کے بھتیجے زیاد بن علاقہ نے ان سے احادیث نقل کی ہیں۔

(١٢٩٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ.

[1294] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مسلمان بھائی سے جھگڑا مت کر اور نہ اس سے مذاق کر اور اس سے ایسا وعدہ بھی نہ کر جس کی بعد میں تو خلاف ورزی کرے۔'' (اسے ترمذی نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا تُمَارِ] ''تا'' پر ضمہ ہے اور یہ مماراۃ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: مجادلہ اور جھگڑا نہ کرو۔ سبل السلام میں ہے: مِرَاء (جھگڑے) کی حقیقت یہ ہے کہ غیر کے کلام و گفتگو میں محض خلل ڈالنے کے لیے طعن کرنا جس کا مقصد بات کرنے والے کی تحقیر اور اپنی امتیازی شان اس پر مسلط کرنے کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ [وَلَا تُمَازِحْهُ] یہ مِزاح سے ماخوذ ہے اور ''مزاح'' خوش طبعی کرنے اور ٹھٹھا مذاق کرنے کو کہتے ہیں۔

فائدہ: مذکورہ روایت گو سنداً ضعیف ہے لیکن کتاب و سنت کے دیگر دلائل کی روشنی میں جھگڑا کرنا اور ایسا مذاق کرنا منع ہے جو کسی کی ایذا رسانی کا باعث بنتا ہو۔ امام نووی رحمہ اللہ مزاح کی بابت لکھتے ہیں: ''وہ مزاح ممنوع ہے جس میں افراط ہو اور جو ہمیشہ کیا جاتا رہے کیونکہ مزاح سے ہنسی اور سنگ دلی پیدا ہوتی ہے' اللہ کے ذکر سے غفلت پیدا ہوتی ہے اور دین کے حقیقی مسائل سے فکر ہٹ جاتی ہے بلکہ اکثر اوقات یہ مذاق ایذا رسانی کا باعث بنتا ہے اور اس سے بہت زیادہ بغض و کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور انسان کا وقار اور ہیبت و رعب جاتا رہتا ہے' البتہ جو مزاح ان خطرات سے محفوظ ہو وہ مباح ہے اور ایسا مزاح کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے جس سے مخاطب کا دل خوش ہو جاتا اور اس کی محبت میں اضافہ ہو جاتا' اس لیے ایسا مزاح مستحب ہے۔'' نیز کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے وعدہ خلافی کی ممانعت بھی ثابت ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ اعمال قبیحہ سے اجتناب ضروری ہے۔

(١٢٩٥) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ:

[1295] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو خصلتیں ایسی ہیں جو کسی مومن

١٢٩٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في المراء، حديث: ١٩٩٥. * فيه ليث بن أبي سليم ضعيف.

١٢٩٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في البخل، حديث: ١٩٦٢. * صدقة بن موسى ضعيف، ضعفه الجمهور من جهة حفظه.

«خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ: اَلْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِي سَنَدِهِ ضَعْفٌ.

میں جمع نہیں ہوسکتیں: بخل اور برا اخلاق۔'' (اسے ترمذی نے بیان کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم بخل اور برے اخلاق کی مذمت اور قباحت دیگر دلائل کی رو سے واضح ہے۔ بنابریں ان اعمال قبیحہ سے بھی بچنا ضروری ہے۔

(١٢٩٦) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيءِ، مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1296] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گالی گلوچ کرنے والے دو آدمی جو کچھ بھی کہتے رہیں' بار گناہ (صرف) ابتدا کرنے والے پر ہے تاوقتیکہ مظلوم زیادتی کرے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُسْتَبَّان] اس میں ''با'' پر تشدید ہے اور باب افتعال سے اسم فاعل کا تثنیہ مذکر کا صیغہ ہے' یعنی ایک دوسرے کو سب وشتم کرنے والے دو آدمی۔ [فَعَلَى الْبَادِيءِ] دونوں کے گناہ کا بار اس شخص پر ہے جس نے گالی دینے میں پہل کی' جواباً گالی دینے والا اس زمرے میں نہیں آتا۔ اس جرم کا سارا گناہ پہلے شخص کے سر ہے کیونکہ وہی اس کا سبب بنا ہے۔ یاد رہے لڑائی جھگڑے کے وقت گالی دینا منافقت کی علامت ہے۔ [مَالَمْ يَعْتَدِ] تاوقتیکہ دوسرا شخص حد سے تجاوز نہ کرے۔ اگر وہ حد پھلانگ گیا' یعنی اس نے جواباً زیادہ گالی دی اور گالی کا آغاز کرنے والے کو زیادہ ستایا اور اذیت دی تو پھر اس کی ایذا رسانی کا گناہ اسی پر ہوگا اور بسا اوقات ایسا بھی امکان ہے کہ ابتدا کرنے والے سے اس کا گناہ زیادہ ہو جائے۔

(١٢٩٧) وَعَنْ أَبِي صِرْمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ ضَارَّ مُسْلِمًا ضَارَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ شَاقَّ مُسْلِمًا شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ.

[1297] حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی مسلمان کو ضرر پہنچایا اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا اور جس نے کسی مسلمان کو مشقت میں مبتلا کیا اللہ تعالیٰ اسے مشقت اور مصیبت میں مبتلا فرمائے گا۔'' (اس حدیث کو ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ ضَارَّ مُسْلِمًا] یعنی جس نے کسی مسلمان کو مالی و جانی نقصان اور عزت و آبرو میں ناحق تکلیف دی تو اللہ تعالیٰ اسی جیسی تکلیف و مشقت بدلے کے طور پر اس پر ڈال دے گا اور اسے اس میں مبتلا فرما دے گا۔ [مَنْ

١٢٩٦ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب النهي عن السباب، حديث: ٢٥٨٧.

١٢٩٧ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، القضاء، باب في القضاء، حديث: ٣٦٣٥، والترمذي، البر والصلة، حديث: ١٩٤٠، لؤلؤة يوثقها غير الترمذي.

شَاقّ] جس نے مسلمان سے ناحق جھگڑا کیا اللہ تعالیٰ اس پر مشقت ڈال دے گا۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے اسے شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے' نیز سنن ابن ماجہ کی تحقیق میں ہمارے فاضل محقق نے بھی اس کے شواہد کا ذکر کیا ہے لیکن ان کی صحت اور ضعف کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ بنابریں محققین کے کلام سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت دیگر شواہد کی بنا پر حسن درجے کی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٣٤/٢٥، ٣٥، والإرواء للألباني، رقم:٨٩٦) ② اس حدیث میں مسلمان کو تکلیف دینے اور اذیت پہنچانے سے خبردار کیا گیا ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کو تکلیف دیتا ہے' اس پر ظلم کرتا ہے اور اس سے بغیر کسی وجہ کے ناحق جھگڑا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر مشقت نازل کر دیتا ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابوصرمہ رضی اللہ عنہ] قبیلۂ مازن سے تعلق رکھتے تھے' اس لیے مازنی کہلائے۔ ان کا نام مالک بن قیس تھا یا قیس بن مالک۔ بدر اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

(١٢٩٨) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

[1298] حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ فحش گو بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح کہا ہے۔)

(١٢٩٩) وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ - رَفَعَهُ -: «لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ، وَلَا اللَّعَّانِ، وَلَا الْفَاحِشِ، وَلَا الْبَذِيءِ». وَحَسَّنَهُ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ، وَرَجَّحَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَقْفَهُ.

[1299] اور ترمذی ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے: ''مومن بہت طعن کرنے والا' بہت لعنت کرنے والا' فحش گو اور بدزبان نہیں ہوتا۔'' (ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے' حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور دارقطنی نے اس کا موقوف ہونا راجح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْبَذِيءَ] بَذَاء سے فعیل کے وزن پر ہے۔ اور وہ قبیح گفتگو اور فحش گوئی کو کہتے ہیں جو مومن کی صفات و اوصاف میں سے نہیں ہے۔ [اَلطَّعَّان' اَللَّعَّان] دونوں میں ''عین'' پر تشدید ہے' مطلب ہے بہت طعن کرنے والا اور بہت لعنت کرنے والا۔ مگر یہاں زیادت اور مبالغے کا مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ لعنت کرنا تو حرام ہے' خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ (سبل السلام)

فائدہ: ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ مومن کامل کے لیے لائق نہیں کہ وہ بدخو' فحش گو اور لعن اور طعن کرنے والا ہو' البتہ اس سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنھیں خود اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے ملعون قرار دیا ہے' ان پر لعن طعن کیا جا سکتا ہے'

١٢٩٨ـ [صحيح] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، حديث: ٢٠٠٢.

١٢٩٩ـ [حسن] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في اللعنة، حديث: ١٩٧٧، والحاكم: ١/ ١٢ وصححه.

مثلاً: کافر، شراب پینے والا اور حلالہ کرنے والا وغیرہ۔

راویٔ حدیث: [حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ] بڑے جلیل القدر اور بہت بڑے عابد و زاہد صحابی تھے۔ ان کا نام عویمر بن زید یا ابن عامر یا ابن مالک بن عبداللہ بن قیس تھا۔ انصار سے تعلق رکھتے تھے۔ خزرج قبیلے سے تھے، اس لیے انصاری اور خزرجی کہلائے۔ بدر کے روز اسلام قبول کیا اور احد میں شریک ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بدری اصحاب میں شامل فرمایا تھا۔ انھوں نے جمع قرآن کی خدمت انجام دی۔ دمشق کے والی رہے۔ ان کے فضائل بے شمار ہیں۔ ان کے اقوال زریں میں سے ایک قول یہ ہے کہ بعض اوقات ایک لمحے کی شہرت، طویل حزن و ملال سے دوچار کر دیتی ہے۔ ۳۲ ہجری میں وفات پائی۔

(١٣٠٠) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلٰى مَا قَدَّمُوا». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1300] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فوت شدگان کو گالی نہ دو کیونکہ انھوں نے جو کچھ آگے بھیجا تھا اس تک وہ پہنچ چکے ہیں۔“ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فائدہ: اس حدیث میں کسی بھی مرنے والے کو برا کہنے اور گالی دینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ مردے کو گالی دینے کی وجہ سے اس کے لواحقین کو اذیت پہنچتی ہے جو باہمی دشمنی اور عداوت کا باعث بن سکتی ہے۔ ویسے بھی یہ لغو اور فضول سی بات ہے کیونکہ مرنے والا اپنے مالک کے پاس پہنچ چکا، اب اس کا معاملہ اس کے سپرد ہے، سزا دے یا نہ دے۔ کسی کے گالی دینے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔ پھر یہ کون سی شرافت ہے کہ جو جوابی کارروائی کی حالت میں نہیں اسے گالی دی جائے۔ اسے گالی گلوچ کرنے سے سوائے اپنے نفس کو جلانے کے کیا حاصل؟

(١٣٠١) وَعَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1301] حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [قَتَّاتٌ] ”قاف“ پر فتحہ اور ”تا“ پر تشدید ہے۔ نَمَّام کے معنی میں ہے، یعنی چغل خور، جو کسی انسان کی یا کسی قوم کی بات دوسرے انسان یا قوم کے پاس اس طریقے سے نقل کرے کہ دونوں میں فساد برپا ہو جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نمام اور قتات میں لطیف سا فرق ہے۔ نمام اس آدمی کو کہتے ہیں جو لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے میں شریک ہو، پھر ان کے خلاف چغل خوری کرے اور ان کی گفتگو آشکارا کرے جس کا افشا، وہ ناپسند کرتے ہوں۔ اور قتات اس آدمی کو کہتے ہیں جو دوسروں کی بات ان کی بے خبری میں سنے، پھر چغل خوری کرے اور ان کی بات کو آگے نقل کرے۔

١٣٠٠ـ أخرجه البخاري، الرقاق، باب سكرات الموت، حديث: ٦٥١٦.

١٣٠١ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب ما يكره من النميمة، حديث: ٦٠٥٦، ومسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم النميمة، حديث: ١٠٥.

علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ سب کچھ اس صورت میں ہے جبکہ اس کے آگے نقل کرنے میں شرعی مصلحت نہ ہو۔ اگر شرعی مصلحت ہو تو یہ مستحب ہے یا واجب ہے، مثلاً: کسی آدمی کو پتہ چل گیا کہ ایک شخص دوسرے آدمی پر ظلم وایذا رسانی کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اسے جا کر بچنے اور ہوشیار ومحتاط رہنے کے لیے خبردار کر دے۔ اور اسی طرح جس نے سربراہ مملکت یا اس کے کسی نمائندے کو اس سے مطلع کر دیا تو یہ ممنوع نہیں ہے، یعنی ایسا کرنا جائز ہے۔

(١٣٠٢) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**مَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللّٰهُ عَنْهُ عَذَابَهُ**». أَخْرَجَهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ. وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ عِنْدَ ابْنِ أَبِي الدُّنْيَا.

[1302] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی نے اپنے غصے کو روک لیا اللہ تعالیٰ اس سے اپنا عذاب روک لے گا۔“ (اسے طبرانی نے الاوسط میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کی شاہد ہے جسے ابن ابی الدنیا نے نقل کیا ہے۔)

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے اور انھوں نے اس کے مختلف طرق بیان کیے ہیں۔ ان میں سے ایک طریق کو انھوں نے حسن قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ کے کلام سے یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ مذکورہ روایت کم از کم حسن درجے کی ہے۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الصحيحة للألباني: ٥/ ٤٧٥- ٤٧٧، رقم: ٢٣٦٠) ② اس حدیث میں غصے پر قابو پانے کی فضیلت ہے۔ ③ اپنے زیردست اور ماتحت افراد کی کسی غلطی پر غصہ نہ کھانا بلکہ انھیں معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا ذریعہ ہے۔

(١٣٠٣) وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ، وَلَا بَخِيلٌ، وَلَا سَيِّءُ الْمَلَكَةِ**». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفَرَّقَهُ حَدِيثَيْنِ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

[1303] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دھوکے باز، بخیل اور بدخلق آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور انھوں نے اسے دو احادیث کی صورت میں الگ الگ بیان کیا ہے۔ اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ] یعنی آغاز اور ابتدا میں جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا یا یہ معنی ہیں کہ اس کے لیے جو سزا اور عذاب ہے، اسے بھگتے بغیر جنت میں نہیں جا سکے گا۔ [خَبٌّ] ”خا“ پر فتحہ اور ”با“ پر تشدید ہے۔ دھوکے باز جو دھوکے اور فریب سے لوگوں میں فساد اور خرابی پیدا کرے۔ [لَا سَيِّءُ الْمَلَكَةِ] مَلَكَة کے ”میم“ اور ”لام“ پر فتحہ ہے اور

١٣٠٢ـ [ضعيف] أخرجه الطبراني في الأوسط كما في مجمع الزوائد: ١٠/ ٢٩٨، وأبويعلى في مسنده: ٧/ ٣٠٢، حديث: ١٥٨٣ وسنده ضعيف، وحديث ابن عمر: أخرجه ابن أبي الدنيا في الصمت (٢١) وسنده ضعيف، ضعفه السيوطي، وحسنه العراقي. وللحديث شواهد ضعيفة عند الضياء وغيره.

١٣٠٣ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في البخل، حديث: ١٩٦٣ وقال: حسن غريب. * صدقة وفرقد ضعيفان.

یہ مِلْك کے معنی میں ہے۔ اس صورت میں سَيِّءُ الْمَلَكَةِ اسے کہیں گے جو اپنے غلاموں سے برا سلوک کرے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ مَلَكَة کو پختہ عادت کے معنی میں لیا جائے تو اس صورت میں سَيِّءُ الْمَلَكَةِ کے معنی ہوں گے: بدخلق اور بدمزاج آدمی۔

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم دھوکا دینے' بخل کرنے اور برے اخلاق کی مذمت اور قباحت کتاب وسنت کے دیگر دلائل سے واضح ہے۔ بنابریں ان اعمال قبیحہ سے اجتناب ضروری ہے۔

(١٣٠٤) وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ تَسَمَّعَ حَدِيثَ قَوْمٍ، وهُمْ لَهُ كَارِهُونَ، صُبَّ فِي أُذُنَيْهِ الْآنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». يَعْنِي الرَّصَاصَ. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1304] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے چھپ کر کسی قوم کی بات سننے کی سعی کی جبکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو قیامت کے روز اس کے کانوں میں سیسہ ڈالا جائے گا۔'' [آنُكُ] کے معنی: سیسہ ہیں۔ (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ تَسَمَّعَ] باب تَفَعُّل سے ماضی کا صیغہ ہے اور اس میں تکلف پایا جاتا ہے' معنی اس کے یہ ہیں کہ جو شخص کسی قوم کی بات سننے میں بڑی سعی وجدوجہد کرتا ہے' یعنی چوری چھپے اور مخفی طور پر بات سننے کی کوشش کرتا ہے' البتہ اگر اس کے کان میں لوگوں کی بات بغیر کسی تکلف واہتمام اور بغیر اس کی کوشش اور جدوجہد کے پڑ جائے تو اس پر اس سلسلے میں کوئی مؤاخذہ نہیں لیکن اسے مخفی رکھنا اور نہ پھیلانا اس پر واجب ہے جب کہ اس کا افشا ناپسندیدہ ہو اور کسی فساد کا باعث ہو۔ [صُبَّ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی اس کے کانوں میں ڈالا جائے گا۔ [اَلْآنُكُ] ''ہمزہ'' پر مد اور ''نون'' پر ضمہ ہے۔ سیسہ۔

فائدہ: اس حدیث میں اس بات کی ممانعت ہے کہ آدمی کسی دوسرے آدمی یا قوم کے راز اور خفیہ باتیں (جنھیں وہ دوسرے کے روبرو بیان کرنا نہیں چاہتے) بڑے اہتمام' توجہ اور کوشش سے سننے کی ٹوہ میں لگا رہے۔ ایسے آدمی کے کانوں میں قیامت کے روز پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ یہ مجلسی آداب میں سے ایک ادب ہے جسے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''الادب المفرد'' میں سعید مقبری سے روایت نقل کی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کسی آدمی سے گفتگو کر رہے تھے' میں بھی ان کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے میرے سینے پر تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ جب دو آدمی الگ سے بات چیت کر رہے ہوں تو ان کی باتیں نہ سنا کرو' یہ ممنوع ہے۔ (الأدب المفرد' باب إذا رأى قوماً يتناجون فلا يدخل معهم: ٦٢٠/٢' رقم: ١١٦٦ طبع مكتبة المعارف' الرياض) بہرحال کسی کی راز داری میں مداخلت درست نہیں۔

١٣٠٤۔ أخرجه البخاري، التعبير، باب من كذب في حلمه، حديث: ٧٠٤٢.

(١٣٠٥) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**طُوبٰى لِمَنْ شَغَلَهُ عَيْبُهُ عَنْ عُيُوبِ النَّاسِ**». أَخْرَجَهُ الْبَزَّارُ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[1305] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کے لیے طوبیٰ (خوشخبری) ہے جسے اپنے عیب نے دوسرے لوگوں کے عیوب (تلاش کرنے) سے باز رکھا۔'' (اس حدیث کو بزار نے حسن سند سے روایت ہے۔)

لغوی تشریح: [طُوبٰی] کے ''طا'' پر ضمہ اور آخر میں الف مقصورہ ہے۔ طیب سے اسم ہے یا جنت کے ایک ایسے درخت کا نام ہے جس کے سائے میں سوار ایک سو سال تک چلتا رہے گا مگر وہ سایہ ختم نہ ہوگا۔

(١٣٠٦) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**مَنْ تَعَاظَمَ فِي نَفْسِهِ، وَاخْتَالَ فِي مِشْيَتِهِ لَقِيَ اللّٰهَ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانُ**». أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ، وَرِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

[1306] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور اپنی چال میں تکبر اختیار کرے وہ اللہ سے ایسی حالت میں ملاقات کرے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہوگا۔'' (اسے حاکم نے نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔)

لغوی تشریح: [تَعَاظَمَ فِي نَفْسِهِ] اپنے جی میں خیال کرتا ہے کہ وہ کوئی بڑا آدمی ہے اور وہ ایسی تعظیم کا استحقاق رکھتا ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ [اِخْتَالَ] اکڑ کر چلا' تکبر کیا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں تکبر سے چلنے کو اللہ کی ناراضی اور غضب کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ② سچی بات یہی ہے کہ یہ چال وہی لوگ چلتے ہیں جن کے دماغ میں بڑا ہونے کا خیال سمایا ہوتا ہے۔ ③ علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تکبر یہ ہے کہ اپنے آپ کو بلند و بالا سمجھتے ہوئے لوگوں کو حقیر جانا جائے اور حق کا انکار کیا جائے۔ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے زواجر میں کہا ہے کہ تعاظم اور تکبر دو طرح کا ہوتا ہے: ایک باطن اور دوسرا ظاہر۔ حدیث کا پہلا جملہ باطن کو اور دوسرا جملہ ظاہر کو بیان کر رہا ہے اور دونوں ہی کبیرہ گناہ ہیں اور شرعاً حرام ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (صحيح مسلم' الإيمان' باب تحريم الكبر و بيانه' حديث:91)

(١٣٠٧) وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ**». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

[1307] حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جلد بازی و عجلت پسندی شیطانی کام ہے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔)

١٣٠٥ـ **[ضعيف]** أخرجه البزار، كشف الأستار، حديث: ٣٢٢٥، وضعفه العراقي كما في "اتحاف المتقين": ٧/ ٤٦٥، وله طريق آخر ضعيف جدًا موضوع عند ابن الجوزي في العلل المتناهية: ٢/ ٣٤٣، ٣٤٤، حديث: ١٣٨٥.

١٣٠٦ـ **[صحيح]** أخرجه الحاكم: ١/ ٦٠ وصححه على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي، وأحمد: ٢/ ١١٨، والبخاري في الأدب المفرد، حديث: ٥٤٩.

١٣٠٧ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في التأني والعجلة، حديث: ٢٠١٢، وقال: غريب. * عبدالمهيمن ضعيف (تقريب).

لغوی تشریح: [اَلْعَجَلَةُ] ''عین'' اور ''جیم'' پر فتحہ ہے۔ کسی کام کو انجام دینے میں جلدی کرنا۔ سرعت اور تیزی سے کام کرنا۔

فائدہ: مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے' تاہم جلد بازی قابل مذمت حرکت ہے' اس لیے کہ ایسا کرنے سے امور کے انجام پر غور و فکر کرنے اور ان میں خوب چھان بین کرنے کا موقع نہیں ملتا اور اسی کے نتیجے میں انسان ہلاکت کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے۔ بہرنوع اس سے بچنا چاہیے۔

(١٣٠٨) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**اَلشُّؤْمُ سُوءُ الْخُلُقِ**». أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ، وَفِي إِسْنَادِهِ ضَعْفٌ.

[1308] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**بدخلقی نحوست ہے۔**'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ضعف ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلشُّؤْم] شؤم، یُمن اور برکت کی ضد ہے۔ اس کے ''شین'' پر ضمہ اور ''ہمزہ'' ساکن ہے اور بسا اوقات اسے تسہیل کے ساتھ پڑھا جاتا ہے یا پھر واؤ سے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔

(١٣٠٩) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**إِنَّ اللَّعَّانِينَ لَا يَكُونُونَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ**». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1309] حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''**یقیناً لعنت کرنے والے قیامت کے روز سفارش کرنے والے ہوں گے نہ گواہی دینے والے۔**'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کثرت سے لعنت کرنے والے لوگوں کی سفارش قبول نہیں فرمائے گا اور نہ ایسے لوگوں کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ② اس قبولیت شہادت کا تعلق بعض نے دنیا سے بتایا ہے کہ چونکہ ایسے لوگ فاسق ہوتے ہیں' اس لیے ان کی شہادت دنیا میں قبول نہیں کی جائے گی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ لوگ قیامت کے روز انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ دین پر شہادت نہیں دے سکیں گے۔ اور بعض نے اس کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ یہ اللہ کی راہ میں مارے جائیں تب بھی شہادت کا مرتبہ نہیں پا سکیں گے۔ (سبل السلام)

(١٣١٠) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ عَيَّرَ

[1310] حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ کی

١٣٠٨ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه أحمد: ٦/ ٨٥، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد: ٦/ ٨٥ وفيه أبوبكر بن أبي مريم وهو ضعيف.

١٣٠٩ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، حديث: ٢٥٩٨.

١٣١٠ـ **[إسناده ضعيف]** أخرجه الترمذي، صفة القيامة، باب ٥٣، حديث: ٢٥٠٥، وقال: غريب. * محمد بن الحسن الهمداني ضعيف، والسند منقطع.

أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَسَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ.

عار دلائے گا تو وہ خود بھی وہی کام کر کے مرے گا۔'' (اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ اور اس کی سند منقطع ہے۔)

لغوی تشریح: [عَيَّـرَ] تَعْيِير سے ماضی کا صیغہ ہے، یعنی اسے عار کی طرف منسوب کیا اور اس کے کام کو برا کہا تا کہ اسے ذلیل و رسوا کرے۔

(١٣١١) وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ، وَيْلٌ لَهُ، ثُمَّ وَيْلٌ لَهُ». أَخْرَجَهُ الثَّلَاثَةُ، وَإِسْنَادُهُ قَوِيٌّ.

[1311] حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہلاکت ہے اس شخص پر جو جھوٹی باتیں سنا کر لوگوں کو ہنساتا ہے۔ اس پر ہلاکت ہے، پھر اس پر ہلاکت ہے۔'' (اسے تینوں نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔)

فائدہ: جھوٹ بولنا تو قرآن و سنت کی روشنی میں ویسے ہی حرام اور گناہ کبیرہ ہے مگر اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بیان کر کے لوگوں کو ہنسانا اور ان کی دلچسپی و دل لگی کا سامان مہیا کرنا بھی حرام ہے کیونکہ خوشی کا اظہار تو کسی اچھی بات پر ہونا چاہیے نہ کہ جھوٹی بات پر۔ جو شخص ایسے جرم کا مرتکب ہو اسے روک دینا چاہیے یا کم از کم جھوٹ کی اس مجلس کو چھوڑ دینا چاہیے۔

(١٣١٢) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «كَفَّارَةُ مَنِ اغْتَبْتَهُ أَنْ تَسْتَغْفِرَ لَهُ». رَوَاهُ الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ.

[1312] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کی تو نے غیبت کی ہو اس کا کفارہ یہ ہے کہ تو اس کے لیے (اللہ سے) مغفرت طلب کرے۔'' (اسے حارث بن ابی اسامہ نے ضعیف سند سے روایت کیا ہے۔)

(١٣١٣) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1313] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے نزدیک بندوں میں سے سب سے زیادہ مبغوض وہ ہے جو سب سے زیادہ جھگڑالو ہو۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

١٣١١ـ [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في التشديد في الكذب، حديث: ٤٩٩٠، والترمذي، الزهد، حديث: ٢٣١٥، والنسائي في الكبرى: ٦/ ٣٢٩، حديث: ١١١٢٦، ٦/ ٥٠٩، حديث: ١١٦٥٥.

١٣١٢ـ [إسناده ضعيف جدًا] الحارث بن أبي أسامة: لم أجده، وابن أبي الدنيا في الصمت، حديث: ٢٩١. ✽ عنبسة بن عبد الرحمٰن القرشي متهم بالوضع.

١٣١٣ـ أخرجه مسلم، العلم، باب في الألد الخصم، حديث: ٢٦٦٨.

لغوی تشریح: [اَلْأَلَدُّ] ''ہمزہ'' اور ''لام'' دونوں پر فتحہ اور ''دال'' پر تشدید ہے۔ سخت جھگڑالو۔ [اَلْخَصِمُ] کے ''خا'' اور ''صاد'' دونوں پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی بھی سخت جھگڑنے والے کے ہیں۔

فوائد ومسائل: ① لڑنے جھگڑنے میں شدت اور حد سے تجاوز کرنا شریف لوگوں کا کام نہیں۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ ② شدت اور حد سے تجاوز دونوں حرام ہیں مگر اپنے حقوق کے حصول کے لیے جائز حد تک جھگڑا جا سکتا ہے۔

٥ - بَابُ التَّرْغِيبِ فِي مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ

باب:5- اچھے اخلاق کی ترغیب کا بیان

(١٣١٤) عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ، وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقًا، وَإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ، وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1314] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سچائی کو لازم پکڑو کیونکہ سچ نیکی کی طرف راہ نمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کی جانب لے جاتی ہے۔ اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ اسے اللہ کے ہاں صِدِّیق لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کی جانب لے جاتا ہے اور گناہ آتش جہنم کی جانب لے جاتا ہے۔ اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ اسے اللہ کے ہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [بَابُ التَّرْغِيبِ -----] مَكَارِم' مَكْرُمَة کی جمع ہے۔ مَكْرُمَة کے ''میم'' اوّل پر فتحہ' ''کاف'' ساکن اور ''را'' پر ضمہ ہے۔ شریفانہ کام کو کہتے ہیں۔ [عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ] اس کے معنی صدق کو لازم پکڑنے اور اختیار کرنے کے ہیں۔ اور صدق نام ہے واقعہ کے مطابق کام یا بات کرنے کا۔ [فَإِنَّ الصِّدْقَ] یعنی صدق کو لازم پکڑنا اور اس پر مداومت اختیار کرنا۔ [يَتَحَرَّى الصِّدْقَ] صدق کے سلسلے میں انتہائی کوشش اور جدوجہد کرتا ہے۔ [صِدِّيقًا] ''صاد'' کے نیچے کسرہ اور ''دال'' پر تشدید ہے۔ صدق میں مبالغہ کرنے والا اور بہت زیادہ سچ بولنے والا۔ [اَلْفُجُورَ] ''فا'' پر ضمہ ہے۔ نافرمانی کرنے' فساد کی جانب میلان رکھنے اور معاصی کی طرف لپکنے کو فسق وفجور کہتے ہیں۔ اور یہ شر وبرائی کے لیے جامع نام ہے۔ [حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا] مؤلف رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے کہ لکھے جانے سے مراد یہ ہے کہ اس چیز پر حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اور ملأ اعلیٰ یعنی فرشتوں کے سامنے اس کا یہ کام ظاہر کر دیا جاتا ہے اور اہل

١٣١٤ـ أخرجه البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى: "يأيها الذين آمنوا اتقوا الله"، حديث: ٦٠٩٤، ومسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب ....، حديث: ٢٦٠٧.

زمین کے دلوں میں بھی یہ بات ڈال دی جاتی ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں سچ بولنے والے کے حسن خاتمہ اور اس کے برے انجام سے مامون و محفوظ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۳۱۵) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1315] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچو۔ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔'' (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: ① یہ حدیث گزشتہ باب (حدیث:۱۲۸۴) میں گزر چکی ہے اور دونوں بابوں کے ساتھ اس کی مناسبت بہت واضح ہے۔ ② اس حدیث میں جھوٹ سے بچنے اور ہمیشہ سچائی اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ③ سچائی کا آخری ثمرہ و نتیجہ جنت ہے اور جھوٹ کا نتیجہ خالق کائنات کی ناراضی کی صورت میں دوزخ ہے۔ ④ اس حدیث میں اشارہ ہے کہ جو کوئی اپنی تمام باتوں میں سچ اختیار کرتا ہے اور سچائی کو اپنی زندگی کا عین مقصد سمجھتا ہے تو سچائی اس کی زندگی کا جزو لاینفک اور لازمی حصہ بن جاتی ہے اور اس کا نتیجہ جنت ہے۔

(۱۳۱٦) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ عَلَى الطُّرُقَاتِ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا لَنَا بُدٌّ مِنْ مَجَالِسِنَا، نَتَحَدَّثُ فِيهَا، قَالَ: «فَأَمَّا إِذَا أَبَيْتُمْ فَأَعْطُوا الطَّرِيقَ حَقَّهُ»، قَالُوا: وَمَا حَقُّهُ؟ قَالَ: «غَضُّ الْبَصَرِ، وَكَفُّ الْأَذٰى، وَرَدُّ السَّلَامِ، وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ، وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1316] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔'' صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! راستوں میں بیٹھے بغیر ہمارا گزارہ نہیں کیونکہ ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اگر تم مُصِرّ ہی ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔'' انھوں نے عرض کیا: اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ''آنکھوں کو نیچے رکھنا، تکلیف دینے سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے منع کرنا۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [إِيَّاكُمْ وَالْجُلُوسَ] یہ تحذیر کی وجہ سے منصوب ہے، یعنی اس سے خوف کھاؤ، ڈرو اور محتاط رہو۔ [مَالَنَابُدٌّ] بُدٌّ کے ''با'' پر ضمہ اور ''دال'' پر تشدید ہے۔ جائے فرار اور چارہ۔ لَا بُدَّ مِنْ هٰذَا اس کام کے لیے کہا جاتا ہے جو واجب ہو اور جس کے سرانجام دیے بغیر گزارہ نہ ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ ضرورت و حاجت ہمیں راستوں پر بیٹھنے کے لیے مجبور کرتی ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے اس سے فرار کی گنجائش نہیں۔ [إِذَا أَبَيْتُمْ] اگر تم راستوں میں بیٹھنے سے باز نہیں آتے۔ [غَضُّ الْبَصَرِ] نظر کو غیر محرم پر پڑنے سے بچانا۔ [كَفُّ الْأَذٰى] راہ گیروں کو اذیت دینے سے باز رہنا۔ اور

۱۳۱۵_ أخرجه البخاري، ومسلم، تقدم: ۱۲۸٤.

۱۳۱٦_ أخرجه البخاري، الاستئذان، باب قول الله تعالى: 'يأيها الذين آمنوا لا تدخلوا...'، حديث: ٦٢٢٩، ومسلم، اللباس والزينة، باب النهي عن الجلوس في الطرقات ....، حديث: ۲۱۲۱.

دوسری روایات میں راستے کے حق کے بارے میں مزید بیان ہے کہ راستے کی راہنمائی کرنا' مصیبت زدہ کی فریاد رسی کرنا' بھٹکے ہوئے مسافر کو راہ راست دکھانا اور جب کوئی چھینک آنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰہُ کہنا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے رستوں میں' جہاں سے لوگ گزرتے ہوں' بیٹھنے اور قصہ گوئی کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ ② گلی کوچوں میں بیٹھنا اور راہ چلنے والوں کے لیے راستہ تنگ کرنا کون سی شرافت ہے۔ راستوں پر خواتین کا آنا جانا بھی رہتا ہے۔ لامحالہ ان کے لیے مشکل پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹریفک کے مسائل ہیں۔ اگر راستے پر بیٹھنا مجبوری ہو تو پھر اس کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔

(۱۳۱۷) وَعَنْ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1317] حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ جس شخص سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ سے نوازتا ہے۔" (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [اَلْفِقْهُ فِي الدِّينِ] قواعد اسلام کا سیکھنا۔ کتاب و سنت کے حلال و حرام کی معرفت حاصل کرنا۔ رہا ائمہ کے تخریج شدہ اقوال کی معرفت تو اسے اس امام کے مذہب کی فقہ کہیں گے نہ کہ دین کی فقہ۔

(۱۳۱۸) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَامِنْ شَيْءٍ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

[1318] حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ترازو میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہوگی۔" (اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز ترازو بھی ہوں گے جن میں اعمال تولے جائیں گے اور ترازو میں سب سے وزنی چیز انسان کے عمدہ اخلاق ہوں گے۔ ② اس فضیلت سے اچھے اور بہترین اخلاق کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۱۳۱۹) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْحَيَاءُ مِنَ

[1319] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حیا ایمان کا جز ہے۔" (بخاری و مسلم)

۱۳۱۷۔ أخرجه البخاري، العلم، باب من يرد الله به خيرًا يفقهه في الدين، حديث: ۷۱، ومسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق .....، حديث: ۱۰۳۷، بعد حديث: ۱۹۲۳.

۱۳۱۸۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: ۴۷۹۹، والترمذي، البر والصلة، حديث: ۲۰۰۲.

۱۳۱۹۔ أخرجه البخاري، الايمان، باب الحياء من الإيمان، حديث: ۲۴، ومسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان ....، حديث: ۳۶.

الْإِيمَانِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

لغوی تشریح: [اَلْحَيَاءُ] لغوی طور پر حیا کے معنی ہیں: کسی عیب کے ڈر سے طبیعت میں تغیر وانکسار پیدا ہونا۔ اور شرعاً یہ ایسی خصلت و عادت ہے جو برے کام سے بچنے کا موجب و باعث ہوتی ہے اور حقدار کے حق میں کوتاہی اور کمی کرنے سے روکتی ہے۔ اور حیا اگرچہ ایک طبعی خصلت ہے لیکن اسے شریعت کے مطابق استعمال کرنے کے لیے علم اور نیت کی ضرورت ہے' اس لیے اسے ایمان کا جز اور شاخ قرار دیا گیا ہے۔ اور کبھی یہ حیا کسبی بھی ہوتی ہے۔ اور اسے ایمان کا جز قرار دینے کے معنی یہ ہیں کہ صاحب حیا کو اس کی شرم و حیا گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتی ہے۔ اور جس طرح کہ ایمان گناہوں سے روکنے کا سبب ہے' اسی طرح حیا بھی انسان کو معاصی و گناہوں سے بچنے میں مدو معاون ہے۔ (سبل السلام)

(١٣٢٠) وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى: إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

[1320] حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلی (گزشتہ) نبوت کے کلام میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے' اس میں سے یہ بھی ہے کہ جب تو بے حیا ہو جائے تو جو چاہے کر۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① پہلی نبوت کے کلام سے مراد وہ بات ہے جس پر سب انبیاء علیہم السلام کا اتفاق ہے اور وہ ان کی شریعتوں کی طرح منسوخ نہیں ہوئی۔ ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی شریعتوں کی کچھ باتیں ایسی ہیں جو منسوخ نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے: ''جب تو شرم و حیا نہ کرے تو جو چاہے کر۔'' کیونکہ برائی سے روکنے کا ذریعہ حیا ہے اور جب وہ ختم ہو جائے تو انسان بغیر کسی رکاوٹ کے برائیاں کرے گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے دیکھ لو' اگر وہ ایسا ہو کہ اس سے حیا کی جاتی ہو تو اسے چھوڑ دو اور اگر اس سے شرم و حیا نہیں کی جاتی تو اسے کر گزرو اور لوگوں کی کوئی پروا نہ کرو۔ (سبل السلام)

(١٣٢١) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ، اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَذَا، كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلٰكِنْ قُلْ: قَدَّرَ اللّٰهُ، وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ «لَوْ»

[1321] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قوی مومن اللہ کے ہاں ضعیف و کمزور مومن سے زیادہ محبوب ہے۔ اور ہر مومن میں بھلائی و اچھائی ہے۔ جو چیز تیرے لیے نفع بخش ہے اس کی حرص و لالچ کر۔ مدد صرف اللہ سے طلب کر اور عاجز و درماندہ بن کر نہ بیٹھ۔ اور اگر تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو اس طرح مت کہہ کہ اگر یہ کام میں نے اس طرح سرانجام دیا ہوتا تو اس سے مجھے یہ اور

١٣٢٠ـ أخرجه البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ٥٤، حديث: ٣٤٨٤.

١٣٢١ـ أخرجه مسلم، القدر، باب في الأمر بالقوة وترك العجز . . . ، حديث: ٢٦٦٤.

تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

یہ فوائد حاصل ہوتے۔ بلکہ اس طرح کہا کر کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا اور جو چاہا کر دکھایا۔ کیونکہ لفظ لَوْ (اگر) شیطان کے عمل کا دروازہ کھولتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [فَإِنَّ لَوْ] لَوْ (اگر) کا لفظ کسی کام کے مراد اور مقصود کے خلاف واقع ہونے پر بولا جاتا ہے' مثلاً: کوئی آدمی کہتا ہے: اگر میں اس طرح کرتا تو اس کا نتیجہ لازماً اس طرح ہوتا جیسا کہ حدیث بالا میں مذکور ہے۔ [تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ] یہ شیطان کا عمل کھول دیتا ہے۔ یعنی یہ ''اگر'' کا لفظ کہنے والے کی شدت حرص اور کسی کام کے رہ جانے یا کسی ناپسندیدہ امر کے واقع ہو جانے پر حسرت وافسوس اور قضاء وقدر پر عدم رضامندی پر دلالت کرتا ہے اور تقدیر بدلنے کے امکان کا گمان دلاتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں لفظ لو (جس کے معنی ''اگر'' کے ہوتے ہیں) کے استعمال سے منع کیا گیا ہے جبکہ بعض احادیث سے اس کے استعمال کی گنجائش نظر آتی ہے' لہٰذا یہ ممانعت تنزیہی ہے' تحریمی نہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ کی یہی رائے ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر ''لو'' کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اگر میں فلاں کام اس طرح انجام دیتا تو یقیناً اس کا نتیجہ اس طرح برآمد ہوتا تو اس طور پر لفظ لَو کا استعمال حرام ہے۔ اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ وہی ہو کر رہنا تھا جو ہو چکا ہے اور ہوگا بھی وہی جو تقدیر الٰہی میں ہے تو ایسی صورت میں لفظ لَو کا استعمال درست ہوگا' ممنوع نہیں ہوگا۔ ② اسی طرح اگر دین اسلام کی اتباع نہ کرنے یا کم اجر والا کام کرنے اور زیادہ اجر والا کام رہ جانے پر تاسف اور اظہار افسوس کی صورت میں لَوْ کہتا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: [لَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْيَ] ''اگر مجھے اس بات کا پہلے پتہ چل جاتا جس کا بعد میں پتہ چلا ہے تو میں قربانی کے جانور ساتھ نہ لاتا۔'' (صحیح البخاري، التمني، حديث: ٧٢٢٩) یعنی عمرہ کر کے حلال ہو جاتا پھر آٹھ ذوالحجہ کو حج کا احرام نئے سرے سے باندھتا، یعنی حج تمتع کرتا۔ ③ اسی طرح اس حدیث سے پتہ چلا کہ قوی و مضبوط مومن کو اللہ تعالیٰ' ضعیف و کمزور کے مقابلے میں محبوب رکھتا ہے کیونکہ جہاد میں قوت و طاقت کی ضرورت ہے۔ تندرست وصحت مند آدمی' بیمار و کمزور آدمی کے مقابلے میں دین کی خدمت زیادہ کر سکتا ہے اور عبادت میں زیادہ محنت کر سکتا ہے' نیز غرباء و مساکین' ضرورت مندوں اور حاجت مندوں کی خدمت بھی زیادہ کر سکتا ہے۔ لیکن قوت و ہمت کے باوجود انسان اسی وقت کچھ کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو' اس لیے اس میں حکم ہے کہ بہرنوع اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ وہی تمھارا کارساز ہے۔

(١٣٢٢) وَعَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْحٰى إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا، حَتّٰى لَا يَبْغِيَ

[1322] حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی ہے کہ تواضع اور انکسار اختیار کرو۔ یہاں تک

١٣٢٢ـ أخرجه مسلم، الجنة ونعيمها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث: ٢٨٦٥.

أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ، وَلَايَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر زیادتی نہ کرے اور نہ کوئی دوسرے پر فخر ہی کرے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلتَّوَاضُعُ] تذلل اور انکسار۔ یہ کبر ونخوت کی ضد ہے۔ متکبر وہ شخص ہے جو دوسروں کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا اور ممتاز سمجھتا ہے اور پھر احکام الٰہی کی بغاوت کرتا ہے اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کی بنا پر لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔ جب تواضع، تکبر کی ضد ہے تو تواضع کے آثار بھی اس کے مخالف ہوں گے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں تواضع و انکسار اختیار کرنے کی تلقین و ترغیب ہے۔ باوجود بلند مرتبہ اور بلند شان ہونے کے انسان کا اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں بڑا نہ سمجھنا اور لوگوں کو حقیر تصور نہ کرنا تواضع ہے۔ ② تواضع اور انکسار سے انسان دوسرے انسانوں کو اپنا دوست اور ہمنوا بنا لیتا ہے اور تکبر و نخوت سے لوگوں کو اپنے سے دور کر لیتا ہے۔

(١٣٢٣) وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ بِالْغَيْبِ، رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَحَسَّنَهُ، وَلِأَحْمَدَ مِنْ حَدِيثِ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ نَحْوُهُ.

[1323] حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی آبرو کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے چہرے سے آتش جہنم دور رکھے گا۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا ہے۔ اور مسند احمد میں حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی اسی طرح ہے۔)

لغوی تشریح: [مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيهِ] اس کا مطلب ہے کہ جس نے اپنے بھائی کا دفاع کیا اور اس کی آبرو کی حفاظت کی۔ [بِالْغَيْبِ] ایسی صورت میں جب اس کا بھائی موجود نہیں تھا، غیر حاضر تھا۔

فائدہ: اس حدیث میں اس مسلمان کی فضیلت کا بیان ہے جو اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے۔ یہ دفاع واجب ہے کیونکہ مومن بھائی کی عزت پامال کرنا ایک برائی ہے اور برائی کا انکار کرنا اور اسے ممکنہ حد تک روکنا واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں دفاع نہ کرنے والے کی مذمت بھی آئی ہے، پھر اس دفاع سے غیبت وغیرہ کرنے والے کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، آئندہ وہ اس سے اجتناب کرے گا، اور جس کا دفاع کیا ہے اس سے بھائی چارہ اور محبت پیدا ہوتی ہے۔

راویٔ حدیث: [حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا] یہ یزید بن سکن کی صاحب زادی تھیں۔ قبیلۂ اشہل سے تھیں اس لیے اشہلیہ کہلاتی تھیں۔ خواتین کو خطبہ دیا کرتی تھیں۔ یرموک میں شریک ہوئیں۔ اس روز انھوں نے اپنے خیمے کی لکڑی سے نو دشمنوں کو قتل کیا۔

١٣٢٣ـ [حسن] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الذب عن عرض المسلم، حديث: ١٩٣١، وحديث أسماء: أخرجه أحمد: ٦/ ٤٤٩، ٤٥٠، وهو حديث حسن.

(١٣٢٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ، وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1324] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ و خیرات کسی مال میں کمی واقع نہیں کرتا۔ اور اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والے کی عزت میں اضافہ ہی کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَازَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ] یعنی اس کے کسی چیز یا کسی شخص سے درگزر کرنے اور انتقام و بدلہ لینے کی قوت و طاقت کے باوجود اسے معاف کر دینے کی وجہ سے۔ [إِلَّا عِزًّا] جو شخص عفو و درگزر کی صفت سے پہچانا جاتا ہے وہ دنیا میں لوگوں کے دلوں میں بہت بڑا مقام پیدا کر لیتا ہے' یا پھر آخرت میں اس کے ثواب میں اضافہ کیا جائے گا یا دنیا اور آخرت دونوں ہی میں عزت و رفعت اور اجر و ثواب سے نوازا جائے گا۔ [وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ] یعنی اس طرح کہ وہ خود جس مرتبے اور منصب کا مستحق ہے اپنے آپ کو اس سے نیچے اتار لے اس امید و توقع کے پیش نظر کہ اللہ کا قرب نصیب ہو جائے' اس کے سوا کوئی دوسری غرض نہ ہو۔

فائدہ: اس حدیث میں مکارم اخلاق کی تین چیزوں کا ذکر ہے اور تینوں اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہیں' یعنی صدقہ' عفو و درگزر اور تواضع۔ جس انسان میں یہ تینوں وصف پائے جائیں گے وہ شخص اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق بھی اس سے محبت کرے گی۔

(١٣٢٥) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَاأَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ، وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ.

[1325] حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! سلام کو عام کرو' صلہ رحمی کرو' کھانا کھلاؤ اور رات کو نماز (تہجد) پڑھو جب دوسرے لوگ سو رہے ہوں' جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔'' (اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَفْشُوا] إِفْشَاء سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی پھیلانے اور عام کرنے کے ہیں۔ [وَصِلُوا الْأَرْحَامَ] وَصَل سے امر کا صیغہ ہے جس کے معنی ملانے کے ہیں۔ [نِيَامٌ] ''نون'' کے نیچے کسرہ ہے اور یہ نائم کی جمع ہے' یعنی سونے والے۔

فائدہ: اس حدیث میں جن امور کو موجبات جنت قرار دیا گیا ہے ان میں تین کا تعلق انسانوں کے باہمی پیار اور محبت

١٣٢٤ـ أخرجه مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: ٢٥٨٨.

١٣٢٥ـ [صحيح] أخرجه الترمذي، الأطعمة، باب ما جاء في فضل إطعام الطعام، حديث: ١٨٥٥.

سے ہے اور ایک کا اللہ تعالیٰ کی عبادت سے' گویا اشارہ ہے کہ جس کا تعلق اللہ اور اللہ کے بندوں سے درست ہوا وہ جنت میں جائے گا اور جو ان امور خیر کی پابندی کرے گا اس کے لیے حصول جنت کا راستہ آسان ہو جائے گا' وہ نیکی کی شاہراہ پر چل نکلے گا اور برائیوں سے اجتناب کرے گا۔

(١٣٢٦) وَعَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ**»، ثَلَاثًا، قُلْنَا: لِمَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «**لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُولِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَعَامَّتِهِمْ**». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1326] حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' آپ نے تین مرتبہ یہ فرمایا۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! خیر خواہی کس کے لیے؟ فرمایا: ''اللہ کے لیے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لیے' مسلمانوں کے ائمہ کے لیے اور ان کے عام لوگوں کے لیے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ] یعنی دین کا عمود وستون اور اسے قائم رکھنے کا پیمانہ خیر خواہی ونصیحت ہے۔ علامہ جزری رحمہ اللہ ''النہایہ'' میں لکھتے ہیں کہ نصیحت بڑا جامع کلمہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص سے بھلائی کا ارادہ کرنا جس کی خیر خواہی مطلوب ومقصود ہو۔ اور ممکن نہیں کہ اس معنی کو ایک ہی لفظ میں ادا کیا جا سکے جو دوسرے معنی کو بھی اپنے اندر جمع کیے ہوئے ہو۔ اور نُصْحٌ کے لغت میں معنی خلوص کے ہیں۔ کہا جاتا ہے: نَصَحْتُهُ اور نَصَحْتُ لَهُ، یعنی میں نے اس کی خیر خواہی کی۔

فوائد ومسائل: ① اللہ کے لیے خیر خواہی کے معنی یہ ہیں کہ عقیدہ صحیح ہو کہ اس کے سوا اور کوئی مستحق عبادت نہیں ہے' نہ کوئی اس کے علاوہ معبود ومالک ہی ہے۔ اور اس کی عبادت میں بھی اخلاص ہو۔ ② اس کی کتاب کے لیے خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ اس کتاب کی تصدیق کی جائے اور اس میں جو تعلیم ہے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ ③ اس کے رسول کی خیر خواہی یہ ہے کہ آپ کی رسالت ونبوت کو بصدق قلب تسلیم کیا جائے اور آپ کے حکم کی بلا چون وچرا تعمیل کی جائے اور جس کام سے آپ نے روکا ہو اس سے رکا جائے۔ ④ ائمہ کی خیر خواہی یہ ہے کہ حق کے معاملے میں ان کی بات مانی جائے اور تھوڑی بہت سختی کی بنا پر ان کے خلاف بغاوت اور خروج نہ کیا جائے۔ ⑤ عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے مراد یہ ہے کہ اچھے کاموں کی طرف ان کی راہنمائی کی جائے۔

راویٔ حدیث: [حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ] ان کی کنیت ابورقیہ ہے۔ نام تمیم بن اوس بن خارجہ داری ہے۔ ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا۔ بیت المقدس میں سکونت اختیار کی۔ جساسہ کی اطلاع نبی ﷺ تک انھوں نے پہنچائی تھی۔ ابن سیرین کا قول ہے کہ انھوں نے سارا قرآن حفظ کیا اور ایک رات میں سارا قرآن تلاوت کر لیتے تھے۔ اور ابونعیم کا قول ہے کہ تمیم وہ پہلے صحابی ہیں جنھوں نے مساجد میں چراغ روشن کیا تھا۔ ۴۰ ہجری میں وفات پائی۔

١٣٢٦۔ أخرجه مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، حديث: ٥٥

(۱۳۲۷) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1327] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز جنت میں جانے کا سب سے زیادہ باعث بنے گی وہ اللہ کا ڈر اور حسن خلق ہے۔'' (اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں تقویٰ اور حسن خلق اختیار کرنے والوں کو دخول جنت کا مژدہ اور خوشخبری سنائی گئی ہے۔ ② تقویٰ کے معنی ہیں: اوامر پر عمل کرنا اور منہیات و نواہی سے رک جانا۔ اور حسن خلق' اچھے عمل و کردار کا نام ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام میں تقویٰ اور حسن خلق کا کیا مقام و مرتبہ ہے اور اس کی کتنی اہمیت و فضیلت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جنت مخلوق ہے اور موجود ہے۔

(۱۳۲۸) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّكُمْ لَا تَسَعُونَ النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ لِيَسَعْهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ الْوَجْهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ». أَخْرَجَهُ أَبُويَعْلٰى وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1328] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے مالوں کے ذریعے سے لوگوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے (نہیں سمو سکتے) لیکن کشادہ روئی اور حسن خلق سے لوگوں تک رسائی حاصل کر سکتے ہو۔'' (اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَا تَسَعُونَ] یہ اَلْوُسْعُ سے ماخوذ ہے' اسی طرح [لِيَسَعْهُمْ] بھی اسی اَلْوُسْعُ سے ہے۔

(۱۳۲۹) وَعَنْهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ». أَخْرَجَهُ أَبُودَاوُدَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[1329] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ نے فرمایا: ''مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔'' (اسے ابوداود نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ] اَلْمِرْآةُ کے ''میم'' کے نیچے کسرہ اور ''ہمزہ'' پر مد ہے' یعنی مومن اپنے بھائی کے محاسن و عیوب کے لیے ایک آلہ ہے لیکن وہ تنہائی اور خلوت ہی میں بیان کرتا ہے کیونکہ دوسروں کی موجودگی میں نصیحت' رسوائی کا باعث بن سکتی ہے' نیز ہر مومن اپنے بھائی کی وجہ سے اپنے ان عیوب پر اطلاع پا لیتا ہے جن سے خود ناواقف ہوتا ہے جس طرح کہ شیشے سے وہ کچھ نظر آ جاتا ہے جو اپنی آنکھوں سے دیکھنا ناممکن ہو۔ اور جس طرح آئینہ دیکھنے سے چہرے کی خرابیاں نظر آ جاتی ہیں اسی طرح دوسرے بھائیوں سے بھی عیوب و نقائص معلوم ہو جاتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① مطلب یہ ہے کہ آئینہ جس طرح اپنے دیکھنے والے کے محاسن اور نقائص بلاکم و کاست اس کے

۱۳۲۷- [إسناده صحيح] أخرجه الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، حديث: ٢٠٠٤، والحاكم: ٣٢٤/٤.

۱۳۲۸- [إسناده ضعيف] أخرجه أبويعلى: لم أجده، والحاكم: ١/ ١٢٤ وصححه، وأبونعيم في الحلية: ١٠/ ٢٥، فيه عبدالله بن سعيد المقبري متروك.

۱۳۲۹- [إسناده حسن] أخرجه أبوداود، الأدب، باب في النصيحة والحياطة، حديث: ٤٩١٨.

سامنے رکھ دیتا ہے' اسی طرح ایک مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے آئینے کا کام دیتا ہے' چنانچہ وہ اپنے بھائی کو عیوب اور نقائص پر متنبہ کر کے اسے خبردار کر دیتا ہے کہ اپنی اصلاح کر لے۔ ② یہ کام آئینہ صرف اپنے دیکھنے والے ہی کو بتاتا ہے' دوسرے کے روبرو چغلی نہیں کھاتا۔ ③ آئینہ اتنا عیب ونقص ہی بتاتا ہے جتنا دیکھنے والے کے چہرے مہرے میں ہوتا ہے' اس میں اپنی جانب سے کمی بیشی نہیں کرتا اور اس کے سامنے بیان کرتا ہے' اس کی عدم موجودگی اور پیٹھ پیچھے ذکر نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک مومن کو اپنے مومن بھائی کے سامنے اس کے عیوب بیان کرنے چاہئیں' اس کی عدم موجودگی میں نہیں اور اتنے عیوب ہی بیان کرنے چاہئیں جتنے حقیقت میں اس میں پائے جاتے ہوں' اس میں اپنی جانب سے کمی بیشی نہیں کرنی چاہیے۔ ④ آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بھی اپنے دیکھنے والے کے عیوب ہر ٹکڑے میں وہی دکھاتا ہے جو اس میں پائے جاتے ہیں' اسی طرح مومن کو اپنے بھائی سے ناراض ہو کر بھی اتنے ہی عیوب بیان کرنے چاہئیں جتنے فی الواقع اس میں پائے جاتے ہوں۔ ⑤ آئینہ ٹوٹ کر اپنی اصلیت کھو نہیں دیتا' اسی طرح مومن کو اپنی اصلیت نہیں کھونی چاہیے۔ اور دوسرے مومن کو چاہیے کہ اپنے عیوب پر تنبیہ کو اپنے لیے سچی خیر خواہی اور حقیقی ہمدردی سمجھے۔

(١٣٣٠) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ، خَيْرٌ مِنَ الَّذِي لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَه بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ، وَهُوَ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ، إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يُسَمِّ الصَّحَابِيَّ.

[1330] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مومن لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتا ہے وہ اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور ان کی ایذا رسانی پر صبر بھی نہیں کرتا۔'' (اس حدیث کو ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے' نیز یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے مگر اس نے صحابی کا نام نہیں لیا۔)

فائدہ: اس حدیث میں اس آدمی کو بہتر قرار دیا گیا ہے جو لوگوں میں مل جل کر رہتا ہے' ان سے میل جول اور ملاقات رکھتا ہے' دین کی تبلیغ کرتا ہے' ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے اور تبلیغ دین کے سلسلے میں ان کی جانب سے جو تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے اسے صبر و تحمل سے برداشت کرتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ تکلیف اسے دین کی وجہ سے دی گئی ہے' لہٰذا وہ اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو لوگوں میں آتا جاتا نہیں' ان سے میل ملاقات نہیں رکھتا' نہ وہ دین کی تبلیغ کرتا ہے اور نہ ہی ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے' نہ کسی سے تعاون لیتا ہے اور نہ دیتا ہے' البتہ جو آدمی ایذا رسانی کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ اس سے اس کی اپنی دینداری کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں اس شخص کے لیے عزلت اور کنارہ کشی کی گنجائش ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء العلوم'' میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

١٣٣٠ـ [صحيح] أخرجه ابن ماجه، الفتن، باب الصبر على البلاء، حديث: ٤٠٣٢، والترمذي، صفة القيامة، حديث: ٢٥٠٧ بألفاظ مختلفة.

(١٣٣١) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِي، فَحَسِّنْ خُلُقِي». رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1331] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الٰہی جس طرح تو نے میری تخلیق (شکل وصورت) کو خوب اچھا بنایا ہے' اسی طرح میرے اخلاق کو بھی اچھا بنا دے۔'' (اسے احمد نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَسَّنْتَ] تحسین سے ماخوذ ہے اور مخاطب کا صیغہ ہے۔ [خَلْقِي] ''خا'' پر فتحہ اور ''لام'' ساکن ہے اور دوسرے میں ''خا'' اور ''لام'' دونوں پر ضمہ ہے۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ دعا کی بابت ہمارے ہاں معروف ہے کہ یہ آئینہ دیکھنے کی دعا ہے جبکہ وہ روایت جس میں آئینہ دیکھنے کی صراحت ہے' وہ ضعیف ہے۔ بنابریں اس دعا کو آئینہ دیکھنے کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں بلکہ مطلقاً کسی بھی وقت یہ دعا پڑھی جا سکتی ہے' آئینہ دیکھتے وقت یا اس کے علاوہ بھی۔ واللّٰہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد:٦/٣٤٣، ٣٤٤ و ٣٥٧، ٤٥٨) ② آپ تو تخلیق اور اخلاق کے لحاظ سے کائنات میں سب سے افضل واعلیٰ تھے۔ آپ کی یہ دعا دراصل اس نعمت کے دوام اور امت کو تعلیم دینے کے لیے تھی۔

٦ - بَابُ الذِّكْرِ وَالدُّعَاءِ

باب:6- ذکر اور دعا کا بیان

(١٣٣٢) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى: أَنَا مَعَ عَبْدِي مَا ذَكَرَنِي وَتَحَرَّكَتْ بِي شَفَتَاهُ». أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ، وَذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ تَعْلِيقًا.

[1332] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اس وقت تک اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ میرا ذکر کرتا ہے اور اس کے ہونٹ میرے ذکر کے ساتھ حرکت کرتے ہیں۔'' (اسے ابن ماجہ نے بیان کیا ہے' نیز ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور بخاری نے اسے تعلیقاً بیان کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [بَابُ الذِّكْرِ] زبان اور دل سے اللہ کا ذکر کرنا۔ [وَالدُّعَاءِ] دعا کہتے ہیں اللہ سے خیر طلب کرنے کو۔ دعا کبھی ضائع نہیں جاتی بلکہ دعا مانگنے والے کو تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دعا کو بعینہٖ شرف قبولیت سے نوازتا ہے یا اس دعا کو مانگنے والے کے لیے آخرت میں ذخیرہ کر دیتا ہے یا اس سے دعا کی بقدر کوئی

١٣٣١- [صحيح] أخرجه أحمد: ١/ ٤٠٣، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٤٢٣، وسنده حسن وله شاهد عند أحمد: ٦/ ٦٨، ١٥٥.

١٣٣٢- [صحيح] أخرجه ابن ماجه، الأدب، باب فضل الذكر، حديث: ٣٧٩٢، وابن حبان (الإحسان): ٢/ ٩٢، والبخاري تعليقًا، التوحيد، باب قول الله تعالى: "لا تحرك به لسانك . . ." قبل حديث: ٧٥٢٤.

مصیبت دور کر دیتا ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں ذکر کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ② اللہ کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ ذکر کرنے والے خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ کی معیت اور ساتھ نصیب ہوتا ہے۔ ③ ''ذکر'' اللہ تعالیٰ کی توحید' اس کی ثنا' تحمید و تمجید وغیرہ کے کلمات کو دل اور زبان پر جاری رکھنے کا نام ہے۔ محض دل میں ان کلمات کے ہونے کا کوئی معنی نہیں جب تک کہ زبان بھی دل کی ہمنوا نہ ہو۔ اور صرف زبان سے ادا کرنا اور دل کا بے خبر رہنا' اس سے بھی کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جب دل اور زبان ہم آہنگ ہوں اور ایک دوسرے کے ہمنوا ہوں تو مطلوب حاصل ہوتا ہے اور یہی اللہ کے ہاں مطلوب اور محبوب ہے۔ ④ دعا اور ذکر میں طلب کا فرق ہے۔ دعا میں طلب ہوتی ہے جب کہ ذکر میں نہیں۔ ⑤ دعا کی فضیلت میں بہت سی احادیث منقول ہیں۔ حافظ ابن قیم ؒ کی الوابل الصیب اس سلسلے میں بہترین کتاب ہے۔ اہل ذوق اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

(١٣٣٣) وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ عَمَلًا أَنْجَى لَهُ مِنْ عَذَابِ اللهِ، مِنْ ذِكْرِ اللهِ**». أَخْرَجَهُ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَالطَّبَرَانِيُّ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ.

[1333] حضرت معاذ بن جبل ؓ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن آدم نے اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو اسے عذاب الٰہی سے زیادہ نجات دینے والا ہو۔'' (اسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنْجٰى] نجاة سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ معنی ہیں: اسے سب سے زیادہ نجات دینے والا۔

فوائد و مسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت جابر ؓ سے مروی ہے جسے شیخ البانی ؒ نے صحیح الترغیب والترہیب میں حسن لغیرہ قرار دیا ہے۔ دیکھیے: (صحیح الترغیب والترھیب للألباني: ٢/ ٢٠٥' رقم: ١٤٩٧) علاوہ ازیں مذکورہ حدیث میں بھی ذکر الٰہی کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ ذکر الٰہی عذاب الٰہی سے نجات کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جس طرح ذکر الٰہی اخروی عذاب سے بچاتا ہے اسی طرح دنیوی مصائب و آلام سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ ② کفار سے نبرد آزمائی کے موقع پر ثابت قدم رہنے کے لیے ذکر الٰہی کا حکم ہے کہ اللہ کا بہت ذکر کرو اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ اس کے ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اسے یاد کرتا ہے۔ ③ جہاد میں جب بندہ اللہ کو یاد رکھتا ہے تو اس کی معیت اور ہمراہی نصیب ہو جاتی ہے اور میدان کارزار میں بندۂ مومن کامیاب و کامران رہتا ہے۔

(١٣٣٤) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى

[1334] حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ

١٣٣٣ـ [إسناده ضعيف] أخرجه ابن أبي شيبة: ١٠/ ٣٠٠، والطبراني في الأوسط: ٣/ ١٥٦، حديث: ٢٣١٧، أبوالزبير عنعن، وأخرج البخاري في التاريخ: ١/ ٦٣ بإسناد قوي بلفظ: "ما عمل ابن آدم شيئًا من الصلاة، وصلاح ذات البين، وخلق حسن".

١٣٣٤ـ أخرجه مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر، حديث: ٢٦٩٩.

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا يَذْكُرُونَ اللهَ فِيهِ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی کوئی قوم کسی مجلس میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیٹھتی ہے تو فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے ہاں فرشتوں میں فرماتا ہے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَفَّتْهُمْ] وہ فرشتے انھیں گھیر لیتے ہیں جو راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ [غَشِيَتْهُمْ] انھیں ڈھانپ لیتی ہے' انھیں چھپالیتی ہے اور ان کے اوپر آجاتی ہے۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل ذکر کی مجالس اور اجتماعات بڑی شان رکھتے ہیں۔ ② حدیث میں مذکور ہے کہ ذکر الٰہی تمام اعمال سے بہتر ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ زبان کا ذکر تسبیح و تحمید اور تلاوت قرآن مجید وغیرہ ہے، آنکھوں کا ذکر اللہ کے خوف سے اشکبار رہنا' کانوں کا ذکر کلام الٰہی اور خیر خواہی کا کلمہ پوری توجہ سے سننا' ہاتھوں کا ذکر راہ الٰہی میں ہاتھوں سے خیرات کرنا' جسم و بدن کا ذکر اس کی حرکات و سکنات کا ہمیشہ اللہ کے لیے ہونا' دل کا ذکر صرف اللہ کا خوف اور امید و رجا رکھنا اور روح کا ذکر اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کرنا اور قضائے الٰہی پر رضامند رہنا ہے۔ اس طرح گویا انسان مجسم ذکر الٰہی بن کر رہ جاتا ہے اور یہی دراصل مطلوب و مقصود ہے۔

(١٣٣٥) وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ، وَلَمْ يُصَلُّوا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَقَالَ: حَسَنٌ.

[1335] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب بھی لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں نہ نبی ﷺ پر درود بھیجیں تو وہ مجلس ان کے لیے قیامت کے روز باعث حسرت و ندامت ہوگی۔'' (اسے ترمذی نے روایت ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مجلس میں اللہ کا ذکر ضرور ہونا چاہیے اور نبی ﷺ پر درود ضرور بھیجنا چاہیے مگر بعض درود و سلام اور ان کے پڑھنے کے مختلف انداز جو ہمارے دور میں شروع ہو چکے ہیں' ان کا وجود عہد رسالت اور دور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں نظر نہیں آتا۔ یہ لوگوں کی اپنی ایجاد ہے۔ اگر وہ اسے مسنون اور باعث اجر و ثواب سمجھتے ہیں تو یہ بدعت ہے۔ ② اجتماعی ذکر میں درس و تدریس اور تعلیم و تعلم سب سے بہتر طریقہ ہے۔ ③ اکٹھے ایک جگہ بیٹھ کر اپنے طور پر ذکر الٰہی اور درود پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

(١٣٣٦) وَعَنْ أَبِي أَيُّوبَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى

[1336] حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

١٣٣٥۔ [صحيح] أخرجه الترمذي، الدعوات، باب ما جاء في القوم يجلسون ولا يذكرون الله، حديث: ٣٣٨٠.

١٣٣٦۔ أخرجه البخاري، الدعوات، باب فضل التهليل، حديث: ٦٤٠٤، ومسلم، الذكر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، حديث: ٢٦٩٣.

عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ، لَاشَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، عَشْرَ مَرَّاتٍ، كَانَ كَمَنْ أَعْتَقَ أَرْبَعَةَ أَنْفُسٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جوکوئی ان کلمات کو دس مرتبہ کہے: [لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ] ''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ یکتا ہے' اس کا کوئی شریک نہیں' بادشاہت اسی کی ہے' اور سب تعریف اسی کے لیے ہے' سب بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے' وہی زندہ کرتا ہے' وہی مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' تو وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے اولاد اسماعیل میں سے چار غلاموں کو آزاد کیا۔ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [مِنْ وُلْدِ إِسْمَاعِيلَ] یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور نسل میں سے۔ اور وُلْد کی ''واؤ'' پر ضمہ اور ''لام'' ساکن ہے اور دونوں پر فتحہ بھی جائز ہے۔ اور ولد کا لفظ واحد' تثنیہ اور جمع سب پر یکساں بولا جاتا ہے۔ اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ دوسرے غلاموں کو آزاد کرنے کی بہ نسبت اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کسی کو نعمت آزادی سے سرفراز کرنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

(١٣٣٧) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، مِائَةَ مَرَّةٍ، حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ، وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1337] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ] ''پاک ہے اللہ اپنی تعریفوں اور خوبیوں سمیت۔'' سو مرتبہ کہا' اس کی خطائیں مٹا دی جاتی ہیں' خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے مساوی ہی کیوں نہ ہوں۔'' (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [حُطَّتْ] صیغۂ مجہول ہے' یعنی مٹا دی جائیں گی۔ عفو و درگزر اور بخشش کے ذریعے سے زائل کر دی جائیں گی۔ [وَ إِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ] اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ یہ کثرت گناہ سے کنایہ ہے اور زَبَد کے ''زا'' اور ''با'' دونوں پر فتحہ ہے۔ پانی وغیرہ کے اوپر آنے والا مادہ جسے جھاگ کہتے ہیں۔

(١٣٣٨) وَعَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا

[1338] حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''بلاشبہ میں نے تیرے بعد چار ایسے کلمات ادا کیے ہیں کہ اگر ان کا تیرے

١٣٣٧ـ أخرجه البخاري، الدعوات، باب فضل التسبيح، حديث: ٦٤٠٥، ومسلم، الذكر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، حديث: ٢٦٩١.

١٣٣٨ـ أخرجه مسلم، الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار وعند النوم، حديث: ٢٧٢٦.

قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، عَدَدَ خَلْقِهِ، وَرِضَا نَفْسِهِ، وَزِنَةَ عَرْشِهِ، وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

کلمات سے موازنہ کیا جائے' جو تو نے شروع دن سے لے کر اب تک پڑھے ہیں' تو یہ کلمات ان سے وزن میں بڑھ جائیں گے۔'' (وہ کلمات یہ ہیں:) [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ' عَدَدَ خَلْقِهِ وَرِضَا نَفْسِهِ' وَزِنَةَ عَرْشِهِ' وَمِدَادَ كَلِمَاتِهِ] ''میں اللہ کی تسبیحات وتعریفات کرتا ہوں اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اس کی ذات کی رضا کے برابر اور اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی روشنائی کے برابر۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ] بَعْدَكِ کے ''کاف'' کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ مخاطب حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ بَعْدَكِ سے مراد ہے کہ تمھارے پاس سے جانے کے بعد۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ نبی ﷺ ان کے پاس سے نکل کر باہر تشریف لے گئے تھے۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اپنی نماز پڑھنے کی جگہ ہی پر ذکر الٰہی میں مصروف رہیں۔ آپ تقریباً نصف النہار کے وقت واپس تشریف لائے تو وہ ابھی تک وہیں ذکر میں مصروف تھیں۔ آپ نے فرمایا: ''تم ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی ہو جس میں میں تمھیں چھوڑ کر گیا تھا؟ انھوں نے عرض کیا: جی ہاں! تو نبی ﷺ نے اس وقت فرمایا: لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ...... الخ۔ [لَوُزِنَتْ] واحد مؤنث غائب کا صیغۂ مجہول ہے۔ [لَوَزَنَتْهُنَّ] صیغۂ معلوم ہے' یعنی یہ کلمات تمھارے کلمات پر ترجیح پا جائیں گے۔ وزن میں بڑھ جائیں گے۔ [زِنَةَ عَرْشِهِ] زِنَة اصل میں وَزْنٌ ہے' جیسے عِدَةٌ، صِلَةٌ اور هِبَةٌ کا اصل وَعْدٌ، وَصْلٌ اور وَهْبٌ ہے' ''واؤ'' حذف کر کے اس کے عوض آخر میں ''ة'' لگا دی۔) اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ جب کلمات عظیم ہوں گے تو ان کا اجر وثواب بھی زیادہ ہوگا۔

راویٔ حدیث: [حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا] امہات المومنین میں سے ایک تھیں۔ غزوۂ مریسیع میں قید ہوئیں اور ثابت بن قیس بن شماس کے حصے میں آئیں۔ انھوں نے ان سے مکاتبت کر لی۔ مکاتبت کی رقم رسول اللہ ﷺ نے ادا فرما کر انھیں اپنی زوجیت میں لے لیا۔ اس پر لوگوں نے ان کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا کہ یہ اب رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار بن گئے ہیں۔ یہ خاتون اپنے قبیلے اور قوم کے لیے سب سے زیادہ باعث برکت ثابت ہوئیں۔ ۵۶ ہجری میں وفات پائی۔

(۱۳۳۹) وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ،

[1339] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا

۱۳۳۹ـ [ضعيف] أخرجه النسائي في الكبرٰى كما في تحفة الأشراف، حديث: ٤٠٦٦، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٣٣٢، والحاكم: ١/ ٥١٢ وصححه، ووافقه الذهبي [دراج صدوق حسن الحديث لكنه ضعيف عن أبي الهيثم، وهذا منه].

وَسُبْحَانَ اللهِ، وَاللهُ أَكْبَرُ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

بِاللّٰهِ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں' اللہ پاک ہے' وہ سب سے بڑا ہے' تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور برائی سے پھرنا اور نیکی کرنا اللہ کی قوت کے بغیر ممکن نہیں۔'' یہ کلمات' باقیات صالحات (باقی رہنے والی نیکیاں) ہیں۔'' (اسے نسائی نے بیان کیا ہے' ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ] مِنْ مقدر ہے' یعنی مِنَ الْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ۔ اور ان سے مراد ایسے اعمال ہیں کہ جن کا اجر وثواب عمل کرنے والوں کے لیے ہمیشہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔ ہر وہ کام جس کا تعلق اللہ کی اطاعت اور اعمال خیر سے ہو وہ باقیات صالحات میں سے ہے۔ اس حدیث میں ان کلمات کو بالخصوص ذکر کیا ہے کیونکہ یہ ایمان باللہ کا خلاصہ ہیں اور ایمان باللہ تمام بھلائیوں اور اچھائیوں کا منبع و مرکز ہے۔ ایمان باللہ کے بغیر کوئی بھلائی و اچھائی شمار نہیں ہے۔ گویا یہ کلمات باقیات صالحات کی بنیاد ہیں۔ [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] علامہ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اہل لغت کا قول ہے کہ حَوْلَ سے مراد حرکت اور حیلہ ہے' یعنی اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی حرکت' طاقت' استطاعت' حیلہ اور تدبیر نہیں ہے۔ اور یہ بھی قول ہے کہ لَاحَوْلَ کے معنی ہیں شر کو دفع کرنے کی قوت اور لَاقُوَّةَ کے معنی ہیں خیر کو حاصل کرنے کی طاقت اللہ کے سوا کسی کی توفیق سے نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لَاحَوْلَ سے مراد ہے کہ اللہ کی نافرمانی سے پھرنے کی طاقت اللہ کے تحفظ اور حفاظت کے بغیر ناممکن ہے اور لَاقُوَّةَ سے مراد ہے کہ اللہ کی اطاعت پر قوت بھی اس کی اعانت کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہ سارے اقوال قریب المعنی ہیں۔

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے ضعیف قرار دیا ہے جبکہ الموسوعۃ الحدیثیۃ کے محققین نے اسے شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ قرار دیا ہے اور اس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے اس کے شواہد کا تذکرہ بھی کیا ہے جس سے انھی کی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ٨/ ٢٤١، ٢٤٢)

(١٣٤٠) وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَحَبُّ الْكَلَامِ إِلَى اللهِ أَرْبَعٌ، لَا يَضُرُّكَ بِأَيِّهِنَّ بَدَأْتَ: سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ للهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللهُ أَكْبَرُ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1340] حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار کلمات اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں' ان میں سے جو بھی پہلے کہہ لیا جائے کوئی حرج نہیں۔'' (وہ کلمات یہ ہیں:) [سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ] ''اللہ پاک ہے' سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔'' (اسے مسلم نے

١٣٤٠ـ أخرجه مسلم، الأداب، باب كراهة التسمية بالأسماء القبيحة ....، حديث: ٢١٣٧.

روایت کیا ہے۔)

(١٣٤١) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ: «يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ قَيْسٍ! أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. زَادَ النَّسَائِيُّ: «وَلَا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ».

[1341] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے عبداللہ بن قیس! کیا میں تجھے جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ نہ بتاؤں؟ (وہ یہ ہے:) [لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''برائی سے منہ موڑنا اور نیکی پر زور سوائے اللہ کی مدد کے ممکن نہیں۔'' (بخاری و مسلم) اور نسائی میں یہ اضافہ ہے: ''اللہ کے سوا کہیں بھی اللہ کے عذاب سے پناہ نہیں۔''

لغوی تشریح: [مَلْجَأُ] پناہ گاہ، جائے تحفظ۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کلمے کا خزانۂ جنت ہونا اس وجہ سے ہے کہ اس کلمے کے ذریعے سے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کیا جاتا ہے اور یہ اس کے لیے سرِ تسلیم خم کرنے کا اعتراف ہے اور اس بات کا اعتراف ہے کہ اس کے سوا اور کوئی صانع (کائنات بنانے والا) نہیں ہے۔ اس کے حکم کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے اور اس معاملے میں بندے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور یہاں کنز کے معنی ہیں کہ جنت میں اس کا ثواب ذخیرہ ہوگا اور وہ بہترین اور نفیس ہوگا جیسا کہ اموال میں سے زیادہ نفیس اور قیمتی مال خزانہ ہوتا ہے۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کی فضیلت کا بیان ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ چیز جس قدر نفیس اور قیمتی ہوتی ہے اس کی حفاظت اور دیکھ بھال بھی اسی طرح بہت اہتمام سے کی جاتی ہے۔ اسے چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ اور یہ کلمات تو جنت کا خزانہ ہیں، اس لیے ان کی بھی محافظت کرنی چاہیے اور انھیں کثرت سے پڑھنا چاہیے۔

(١٣٤٢) وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ». رَوَاهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ التِّرْمِذِيُّ.

[1342] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک دعا ہی عبادت ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔)

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ. مَرْفُوعًا، بِلَفْظِ: «اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ».

اور ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت میں [اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ] کے الفاظ ہیں: ''دعا عبادت کا

١٣٤١ـ أخرجه البخاري، الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، حديث: ٦٣٨٤، ومسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب خفض الصوت بالذكر ....، حديث: ٢٧٠٤، والنسائي في الكبرى: ٦/ ٩٧، حديث: ١٠١٩٠.

١٣٤٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الصلاة، باب الدعاء، حديث: ١٤٧٩، والترمذي، تفسير القرآن، حديث: ٣٢٤٧، وابن ماجه، الدعاء، حديث: ٣٨٢٨، والنسائي في الكبرى: ٦/ ٤٥٠، حديث: ١١٤٦٤. "الدعاء مخ العبادة" أخرجه الترمذي، الدعوات، حديث: ٣٣٧١ وسنده ضعيف، وليد بن مسلم وشيخه عنعنا. "ليس شيء أكرم على الله من الدعاء" أخرجه الترمذي، الدعوات، حديث: ٣٣٧٠، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٣٩٧، والحاكم: ١/ ٤٩٠، وصححه، ووافقه الذهبي، وسنده ضعيف، قتادة عنعن.

مغز ہے۔"

وَلَهُ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، رَفَعَهُ: «لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ مِنَ الدُّعَاءِ». وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ.

اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مرفوع روایت ہے: "اللہ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز معزز و مکرم نہیں۔" (ابن حبان اور حاکم دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: إِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ یعنی دعا ارکان عبادت میں سے عظیم ترین اور اہم ترین جز ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "حج تو عرفہ کا نام ہے۔" مُخُّ الْعِبَادَةِ "عبادت کا مغز ہے" سے مراد ہے کہ دعا عبادت کا خلاصہ اور اصل ہے۔ اور مُخ کے "میم" پر ضمہ اور "خا" پر تشدید ہے۔ اور مخ ہر چیز کے خالص حصے کو کہتے ہیں' اسی لیے دماغ کو بھی مخ کہتے ہیں۔

فوائد و مسائل: ① ہمارے فاضل محقق نے حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ دیگر محققین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کو شواہد کی بنا پر حسن قرار دیا ہے اور اس روایت پر سیر حاصل بحث کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شواہد کی بنا پر حسن درجے کی ہے اور یہی رائے اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے۔ واللہ أعلم. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (الموسوعة الحديثية مسند الإمام أحمد: ١٤/ ٣٦٠، ٣٦١ والمشكاة للألباني' التحقيق الثاني' رقم: ٢٣٢) ② اس حدیث میں دعا کو عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر اللہ سے جو دعائیں حاجات و مشکلات حل کرانے کے لیے کی جاتی ہیں وہ گویا غیر اللہ کی عبادت ہے' اسی لیے غیر اللہ سے دعا مانگنا شرک ہے۔

(١٣٤٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اَلدُّعَاءُ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ لَا يُرَدُّ». أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَغَيْرُهُ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَغَيْرُهُ.

[1343] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذان اور اقامت کے درمیان (کی جانے والی) دعا رد نہیں کی جاتی۔" (اسے نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے اور ابن حبان وغیرہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

فائدہ: قبولیت دعا کے مختلف اوقات ہیں۔ ان میں سے ایک وقت اذان و اقامت کے درمیان کا ہے' اس لیے کہ نمازی کی اس مبارک وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل توجہ ہوتی ہے اور وہ نماز کے انتظار میں ہوتا ہے' اس لیے اس وقت کو فضول باتوں میں ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

(١٣٤٤) وَعَنْ سَلْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[1344] حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

١٣٤٣ـ [صحيح] أخرجه النسائي في الكبرى، حديث: ٩٨٩٥، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٩٦، وله طريق آخر عند الترمذي، الصلاة، حديث: ٢١٢.

١٣٤٤ـ [إسناده ضعيف] أخرجه أبوداود، الصلاة، باب الدعاء، حديث: ١٤٨٨، والترمذي، الدعوات، حديث: ٣٥٥٦، وابن ماجه، الدعاء، حديث: ٣٨٦٥، والحاكم: ١/ ٤٩٧ جعفر بن ميمون ضعفه الجمهور، وللحديث شواهد ضعيفة.

قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيمٌ، يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا». أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ إِلَّا النَّسَائِيَّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تمھارا پروردگار بڑا شرم وحیا والا اور سخی و کریم ہے۔ جب بندہ اس کے حضور اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اسے انھیں خالی لوٹاتے ہوئے حیا آتی ہے۔'' (نسائی کے سوا چاروں نے اسے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔)

لغوی تشریح: [حَيِيٌّ] فَعِيل کے وزن پر ہے۔ حَيَاءٌ سے ماخوذ ہے۔ اور معنی ہیں: شرم وحیا والا۔

فوائد ومسائل: ① مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے جبکہ سنن ابن ماجہ (اردو) کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ موقوف ہے' نیز شیخ البانی رحمہ اللہ اس کی بابت لکھتے ہیں: [إِسْنَادُ الْمَوْقُوفِ أَصَحُّ] ''مذکورہ روایت سند کے لحاظ سے موقوفاً زیادہ درست ہے۔'' لیکن پھر انھوں نے اس کے مرفوع شواہد کا تذکرہ بھی کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے: [فَالْحَدِيثُ صَحِيحٌ قَطْعًا] ''یہ حدیث قطعی طور پر صحیح ہے۔'' بنابریں مذکورہ روایت دیگر شواہد کی بنا پر قابل عمل ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (المشكاة للألباني' التحقيق الثاني: ٧١٣/٢' رقم: ٢١٨٣' وسنن ابن ماجه، (اردو) طبع دارالسلام بتحقيق زبير عليزئي' رقم: ٣٨٦٥) ② اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے اور یہ آداب دعا میں سے ہے۔ ③ اللہ کی بارگاہ میں اٹھے ہوئے بندۂ محتاج کے ہاتھ خالی واپس نہیں کیے جاتے۔ ④ دعائے استسقا کے وقت رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں ہاتھ عام معمول سے زیادہ ہی بلند فرماتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کی جو نفی ہے' اس سے مراد استسقا کی طرح رفع الیدین میں مبالغہ کرنے کی نفی ہے۔

(١٣٤٥) وَعَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا مَدَّ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ لَمْ يَرُدَّهُمَا حَتّٰى يَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ. أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَلَهُ شَوَاهِدُ، مِنْهَا حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ عِنْدَ أَبِي دَاوُدَ وَغَيْرِهِ، وَمَجْمُوعُهَا يَقْتَضِي أَنَّهُ حَدِيثٌ حَسَنٌ.

[1345] حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تو انھیں جب تک چہرے پر پھیر نہ لیتے' واپس نہ لوٹاتے۔ (اسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور اس کے کئی شواہد ہیں' ان میں سے ایک ابوداود وغیرہ کے ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ اور ان کا مجموعہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔)

فائدہ: مذکورہ روایت کو ہمارے فاضل محقق نے سنداً ضعیف قرار دیا ہے اور مزید لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم کا اثر اس سے کفایت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کی بابت لکھتے ہیں کہ یہ روایت مجموعی لحاظ سے

١٣٤٥ـ [إسناده ضعيف] أخرجه الترمذي، الدعاء، باب ما جاء في رفع الأيدي عند الدعاء، حديث: ٣٣٨٦. ❊ حماد بن عيسى ضعيف، وحديث ابن عباس: أخرجه أبوداود، الوتر، حديث: ١٤٨٥ وسنده ضعيف، عبدالملك وعبدالله مجهولان، وللحديث شواهد ضعيفة، وأثر ابن عمر وابن الزبير يغني عنه، رواه البخاري في الأدب المفرد: (٦٠٩) وسنده حسن.

درجۂ حسن تک پہنچتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی بابت ''الادب المفرد'' میں ابونعیم سے موقوفاً صحیح سند سے روایت بیان کی ہے کہ ابونعیم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم کو دعا کرتے ہوئے اور اپنی ہتھیلیوں کو چہرے پر پھیرتے ہوئے دیکھا' نیز اس مسئلے کی بابت امام طبرانی رحمہ اللہ نے یزید بن سعید الکندی کی روایت نقل کی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے اور اس کا استاد غیر معروف ہے' لیکن اس حدیث کے مؤید شاہد موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کچھ نہ کچھ بنیاد ضرور ہے۔ علاوہ ازیں حسن بصری رحمہ اللہ سے بھی حسن سند کے ساتھ اس کی تائید مروی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: (العلل: ۲/ ۳۴۷) گو مذکورہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن یہ عمل صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین سے صحیح سندوں سے ثابت ہے' لہٰذا اسے بدعت کہنا درست نہیں' زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسنون نہیں ہے۔ واللہ أعلم۔

(١٣٤٦) وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلَاةً». أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1346] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھنے والے ہوں گے۔'' (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَوْلَى النَّاسِ] میرے سب سے زیادہ قریب اور میری شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق۔

فوائد و مسائل: ① قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کی مصاحبت اور قرب کا ذریعہ آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے۔ ② اس حدیث سے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ اس میں حضرات محدثین رحمہم اللہ کی عظمت اور شان واضح ہوتی ہے کہ جو بولتے اور لکھتے وقت' دن رات رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھتے ہیں۔ ③ درود کے مختلف الفاظ احادیث میں منقول ہیں۔ سب سے افضل' درود ابراہیمی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کی مزید تفصیل جلاء الأفهام اور القول البدیع میں موجود ہے۔

(١٣٤٧) وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «سَيِّدُ الْاِسْتِغْفَارِ أَنْ يَقُولَ الْعَبْدُ: اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي، وَأَنَا عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُبِكَ مِنْ

[1347] حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ یوں کہے: [اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ رَبِّي، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، خَلَقْتَنِي، وَأَنَا عَبْدُكَ، وَ أَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ،

١٣٤٦_ [إسناده حسن] أخرجه الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في فضل الصلاة على النبي ﷺ، حديث: ٤٨٤، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٣٨٩.

١٣٤٧_ أخرجه البخاري، الدعوات، باب أفضل الاستغفار، حديث: ٦٣٠٦.

شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ، وَأَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْ لِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ». أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ.

وَ أَبُوءُ لَكَ بِذَنْبِي، فَاغْفِرْلِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ] ''اے اللہ! تو میرا مالک و مُربّی ہے' تیرے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا۔ اور میں تیرا بندہ ہوں اور اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں۔ جس برائی کا میں ارتکاب کر چکا ہوں اس سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو احسان ہیں ان کا میں اعتراف کرتا ہوں، اور تیرے روبرو اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں، چنانچہ مجھے معاف فرما دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا اور کوئی بھی نہیں ہے۔'' (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [أَنَا عَلَى عَهْدِكَ] عہد سے مراد وہ میثاق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر انسان سے لیا تھا' یا پھر وہ عہد مراد ہے جو ہر مومن کے ایمان لانے کے ساتھ ہی لازم ہو جاتا ہے کیونکہ ایمان' اطاعت کو اللہ کے ساتھ خالص کرنے کے عہد کا نام ہے۔ [وَ وَعْدِكَ] یہ عہد کی تاکید ہے یا پھر اس سے مراد جزا کا وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کیا ہے' یعنی میں قیامت کے دن والے وعدے پر یقین رکھنے والا ہوں۔ [أَبُوءُ لَكَ] میں تیرے حضور اعتراف اور اقرار کرتا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث کا بقیہ ارشاد نبوی یہ ہے کہ جس کسی نے اس دعا کو دل میں یقین رکھتے ہوئے صبح کے وقت پڑھا اور شام سے پہلے وفات پا گیا تو وہ اہل جنت میں سے ہے اور جس کسی نے اسے رات کے وقت یقین رکھتے ہوئے پڑھا اور وہ صبح سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ بھی اہل جنت میں سے ہے۔

(١٣٤٨) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَدَعُ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ، حِينَ يُمْسِي وَحِينَ يُصْبِحُ: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَأَهْلِي وَمَالِي، اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِي، وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي».

[1348] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات کو صبح و شام کبھی بھی نہیں چھوڑتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي دِينِي وَدُنْيَايَ وَ أَهْلِي وَمَالِي. اَللّٰهُمَّ! اسْتُرْ عَوْرَاتِي، وَآمِنْ رَوْعَاتِي، وَاحْفَظْنِي مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَمِنْ خَلْفِي، وَعَنْ يَمِينِي، وَعَنْ شِمَالِي، وَمِنْ فَوْقِي، وَأَعُوذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِي] ''الٰہی! میں اپنے دین' اپنی دنیا' اپنے اہل و عیال اور اپنے مال میں تجھ سے عافیت کا طلب گار

١٣٤٨ـ [إسناده صحيح] أخرجه النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من الخسف، حديث: ٥٥٣١ مختصرًا جدًا، وابن ماجه، الدعاء، حديث: ٣٨٧١، والحاكم: ١/ ٥١٧، ٥١٨ وصححه، ووافقه الذهبي.

أَخْرَجَهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

ہوں۔ الٰہی! میرے عیوب کی پردہ پوشی فرما اور مجھے امن میں رکھ خوف و ڈر سے۔ اور میرے آگے' پیچھے' دائیں' بائیں اور اوپر سے میری حفاظت فرما۔ اور میں تیری عظمت کی پناہ لیتا ہوں کہ میں نیچے سے اچانک ہلاک کیا جاؤں۔'' (اسے نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [يَدَعُ] چھوڑتے' ترک کرتے۔ [عَوْرَاتِي] عیوب اور گناہ۔ یہ دنیا و آخرت میں بدنی اور دینی تمام عیوب اور گناہوں کو شامل ہے۔ [رَوْعَاتِي] یہ رَوْعَةٌ کی جمع ہے جس کے معنی گھبراہٹ کے ہیں۔ [أُغْتَالَ] صیغۂ مجہول ہے۔ اِغْتِيَال سے متکلم کا صیغہ ہے۔ کسی چیز کو مخفی طور پر حاصل کرنا' پکڑنا' گرفت کرنا' نیچے سے گرفت کرنے سے مراد ہے زمین میں قارون کی طرح دھنسا دیا جانا یا فرعون کی طرح پانی میں غرق کر دیا جانا۔

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں چھ اطراف سے اللہ کی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ انسان آگے' پیچھے' دائیں' بائیں چاروں اطراف سے اپنے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے' یہ دشمن اس کے انسانوں میں سے بھی ہیں اور جن و شیاطین میں سے بھی۔ اور اوپر کی جانب سے اللہ کے عذابوں کا خطرہ ہے۔ اور بالخصوص زمین میں دھنس جانے سے پناہ طلب کی ہے۔ ② اس میں دین کی سلامتی' گناہوں سے بچنا' دنیا کی سلامتی' اہل و عیال کی سلامتی' مال و دولت کی سلامتی' نیز آفات و مصائب ظاہری اور باطنی سے محفوظ رہنے اور بیماریوں اور تکالیف سے بچنے کی دعا ہے کہ وہی قادر مطلق ہے' اس کی جب تک کرم نوازی نہ ہو' انسان اپنے دشمنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے نہ گناہوں سے بچ سکتا ہے۔

(١٣٤٩) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ، وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ، وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ، وَجَمِيعِ سَخَطِكَ». أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ.

[1349] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ' وَ تَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ' وَفُجَاءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيعِ سَخَطِكَ] ''اے اللہ! میں تیری نعمت کے زوال' تیری عطا کردہ عافیت کے چلے جانے' تیرے عذاب کے اچانک نازل ہونے اور تیری ہر قسم کی ناراضی و غصے سے پناہ طلب کرتا ہوں۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [تَحَوُّل] منتقل ہونا۔ [فُجَاءَةِ] ''فا'' کے ضمہ اور الف ممدودہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ رَحْمَةٌ کے وزن پر بھی آتا ہے۔ اس کے معنی اچانک کے ہیں۔ [نِقْمَةٌ] کے ''نون'' پر فتحہ اور ''قاف'' ساکن یا مکسور ہے۔ اور ایک قراءت میں ''نون'' کے نیچے کسرہ اور ''قاف'' ساکن ہے۔ انتقام سے اسم ہے۔ اور یہ مکافات بالعقوبت (سزا کے ساتھ بدلہ دینے) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

١٣٤٩۔ أخرجه مسلم، الذكر والدعاء، باب أكثر أهل الجنة الفقراء .....، حديث: ٢٧٣٩.

فائدہ: اللہ کی عطا کردہ نعمتیں عموماً اپنے گناہوں کی شامت کی وجہ سے زائل ہو جاتی ہیں' اس لیے زوال نعمت سے پناہ دراصل برے اعمال سے پناہ مانگنا ہے۔

(١٣٥٠) وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ، وَغَلَبَةِ الْعَدُوِّ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ». رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ.

[1350] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أُعُوذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ، وَ غَلَبَةِ الْعَدُوِّ، وَشَمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ] ''الٰہی! میں قرض کے غلبے' دشمن کے غالب آنے اور دشمن کے خوش ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' (اسے نسائی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَلدَّيْنِ] ''دال'' پر فتحہ ہے۔ اس کے معنی قرض کے ہیں۔ ہر ایسی چیز جس کا تعلق مال سے ہو اور وہ تجھ پر دوسرے کی واجب الادا ہو۔ اور [شَمَاتَة] کے ''شین'' پر فتحہ ہے جس کے معنی اس خوشی اور مسرت کے ہیں جو دشمن کو مصیبت میں مبتلا دیکھ کر حاصل ہوتی ہے۔

(١٣٥١) وَعَنْ بُرَيْدَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا يَقُولُ: اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، الْأَحَدُ الصَّمَدُ، الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ. فَقَالَ: «لَقَدْ سَأَلَ اللّٰهَ بِاسْمِهِ الَّذِي إِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطٰى، وَإِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ». أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ.

[1351] حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ] ''الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس لیے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے' تیرے سوا کوئی الٰہ نہیں' تو یکتا اور بے نیاز ہے' جس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کا ہمسر و ساجھی ہے۔'' چنانچہ آپ نے فرمایا: ''اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اس' اسم مبارک کے ذریعے سے مانگا ہے کہ جب بھی اُس سے اس کے ذریعے سے طلب کیا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور جب اس کے وسیلے سے دعا کی جائے تو اسے قبول فرماتا ہے۔'' (اسے چاروں نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔)

١٣٥٠۔ [إسناده حسن] أخرجه النسائي، الاستعاذة، باب الاستعاذة من غلبة الدين، حديث: ٥٤٧٧، والحاكم: ١/ ٥٣١.

١٣٥١۔ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الصلاة، باب الدعاء، حديث: ١٤٩٣، والترمذي، الدعوات، حديث: ٣٤٧٥، وابن ماجه، الدعاء، حديث: ٣٨٥٧، والنسائي في الكبرٰى: ٤/ ٣٩٥، حديث: ٧٦٦٦، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٣٨٣.

لغوی تشریح: [اَلصَّمَدُ] اَلصَّمَدُ اس سردار کو کہتے ہیں جس میں سرداری اور بزرگی کی تمام انواع موجود ہوں۔ اور یہ بھی قول ہے کہ ایسا سردار جس کی طرف تمام ضروریات و حاجات میں رجوع کیا جاتا ہو' مرغوب و پسندیدہ چیزوں کے لیے اس کی طرف رغبت کی جاتی ہو' مصائب کے موقع پر اس سے مدد و اعانت مانگی جاتی ہو اور پریشانیوں کے دور کرنے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہو۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اَلصَّمَد وہ سردار ہے جو اپنے افعال و صفات میں ہر پہلو سے کامل ہو۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد خود باقی رہنے والا ہو۔ علاوہ ازیں اس کے اور بھی معانی ہیں۔ [وَالْكُفُوُ] ''کاف'' اور ''فا'' دونوں پر ضمہ اور ''واؤ'' مخفف ہے۔ اس کے معنی شبیہ' مثیل اور نظیر کے ہیں۔

فائدہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعا کے وقت ان کلمات کو پڑھنا چاہیے کیونکہ یہ قبولیت دعا کا ذریعہ ہیں۔

(١٣٥٢) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا أَصْبَحَ، يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا، وَبِكَ أَمْسَيْنَا، وَبِكَ نَحْيَا، وَبِكَ نَمُوتُ، وَإِلَيْكَ النُّشُورُ». وَإِذَا أَمْسٰى قَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، إِلَّا أَنَّهُ قَالَ: «وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ». أَخْرَجَهُ الْأَرْبَعَةُ.

[1352] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب صبح ہوتی تو رسول اللہ ﷺ فرماتے: [اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا' وَبِكَ أَمْسَيْنَا' وَبِكَ نَحْيَا' وَبِكَ نَمُوتُ' وَ إِلَيْكَ النُّشُورُ] ''اے اللہ! ہم نے تیری ہی حفاظت میں صبح کی اور تیری ہی حفاظت میں شام کریں گے۔ اور تیرے ہی (حکم کے) ذریعے سے ہماری زندگی ہے اور تیرے ہی نام پر ہم مریں گے اور تیری ہی طرف دوبارہ اٹھنا ہے۔'' جب شام ہوتی تب بھی یہی دعا پڑھتے اور [وَإِلَيْكَ النُّشُورُ] کی بجائے [وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ] ''تیری طرف لوٹنا ہے۔'' کے الفاظ ادا فرماتے۔ (اسے چاروں نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [اَللّٰهُمَّ! بِكَ أَصْبَحْنَا] اس میں ''با'' ایک محذوف کے متعلق ہے اور وہ أَصْبَحْنَا کی خبر ہے، نیز یہاں مضاف محذوف و مقدر ماننا بھی ضروری ہے۔ عبارت اس طرح ہوگی: [أَصْبَحْنَا مُتَلَبِّسِينَ بِحِفْظِكَ] یعنی ہم نے تیری حفاظت کے ساتھ چپکتے' لپٹتے ہوئے صبح کی' یا عبارت یوں ہوگی: [مَغْمُورِينَ بِنِعْمَتِكَ] ہم نے تیری نعمتوں سے اپنے آپ کو ڈھانپتے ہوئے صبح کی۔ یا [مُشْتَغِلِينَ بِذِكْرِكَ] ہم نے تیرے ذکر میں مشغول رہتے ہوئے صبح کی۔ یا [مُسْتَعِينِينَ بِاسْمِكَ] ہم نے تیرے نام سے مدد طلب کرتے ہوئے صبح کی۔ یا [مَشْمُولِينَ بِتَوْفِيقِكَ] ہم نے تیری توفیق کے شامل حال ہوتے ہوئے صبح کی۔ یا [مُتَحَرِّكِينَ بِحَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ] ہم نے تیری عطا کردہ قوت و ہمت کی بدولت حرکت کرتے ہوئے صبح کی۔ [وَبِكَ نَحْيَا وَ بِكَ نَمُوتُ] یعنی زندگی اور موت تو ہی دیتا ہے۔

١٣٥٢ـ [إسناده صحيح] أخرجه أبوداود، الأدب، باب ما يقول إذا أصبح، حديث: ٥٠٦٨، والترمذي، الدعوات، حديث: ٣٣٩١، وابن ماجه، الدعاء، حديث: ٣٨٦٨، والنسائي في الكبرٰى: ٦/ ٥، ١٤٥، حديث: ٩٨٣٦، ١٠٣٩٩.

تیرے زندگی عطا فرمانے سے زندہ ہیں اور موت وارد کرنے سے مر جائیں گے۔ [وَإِلَيْكَ النُّشُورُ] یہ جملہ نَشَرَ الْمَيِّتُ نُشُورًا سے ماخوذ ہے‘ یعنی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنا۔ [اَلْمَصِيرُ] مرنے کے بعد زندہ ہوکر اس کی جانب لوٹنا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو انعام بھی انسان کو حاصل ہے وہ سب اللہ کی جانب سے ہے‘ اس میں کسی ولی‘ فرشتے حتیٰ کہ کسی نبی کا بھی دخل نہیں ہے۔ یہ سب خود اسی کے محتاج ہیں۔ ② یہ بھی معلوم ہوا کہ نیند اور موت کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ انسان کا نیند سے بیدار ہونا ایک طرح کا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اسی وجہ سے شام کے ذکر میں اَلْمَصِير کا لفظ ہے‘ اس لیے کہ وہ نیند کا وقت ہے اور اٹھنے کا وقت صبح ہے۔ اسی مناسبت سے اس کے ذکر میں اَلنُّشُور کا لفظ ہے۔

(١٣٥٣) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ أَكْثَرُ دُعَاءِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «**رَبَّنَا! آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً، وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً، وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ**». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

[1353] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بکثرت یہ دعا مانگتے تھے: [رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ] ”اے ہمارے آقا ومولا! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی سے سرخرو فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ (بخاری ومسلم)

لغوی تشریح: [قِنَا] ”قاف“ کے نیچے کسرہ ہے۔ وَقٰى يَقِي سے امر کا صیغہ ہے جو دعا کے لیے آیا ہے۔ اس میں نون ضمیر متکلم کا ہے‘ معنی ہیں: ہمیں محفوظ رکھ‘ ہمیں بچا۔

فوائد ومسائل: ① اس حدیث میں جس دعا کا ذکر ہے نبی ﷺ اسے بکثرت پڑھتے تھے۔ یہ دعا سب دعاؤں سے جامع ہے۔ قاضی عیاض نے کہا ہے کہ دنیا وآخرت کے جملہ مطالب اس میں آگئے ہیں۔ ② لفظ حسنة میں دنیا کے اعتبار سے نیک عمل‘ نیک اولاد‘ وسعت رزق‘ علم نافع اور صحت وعافیت وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ صرف ایک لفظ حسنة کہہ کر دنیا کی تمام بھلائیاں طلب کرلیں اور آخرت کے لیے یہی لفظ بول کر جنت طلب کرلی اور آخرت کی گھبراہٹ سے امن وسلامتی اور حساب وکتاب کی آسانی بھی طلب کرلی‘ نیز آگ کے عذاب‘ یعنی جہنم کے عذاب سے پناہ کی درخواست بھی کردی۔ گویا اس مختصر مگر جامع دعا میں دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں مانگ لیں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ ونجات طلب کرلی۔

(١٣٥٤) وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ

[1354] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

١٣٥٣ـ أخرجه البخاري، الدعوات، باب قول النبي ﷺ: "ربنا! آتنا في الدنيا حسنة"، حديث: ٦٣٨٩، ومسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الدعاء باللّهم! آتنا في الدنيا حسنة .....، حديث: ٢٦٩٠.

١٣٥٤ـ أخرجه البخاري، الدعوات، باب قول النبي ﷺ: «اللّهم! اغفرلي ...»، حديث: ٦٣٩٨، ومسلم، الذكر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل ....، حديث: ٢٧١٩.

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَدْعُو: «اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَإِسْرَافِي فِي أَمْرِي، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِي جِدِّي وَهَزْلِي، وَخَطَئِي وَعَمْدِي، وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِي، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِي مَا قَدَّمْتُ، وَمَا أَخَّرْتُ، وَمَا أَسْرَرْتُ، وَمَا أَعْلَنْتُ، وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنِّي، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ، وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ». مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

کہ نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وَ إِسْرَافِي...... وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ] ''الٰہی! میری خطاؤں' میری نادانی و جہالت کے کاموں' مجھ سے جو زیادتیاں سرزد ہوئیں ان کو اور تو جو کچھ میرے بارے میں زیادہ جانتا ہے ان سب کو معاف فرما دے۔ اے اللہ! میرے سنجیدگی اور مذاق سے ہونے والے گناہ اور غلطی سے اور عمداً ہونے والے گناہ معاف فرما۔ یہ سب میری جانب سے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! جو کچھ میں نے پہلے کیا یا بعد میں اور جو چھپ کر یا علانیہ کیا اور جو کچھ بھی میرے متعلق تیرے علم میں ہے وہ سب بخش دے۔ تو ہی آگے کرنے والا ہے (نیکی میں) اور تو ہی پیچھے رکھنے والا ہے (اس سے) اور تو ہی ہر شے پر خوب قدرت رکھنے والا ہے۔'' (بخاری و مسلم)

لغوی تشریح: [جِدِّي] یعنی جو میں نے سنجیدگی سے (بغیر کھیل اور مذاق کے) کیے ہیں۔ [وَمَا أَسْرَرْتُ] جو میں نے خفیہ طور پر کیے۔

فوائد و مسائل: ① اس قسم کی جتنی دعائیں نبی ﷺ سے ثابت ہیں یہ آپ نے امتثال امر کے لیے مانگی ہیں کیونکہ آپ تو معصوم عن الخطا تھے یا امت کو تعلیم دینے کی غرض سے مانگی ہیں۔ ② بعض روایات میں ہے کہ یہ دعا نبی ﷺ تشہد کے آخر میں پڑھتے اور بعض میں ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد۔ عین ممکن ہے کہ دونوں طرح آپ نے یہ دعا پڑھی ہو' کبھی سلام سے پہلے کبھی سلام کے بعد۔

(١٣٥٥) وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ! أَصْلِحْ لِي دِينِيَ الَّذِي هُوَ عِصْمَةُ أَمْرِي، وَأَصْلِحْ لِي دُنْيَايَ الَّتِي فِيهَا مَعَاشِي، وَأَصْلِحْ لِي آخِرَتِيَ الَّتِي إِلَيْهَا مَعَادِي، وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي فِي كُلِّ خَيْرٍ، وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً

[1355] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! أَصْلِحْ لِي دِينِي...... وَاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ] ''اے اللہ! میرے لیے میرے دین کو سنوار دے جس میں میرا بچاؤ ہے۔ میرے لیے میری دنیا کو درست فرما جس میں میری معاش ہے۔ میرے لیے میری آخرت درست فرما جس کی

١٣٥٥ـ أخرجه مسلم، الذكر والدعاء، باب التعوذ من شر ما عمل .....، حديث: ٢٧٢٠.

لِي مِنْ كُلِّ شَرٍّ» . أَخْرَجَهُ مُسْلِمٌ .

طرف مجھے لوٹ کر جانا ہے۔ اور میری زندگی کو ہر عمل خیر کی زیادتی کا سبب بنا اور موت کو میرے لیے ہر برائی سے راحت بنا۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔)

لغوی تشریح: [مَعَادِي] موت کے بعد میرا لوٹنا اور رجوع کرنا۔ [وَاجْعَلِ الْحَيَاةَ زِيَادَةً لِي] یعنی زیادتی کا سبب بنا۔

فوائد و مسائل: ① اس دعا میں بھی دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لیے درخواست کی جا رہی ہے کہ ایک مومن صادق یہی سمجھتا ہے کہ اس دنیا کی بھلائی بھی خالق کائنات کے اختیار میں ہے اور آخرت کی بھلائی کا بھی وہی تنہا مالک ہے۔ ② اس سے کوئی یہ نتیجہ اخذ نہ کرلے کہ موت مانگنا درست ہے بلکہ اس حدیث میں تو موت کے بعد پیش آنے والے حالات سے سلامتی اور امن کی درخواست ہے۔ دنیا کی تکلیفیں اور مصائب تو موت کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہو جاتے ہیں' اور آخرت کے مصائب شروع ہو جاتے ہیں' اس لیے ان مصائب سے سلامتی اور امن حاصل کرنے کی یہ دعا ہے۔

(١٣٥٦) وَعَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «اَللّٰهُمَّ! انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَارْزُقْنِي عِلْمًا يَنْفَعُنِي» . رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالْحَاكِمُ .

[1356] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے: [اَللّٰهُمَّ! انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَ عَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَارْزُقْنِي عِلْمًا يَنْفَعُنِي] ''اے اللہ! تو نے جو علم مجھے عطا فرمایا ہے اسے میرے لیے نافع بنا دے اور مجھے ایسا علم عطا فرما جو میرے لیے نافع ہو اور مجھے نفع والا علم عطا فرما۔'' (اسے نسائی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔)

وَلِلتِّرْمِذِيِّ مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نَحْوُهُ، وَقَالَ فِي آخِرِهِ: «وَزِدْنِي عِلْمًا. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوذُ بِاللهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ» . وَإِسْنَادُهُ حَسَنٌ .

اور ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اس کے آخر میں یہ اضافہ ہے: [وَزِدْنِي عِلْمًا. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ] ''اور میرے علم میں اضافہ فرما۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور میں اہل دوزخ کے حالات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔'' (اس کی سند حسن ہے۔)

فوائد و مسائل: ① اس حدیث میں جو دعا منقول ہے اس میں ایسے علم کے لیے درخواست کی گئی ہے جو دنیا و آخرت دونوں میں مفید اور سود مند ہو۔ ② جو علم آخرت تباہ کر دے اس کی دعا کرنا مومن کو زیب نہیں دیتا کیونکہ مومن کے نزدیک اخروی کامیابی و کامرانی بنیادی چیز ہے۔ ③ نافع علم وہ ہے جس سے ایمانی قوت میں اضافہ ہو اور عمل کرنے کی رغبت پیدا

١٣٥٦۔ [إسناده حسن] أخرجه النسائي في الكبرى: ٤/ ٤٤٥، حديث: ٧٨٦٨، والحاكم: ١/ ٥١٠ وصححه على شرط مسلم، ووافقه الذهبي، وحديث أبي هريرة: أخرجه الترمذي، الدعوات، حديث: ٣٥٩٩ وسنده ضعيف، محمد بن ثابت مجهول، وتلميذه ضعيف.

ہو۔ ⑥ دنیاوی علوم کی درخواست دنیاوی امور کی اصلاح اور بہتری کے لیے جائز ہے۔ اس سے انسان کے ایمان باللہ میں اضافہ ہوگا' ان علوم میں بھی اہل ایمان کو برتری حاصل ہونی چاہیے ورنہ دنیاوی اعتبار سے کفار کا تسلط اور غلبہ ہوگا۔ اس دور میں یہی صورت حال ہے کہ ٹیکنالوجی اور سائنسی علوم میں غیر مسلم بہت آگے نکل چکے ہیں اور وہی آج دنیا کی قیادت کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں' اسی زور پر جہاں چاہتے ہیں انقلاب اور تبدیلی لے آتے ہیں۔ اہل اسلام کو ان میدانوں میں بھی اپنی برتری اور فوقیت کا سکہ منوانا چاہیے۔

(١٣٥٧) وَعَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ عَلَّمَهَا هٰذَا الدُّعَاءَ : «اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ، عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَالَمْ أَعْلَمْ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ، مَا عَلِمْتُ مِنْهُ وَمَا لَمْ أَعْلَمْ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَأَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَاعَاذَ مِنْهُ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَعُوذُبِكَ مِنَ النَّارِ، وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا مِنْ قَوْلٍ أَوْ عَمَلٍ، وَأَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا» . أَخْرَجَهُ ابْنُ مَاجَه، وَصَحَّحَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَالْحَاكِمُ .

[1357] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں یہ دعا سکھائی: [اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ كُلِّهِ ...... وَ أَسْأَلُكَ أَنْ تَجْعَلَ كُلَّ قَضَاءٍ قَضَيْتَهُ لِي خَيْرًا] ''الٰہی! میں تجھ سے ہر طرح کی بھلائی طلب کرتی ہوں۔ جلدی وصول ہونے والی ہو یا دیر سے ملنے والی' وہ بھی جسے میں جانتی ہوں اور وہ بھی جسے میں نہیں جانتی' اور ہر برائی سے میں تیری پناہ مانگتی ہوں' جلدی آنے والی ہے یا دیر سے' جس کا مجھے علم ہے یا وہ میرے علم میں نہیں۔ اے اللہ! میں تجھ سے وہ خیر طلب کرتی ہوں جس کا تیرے بندے اور نبی نے تجھ سے سوال کیا تھا اور اس شر سے تیری پناہ طلب کرتی ہوں جس سے تیرے بندے اور نبی نے پناہ مانگی تھی۔ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور ایسے قول وعمل کا سوال کرتی ہوں جو جنت کے قریب کرنے والے ہیں اور تیری پناہ طلب کرتی ہوں جہنم سے اور ہر اس قول وعمل سے جو اس کے قریب کر دے۔ اور میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ تو نے جو فیصلہ میرے حق میں کیا ہے اسے میرے حق میں بہتر بنا دے۔'' (اسے ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔)

لغوی تشریح: [عَاجِلِهِ] جو چیز جلدی حاصل ہونے والی ہو۔ یہاں دنیا کی بھلائی مراد ہے۔ [آجِلِهِ] جو ذرا دیر اور تاخیر سے ملنے والی ہو۔ اس سے مراد آخرت میں حاصل ہونے والی بھلائی ہے۔ [عَاذَ] پناہ طلب کی' امان طلب کی۔

١٣٥٧ـ [إسناده صحيح] أخرجه ابن ماجه، الدعاء، باب الجوامع من الدعاء، حديث: ٣٨٤٦، وابن حبان (الموارد)، حديث: ٢٤١٣، والحاكم: ١/ ٥٢٢ .

[وَمَا قَرَّبَ إِلَيْهَا] [قَرَّبَ] تقریب سے ماخوذ ماضی کا صیغہ ہے یعنی جو اس کے قریب کر دے۔

فائدہ: یہ بھی جامع ترین دعاؤں میں سے ایک دعا ہے جس میں مختلف اشیاء کی طلب اور شرور سے استعاذے کے بعد بالآخر عرض کی کہ میں ہر اس بھلائی کی خواستگار ہوں جس کی طلب رسول اللہ ﷺ نے کی ہے اور ہر اس برائی سے پناہ چاہتی ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ نے پناہ چاہی ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی مانگ لی گئی۔

(١٣٥٨) وَأَخْرَجَ الشَّيْخَانِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ».

[1358] امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو کلمے ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت پیارے ہیں' زبان پر بہت ہلکے اور ترازو میں بہت بھاری ہیں۔“ (وہ کلمات یہ ہیں:) [سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيمِ] ”اللہ پاک ہے اپنی خوبیوں سمیت۔ اللہ پاک ہے عظمت والا۔“

لغوی تشریح: [ثَقِيلَتَانِ] دونوں کلمے وزنی ہیں۔ ان کے وزنی ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان دونوں کلموں میں سے ہر ایک باوجود اپنے حروف کے قلیل ہونے اور الفاظ کے خوشگوار ہونے کے' توحید کے جملہ پہلوؤں پر محیط و حاوی ہے۔ کلمہ سُبْحَانَ اللّٰهِ اللہ کی ذات و صفات اور اعمال میں ہر عیب و نقص سے پاک ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ اور کلمہ وَبِحَمْدِهِ اس کے لیے کمال کی تمام صفات کو لازم و واجب قرار دیتا ہے کیونکہ حمد مطلق ہے اور اس میں عمومیت ہے۔ کسی مخصوص امر پر نہیں۔ اور مطلق حمد اسی کا حق ہے جس میں کمال کے تمام تر اوصاف پائے جاتے ہوں۔ اور العظیم کا لفظ دوسرے کلمے میں وہی فائدہ دے رہا ہے جو پہلے کلمے میں بِحَمْدِهِ دے رہا ہے کیونکہ عظمت بھی مطلق اور عام ہے۔ اس کی مستحق بھی وہی ذات ہے جس میں عظمت و کمال کے جملہ اوصاف پائے جائیں۔ پھر عظمت و کمال حقوق و عادات میں شرکت غیر کی نفی کرتے ہیں' لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا اور تمام صفات کمال سے متصف ہونا اس کی عظیم ثنا اور اس کی توحید کامل کا بلیغ ترین بیان ہے۔ چونکہ توحید ہی اصل الاصول اور ہر مطلوب کی انتہا ہے، تو جس طرح کوئی جوہر جتنا قیمتی اور عظمت شان والا ہوتا ہے وہ حجم میں چھوٹا اور وزن میں زیادہ ہوتا ہے' اسی طرح یہ دونوں کلمے حروف کے قلیل ہونے کے باوجود وزن میں بہت بھاری ہیں۔

فوائد و مسائل: ① مؤلف رحمہ اللہ نے اس کتاب کی ترتیب و تنسیق بہت خوبصورت اور حسین انداز میں کی ہے اور انھوں نے حمد اور تسبیح دونوں کو جمع کر دیا ہے اور وہ اس طرح کہ کتاب کا آغاز بسم اللہ اور الحمدللہ سے کیا اور اختتام تسبیح و تحمید اور تعظیم سے کیا۔ اور غالباً اسی وجہ سے مصنف نے احادیث کے حوالہ جات میں اپنی عام عادت کو چھوڑ کر نیا انداز اختیار کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کے آخر میں ”متفق علیہ“ کہنے کی بجائے شروع میں أَخْرَجَ الشَّيْخَانِ کہہ دیا

١٣٥٨۔ أخرجه البخاري، الدعوات، باب فضل التسبيح، حديث: ٦٤٠٦، (٧٥٦٣ آخر البخاري)، ومسلم، الذكر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، حديث: ٢٦٩٤.

تاکہ اس کتاب کے آخری الفاظ رسول اکرم ﷺ کے ہوں' یعنی [سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ' سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ] ② اس حدیث میں دو کلموں کا ہلکا اور وزنی ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ زبان سے ان کا ادا کرنا سہل و آسان ہے۔ یہ کلمے بڑی آسانی سے ہر ایک کی زبان پر رواں ہو جاتے ہیں' کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کیونکہ ان میں حروف ثقیلہ کا استعمال نہیں ہوا۔ اور ان کے بھاری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح نیکی کے مشقت والے اعمال وزن میں بھاری ہوں گے اسی طرح یہ آسانی سے پڑھے جانے والے کلمات بھی میزان اعمال میں بھاری اور ثقیل ہوں گے۔ ③ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قیامت کے روز اعمال کا جسم ہوگا اور انھیں تولا جائے گا۔ ④ اس حدیث سے اللہ عزوجل کی وسعت رحمت کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے نیک و مخلص بندوں کے تھوڑے اعمال کے بدلے میں بہت زیادہ اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ یہ محض اس کا فضل و کرم اور مہربانی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔

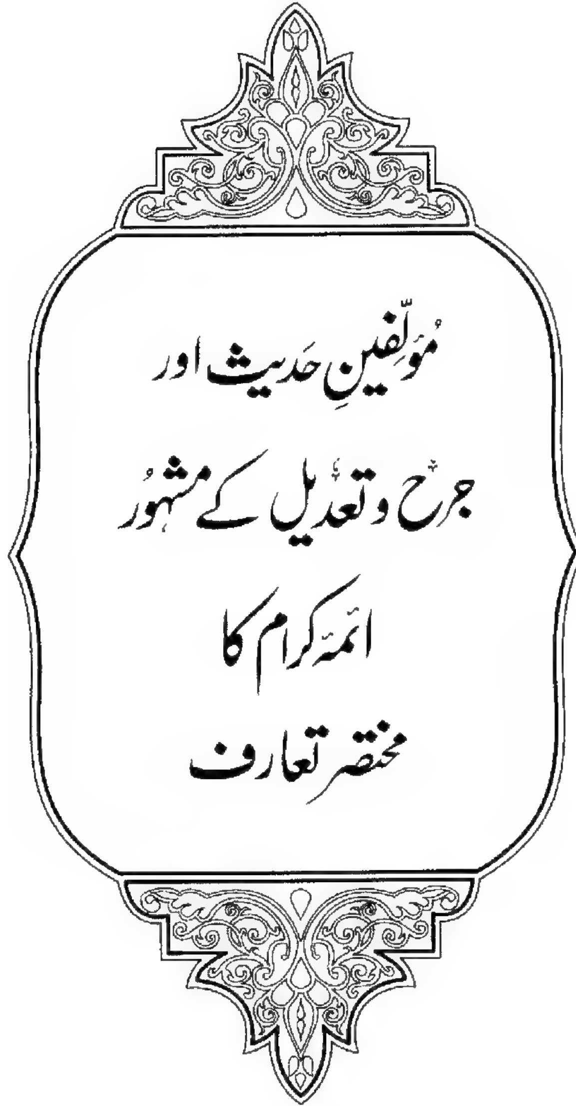
قَالَ مُصَنِّفُهُ- الشَّيْخُ الْإِمَامُ الْعَالِمُ الْعَامِلُ الْعَلَّامَةُ قَاضِي الْقُضَاةِ شَيْخُ الْإِسْلَامِ أَمْتَعَ اللّٰهُ بِوُجُودِهِ الْأَنَامَ - فَرَغَ مِنْهُ مُلَخِّصُهُ أَحْمَدُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ حَجَرٍ فِي حَادِيَ عَشَرَ شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ سَنَةَ ثَمَانٍ وَّعِشْرِينَ وَثَمَانِمِائَةٍ، حَامِدًا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَمُصَلِّيًا عَلٰى رَسُولِهِ ﷺ وَمُكَرِّمًا وَمُبَجِّلًا وَمُعَظِّمًا.

بلوغ المرام کے مصنف' عالم' عامل' علامہ' چیف جسٹس' شیخ الاسلام احمد بن علی بن محمد بن حجر رحمہ اللہ..... اللہ تعالیٰ ان کے وجود سے مخلوق کو فائدہ پہنچائے..... ۱۱ ربیع الاول ۸۲۸ ہجری کو اللہ ذوالجلال کا شکر ادا کرتے ہوئے' رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام پڑھتے ہوئے اور آپ کی تکریم اور عظمت و تعظیم بیان کرتے ہوئے اس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی وسیع رحمت سے حصۂ وافر عطا فرمائے۔ انبیائے کرام علیہم السلام' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم' شہداء اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی رفاقت ومعیت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین.

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ




مؤلفینِ حدیث اور
جرح وتعدیل کے مشہور
ائمہ کرام کا
مختصر تعارف

ائمہ سبعہ

① امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ: آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں جو اطراف عالم میں پیشوا اور رہنما مانے جاتے ہیں۔ آپ کا نام ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ہے۔ ربیع الاوّل ۱۶۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ بارہ ربیع الاوّل ۲۴۱ ہجری میں وفات پائی۔ آپ دین اسلام میں آزمائش اور ثابت قدمی کے اعتبار سے سب سے بڑے عالم ہیں۔ آپ کو دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات کے روز بیس ہزار عیسائی، یہودی اور پارسی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

② امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ: آپ حدیث میں محدثین کے امام تھے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ (''با'' پر فتحہ ''را'' ساکن ''دال'' پر کسرہ اور ''زا'' پر سکون ہے) جعفی بخاری ہے۔ یاد رہے کہ جعفی کی نسبت ولائے اسلام کی ہے نہ کہ ولائے رق و غلامی کی کیونکہ آپ کے جد امجد مغیرہ، یمان جعفی کے ہاتھوں مسلمان ہوئے تھے اور بخارا میں آنے پر ان کی طرف منسوب ہوئے۔ آپ شوال ۱۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۵۶ ہجری عیدالفطر کی رات وفات پائی۔ آپ فن حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی تھے اور آپ کی کتاب الجامع الصحیح اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب ہے، جو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

③ امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ: آپ بڑے ائمۂ محدثین میں سے ایک تھے۔ آپ کا نام مسلم بن حجاج قشیری نیساپوری تھا۔ آپ ۲۰۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور رجب ۲۶۱ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کی کتاب الصحیح صحیح بخاری کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ آپ نے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کبار ائمہ حدیث سے سماع کیا۔

④ امام ابوداود سلیمان بن اشعث رحمہ اللہ: آپ کبار ائمۂ محدثین میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق ازدی سجستانی (''سین'' کے فتحہ یا کسرہ ''جیم'' کے کسرہ اور ''سین'' کے سکون کے ساتھ) ہے۔ آپ سنن ابو داود کے مؤلف ہیں۔ آپ ۲۰۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور بروز جمعہ ۱۵ شوال ۲۷۵ ہجری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ فن حدیث میں اس قدر نمایاں ہوئے کہ یہ کہا جانے لگا کہ امام ابوداود کے لیے حدیث اس طرح آسان اور نرم ہوگئی ہے جس طرح حضرت داود علیہ السلام کے لیے لوہا نرم ہوگیا تھا۔ آپ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی ﷺ کی پانچ لاکھ احادیث لکھی ہیں، سنن میں موجود احادیث انھی پانچ لاکھ سے منتخب کی ہیں۔''

⑤ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ: ترمذی: ''تا'' پر تینوں حرکات جب کہ ''میم'' پر ضمہ اور کسرہ دو حرکتیں ہیں۔ یہ دریائے جیجون (آمو دریا) کے مشرقی کنارے پر واقع ایک قدیم شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ کا نام ابوعیسیٰ محمد بن

عیسیٰ بن سورہ ترمذی ہے۔ آپ جامع الترمذي کے مؤلف ہیں۔ آپ ۲۰۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۲۷۹ ہجری میں وفات پائی۔ آپ اپنی جامع کے بارے میں رقم طراز ہیں: ''جس کے گھر میں یہ جامع موجود ہو' گویا اس کے گھر میں باتیں کرتا ہوا نبی موجود ہے۔'' آپ امام بخاری رحمہ اللہ کے تیار کردہ اور فیض یافتہ شاگرد ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد خراسان میں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو علم و حفظ اور ورع و زہد میں امام ترمذی رحمہ اللہ کا مثیل ہو۔ آپ اپنے استاد امام بخاری کی وفات پر روتے روتے نابینا ہوگئے اور برسوں نابینا رہنے کے بعد اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

⑥ امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ: نسائی (''نون'' کے فتحہ اور الف ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ) خراسان میں واقع نساء نامی شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ کا نام ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب بن علی الحافظ ہے۔ آپ السنن المجتبیٰ کے مؤلف ہیں۔ آپ ۲۱۵ ہجری کو پیدا ہوئے اور ۳۰۳ ہجری کو وفات پائی' آپ نے فن حدیث میں اس قدر نمایاں مقام حاصل کیا' کہ حفظ و اتقان میں بے مثال گردانے جانے لگے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد دیگر تمام سنن کی بہ نسبت سب سے کم ضعیف احادیث آپ کی سنن میں ہیں۔ آپ نے مصر میں سکونت اختیار کرنے کے بعد دمشق کا رخ کیا اور وہاں کتاب الخصائص في فضل علي رضی اللہ عنہ تصنیف کی' جس پر لوگوں نے آپ کو مار پیٹ کر مسجد سے باہر نکال دیا' پھر آپ کو مکہ مکرمہ پہنچایا گیا جہاں حدیث کا یہ روشن چراغ زخموں اور ضربوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔

⑦ امام محمد بن یزید بن ماجہ رحمہ اللہ: آپ بڑے ائمہ محدثین میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی ہے۔ آپ سنن کے مؤلف ہیں۔ آپ کی ۲۰۷ ہجری میں پیدائش اور رمضان ۲۷۳ یا ۲۷۵ ہجری میں وفات ہوئی۔ اور ''ماجہ'' جیم کی تخفیف کے ساتھ اور اس کے آخر میں ''ہا'' ساکن ہے' تا نہیں۔ آپ نے امام مالک کے ساتھیوں اور دیگر سے سماع کیا اور ایک بڑی تعداد نے آپ سے روایت کی۔ اور آپ کی سنن میں ضعیف بلکہ منکر احادیث کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔

ائمہ سبعہ کے علاوہ دیگر ائمۂ حدیث

✿ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ: آپ امام اور بہت بڑے حافظ حدیث ہیں۔ آپ کا نام ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم تمیمی حنظلی مروزی ہے۔ آپ نیساپور کے رہنے والے وہاں کے عالم بلکہ اہل مشرق کے بھی شیخ تھے۔ ابن راہویہ کے نام سے مشہور تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں عراق میں اسحاق بن راہویہ کا کوئی مثیل نہیں جانتا۔'' امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں: ''امام اسحاق بن راہویہ سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا گیا۔'' امام ابوحاتم فرماتے ہیں: ''اسحاق بن راہویہ تعجب کی حد تک ضابط و پختہ کار اور اغلاط سے پاک اور قوی حافظے کے مالک تھے۔'' آپ ۱۶۶ ہجری اور ایک قول کے مطابق ۱۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵ شعبان ۲۳۸ ہجری کی رات فوت ہوئے۔

✿ احمد بن ابراہیم اسماعیلی رحمہ اللہ: آپ امام، حافظ، مستند عالم اور شیخ الاسلام تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن عباس اسماعیلی جرجانی ہے۔ اپنے علاقے میں شوافع کے بڑے امام تھے۔ بلاد عجم میں منفرد اور بے مثال تھے۔ آپ سے ایک معجم روایت کی جاتی ہے۔ آپ نے الصحیح اور دیگر کثیر کتب تصنیف کیں جن میں سے ایک مسند عمر رضی اللہ عنہ بھی ہے جس کا خود آپ نے دو جلدوں میں اختصار کیا۔ امام حاکم کہتے ہیں: ''اسماعیلی اپنے زمانے کے منفرد، بے مثال، محدثین وفقہاء کے شیخ اور شرافت وسخاوت میں ان سب کے سرخیل تھے۔ علمائے فریقین اور بڑے بڑے عقلاء کے درمیان ان کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ آپ ۲۷۷ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۴ سال کی عمر پا کر رجب ۳۷۱ ہجری میں اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

✿ احمد بن عمرو بزار رحمہ اللہ: آپ امام، حافظ اور بہت بڑے علامہ تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بصری ہے۔ آپ کبار ائمہ میں سے ایک اور المسند الکبیر اور العلل کے مصنف تھے۔ آپ نے امام طبرانی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ سے علم حاصل کیا، اور ۲۹۲ ہجری کو آپ کی وفات ہوئی۔ بزار ''با'' کے فتحہ اور ''زا'' کی شد کے ساتھ ہے اور الف کے بعد ''را'' ہے۔

✿ احمد بن حسین بیہقی رحمہ اللہ: بیہقی ''با'' پر فتحہ اور اس کے بعد ''یا'' ساکن ہے۔ یہ نیساپور کے قریب ایک بیہق نامی شہر کی طرف نسبت ہے۔ آپ نامور امام، حافظ اور علامہ تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن حسین ہے۔ شعبان ۳۸۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور آٹھ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ ہجری میں وفات پائی۔ آپ کبار ائمۂ حدیث اور بڑے فقہائے شافعیہ میں سے تھے۔ آپ نے ایسی ایسی تصنیفات لکھیں جن کی قرون اولیٰ میں کوئی مثال نہیں ملتی، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں: السنن الکبری، السنن الصغری، المبسوط اور الأسماء والصفات۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں: ''امام بیہقی کی تالیفات ایک ہزار جز کے لگ بھگ ہیں۔''

- عبداللہ بن علی بن الجارود رحمہ اللہ: ابن الجارود ایک بلند پایہ امام' حافظ اور ناقد تھے۔ آپ کا نام ابو محمد عبداللہ بن علی بن جارود نیساپوری ہے۔ مکہ مکرمہ میں براجمان ہوئے۔ المنتقی فی الأحکام کے مصنف اور علمائے ثقات' مستندین اور قراء میں سے ایک تھے۔ ۳۰۷ ہجری کو وفات پائی۔
- ابو حاتم محمد بن ادریس رازی رحمہ اللہ: آپ امام اور بہت بڑے حافظ تھے۔ آپ کا نام ابو حاتم محمد بن ادریس بن منذر حنظلی رازی ہے۔ آپ ۱۹۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور شعبان ۲۷۷ ہجری میں وفات پائی۔ آپ فن حدیث کے نامور محدثین اور کبار ائمہ جرح و تعدیل میں سے ایک تھے۔
- حارث بن ابواسامہ رحمہ اللہ: آپ کا نام ابو محمد حارث بن ابی اسامہ محمد بن داہر تمیمی بغدادی ہے۔ آپ حافظ اور المسند کے مصنف تھے' البتہ اپنی مسند کو مرتب نہیں کر سکے۔ ابراہیم حربی اور ابو حاتم نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ صدوق ہیں۔ آپ ۱۸۶ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۷ سال کی عمر پا کر ۲۸۲ ہجری میں عرفہ کے روز فوت ہوئے۔
- ابوعبداللہ الحاکم رحمہ اللہ: امام ابوعبداللہ إمام المحققین تھے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیساپوری ہے۔ اور ابن البیع (''با'' کے فتحہ اور مکسور ''یا'' کی تشدید کے ساتھ) سے معروف تھے۔ اور المستدرك علی الصحیحین کے مصنف تھے۔ ۳۲۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور صفر ۴۰۵ ہجری میں وفات پائی۔ آپ نے دو ہزار یا اس کے لگ بھگ مشائخ سے سماع کیا۔ تقویٰ اور دیانت کے ساتھ ساتھ آپ فائق اور بلند پایہ کتابوں کے مصنف بھی تھے۔
- ابو حاتم محمد بن حبان رحمہ اللہ: آپ ائمہ اعلام میں سے ایک ہیں۔ آپ کا نام ابو حاتم محمد بن حبان (''حا'' کے کسرہ اور ''با'' کی تشدید کے ساتھ) بن احمد بن حبان البستی ہے۔ بستی (''با'' کے ضمہ اور ''سین'' کے سکون کے ساتھ) بجستان کے شہروں میں سے ایک شہر بست کی طرف نسبت ہے جہاں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ حفاظ آثار و احادیث' فقہائے دین اور تشنگان علم کے لیے ہادی و مرجع تھے۔ اور آپ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ایک تھے۔ اسی (۸۰) کے عشرے میں داخل ہو کر ۳۵۴ ہجری میں سمرقند میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔
- محمد بن اسحاق بن خزیمہ رحمہ اللہ: آپ شیخ الاسلام' حافظ کبیر اور بڑے ائمہ حدیث میں سے ایک تھے۔ خزیمہ' تصغیر کے ساتھ ہے۔ ۲۲۳ ہجری میں نیساپور میں پیدا ہوئے اور ۳۱۱ ہجری میں اسی نیساپور میں وفات پائی۔ خراسان کے اندر اپنے زمانے میں امامت و حفظ کی آپ پر انتہا تھی۔ اور آپ کی تصنیفات ۱۴۰ سے متجاوز ہیں۔
- ابن ابی خیثمہ رحمہ اللہ: آپ امام' حافظ اور محقق عالم تھے۔ آپ کا نام ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب نسائی بغدادی ہے۔ آپ التاریخ الکبیر کے مصنف ہیں۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں: ''ثقہ اور معتبر ہیں۔'' خطیب بغدادی فرماتے ہیں: ''ابن ابی خیثمہ ثقہ' عالم' متقن و ضابط' حافظ' تاریخ میں بصیرت رکھنے والے اور ادب کے راوی تھے۔'' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ابن معین سے علم حدیث حاصل کیا اور ۹۴ سال کی عمر پا کر جمادی الاولی ۲۸۹ ہجری میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

۞ علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ: دارقطنی: ''را'' کے فتحہ اور ''قاف'' کے ضمہ کے ساتھ۔ بغداد کے ایک بڑے محلہ دارقطن کی طرف نسبت ہے۔ حافظ کبیر اور بے مثال امام تھے۔ آپ کا نام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بغدادی ہے۔ ۳۰۶ ہجری میں پیدا ہوئے اور آٹھ ذوالقعدہ ۳۸۵ ہجری میں وفات پائی۔ آپ اپنے زمانے کے منفرد و بے مثال اور اپنے وقت کے امام تھے۔ ان کے زمانے میں علم حدیث اور معرفت علل اسماء الرجال کی آپ پر انتہا تھی۔

۞ امام دارمی رحمہ اللہ: سمرقند میں آپ کو شیخ الاسلام' حافظ حدیث اور امام کا مقام حاصل تھا۔ آپ کا نام ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن فضل بن بہرام تمیمی دارمی سمرقندی ہے۔ آپ المسند العالي کے مصنف تھے۔ آپ نے حرمین' خراسان' شام' عراق اور مصر میں علم حدیث کا سماع کیا۔ آپ سے امام مسلم رحمہ اللہ' ابوداود' ترمذی' نسائی اور دیگر ائمۂ حدیث نے احادیث روایت کیں۔ آپ عقل وفضل کی بلندیوں کو چھوتے تھے اور دیانت' حلم' اجتہاد' عبادت اور دنیا سے بے رغبتی میں ضرب المثل تھے۔ ۱۸۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۵۵ ہجری آٹھ ذوالحجہ ترویہ کے دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

۞ ابوداود طیالسی رحمہ اللہ: آپ بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام سلیمان بن داود بن جارود بصری ہے۔ فارسی الاصل' آل زبیر کے آزاد کردہ اور بڑے ائمۂ حدیث میں سے ایک تھے۔ فلاس اور ابن مدینی فرماتے ہیں: ''میں نے طیالسی سے بڑھ کر کوئی حافظ نہیں دیکھا۔'' ابن مہدی فرماتے ہیں: ''آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر سچے تھے۔'' آپ نے ایک ہزار اساتذہ سے احادیث لکھیں اور اسی (۸۰) سال کی عمر پا کر ۲۰۴ ہجری میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔

۞ ابن ابی الدنیا رحمہ اللہ: آپ محدث' عالم اور صدوق تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان بن ابی الدنیا قرشی اموی بغدادی ہے۔ آپ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے خلفاء وامراء کی اولاد میں سے ایک جماعت کو ادب وعلم سکھایا اور معتضد باللہ کو بھی آپ ہی نے ادب واخلاق کی تربیت دی۔ ۲۰۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور جمادی الاولیٰ ۲۸۱ ہجری میں وفات پائی۔

۞ امام ذہلی رحمہ اللہ: آپ امیر المومنین فی الحدیث' شیخ الاسلام اور حافظ نیساپور تھے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ بن عبداللہ بن خالد بن فارس ہے۔ آپ بنو ذہل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے حرمین' شام' مصر' عراق' رے' خراسان' یمن اور جزیرۂ عرب میں علماء کی ایک بڑی جماعت سے سماع کیا اور علم حدیث میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ خراسان میں علم کے بہت بڑے شیخ اور استاد تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے محمد بن یحییٰ ذہلی سے بڑھ کر زہری کی احادیث کو جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔'' آپ ۱۷۰ ہجری کے بعد پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۲۵۸ ہجری میں رحلت فرما گئے۔

۞ ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ: آپ بہت بڑے محدث اور حافظ تھے۔ آپ کا نام ابوزرعہ عبیداللہ بن عبدالکریم بن یزید بن فروخ رازی قرشی ہے۔ آپ قریش کے آزاد کردہ غلام اور ائمۂ جرح وتعدیل اور کبار محدثین میں سے ایک تھے۔ امام مسلم'

ترمذی' نسائی' ابن ماجہ اور دیگر محدثین ؒ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: ''ابوزرعہ رازی نے حرمین' عراق' شام' جزیرۂ عرب' خراسان اور مصر میں بہت سے ائمہ سے سماع کیا ہے۔ آپ حفظ و ذہانت' دین و اخلاص اور علم وعمل کے اعتبار سے زمانے کے نامور لوگوں میں سے ایک تھے۔'' ۶۴ سال کی عمر پا کر ۲۶۴ ہجری کے آخری دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

✿ سعید بن منصور ؒ: آپ کا نام سعید بن منصور بن شعبہ مروزی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ طالقانی' پھر بلخی تھے۔ مکہ مکرمہ میں براجمان ہوئے۔ سنن کے مصنف ہیں۔ امام احمد بن حنبل ؒ نے آپ کی تعریف کی اور عظیم الشان قرار دیا ہے۔ حرب کرمانی فرماتے ہیں: ''سعید بن منصور نے اپنے حافظے سے ہمیں دس ہزار احادیث املا کرائیں۔'' نوے کی دہائی میں پہنچ کر ۲۲۷ ہجری میں رمضان کے مہینے میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔

✿ ابن السکن ؒ: آپ حافظ' امام اور قابل اعتماد عالم تھے۔ آپ کا نام ابوعلی سعید بن السکن (''سین'' اور ''کاف'' کے فتحہ کے ساتھ) بغدادی ہے۔ فن اور روایت حدیث کا اہتمام کیا' احادیث جمع کیں اور تصنیفات کی شکل دی۔ ۲۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۵۳ ہجری میں وفات پائی۔

✿ محمد بن ادریس شافعی ؒ: آپ ان چار ائمہ میں سے ایک ہیں جو اطراف عالم میں رہنما اور پیشوا قرار پائے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف قرشی مکی ہے۔ مصر میں رہائش اختیار کی۔ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور جمعہ کی رات ۲۰۴ ہجری آخر رجب میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ غزہ میں پیدا ہوئے' مکہ مکرمہ پہنچائے گئے اور مصر میں وفات پائی۔ آپ امت کے پیشوا' ساتھیوں میں منفرد اور مشرق ومغرب میں سب سے بڑے عالم تھے۔ علوم وفنون میں نمایاں مقام حاصل کیا اور اصول فقہ کے بانی اور موجد بنے۔ آپ کے جد امجد شافع صحابی تھے اور جوانی میں نبی ﷺ سے ملاقات کی۔

✿ ابوبکر بن ابی شیبہ ؒ: آپ حافظ اور بے مثال شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن حواسی عبسی (ان کے آزاد کردہ) کوفی ہے۔ آپ مسند' مصنف اور دیگر کتب کے مصنف تھے۔ علم حدیث میں چٹان کی مثل تھے۔ امام ابوزرعہ' امام بخاری' امام مسلم' امام ابوداود اور دیگر ائمہ حدیث ؒ نے آپ سے احادیث روایت کیں۔ ماہ محرم ۲۳۵ ہجری میں فوت ہوئے۔

✿ سلیمان بن احمد طبرانی ؒ: آپ قابل حجت اور دنیا کے لیے مستند امام تھے۔ آپ کا نام ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر لخمی طبرانی ہے۔ آپ نے ایک ہزار یا اس سے زیادہ مشائخ سے احادیث روایت کیں۔ طلب حدیث میں شام سے کوچ کیا اور ۳۳ سال سفر میں گزارے۔ آپ متعدد مفید کتب کے مصنف ہیں جن میں آپ کی درج ذیل تین معاجم' المعجم الکبیر' المعجم الأوسط اور المعجم الصغیر قابل ذکر ہیں۔ آپ ۲۶۰ ہجری میں شام کے علاقہ طبریہ میں پیدا ہوئے اور اصبہان میں مقیم ہوئے اور ۲۸ ذوالقعدہ ۳۶۰ ہجری میں اصبہان ہی میں وفات پائی۔

❁ احمد بن محمد طحاوی رحمہ اللہ : آپ امام وقت' علامہ اور حافظ تھے۔ آپ کا نام ابوجعفر احمد بن محمد سلامہ بن سلمہ ازدی' حجری' مصری' طحاوی' حنفی ہے۔ ''طحا'' مصر کی ایک بستی کا نام ہے۔ آپ شروع میں شافعی تھے اور اپنے ماموں مزنی سے پڑھا کرتے تھے' ایک دن مزنی نے انھیں یہ کہا کہ اللہ کی قسم آپ کی طرف سے تو کچھ بھی نہیں آیا۔ جس پر وہ ناراض ہو کر ابن ابی عمران حنفی کی طرف منتقل ہو کر حنفی بن گئے اور مذہب احناف کے اثبات کے لیے بڑے متشدد واقع ہوئے اور اپنے مذہب کے لیے اخبار و احادیث تیار اور جمع کرنے اور دوسروں کے ہاں ضعیف قرار پانے والی احادیث سے استدلال کرنے میں بڑا تکلف کیا۔ اور بقول امام بیہقی مختلف تاویلات کے ذریعے سے احادیث کو ضعیف قرار دینے کے درپے ہوئے۔ ان کی مشہور ترین تصانیف میں سے ایک معانی الآثار ہے۔ ۲۲۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ جب کہ ایک دوسرے قول کے مطابق ۲۳۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ اور اوائل ذی القعدہ ۳۲۱ ہجری میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

❁ ابن عبدالبر رحمہ اللہ : آپ امام' علامہ' شیخ الاسلام اور حافظ مغرب تھے۔ آپ کا نام ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم نمری قرطبی ہے۔ آپ حفظ واتقان میں اپنے زمانے میں موجود اہل علم کے سردار تھے۔ انساب اور اخبار میں بڑے ماہر تھے۔ ابن حزم فرماتے ہیں: ''فقہ الحدیث کے متعلق بحث وتکرار کرنے میں میں قطعاً ان کا کوئی مثیل نہیں جانتا' چہ جائے کہ کوئی ان سے اچھا اور بڑھ کر ہو۔'' آپ متعدد کتب کے مصنف ہیں جن میں الاستیعاب آپ کی مشہور ترین تصنیف ہے۔ ربیع الثانی ۳۶۸ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۹۵ سال عمر پا کر جمعے کی رات اواخر ربیع الثانی ۴۶۳ ہجری میں وفات پائی۔

❁ عبدالحق رحمہ اللہ : آپ حافظ' علامہ اور حجت ہیں اور آپ کا نام ابومحمد عبدالحق بن عبدالرحمن بن عبداللہ بن حسین بن سعید ازدی اشبیلی ہے۔ آپ بجایہ میں آباد ہوئے' اسی میں اپنے علم کی اشاعت کی' کتب تصنیف کیں اور شہرت پائی اور بجایہ ہی میں خطیب مقرر ہوئے۔ آپ فقیہ' حافظ حدیث اور علل کے عالم اور رجال کے جاننے والے تھے۔ آپ خیر وصلاح' زہد وورع اور لزوم سنت کے ساتھ آراستہ تھے اور حصول دنیا میں پیچھے اور ادب وشعر میں دلچسپی رکھنے میں آگے تھے۔ ۵۱۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ربیع الثانی ۵۸۱ ہجری میں بجایہ میں وفات پائی۔

❁ عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ : آپ امام اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع حمیری صنعانی ہے۔ آپ قبیلۂ حمیر کے آزاد کردہ تھے۔ اہل علم کا ماویٰ اور مرجع تھے۔ امام احمد' اسحاق' ابن معین اور ذہلی نے آپ سے روایات لیں۔ آخری عمر میں نابینا ہوئے اور حافظہ تبدیل ہو گیا۔ ۸۵ سال کی عمر پا کر شوال ۲۱۱ ہجری میں اس دنیا فانی سے کوچ کر گئے۔

❁ عبداللہ بن عدی رحمہ اللہ : آپ شہرۂ آفاق امام اور بہت بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی ہے۔ آپ ابن القصار کے نام سے بھی مشہور تھے۔ آپ کبار علماء اور ائمۂ جرح وتعدیل میں سے ایک تھے۔

۲۷۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور جمادی الثانیہ ۳۶۵ ہجری میں وفات پائی۔

❁ **محمد بن عمرو العقیلی** رحمہ اللہ: آپ امام اور حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عقیلی ہے۔ آپ عظیم المرتبت، عظیم الشان عالم اور کتاب الضعفاء الکبیر اور دیگر بہت سی کتب کے مصنف ہیں اور حافظے میں بڑے بلند تھے اور حرمین میں قیام کیا۔ اور ۳۲۲ ہجری میں وفات پائی۔

❁ **علی بن مدینی** رحمہ اللہ: آپ جرح وتعدیل کے امام، حافظ وقت اور اہل حدیث کے پیشوا تھے۔ آپ کا نام ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جعفر بن نجیح سعدی (بنوسعد کے آزاد کردہ) مدینی ہے۔ امام بخاری، امام ابوداود اور دیگر کثیر ائمہ حدیث نے آپ سے روایت کیا۔ ابن مہدی فرماتے ہیں: ''علی بن مدینی حدیث رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔'' امام بخاری فرماتے ہیں: ''علی بن مدینی کے سوا میں نے کسی کے پاس اپنے آپ کو حقیر اور کم تر نہیں سمجھا۔'' ۱۶۱ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۳۴ ہجری میں سامرا میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

❁ **ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق** رحمہ اللہ: آپ محدث اور حافظ تھے۔ آپ کا نام یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن زید نیساپوری اسفرائینی ہے۔ آپ ائمہ کبار میں سے ایک اور المسند الصحیح المخرج علی مسلم کے مصنف تھے۔ طلب حدیث کے لیے آپ نے زمین کے اطراف و اقطار کا سفر کیا۔ آپ نے بہت سے شیوخ و ائمہ سے احادیث روایت کیں جیسا کہ آپ سے بھی بہت سے علماء نے احادیث روایت کیں۔ آپ نے پانچ حج کیے۔ ۳۱۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ اسفرائین میں آپ کی قبر بہت مشہور ہے۔ لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

❁ **علی بن محمد ابن القطان** رحمہ اللہ: آپ کا نام ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالملک فاسی ہے، آپ بہت بڑے حافظ، امام، ناقد اور علامہ تھے۔ قرطبہ میں پیدائش ہوئی اور فاس میں قیام کیا۔ آپ روایت حدیث کے سب سے زیادہ اصحاب علم وبصیرت اور اسماء الرجال کے سب سے بڑے حفاظ میں سے ایک تھے۔ متعدد کتب کے مؤلف تھے۔ ۵۶۲ ہجری میں پیدا اور ربیع الاول ۶۲۸ ہجری میں فوت ہوئے۔

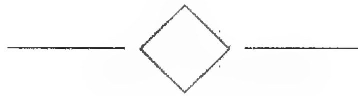
❁ **امام مالک** رحمہ اللہ: آپ امت کے چار پیشواؤں ورہنماؤں میں سے ایک، دارالہجرت مدینہ طیبہ کے امام، امت کے فقیہ اور اہل حدیث کے سردار تھے۔ آپ کا نام ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی ہے۔ اصبحی آپ کے نویں دادا ذو اصبح کی طرف نسبت ہے اور اصبح یمن کے سب سے بڑے فضل وشرف والے قبائل میں سے ایک قبیلہ ہے۔ آپ ۹۳ ہجری یا ۹۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۱۷۹ ہجری میں حدیث کا یہ روشن چراغ اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ آپ نے نو سو سے زائد مشائخ سے علم حدیث حاصل کیا جبکہ آپ سے لوگوں کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث بیان کی جو احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جاسکتی اور امام شافعی بھی آپ کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔

❁ **محمد بن اسحاق ابن مندہ**: آپ کا نام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ (''میم'' کے فتحہ ''نون'' کے سکون اور ''دال'' کے فتحہ کے ساتھ ہے۔) آپ بڑے ائمہ اور حفاظ حدیث میں سے ایک امام اور حافظ حدیث تھے۔

آپ کا شمار ان محدثین میں ہوتا ہے جو کثیر الحدیث ہونے میں مشہور ہیں۔ طلب حدیث کے لیے آپ نے بلادِ عالم کا سفر کیا اور جب آپ واپس لوٹے تو آپ کے پاس کتابوں کی چالیس گٹھڑیاں تھیں۔ آپ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد ایک ہزار سات سو تھی۔ ۳۱۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور آخر ذوالقعدہ ۳۹۵ ہجری میں ہمیشگی کے گھر آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔

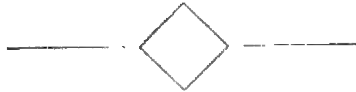
❀ **ابونعیم اصفہانی** رحمہ اللہ: آپ مشہور حافظ حدیث تھے۔ آپ کا نام احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اصفہانی رحمہ اللہ ہے۔ نعیم تصغیر کے ساتھ ہے۔ آپ بلند پایہ ائمۂ محدثین اور کبار حفاظ میں سے ایک تھے۔ آپ نے بڑے بڑے نامور فضلاء سے اور بڑے بڑے فضلاء نے آپ سے علم حاصل کیا۔ آپ متعدد کتب کے مصنف تھے جن میں سے المستخرج علی صحیح البخاری، المستخرج علی صحیح مسلم اور حلیة الأولیاء قابل ذکر ہیں۔ اور حلیة الأولیاء ان کی بہترین کتب میں سے ایک کتاب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہ کتاب نیساپور پہنچی تو اہل نیساپور نے اسے چار سو دینار میں خرید لیا۔ آپ رجب ۳۳۴ ہجری میں پیدا ہوئے اور صفر یا ایک قول کے مطابق بیس محرم ۴۳۰ ہجری میں اصفہان میں وفات پائی۔

❀ **ابویعلی احمد بن علی** رحمہ اللہ: آپ کا نام احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال تمیمی ہے۔ آپ جزیرۂ عرب کے محدث، حافظ اور المسند الکبیر کے مصنف ہیں۔ آپ مشہور ارباب صدق و امانت اور دین و حلم میں سے ایک تھے۔ سمعانی کہتے ہیں: ''میں نے حافظ اسماعیل بن محمد بن فضل کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے متعدد مسانید، مثلاً: مسند العدنی اور مسند ابن منیع وغیرہ پڑھیں، یہ سب نہروں کی مانند ہیں، جب کہ مسند ابی یعلی اس دریا کی مانند ہے جو مجمع الانہار ہو یعنی جہاں سب نہریں اکٹھی ہوتی ہوں۔ آپ شوال ۲۱۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۳۰۷ ہجری میں وفات پائی۔



احادیث کے راویوں کے مختصر حالات

(بہ اعتبار حروفِ تہجی)



فہرست

اطراف الحدیث

شعبۂ تحقیق وتصنیف دار السلام

أ

ذ

ر

ز

س

ض

ط

ظ

ل

م

ن

و

ي

"بلوغ المرام" ابو الفضل شہاب الدین
احمد ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی بے مثال
کتاب ہے۔ ضخامت میں مختصر ہے لیکن جامعیت
اور افادیت کے اعتبار سے بے نظیر ہے۔ مسائل و احکام کا
یہ نہایت اہم اور گرانقدر مجموعہ علماء اور طلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔ اپنی زبردست
اہمیت اور افادیت کی وجہ سے یہ کتاب دنیا بھر کے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب
ہے۔ اس نامور کتاب کا اردو میں نہایت خوبصورت ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں
ہے۔ کم وبیش ہر حدیث کے نیچے پہلے لغوی تشریح اور پھر حاصل کلام کے عنوان سے
شرح بھی لکھ دی گئی ہے تاکہ ہر حدیث کی وضاحت ہوجائے اور جو احکام اس
حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں ان کی تشریح و تفہیم آسان ہو جائے۔ زیر نظر جدید
ایڈیشن میں احادیث کے فوائد میں مزید اضافے، تخریج و تحقیق
اور راویوں کے مختصر حالات زندگی بھی درج کیے گئے ہیں۔
جس سے اس کتاب کی افادیت واہمیت میں
بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔




ISBN 969574206-8